برما میں بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک

(اسلام و بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کے تناظر میں)

مقالہ نگار

ابرار اللہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

مارچ، ۲۰۲۲ء

برما میں بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک

(اسلام و بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کے تناظر میں)

مقالہ نگار

ابرار اللہ

ایم فل، نمل اسلام آباد ۲۰۱۷ء

یہ مقالہ پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا ہے

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

© ابرار اللہ ۲۰۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچاہے،وہ مجموعی طور امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **برما میں بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک**

(اسلام وبدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کے تناظر میں)

Muslim-Buddhist Relations in Burma: Effects and Remedies (In the light of Islamic and Buddhist Teachings and Contemporary Laws)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی

نام مقالہ نگار: ابرار اللہ رجسٹریشن نمبر: 678-PhD/IS/S-17

ڈاکٹر ارم سلطانہ
(نگران مقالہ) ____________ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان
(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) ____________ دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈیئر سید نادر علی
(ڈائریکٹر جنرل، نمل) ____________ دستخط ڈائریکٹر جنرل، نمل

میجر جنرل (ر) محمد جعفر
(ریکٹر نمل) ____________ دستخط ریکٹر نمل

تاریخ ____________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں ابراراللہ ولد نور امین اللہ خان

رول نمبر: PD-S17-103 رجسٹریشن نمبر: 678-PhD/IS/S-17

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **برما میں بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک**

(اسلام وبدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کے تناظر میں)

Burma ma budh mulim ta'aluqaat: masaiel, asaraat aur un ka tadaruk (Islam wa budh mat ki taleemat aur usri qawaneen k tanazur ma).

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر ارم سلطانہ** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لئے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا قرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالے کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری ختم / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: ابراراللہ

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز (نمل) اسلام آباد

ABSTRACT

Muslim-Buddhist Relations in Burma: Effects and Remedies (In the light of Islamic and Buddhist Teachings and Contemporary Laws)

Buddhism is dominated by such other characteristics as sympathy, pity, and kindness. Furthermore, it forbids all kind of cruelty, violence, murder, brutality, and giving pain to any living creature. However, contrary to his teachings, the way his followers have targeted the Rohingya Muslims with violence and atrocities only shows how little they follow Gautam Buddh. After its vast preaching movements in such important Asian powers as China and Japan and bringing them in its fold, Buddhism declined. Islam reached Arakan, Burma in 7th century. Trader Muslim used to trade here. Being influenced by their good conduct and because of their preaching, the local population started to convert to Islam.

Gautam Buddh's followers, who preach love for humanity, have shamed humanity in Myanmar. International community, including Muslim states, is condoling the condition of Rohingya Muslims. Since last few decades, thousands of muslims in Myanmar have been killed; hundreds of muslim women have been violated and kids killed. Muslims have left their hearth and home to take refuge in Bangladesh.

After Burma’s independence, being politically empowered, Buddhists started to kill thousands of Muslims. Rohigya are deprived of basic human rights and are forced to live in temporary and refugee camps. The exercise of basic religious rites has been made extremely difficult for Rohingya Muslims, whether it is congregational prayer, Friday or Eid gathering, sacrifice or pilgrimage, or establishment of seminaries, all religious activities have been made hard. Only by adopting the Seerat-i-Nabi can there be peace and end of disorder in a society. All teachings of Buddhism help one overcome the difficulties of life. By understanding and acting upon those teachings, Burmese Government should give rights to the minorities. The forced displacement of Rohingya population seeks a political solution. Until a solution is found to this problem, the welfare contribution of various local and international organizations will remain important.

Keywords: Rohingya Muslims, Buddhists, Rohingya problems, Buddhism, Islamic teachings, contemporary Laws

فہرستِ عنوانات

صفحہ نمبر	عناوین	نمبر شمار
ii	مقالے کی منظوری کا فارم (Certificate of Approval)	1
iii	حلف نامہ (Declaration)	2
iv	ملخص مقالہ(Abstract)	3
v	فہرست عنوانات	4
vii	اظہار تشکر (A Word of Thanks)	5
1	مقدمہ	6
9	باب اول: برما میں بدھ مسلم تعلقات کا تاریخی ارتقاء	7
10	فصل اول: برما میں بدھ مت کی تاریخ وترویج	8
32	فصل دوم: برما میں اسلام کی آمد واشاعت	9
70	فصل سوم: برما کے وسائل	10
89	باب دوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات اور مسائل	11
90	فصل اول: برما میں روہنگیا مسلمانوں کی حالاتِ زندگی	12
115	فصل دوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کا جائزہ	13
141	فصل سوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے عصر حاضر میں اہم مسائل	14
164	باب سوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل اور اس کے اسباب واثرات	15
165	فصل اول: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مذہبی مصائب اور اس کے عوامل و اثرات	16
195	فصل دوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی مشکلات اور اس کے اسباب و نتائج	17
226	فصل سوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشرتی مسائل اور اس کے وجوہات و	18

	اثرات	
19	فصل چہارم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشی رکاوٹیں اور اس کے محرکات و عواقب	251
20	باب چہارم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل، اسلام، بدھ مت اور عصری قوانین کی روشنی میں	280
21	فصل اول: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	281
22	فصل دوم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں	309
23	فصل سوم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل عصری قوانین کے تناظر میں	363
24	فصل چہارم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل میں مسلم ممالک اور عالمی برادری کا کردار	389
25	فصل پنجم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل میں رفاہی تنظیموں کا کردار	432
26	خلاصہ بحث	464
27	نتائج	468
28	سفارشات	470
29	فہرست آیاتِ قرآنی	471
30	فہرست احادیث مبارکہ	472
31	فہرست اصطلاحات	473
32	فہرست بدھ مت مذہبی کتب	474
33	فہرست مصادر و مراجع	475

اظہار تشکر

تمام تعریفیں صرف اللہ تعالی کے لیے ہیں جو احد اور معبود بر حق ہے، جس نے اپنی بے پناہ رحمتوں سے دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا ہوں جس کی خصوصی رحمت سے آج اس مقام پر ہوں۔ تحقیق کے دوران بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اللہ تعالی کی خصوصی رحمت سے ان تمام مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی توفیق ملی اور اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

سب سے پہلے اپنے والدین کی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی پرورش و تربیت نے علوم اسلامیہ کی طرف راغب کیا اور میرے ذوق وشوق کو بڑھایا ہے۔ دوران تحقیق والد محترم نے ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی، ان کی دعاؤں اور تعاون سے یہ مقالہ مکمل ہوا۔ اپنی شریک حیات کا بھی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیقی کام میں ہر ممکن مدد کی۔

میں صدر شعبہ ڈاکٹر نور حیات صاحب، ڈین فیکلٹی آف سوشل سائینسز پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان اور تمام اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں۔ نگران مقالہ ڈاکٹر ارم سلطانہ صاحبہ کا بے حد شکر گزار ہوں جن کا تعاون تحقیقی کام میں مفید رہا۔ اور بالخصوص ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت سے مجھے نوازا اور آپ کی مدد پورے مقالے میں شامل حال رہی اور یہ مقالہ مقررہ وقت میں احسن طریقے سے مکمل ہوا۔

آخر میں شکر گزار ہوں لائبریری کے ان تمام معاونین کا جنہوں نے اس کام کے سلسلے میں تعاون کیا۔ اپنے بھائیوں، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے تحقیقی کام میں میری ہمت بڑھائی اور اس کام کو مکمل کرنے میں بھرپور مدد کی۔

ابرار اللہ

مقدمہ

مہاتمابدھ کو دُنیا میں امن کا بہت بڑا پیامبر اور عدم تشدد فلسفے کا داعی سمجھا جاتا ہے۔ مہاتمابدھ کی تعلیمات کا خلاصہ اگر دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ کچھ یوں ہو گا کہ جس نے کسی جانور کو بھی قتل کیا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے کسی انسان کو قتل کیا۔ اس اعتبار سے بدھ مذہب دنیا کا خوبصورت مذہب ہے جو ذات پات کیخلاف، خدمت انسانیت اور مُحبت کا داعی ہے۔ جو اپنی تعلیمات کی وجہ سے بہت کم عرصہ میں یہ قدیم بھارت سمیت دنیا کے بہت سے خِطوں میں پھیل گیا تھا۔ قدیم بھارت میں بدھ مذہب کے پیروکاروں پر بہت زیادہ پریشان کیا گیا۔ ان کا اس طرح سے اجتماعی قتل عام کیا گیا کہ بدھوں کی بستیوں کی بستیاں مٹ گئی تھیں۔ اس کے برعکس جب اسلام کا اس خِطے میں ظہور ہوا تو اس نے بدھا کے پیروکاروں سمیت تمام اقلیتوں کو تحفظ و مقام اور احترام دیا۔ اگرچہ آج دُنیا بھر میں مہاتما بدھ کے پیروکار قریباً ۳۵ کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں تو ان کی بقا میں اسلام اور مُسلمانوں کا بہت بڑا کردار ہے۔ واضح رہے کہ مہاتما بدھ کے پیروکار جاپان، جنوبی کوریا، لاؤس، منگولیا، سنگاپور، تائیوان، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، بھوٹان اور میانمار (برما) میں رہ رہے ہیں۔ یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ مہاتمابدھ امن اور محبت کے بہت بڑے علمبردار تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی جاپان اور جنوبی کوریا سمیت جتنے بھی ممالک میں بدھ مذہب کے پیروکار ہیں سب نہایت ہی امن و سکون سے رہ رہے ہیں۔ ان ممالک میں مُسلمانوں سمیت تمام مذاہب کے لوگوں کی جان و مال، عزت و آبرو بدھا کے پیروکاروں کے ہاتھوں مکمل محفوظ ہے، صرف میانمار ایسا خِطہ ہے کہ جہاں بدھا کے پیروکار مسلمانوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ میانمار جس کا پرانا نام برما تھا، ۱۹۳۷ء تک برصغیر کا ہی حصہ سمجھا جاتا تھا پھر برطانیہ نے ۱۹۳۷ء میں اسے برصغیر سے الگ کر کے ایک الگ کالونی کا درجہ دے دیا اور ۱۹۴۸ء تک یہ علاقہ برطانوی تسلط کے زیر اثر رہا۔ میانمار کی تقریباً ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ کی آبادی میں ۸۹ فیصد بدھ، ۴ فیصد مسلمان، ۴ فیصد عیسائی، ۱ فیصد ہندو اور ۲ فیصد دوسری قومیں آباد ہیں۔ یہاں پر اسلام کی آمد کے آثار ابتدائے اسلام سے ملتے ہیں جب اسلام کے ابتدائی سالوں میں عرب مسلمان تجارت کی غرض سے برما آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ سات صوبوں کے اس ملک میں مسلمانوں کی اکثریت صوبہ راکھائن (رخائن) میں ہے جنہیں "روہنگیا" کہا جاتا ہے۔ اس مقالے میں برما میں بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک (اسلام اور بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کے تناظر میں) میں پیش کیا جاتا ہے۔

موضوع تحقیق کا تعارف: (Introduction to the Research Topic)

گوتم بدھ اس قدر امن پسند طبع کے مالک تھے، کہ ان کو زور سے بولنا تک پسند نہ تھا۔ یہاں تک کہ ان کی درس و تدریس کی مجالس میں بھکشو کھانسی کو دبانے کی کوشش کرتے۔ ایک جگہ پر راجہ کے گناہوں کو معاف کروانے

کے لئے ایک بکرے کی بلی چڑھارہے تھے کہ گوتم بدھ آیا اور یوں درد انگیز الفاظ میں اپنے طویل خطاب میں گویا ہوا کہ جب تم کسی میں جان نہیں ڈال سکتے تو کسی کی جان لینے کا بھی ارادہ نہ کرو۔ جان ہر ایک کو بہت پیاری چیز ہے۔ تم دیوتاؤں سے یہ دعا کرتے ہو کہ وہ تم پر رحم کرے لیکن ذرا اتنا تو خیال کرو کہ تم جانداروں پر کتنا رحم کرتے ہو کہ اس کے بدلے میں دیوتا تم پر رحم کرے۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ دیوتاؤں کو تم سے کوئی نفع نہیں جس کے عوض وہ تم پر احسان کرے، جبکہ جانوروں سے تم ہزار طرح کے فائدہ اٹھاتے ہو۔ ان کے احسان کے عوض کیا تم ان سے یہ سلوک کروگے کہ ان کو مار ڈالو۔ اس کے علاوہ یہ کب ممکن ہے کہ ان کے خون کے ذریعے تم اپنے گناہوں کو پاک کر سکو۔ اور نہ خود دیوتا یہ چاہتے ہیں۔ کہ تم جانوروں کو مار کر ان پر خون چڑھا کر ان کی مہربانی اور خوشنودی حاصل کرو۔ جب تم گناہ کروگے تو اس کی سزا تم کو ضرور بھگتنی پڑے گی۔

چونکہ بدھ مت ایک عدم تشدد پسند مذہب ہے۔ جس میں ہر جاندار کو محترم قرار دیا گیا اور کسی کی جان لینے کو ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ونے پٹا کا میں درج ذیل عبارت شاہد ہے:

"جو بھکشو عمداً کسی جاندار شے کو اس کی زندگی سے محروم کرے وہ اس کے قانون میں ناقابل معافی جرم ہے۔"

مزید یہ کہ:

"بھکشو برسات کے تین مہینے گوشہ عزلت سے باہر نہ نکلے تاکہ زمین پر چلنے والے حشرات الارض نہ کچلے جائیں۔"

ایک اور جگہ درج ہے کہ میدان جنگ میں جا کر قسمت آزمائی تو دور، تماشائی کی حیثیت سے جنگ کا نظارہ کرنا بھی جرم کی فہرست میں شامل ہے۔

لیکن اس کے برعکس برما کی اکثریت بدھ مت مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ برما کی آبادی تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ ہے جن میں صرف ۴ فیصد مسلمان ہیں۔ اس کے صوبہ اراکان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ سب سے مظلوم قوم ہیں۔ اور اس بات کا اقرار اقوام متحدہ نے بھی کیا ہے۔ ان کے پاس کسی ملک کی شہریت نہیں، ایک طرف تو پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں تو دوسری طرف وہاں کی فوج کسی نہ کسی بہانے سے ان کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ: (Litrature review)

یہ مقالہ "برما (میانمار) بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک اسلامی تعلیمات اور بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کی روشنی میں حل پیش کرنا ہے۔ اس حوالے سے میری تحقیق کے مطابق کوئی کام نہیں ہوا۔ اور اس سے متعلق تحقیقی کام کا مختصر تجزیہ درجہ ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں امن و جنگ کے تعلیمات، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، نسیم الدین، علی گڑھ یونیورسٹی، ۲۰۱۲ء

یہ مقالہ ہندوستان میں علی گڑھ یونیورسٹی میں پیش کیا گیا تھا۔ اس مقالے میں اسلام اور ہندوستانی مذاہب میں امن و جنگ کے تعلیمات کو پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں اسلام اور ہندوستان میں رائج دیگر مذاہب کے بنیادی عقائد کو ذکر کیا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کے ساتھ ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں بدھ مت کی امن کی تعلیمات کا ذکر ہے کہ ان کی تعلیمات میں امن کو کیا درجہ حاصل ہے۔ لیکن بدھ مت کے پیروکار میانمار میں مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہیں۔

2۔ عالمی منشور ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کے تصور اور سماجی اثرات کا سیرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی روشنی میں ایک تقابلی جائزہ، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بُرہان الدین، عبد الولی خان یونیورسٹی مردان، ۲۰۱۸ء

اس مقالے میں مقالہ نگار نے عالمی منشور میں انسانی حقوق کے تصور اور سماجی اثرات کا سیرت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روشنی میں تقابلی جائزہ لیا ہے۔ اس مقالے میں انسانی حقوق کے تصور کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ عالمی منشور اور سیرت نبوی کے مندرجات اور مشترکات کو ذکر کیا ہے۔ پھر اس کے سماجی اثرات پر بحث کی ہے۔ میرے مقالے میں عصری قوانین اور سیرت نبوی شامل ہے اس مقالے میں بھی یہ بحث ہوئی ہے کہ اس کے سماجی اثرات کیا ہوتے ہیں۔

3۔ غیر مسلم معاشرے میں مسلمانوں کی دینی و اخلاقی ذمہ داری، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ندیم اشرف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۱۱ء

اس مقالے میں مقالہ نگار نے مسلم معاشرے کے اجزائے ترکیبی بیان کی ہیں۔ مقالہ نگار نے غیر مسلم معاشرے میں مسلمانوں کی آبادی اور ان کے مسائل پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان مسائل میں تمام انسانی حقوق پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آخر میں مسلمانوں کی غیر مسلم معاشرے میں ذمہ داریوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ برما (میانمار) میں روہنگیا مسلمان بھی اقلیت میں رہ رہے ہیں۔ اس حوالے سے یہ مقالہ غیر مسلم معاشرے میں مسلمانوں کی دینی و اخلاقی ذمہ داری میرے موضوع تحقیق سے متعلق ہے۔

4۔ پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق (قرآن و سنت کی روشنی میں)، عشرت حسین بصری، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۸ء

اس مقالے میں مقالہ نگار نے اقلیت کے تصور کا جائزہ پیش کیا ہے۔ پھر غیر مسلموں کے حقوق پر بحث کی ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں اقلیتوں کے حقوق بیان کیے ہیں۔ پھر پاکستان میں غیر مسلموں کے حقوق پر تفصیلی بحث

کی ہے۔ مقالے میں مختلف مسلم ادوار میں اقلیتوں کے حقوق کو بیان کیا ہے۔ میرے مقالے میں اقلیتوں کے حقوق کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان ہوا ہے۔

5۔ اراکان کے مسلمانوں کی عصری حالت: بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ، مقالہ برائے ایم فل، رخشندہ بی بی، جی سی ویمن یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۱۸ء

اس مقالے میں رخشندہ بی بی نے اراکان کے مسلمانوں کی عصری حالت: بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں روہنگیا مسلمانوں کے عصر حاضر کے مسائل کو زیرِ بحث لایا ہے۔ اور ان کے مسائل کے حل کے لئے بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

6. Sucharita Sengupta "Being Stateless and Surviving: The Rohingyas in Camps of Bangladesh",_Anthropology and Sociology; Students; PhD in Anthropology and Sociology, Graduate Institute Geneva, 2019.

اس مقالے میں سچریتا سینگپتا نے روہنگیا مسلمانوں کی کیمپوں میں مسائل و مشکلات و بیان کیا ہے۔ ان کیمپوں میں وہ کسی بھی ملک کے باقاعدہ شہری نہیں ہے۔ اور وہ بیرونی امداد میں اپنی زندگی کیسے بسر کر رہے ہیں۔ اس مقالے میں مقالہ نگار نے روہنگیا مسلمانوں کی میڈیکل سے متعلق حالات کو بیان کیا ہے۔

7. S. W. Cocks, A short history of Burma, Macmillan and co, limited, St. Martian's street, London 1919.

اس کتاب میں ایس ڈبلیو کروک نے برما کی تاریخ پر تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ جس میں تھاٹن، پیگو، شان اور ایوا سے لے کر الونگ پایہ ۱۷۸۴ء تک تمام بادشاہوں اور حکومتوں کے احوال ذکر کئے ہیں۔ اور آخر میں برما کے صوبے اراکان کے علاقے اور روہنگیا مسلمانوں کی کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ اس کتاب میں روہنگیا مسلمانوں کی تاریخ کو بھی بیان کیا ہے۔

تحقیقی خلا: (Research Gap)

ان مقالات میں روہنگیا مسلمانوں کو جو مختلف طریقوں سے پریشان کیا ہے ان کی تفصیل اوران کے مسائل، اسباب اوران کے حل کے بارے میں تفصیلاً ذکر موجود نہیں ہے۔ بلکہ چند پہلوؤں کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ اور پی ایچ ڈی لیول پر اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ اس لئے مقالہ نگار روہنگیا مسلمانوں کے مسائل، اسباب اور حل پر کام کرنا چاہتا ہے۔ جو وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اور میرا یہ مقالہ ان سے اس لئے مختلف ہے کہ ان میں روہنگیا مسلمانوں کے تمام مسائل (مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی) کو زیر بحث نہیں لایا گیا ہے اور میں ان مسائل کو ذکر کرکے ان کے اسباب و اثرات اور حل کے لئے اسلامی تعلیمات اور بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کی روشنی میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جوازِ تحقیق:(Rational of The Study)

برما کا ایک صوبہ اراکان وہ سرزمین ہے جہاں اسلام کے ابتدائی سالوں میں مُسلم تاجروں کے ذریعہ اسلام پہنچا، اس ملک میں مسلمان بغرض تجارت آئے تھے اور اسلام کی تبلیغ شروع کی تھی، اسلام کی فطری تعلیمات سے متاثر ہو کر وہاں کی کثیر آبادی نے اسلام قبول کر لیا اور ایسی قوت کے مالک بن بیٹھے کہ ۱۴۳۰ء میں سلیمان شاہ کے ہاتھوں اسلامی حکومت کی تشکیل عمل میں آئی اس کے بعد اس ملک پر مسلمانوں نے ساڑھے تین سو سال تک حکومت کی۔ اراکان کے پڑوس میں برما ہے جہاں بدھسٹوں کی حکومت تھی، مسلم حکمرانی بدھسٹوں کو ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے ۱۷۸۴ء میں اراکان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ ۱۸۲۴ء میں برما برطانوی استعمار کے زیر تسلط آگیا۔ چالیس کی دہائی میں ایک طرف بھارت قائم ہوا تو دوسری طرف برما نے انگریز استعمار سے آزادی حاصل کی، آزادی کے بعد سے دونوں ملک ون پوائنٹ ایجنڈے یعنی مسلمانوں کو بے دخل کرنے اور ان کی شناخت کو مٹانے پر کام کر رہے ہیں۔ برما کے بدھوں نے سات لاکھ مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا، کتنے ہی مسلمان مشرقی پاکستان ہجرت کر گئے۔ مسجدوں کی بے حُرمتی کی، مساجد و مدارس کی تعمیر پر قدغن لگادی گئی، مُسلم بچے سرکاری تعلیم سے محروم کر دیئے گئے، ان پر ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے، ۱۹۸۲ء میں اراکان کے مسلمانوں کو حق شہریت سے بھی محروم کر دیا گیا۔ ان حالات کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل، اسباب اور ان کے تدارک پر تحقیقی کام کیا جائے۔ اور اصل حقائق دنیا کے سامنے لائیں جائیں اور حل کے لئے اسلام اور بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین سے مدد لی جائے۔

بیانِ مسئلہ:(Statement of the Problem)

مسلمانوں نے اُندلس، ہندوستان اور دیگر ممالک میں اقلیت ہونے کے باوجود اکثریتی معاشرے میں اپنا تہذیبی و علمی حصہ ڈالا۔ بیسویں صدی عیسوی تک یورپین ممالک میں یہودی اور مسلم اقلیتوں کے ساتھ ناروا سلوک رکھا جاتا تھا چنانچہ یونائیٹڈ نیشنز کے تحت بین الاقوامی قوانین بنے اور بین الاقوامی معاہدے ہوئے جن کے تحت اقلیتوں کو برابر کا شہری تسلیم کرتے ہوئے واضح حقوق دیے گئے جس کے بعد تقریباً تمام دنیا میں تمام اقلیتوں کے ساتھ قانون کی سطح پر بہتر سلوک ہونے لگا۔ لیکن اس وقت روہنگیا دنیا کی ان اقوام میں شامل ہے جن کا وجود دنیا سے مٹ جانے کا خطرہ ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق روہنگیا دنیا میں بے ریاست لوگوں کا سب سے بڑا گروہ ہے۔ اس مقالے میں برما میں بدھ مسلم تعلقات اور روہنگیا مسلمانوں کے مسائل و اثرات اور ان کے تدارک کے لئے اسلام اور بدھ کی تعلیمات اور عصری قوانین کی روشنی میں حل پیش کیا جائے گا۔

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت:(Significance of the Research Topic)

بدھ مت ایک امن پسند مذہب ہے جو برما کی اکثریت بدھ مت کے ماننے والے ہیں۔ جہاں مسلمان کل آبادی کے ۴ فیصد ہیں۔ برما میں تاریخ کا انسانیت سوز واقعہ تب پیش آیا جب ۱۷۸۲ء میں برمی بادشاہ "بوداپایہ" نے علماء کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا، جنہوں نے انکار کیا تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں انگریزوں سے لڑی جانے والی جنگ میں گولیوں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کیا گیا۔ اور ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء میں مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور مساجد کو نقصان پہنچایا گیا۔ برمی مسلمانوں کو تو شروع دن سے ہی کئی پریشانیوں کا سامنا رہا، اور ۱۹۶۲ء کے بعد جب فوج نے اقتدار سنبھالا تو ان کی پریشانیاں مزید بڑھ گئیں۔ اور کئی قسم کی پابندیاں ان پر لگ گئیں۔ انہیں پختہ مکان بنانے کی اجازت نہیں، یہ موبائل فون اور دیگر مواصلاتی ذرائع استعمال نہیں کر سکتے۔ جانور ذبح کرنے پر پابندی ہے۔ ۲۰۱۳ء میں برمی مسلمانوں پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ وہ دو سے زیادہ بچہ پیدا نہیں کر سکتے۔ ۳ جون ۲۰۱۷ء کو رنگون میں ۱۰ مسلمانوں کو بس سے اتار کر شہید کر دیا گیا۔ ۳ جون سے اب تک ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، اور سینکڑوں بستیاں تباہ کر دیں۔

پریشانیوں کی چکی میں پستے ان مسلمانوں کے دکھوں کا مداوا کرنے والا کوئی نہیں۔ کچھ سخت دل لوگوں نے برمی مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے کی غرض سے ان کی جمع پونجی ہتھیا کر انہیں کھلے سمندر میں چھوڑ دیا جہاں یہ سمندری جانوروں کی خوراک بن گئے۔ جب پریشانیاں بہت بڑھ گئی اور وہاں رہنا محال ہوا تو شریعت کے مطابق انہوں نے ہجرت کرنے کا سوچا۔ انہیں اسلامی ملک بنگلادیش سب سے نزدیک دکھائی دیا تو وہاں کا رخ کیا، جب وہاں پہنچے تو ان کا استقبال کچھ اچھے طریقے سے نہیں ہوا۔ بھارت نواز حکمرانوں نے انہیں وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ یہ مسلمان اپنی کشتیاں لے کر سمندر میں اتر گئے، کہ شائد کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں باقی زندگی کے دن سکھ سے گزاریں۔ سعودیہ عرب نے ۴ لاکھ اور پاکستان نے ۲ لاکھ روہنگیائی مسلمانوں کو پناہ دی۔ لیکن جو مسلمان ابھی بھی برما میں پریشان حال ہیں وہ ان دو مخلص دوستوں کو امید کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کاش ان میں سے کوئی محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی اور سلطان ٹیپو جیسے بہادر مجاہد پیدا ہوں، جو ہماری زندگی سکون وراحت سے بھر دیں۔

بدھ مت کے حوالے سے اخلاق، تعلیمات، بنیادی عقائد وغیرہ سے تحقیقی کام ہوا ہے۔ لیکن برما میں بدھ مسلم تعلقات: مسائل، اثرات اور ان کا تدارک سے متعلقہ کام کی اشد ضرورت ہے۔ برما کے روہنگیا مسلمان جو پریشانی کے عالم رہ رہے ہیں ان کی پریشانیوں کو اقوام عالم کے سامنے رکھنے اور روہنگیا مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات، بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کے تناظر میں پیش کرنا اشد ضروری ہے۔ جس پر مقالہ نگار اپنی پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھنا چاہتا ہے۔

مقاصدِ تحقیق:(Objectives of The Study)

1. برما میں روہنگیا اور بدھ مت کے پیروکاروں کے تعلقات کا جائزہ لینا۔
2. بدھ مسلم تعلقات کے مسائل کا تجزیہ کرنا۔
3. بدھ مسلم تعلقات کی کشیدگی کے اسباب و وجوہات کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔
4. بدھ مسلم تعلقات میں کشیدگی کے اثرات بیان کرنا۔
5. روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے تدارک کے لئے مذہبی تعلیمات (اسلام اور بدھ مت) اور عصری قوانین سے حل پیش کرنا۔
6. روہنگیا مسلمانوں کے مسائل میں عالمی برادری اور مسلم ممالک کے کردار کو واضح کرنا۔

سوالاتِ تحقیق:(Research Question)

زیر تحقیق موضوع کا بنیادی مسئلہ درج ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے۔

1. برما (میانمار) میں بدھ مسلم تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟
2. برما میں بدھ مسلم تعلقات کشیدہ کیوں ہوئے؟
3. برما میں بدھ مسلم کے کشیدہ تعلقات کے بنیادی مسائل کون کون سے ہیں؟
4. برما میں بدھ مسلم کے کشیدہ تعلقات کے کیا اسباب و اثرات ہیں؟
5. برما میں بدھ مسلم تعلقات کی بہتری کیسے ممکن ہے؟

موضوع کی تحدید اور دائرہ کار:(Delimitation of the research topic)

اس تحقیق میں برما میں بدھ مسلم تعلقات کا بیسویں و اکیسویں صدی کے باہمی مسائل، اسباب و اثرات اور ان کا تدارک اسلامی تعلیمات اور بدھ مت کی تعلیمات اور عصری قوانین کی روشنی میں مناسب حل پیش کرنا ہے۔

منہجِ تحقیق:(Research Methodology)

1. منہج تحقیق تجزیاتی ہے۔ اور ضرورت کے وقت تاریخی اور تقابلی بھی اختیار کیا گیا ہے۔
2. مقالے کی تدوین اور حوالہ جات میں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کا منظور شدہ فارمیٹ (Format) آخر تک استعمال ہوا ہے۔

3. تحقیق میں پوری کوشش کے ساتھ مصادر اصلیہ اور آخذ سے استفادہ کیا گیا۔ جس میں کتب، مقالہ جات اور دوائر شامل ہیں۔ مثلاً، 1947 constitution of Myanmar، میانمار آئین 2008، برمی قانون شہریت 1982ء، اقوام متحدہ کا عالمی منشور 1948ء،

4. جس جگہ ضروری ہوا وہاں تشریح و توضیح کے لئے ثانوی آخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

5. منہج تحقیق میں سروے رپورٹس اور انٹرویوز بھی شامل ہیں۔

6. جدید تحقیق کے ذرائع (ویب سائٹس، اخبارات، الیکٹرانک میڈیا) سے حسب ضرورت استفادہ کیا گیا۔ مثلاً،

Websites:

https://www.rohingya.org ,https://www.ispmyanmar.com ,
https://myanmarcrimes.com , https://nanda.online-dhamma.net,
https://en.wikipedia.org

Newspaper:

Independent London, United Kingdom.
The New York Times, New York, U.S
The Daily Jang, Karachi, Pakistan.
kashmir uzma, Srinagar, Jammu and Kashmir

TV channel:

Channel four news London, United Kingdom.

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب: (Chapterization of Research Theme)

مقالہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے باب میں برما میں بدھ مسلم تعلقات کا تاریخی ارتقاء کو ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں برما میں بدھ مت کی تاریخ وترویج اور برما میں اسلام کی آمد واشاعت کے ساتھ برمی وسائل کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں برما میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات اور مسائل کا ذکر ہے۔ جس میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات اور حقوق کے ساتھ عصر حاضر میں اہم مسائل کو ذکر کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل اور اس کے اسباب واثرات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جس میں مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل اور اس کے اسباب واثرات کو ذکر کیا گیا ہے۔ باب چہارم میں مسلمانوں کے مسائل کا حل اسلام، بدھ مت اور عصری قوانین کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ جس میں اسلامی تعلیمات، بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات اور عصری قوانین میں برمی قوانین اور بین الاقوامی قوانین ذکر کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ روہنگیا کے مسائل میں مسلم ممالک، عالمی برادری اور رفاہی تنظیموں کے کردار کو ذکر کیا گیا ہے۔

باب اول: برما میں بدھ مسلم تعلقات کا تاریخی ارتقاء

فصل اول: برما میں بدھ مت کی تاریخ و ترویج

فصل دوم: برما میں اسلام کی آمد و اشاعت

فصل سوم: برما کے وسائل

فصل اول

برما میں بدھ مت کی تاریخ و ترویج:

برما کا سرکاری نام ریپبلک آف دی یونین آف میانمار ہے۔ مشرقی ایشیا کا ملک جس کی سرحدات تھائی لینڈ، لاؤس، چائنہ، انڈیا اور بنگلہ دیش سے ملتی ہیں۔ جو کہ انڈمان اور خلیج بنگال کے درمیان واقع ہے۔ برما کی آبادی سرکاری حساب سے آٹھ بڑی نسلی گروہوں پر مشتمل ہے۔ جس میں ۶۸ فیصد برمن، ۹ فیصد شان، ۷ فیصد کاچھین، ۴ فیصد راکھائن، ۳فیصد چینی، ۲ فیصد انڈین، ۲ فیصد مون اور ۵ فیصد دوسرے گروہ شامل ہیں۔

> Shan 9 per cent, Karen 7 per cent, Rakhine 4 per cent, Chinese 3 per cent, Indian 2 per cent, Mon 2 per cent, others 5 per cent.[1]

ترجمہ: ۹ فیصد شان، ۷ فیصد کاچھین، ۴ فیصد راکھائن، ۳ فیصد چینی، ۲ فیصد انڈین، ۲ فیصد مون اور ۵ فیصد دوسرے گروہ۔

> The current population of Myanmar is **55,191,367** based on projections of the latest United Nations data. [2]

ترجمہ: اقوام متحدہ کے تازہ ترین اعداد و شمار کے تخمینوں کی بنیاد پر میانمار کی موجودہ آبادی ۵۵،۱۹۱،۳۶۷ ہے۔

اس میں سب سے زیادہ تھیرویدا بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ اور ۴ فیصد عیسائی اور ۴ فیصد مسلمان ایک فیصد ایمنسٹ اور دو فیصد دوسرے مذاہب شامل ہیں۔ برما ایشیا کے پڑوسی ملکوں کے درمیان قدرتی سرحد فراہم کرنے والے کوہستانی سلسلے میں واقع ہے۔ اس کے تقریباً ۲۰۰۰ کلومیٹر وسیع ساحلی علاقے کے جنوب مغرب میں خلیج بنگال اور بحیرۂ انڈمان کا پانی بہتا ہے۔ مغرب میں بنگلہ دیش اور انڈیا؛ شمال میں چین اور مشرق میں لاؤس اور تھائی لینڈ ہے۔

۴ جنوری ۱۹۴۸ء میں برما برطانیہ سے آزاد ہوا، اور اس کے سات صوبے اور سات ڈویژن ہیں۔ شان، کایا، کاچھین، ارکان، کرین، مون، چھین صوبے ہیں ڈویژن یہ ہیں: مانڈلے، مگوے، پیگو، ایراودی، رنگون، تناسرم، اور سگائن۔ تاریخی اعتبار سے سرزمین برما پہلے کئی ممالک پر مشتمل تھا۔ تبتی برمی کوہِ ہمالیہ کے مشرق سے اور تھائی نسل کے لوگ جنوب مغربی چین سے یہاں آئے تھے۔ میانمار کی ناہموار جگہوں نے ان قبائل کو ایک دوسرے سے الگ رکھا، جس کی وجہ سے یہاں بے شمار قبائل اور مختلف زبانیں بولنے والے گروہ آباد ہو گئے۔ اُنیسویں صدی کے شروع میں انڈیا میں نو آباد برطانوی لوگوں نے یہاں آنا شروع کر دیا تھا۔ وہ سب سے پہلے جنوبی علاقے میں آباد ہوئے اور بالآخر وہ پورے ملک پر چھا گئے۔ برما کے نام سے مشہور ۱۸۸۶ء تک میانمار برٹش انڈیا کا حصہ بن گیا تھا۔

---

[1]"Myanmar: World Directory of Minorities and Indigenous Peoples." https://minorityrights.org/country/myanmarburma/ (Accessed April 27, 2021)
[2]https://worldpopulationreview.com/countries/myanmar-population(Accessed May 31, 2022)

دوسری جنگِ عظیم کے دوران یہ ملک شدید لڑائی کا مرکز بن گیا۔ اور کچھ ماہ بعد ۱۹۴۲ء میں جاپانی فوج نے انگریزوں کو اس علاقے سے باہر نکال دیا۔ آخر کار برطانیہ نے ۱۹۴۵ء میں ایک بار پھر کامیاب حملہ کرکے جاپان سے یہ ملک چھین لیا۔ تاہم برطانوی دورِ حکومت زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا کیونکہ برمیوں نے ۴ جنوری ۱۹۴۸ء میں برطانیہ سے خود مختاری حاصل کرلی۔ ۲۲ جون ۱۹۸۹ء میں اقوامِ متحدہ نے اس ملک کو نئے نام میانمار سے قبول کرلیا۔

برما کی تاریخ:

برما جنوب مشرقی ایشیا میں جزیرہ نمائے ہند چینی میں واقع ہے۔ دارالحکومت رنگون تھا۔ پورے ملک کو ایراودی کی وادی سمجھا جاتا تھا۔ آبادی نہایت گنجان ہے۔ وادی مشرقی ہمالیہ سے نکلے ہوئے پہاڑوں کے سلسلوں سے گھری ہوئی ہے۔ دریا کا ڈیلٹا چاول کی پیداوار کے وسیع علاقے پر مشتمل ہے۔ کثیر معدنی وسائل میں تیل، ٹنگسٹن، ٹین، چاندی، سیسہ اور جیڈ (سبز نیلا یا سفید پتھر) شامل ہیں۔[1]

برما جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ڈھائی لاکھ مربع میل ہے۔ ۲۰۰۵ء سے اس کا دارالحکومت "نیپیداؤ" (Naypyidaw) ہے۔ کسی زمانے میں برما چاول برآمد کرنے والا بڑا ملک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بدانتظامی اور کرپشن سے تجارت بری طرح متاثر ہوئی جس کے نتیجے میں اس وقت اس کا شمار دنیا کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں اس کا سرکاری نام تبدیل کر دیا اور اب یہ ملک میانمار کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس ملک کی آبادی تقریباً ۵ کروڑ ہے۔ جن میں اکثریت گوتم بدھ کے ماننے والے بدھسٹ ہیں۔ برما کی پوری آبادی ۷ مختلف صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں سونے کے پگوڈے پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اسے "سونے کا ملک" بھی کہا جاتا ہے۔

"برما کی سرکاری زبان برمی ہے۔ مگر اس ملک میں چینی، اردو اور فارسی کے علاوہ ہندکو بولنے والوں کی بھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ جو ضلع ہزارہ اور کوہسار مری و کہوٹہ سے بسلسلہ فوجی ملازمت برما گئے۔ اور دوسری جنگ عظیم کے بعد ریٹائرڈ ہو کر وہیں بس گئے۔ ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد برما کی ریاست شان میں آباد ہے۔"[2]

برما کی کرنسی ۱۹۵۲ء میں متعارف ہوئی جس کو کیات "Kyat" کہا جاتا ہے۔ برما کا سب سے بڑا شہر رنگون ہے، جسے اب ینگون کہا جاتا ہے۔ یہ شہر دریائے ایراوتی Yangon river کے دہانے پر آباد ہے۔ اور برما کی اہم بندرگاہ ہے۔ یہ برما کا سب سے بڑا شہر اور اہم تجارتی و ثقافتی مرکز بھی ہے۔ یہاں چاول چھڑنے، لکڑی چیرنے، تیل صاف کرنے اور جہاز سازی کے کارخانے پائے جاتے ہیں۔

---

[1] رحمان، چیئرمین جسٹس ایس اے، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز انارکلی، ۱۹۸۷ء)، ۱/ ۲۳۶

[2] جاوید، انعام الحق، بیرونی ممالک میں اردو، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، سن اشاعت ندارد)، ۹۳

> Only a few of the names by which the indigenous tribes were called in The remote past are now known; but the Indian settlers gave to them, and adopted themselves, the name of Brahma, which is that used in Buddhist sacred, books for the first inhabitants of the world. This term, when used to designate the existing people, and generally pronounced Baml Hence have been derived the words used by Europeans for this people.[1]

ترجمہ: صرف چند ناموں میں سے جس میں مقامی باشندوں کو بلایا گیا، دور دراز ماضی میں اب بھی جانا جاتا ہے، لیکن بھارتی باشندوں نے انہیں دیا، اور خود کو برہما کا نام دیا، جو کہ بدھ مت کے لوگوں کے لئے یہ پہلی کتابی اصطلاح استعمال ہوئی۔ جب موجودہ لوگوں کو نامزد کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور عام طور پر بامل لکھا ہے لہذا اس طرح یورپ کے لوگوں نے ان لوگوں کے لئے استعمال کیا۔

برمی لوگوں نے کئی سال پہلے منگول قبائیلوں کے اتحاد کے ذریعہ برما کو ایک قوم میں تشکیل دیا تھا، پھر اس نے اس ملک پر قبضہ کیا جہاں اب بھی ان کی نسل کا موجود ہے۔ آریائی تارکین وطن کے اثرات کے تحت آہستہ آہستہ قبیلوں کا اتحاد ممکن ہوا۔ دو ہزار سال قبل بدھ مت کو اس کے سب سے آسان شکل میں متعارف کرایا۔ اور لوگ ان کی پہلی تعلیمات کے ساتھ ان سے منسلک ہوئے۔ تاریخی اعتبار سے برما مختلف بیرونی حملہ آوروں کی زد میں رہا ہے۔

> The first mention in Burmese history of a capital city is that of Tagoung, situated on the, banks of irawadi some sixty miles below Bhamo, and founded by Abhi Raja about 500 B.C.[2]

ترجمہ: برما کی تاریخ میں پہلا شہر جو دارالحکومت بنا، وہ تاگونگ ہے۔ جو ارادوای کے ساحل پر واقع ہے۔ اور تقریباً ۶۰ میل کے فاصلے پر بھامو سے واقع ہے۔ جو ابی راجہ کی طرف سے ۵۰۰ ق م میں قائم ہوا ہے۔

خاص برمی جو میانمار قبیلہ کے نام سے مشہور ہے جو مانڈلے اور اس کے اطراف میں رہتے ہیں وہ نویں صدی عیسوی میں تبت (چین) سے یہاں پہنچے۔

> Pagan Dynasty (The First Burmese Kingdom) Anawratha (1044-1077) conquest the north Arakan. He marched over the pass from Ngape in Minbu district to an in kyuakpyn and subjected to prince, whose capital was pyinsa and akyab district.[3]

ترجمہ: پیگن بادشاہت میں پہلا برمی بادشاہ انوراتھا(۱۰۴۴ - ۱۰۷۷) نے شمالی اراکان پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے نگپ جو کہ منبو ضلع میں تھا کو شہزادی کو سونپ دیا۔ جس کی دارالحکومت پنسیا اور ضلع اکیاب تھے۔

---

[1]Sir Arthur P. Phayre, *History of Burma*, (London: Teubner & co, Ludgate hill, 1883), 2.
[2]Lient. Gen Albert Fytehe, *Burma, fast and present* , (London: C.Keganpoul&co paternoster square, 1878), vol:1, 30.
[3]G.E Harvey, *History of Burma*, (London: Longmans, green an co. 39 paternoster row, 1925), 29.

انوراتھا نے بدھ مت کو رواج دیا جو آج بھی برما کا اہم مذہب ہے۔گیارہویں صدی میں ان کو انوراتھا نے متحد کیا جنہوں نے پیگن کو دارالحکومت بنایا۔اور بدھ مذہب کی ترویج کی۔۱۲۷۷ء سے ۱۳۰۱ء تک برما میں منگولیا سے آنے والے تاتاریوں کی حکومت رہی۔ تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ تاتاریوں نے جب برما پر حملہ کیا تو اس وقت کے بادشاہ نے مزاحمت نہیں کی بلکہ تاتاری فوج کا استقبال کیا۔۱۲۸۷ء میں جب قبلائی خان نے برما پر حملہ کر دیا تو یہ ملک کئی حصوں میں منقسم ہو گیا، جن پر شان قبیلہ کے افراد حکومت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی میں تونگو خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔

"آثار قدیمہ کی دریافتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں اس پورے علاقے میں بدھ مت کو بہت تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔ اس علاقے میں بدھ مت کی تاریخ میں دوسرا اہم دور دسویں صدی عیسوی کے بعد شروع ہوتا ہے۔جب برما کا راجہ انوراتھا نے بدھ مت کو سرکاری مذہب بنالیا۔اور اس کی نشرواشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔اس کے تقریباً سو سال بعد برما نے سری لنکا سے متعدد بھکشو بلا کر کے سنہالی مکتبہ فکر کو باقاعدہ طور پر قبول کر لیا۔"[1]

اٹھارویں صدی میں الونگ پایہ نے مون قبیلہ کی شورش کو کچل دیا۔ جس کے بعد الونگ پایہ نے ہندوستان پر لشکر کشی کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ ۱۷۸۴ء میں میں برمی راجہ بوداپایہ نے اراکان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

> King Alaungpaya (1752-1760) conquered Syriam in 1756; there were many Muslims among his prisoners. They were forced to serve in his army under the command of Europeans, also prisoners. Four years later he attacked Ayudhya but was repelled by European and Muslim artillery ships of the Siamese army that were sailing the rivers around the city. Alaungpaya, too, forbade Muslims to kill cattle.[2]

ترجمہ: بادشاہ الونگ پایہ (۱۷۵۲ء-۱۷۶۰ء) نے سریم ۱۷۵۶ء میں فتح کی۔ اس کے قیدیوں میں بہت سے مسلمانوں تھے۔ان قیدیوں کو بھی یورپیوں کے حکم کے تحت اپنی فوج میں خدمت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ چار سال بعد انہوں نے ایودھیہ پر حملہ کیا لیکن سیامی فوج کے یورپی اور مسلم ہتھیاروں کی بحری جہازوں نے شہر کے ارد گرد دریاؤں کو سیل کر دیا تھا۔الونگ پایہ مسلمانوں کی مویشیوں کو مارنے سے منع کرتے تھے۔

جس ملک کو آج کل برما کہا جا رہا ہے۔اس کی بنیاد وہاں کے بادشاہ الونگ پایہ کی فتوحات سے بھری پڑی تھی۔ اس کے جانشین چین کے حملوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس کے بعد برما کے بادشاہوں نے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کا رخ کر لیا۔ چنانچہ ۱۷۸۴ء میں انہوں نے اراکان فتح کیا۔ پھر ۱۷۹۳ء میں تناسرم کا ساحل لے لیا۔ پھر منی

---

[1] فاروقی، عماد الحسن آزاد، دنیا کے بڑے مذاہب، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، جون ۲۰۱۳ء)، ۱۷۸

[2] G.E Harvey, *History of Burma*, 241.

پور، آسام اور کچھار پر حملے شروع کر دیئے۔ اسی وجہ سے برما اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان پہلی جنگ (۱۸۲۴ء-۱۸۲۶ء) ہوئی۔ اس جنگ میں رنگون کے علاوہ کچھ علاقے انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔ ایک معاہدے کے مطابق ۱۸۲۶ء میں انگریزوں نے آسام واراکان اور تناسرم کا ساحل لے کر باقی علاقے چھوڑ دیے۔

ان تصرفات کا یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ برمی حکومت اپنے چھینے ہوئے علاقے لینے کی کوشش کرتی۔ اس پر ۱۸۵۲ء میں دوسری جنگ شروع ہوئی جو ۱۸۵۳ء تک جاری رہی۔ انگریز فوج نے رنگون اور پیگو پر قبضہ کر لیا۔ پہلے بادشاہ کو تخت سے اتار کر دوسرے بادشاہ کو تخت پر بٹھادیا، جس کا نام مندن من تھا۔ اسے برما کا بہترین بادشاہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے مانڈلے شہر کی بنیاد رکھی، جو برما کا دار الحکومت بنا۔ انگریزوں سے تعلقات خوشگوار رہے۔ ۱۸۶۲ء میں برما اور حکومت برطانیہ کے درمیان تجارتی معاہدہ بھی ہو گیا۔ جس کے مطابق انگریزوں کو پورے ملک میں تجارت کا حق مل گیا۔

برما کی آزادی کا خاتمہ:

۱۸۸۷ء مندن من کی وفات پر تھیبا بادشاہ بنا۔ اس نے مسند نشین ہوتے ہی برطانوی تجارت میں مداخلت شروع کر دی اور فرانسیسیوں سے تعلقات بڑھانے کے لئے گفت وشنید کی۔ مندن من چاہتا تھا کہ فرانسیسیوں کی امداد سے ایک شاہی بینک قائم کرے، نیز مانڈلے سے ہندوستان کی سرحد تک ریلوے لائن بنوالے۔ انگریز برما میں فرانسیسیوں کا اقتدار برداشت نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے ۲۲ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں تھیبا کو دھمکی دے دی، جس میں کہا کہ تجارت میں مداخلت ختم کی جائے اور آئندہ کے لئے غیر ملکی تعلقات میں وہ طریقہ اختیار کیا جائے، جو ہندوستان کی برطانوی حکومت کے مشورے کے مطابق ہو۔ انگریزوں نے مانڈلے پر قبضہ کر لیا۔ تھیبا حوالگی پر مجبور ہوا۔ اسے گرفتار کر کے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ اور پورے برما پر انگریز مسلط ہو گئے۔ یعنی برما ہندوستان کا ایک صوبہ بن گیا۔

انگریزوں کو ملک بھر میں امن قائم کرنے کے لیے مزید جدوجہد کرنی پڑی۔ برما کی حدود ایک طرف سے سیام سے، دوسری طرف ہند چینی سے اور تیسری طرف چین سے ملتی تھیں۔ انگریزوں نے یکے بعد دیگرے سیام، چین اور فرانس (جس کے ماتحت ہند چینی تھا) سے گفت وشنید کر کے سرحدوں کا فیصلہ کر لیا۔[1]

برما کی جنگیں: برما کی پہلی جنگ:

برما کی شاہی حکومت نے ۱۷۶۶ء میں تناسرم، ۱۷۸۴ء میں اراکان اور ۱۸۱۳ء میں منی پور پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کی حدود میں اضافہ کر لیا تھا۔ ان علاقوں سے بھاگے ہوئے سپاہی انگریزی علاقے میں پناہ گزین ہو کر برما کی

---

[1] L. Langer, William, *An Encyclopedia of World History*, (USA: Houghton Mifflin Co. 125 High Street Boston, April 1, 1972), Vol:3, 243-245.

سرحدوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ حکومت برمانے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام نے انکار کر دیا۔ شاہ برمانے چٹاگانگ، ڈھاکہ، مرشد آباد اور قاسم بازار پر بھی اپنا حق جتلایا کہ کسی زمانے میں یہ علاقے اراکان کے باج گزار تھے۔

حکومت برمانے ۱۸۲۲ء میں آسام بھی فتح کرلیا اور ستمبر ۱۸۲۳ء میں انگریزوں کے ایک جزیرہ شاہ پوری پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ ۴ فروری ۱۸۲۴ء کو لارڈ ایمہرسٹ نے اعلان جنگ کر دیا۔ برمانے اپنے ایک جرنیل بندولہ (Bendula) کو بنگال کی جانچ کے لیے بھیجا۔ ادھر جنزل برطانوی آرچیبالڈ کیمبل (Archibld Campbell) گیارہ ہزار سپاہیوں کی سرکردگی میں سمندر کے راستے رنگون پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اس بری فوج نے برمیوں کو آسام سے نکال دیا لیکن چٹاگانگ کے مقام پر بندولہ سے شکست کھائی۔

جنزل کیمبل نے ۱۱ مئی ۱۸۲۴ء کو رنگون پر قبضہ کر لیا۔ بندولہ ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر رنگون کی طرف بڑھا۔ لیکن ۱۵ دسمبر ۱۸۲۴ء کو شکست کھائی۔ بندولہ اپریل ۱۸۲۵ء میں دونابیو (Donabew) کے مقام پر مارا گیا۔ انگریزی فوج بڑھتی ہوئی شاہ برما کے پایہ تخت آوا (Ava) سے ساٹھ میل دور یندابو (Yandaboo) کے مقام پر پہنچ گئی۔ شاہ برمانے مجبور ہو کر ۲۴ فروری ۱۸۲۶ء کو معاہدہ یندابو کر لیا۔[1]

جس کی رو سے ایک کروڑ کرنسی بطور تاوان جنگ ادا کیا۔ اراکان اور تناسرم کے علاقے انگریزوں کے حوالے کر دیئے۔ اپنے دارالحکومت آوا میں انگریز ریزیڈنٹ کو رکھنا منظور کر لیا۔ برما میں انگریزوں کو بے شمار تجارتی مراعات دے دی گئیں۔ منی پور ایک آزاد ریاست تسلیم کی اور اقرار کیا کہ آئندہ برما کی حکومت آسام اور کچھار کے معاملات میں دخل نہیں دے گی۔

برما کی دوسری جنگ:

شاہ برما تھروادی (Tharrawadoy) جس کا عہد حکومت ۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۵ء تک تھا، نے معاہدہ یندابو کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء میں انگریز ریزیڈنٹ کو واپس بلا لیا گیا۔ رنگون کے گورنر نے انگریز تاجروں کو ان مراعات سے محروم کر دیا جو انھیں معاہدہ یندابو کی رو سے حاصل تھیں۔ لارڈ ڈلہوزی نے ان تاجروں کی شکایت دور کرانے کے لئے شاہ برما پیگن (دور حکومت ۱۸۴۵ء تا ۱۸۵۲ء) کے پاس لیمبرٹ (Lembert) کو بطور سفیر بھیجا۔ شاہ برمانے گورنر کو تو برطرف کر دیا لیکن جب لیمبرٹ نے نئے گورنر کے پاس اپنے افسروں کا ایک وفد بھیجا تو اس نے ملاقات کرنے سے انکار کیا۔

[1] عبدالوحید، عالمی جنگوں کا انسائکلوپیڈیا، (لاہور: شاہ محمد پرنٹرز، ۲۰۱۳ء)، ۱۰۳

لیمبرٹ نے غصہ ہو کر رنگون پر قبضہ کر لیا۔ لارڈ ڈلہوزی نے ایک لاکھ پاؤنڈ ہرجانے کا مطالبہ کیا۔ اور جب مقررہ تاریخ (یکم اپریل ۱۸۵۲ء) ختم ہو گئی، تو لارڈ ڈلہوزی نے جنرل گاڈون (Gadwin) اور امیر البحر آسٹن (Austen) کی سرکردگی میں فوج روانہ کر دی۔ انگریز فوج نے اپریل میں مرتبان، مئی میں بسین، اکتوبر میں پروم اور نومبر میں پیگو نامی شہروں پر قبضہ کر لیا۔

"شاہ برما نے صلح کی درخواست نہ کی۔ چنانچہ ۲۰ دسمبر ۱۸۵۲ء کو اراکان، تناسرم اور مرتبان کے ساتھ پیگو کا علاقہ شامل کر کے جنوبی برما کا صوبہ بنا کر انگریزی سلطنت میں شامل کر لیا۔ رنگون کو صوبے کا پایا تخت قرار دیا اور مسٹر آرتھر فئر (Arthur Phyare) کو کمشنر مقرر کیا گیا۔"[1]

سولہویں صدی عیسوی میں یورپی تجارت کی ابتداء پرتگیزوں سے ہوئی، لیکن برطانیہ اور برما کی جنگوں (۱۸۲۴ء، ۱۸۲۶ء، ۱۸۵۲ء، ۱۸۸۵ء) تک اہل یورپ اور برمیوں میں کبھی تصادم نہ ہوا۔ ان جنگوں کے بعد برما کا الحاق برطانوی ہند سے کر دیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں برما کو نوآبادیوں سے ملتی جلتی حکومت دے دی گئی۔

دوسری عالمی جنگ میں برما پر جاپان قابض ہو گیا۔ دوم جنگ عظیم کے بعد ۴ جنوری ۱۹۴۸ء یہ ملک آزاد ہوا۔ اور اقوام متحدہ کا رکن بھی ہو گیا۔ لیکن جلد ہی یہاں داخلی جھگڑے شروع ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں یہ صورتحال قوم پرست چینی فوجوں کے داخلے سے زیادہ نازک ہو گئی۔ ۱۹۵۸ء میں برما میں سیاسی بحران پیدا ہو گیا اور جرنل نیون نے وزیر اعظم یونو سے اختیارات سنبھال لیے۔ ۱۹۶۰ء کے انتخابات میں یونو کی جماعت یونین پارٹی نے نمایاں اکثریت حاصل کی۔

"اپریل ۱۹۶۰ء میں پھر یونو ملک کے وزیر اعظم بن گئے۔ لیکن انہوں نے سیاسی اور اقتصادی حالات پر توجہ نہ دی۔ جس کے نتیجے میں ۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو جرنل نی ون برسر اقتدار آ گئے۔ ملکی انتظام چلانے کے لئے جرنل نی ون نے فوجی کونسل تشکیل دی۔ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ اور اس نے اپنے دورِ اقتدار میں ملکی صنعتوں کو قومی تحویل میں لے لیا۔"[2]

جنرل نی ون حکومت نے غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کی۔ اس طرح برما کئی غیر ملکی مراعات سے محروم ہو گیا۔ ۴ جنوری ۱۹۷۴ء کو برما کا نیا آئین نافذ ہوا۔ جس کے تحت برما کو سوشلسٹ ری پبلک قرار دیا گیا۔ جرنل نی ون نے (۱۹۷۹ء) برما زیریں اور بالائی حصوں میں منقسم کر دیا۔ زیریں برما میں مانڈلے، پیگو، اراکان اور تناسرم کی ریاستیں شامل ہیں۔ بالائی برما میں نیم خود مختار کوہستانی علاقہ چھین، شان، کاچین اور کایا کے علاقے شامل ہیں۔

---

[1] عبد الوحید، عالمی جنگوں کا انسائیکلوپیڈیا، ۱۰۴

[2] رحمان، چیئرمین جسٹس ایس اے، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۱/ ۲۳۶

برما میں بدھ مت کی ترویج:

بدھ مت دنیا کے تین بڑے مذاہب میں سے ایک ہے۔ زمانہ کے لحاظ سے یہ مذہب ڈھائی ہزار سال قدیم ہے۔ اور رقبہ کے اعتبار سے مشرق و مغرب کے متعدد ممالک پر اس کا تسلط ہے۔ سری لنکا، برما، کمبوڈیا، تھائی لینڈ، ہندوستان اور بنگلہ دیش وہ ممالک ہیں جہاں بدھ مت کا ہنایان مکتبہ فکر سرگرم عمل ہے۔ بھوٹان، نیپال، منگولیا، تبت، ویتنام، کوریا، چین اور جاپان وہ ممالک ہیں جہاں مہایان بدھ مت نے اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ ممالک وہ ہیں جو دنیا کے نقشے پر بدھسٹ ممالک کی حیثیت سے مرقوم ہیں۔ [1]

برما میں سب سے پہلے بدھ مت برہمن مون اور پیو قبیلوں میں پہنچی۔ برما کی تاریخی ریکارڈ میں برمی لوگ وہاں چار بڑے نسلی گروہوں میں آباد ہیں۔ ان میں مون، پیو، میانمار اور شان شامل ہیں۔ سب سے زیادہ آبادی مون قبیلے کی ہے۔ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ زبانی طور پر یہ خمیر قوم سے متعلق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ برما اور تھائی لینڈ کے شمال میں آباد ہوئے۔ جبکہ خمیر جنوبی تھائی لینڈ میں آباد ہوئے۔ یہی وہ دو قبیلے تھے جنہوں نے پہلی مرتبہ اس خطے کی طرف ہجرت کی۔ اس کے علاوہ بھارتی تاجروں نے یہاں تجارتی منڈیاں قائم کیں۔ مون قبیلے کے ساتھ ان مختلف زبانوں اور ثقافت کے لوگوں کے ساتھ صدیوں تک رہے۔

پیو قبیلہ کے لوگ تبت برمی بنیاد کے ساتھ مختلف ثقافت و زبان کے تھے۔ ان کی رہائش اس علاقے کے ارد گرد تھی جن کو برما کے لوگوں کو پہاڑیوں سے میدانی علاقوں میں دھکیل دیا۔ اور انکی زبان برمی زبان کے قریب تھی جو بعد میں ایک دوسرے میں جذب ہوگئی۔ اور پیو قبیلے کی زبان چودھویں صدی تک استعمال میں تھی۔

> Some scholars believe that Buddhism was introduced into Myanmar in the first century AD.[2]

ترجمہ: بعض محققین کا خیال ہے کہ پہلے صدی عیسوی میں میانمار میں بدھ مت متعارف کرایا گیا تھا۔

مشہور مؤرخ کراماشنکر پارٹی اپنی کتاب "قدیم ہندوستان کی تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"بدھ ازم کے آغاز کے وقت ہندوستان میں ادیان و مذاہب کی بہتات تھی۔ پالی روایات میں مذکور ہے کہ اس وقت وہاں ۶۲ مذاہب پرورش پارہے تھے۔ جبکہ جسم کی کتاب "سوترکرتانگ" کا کہنا ہے کہ ۳۶۳ مذہبی فرقوں سے ہندوستان بناہوا تھا۔ [3]

---

[1] A.Barth, *The Religions Of India*, (London: Kegan-Paul,Trench,tru:bner&Co, 1890), 111.

[2] Michael A. Aung-Thwin, Maitrii Aung-Thwin, *A History of Ancient Myanmar*, (Myanmar: Zaw Press, 2004), 9.

[3] پارٹی، کراماشنکر، قدیم ہندوستان کی تاریخ، (دہلی: ترقی اردو ہند، ۱۹۸۱ء)، ۱۲۵

برما میں بدھ مذہب کی ابتداء کے بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ برما والے تو یہ کہتے ہیں کہ گوتم بدھ خود یہاں تشریف لائے تھے۔ لیکن یہ ان کی خوش عقیدگی ہے۔ تاریخی حیثیت سے سب سے پہلے یہاں بدھ مذہب اشوک کے مبلغین کے ذریعے پہنچا۔ لیکن اصل میں اسے ترقی پانچویں صدی میں ہوئی۔ جب بودھ گھوش لنکا سے ۴۵۰ء میں یہاں آیا۔ اس وقت سے بدھ مذہب نے اس طرح رواج پکڑا کہ آج برما میں بدھ ہونا وہاں کے رواسم میں داخل ہو گیا ہے۔

Buddhism reached Burma in fifth century. [1]

ترجمہ: برما میں بدھ مت پانچویں صدی عیسوی میں پہنچا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گاؤں میں پگوڈا (بدھ مندر) موجود ہے۔ اور ۷۵ سے زائد مذہبی فقراء ہیں۔ بدھ کے بتوں کو پوچھنا، مذہبی پیشواؤں کی عزت اور مختلف قسم کی ارواح خبیثہ پر یقین کرنا ان کے ہاں جزو مذہب ہے۔ ایک معمولی دیہاتی کسی درخت کا پھل اس وقت تک نہ کھائے گا اور کوئی کھیت اس وقت تک نہ بوئے گا، جب تک اس نٹ کو قربانی نہ چڑھائے گا جو کہ اس درخت پر یا اس جگہ پر اس کے خیال میں قابض ہے۔ بدھ مذہب توڑ مروڑ کر اب وہاں یوں رائج ہے کہ گوتم نے یہ سکھایا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال نیک کی وجہ سے ایک دیو یا چھوٹا سا دیوتا ہو سکتا ہے۔ اور اعمال بد کے سبب ایک یک یا پریت ہو سکتا ہے۔ اور یہ دیوتا یا پریت اپنے سے بڑی ارواح کے ماتحت ہیں جو نٹ کہلاتے ہیں۔

Every Burmese village has a *nat sin*, which essentially serves as a shrine to the village guardian nat called the ywa saung nat. They are divided between the 37 Great ghods and all the rest. [2]

ترجمہ: ہر برمی گاؤں کا ایک نٹ سن ہوتا ہے، جو بنیادی طور پر گاؤں میں اسٹوپا کے سرپرست کی حیثیت سے کام کرتا ہے یوا سنگھ نٹ کہلاتا ہے۔ وہ ۳۷ عظیم نٹوں اور باقی سب پر مشتمل ہیں۔

ان نٹوں کی تعداد ۳۷ ہے۔ ان میں سے جو سب سے بڑا ہے اس کا نام تھگیا من ہے۔ چنانچہ ان نٹوں کو خوش کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں جو گوتم بدھ کی تعلیم کے بالکل منافی ہے۔ وہ اپنے تہواروں کے موقع پر خوب خوشیاں مناتے ہیں۔ ناچتے گاتے ہیں اور نذر کرتے ہیں۔ وہ پھول ہار اور دوسری نذریں لیکر بدھ مندر جائیں گے وہاں گھٹنے ٹیک کر بدھ کا بتایا ہوا فقرہ دہرائیں گے۔ "انیک دکھ اناتھ[3]" (سب فانی ہے) سب آلام سے مملو ہیں اور سب غیر حقیقی ہیں۔

[1] Ulfataziz us samad, *the great relions of the world*, (Bombay : darulisha'atkutub e islamia, 1976), 43.
[2] Wikipedia encyclopedia," Nat (deity)".
https://en.wikipedia.org/wiki/Nat_(deity) (Accessed April 27, 2021)

[3] انیک دکھ اناتھ: اس سے مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں موجود تمام اشیاء فانی ہیں۔

"اور نذر چڑھانے کے بعد پوری رات ناچ رنگ میں اور تھیٹر دیکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ تھیٹر انہی مندروں کے پلیٹ فارم پر صحن میں کیے جاتے ہیں۔اور کوئی رئیس ان کا خرچہ برداشت کرتا ہے۔"[1]

تہواروں کے علاوہ خوشی منانے کا ایک خاص موقع کسی مذہبی راہب کی موت ہوتی ہے۔چندے کی فہرست کھول دی جاتی ہے اور ایک بڑی رقم جمع کر کے اس کے چاروں طرف خاصی اچھی عمارت تیار کی جاتی ہے۔ بہت سے نشانات نصب کیے جاتے ہیں اور رنگ برنگ کی جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ کھیل تماشے اور ناچ ہوتے ہیں۔ اس درمیان میں لاش کو شہد اور ورق طلا سے لپیٹ کر رکھے رکھتے ہیں۔ جب جلائے جانے کا دن آتا ہے تو وہ ایک ٹیلے پر رکھی جاتی ہے۔وہاں دو پارٹیوں کے درمیان رسہ کشی ہوتی ہے جو اس میں جیت جاتا ہے وہی تمام اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ گو یہ لوگ خود کو بدھ کہتے ہیں۔ مگر ان میں اکثر خدا اور روح پر یقین رکھتے ہیں اور بجائے نروان کے ایک جنت کے قائل ہیں۔ جہاں صالح اور نیک لوگ جا کر دیوتاؤں کے ساتھ خوشی اور مسرت کی زندگی بسر کریں گے۔پہلے ہزار سال کے درمیان میں برما کے لوگوں نے میدانی علاقوں میں کالونیاں بنانی شروع کیں۔ وہ شمالی پہاڑی خطہ سے آئے اور انہوں نے مرکزی ایشیا کے میدان میں رہنا شروع کیا۔

برما کے بعد شان قبیلے کے لوگ شمال کی طرف سے آئے۔ اور آخر کار میانمار اور تھائی لینڈ کے علاقوں کو فتح کیا۔ تھائی لوگ شان قبیلے سے دور چلے گئے۔ شمال مشرقی علاقوں میں اب بھی شان قبیلے کے لوگوں کی اکثریت ہے۔ گوتم بدھ کے مرنے کے تقریباً دو سو سال بعد پہلی مرتبہ بدھوؤں کے دو بڑے فرقے بن گئے۔ جن میں ایک تھیرویدا (تھیرواڈ) اور دوسرا مہایان (سروستیویدا) ہے۔

تھیرویدا کو انڈیا کے مشرقی مذاہب سے تقویت ملی۔اس فرقہ نے برما، سری لنکا، انڈیا، اور تھائی لینڈ میں اکثریت حاصل کی۔ان کی مذہبی کتاب کو تری پٹیکا جو کہ پالی زبان میں ہے کہا جاتا ہے۔ اور سروستیویدا مغرب میں متھورا، گندھارا (پشاور) اور کشمیر میں پھیلا۔ اور یہ فرقہ گیارہویں صدی عیسوی میں معدوم ہو گیا۔ لیکن ان کی مذہبی کتابیں سنسکرت میں آج بھی موجود ہیں۔

"۲۴۰ ق م میں تھیرویدا کے برعکس مہایانہ بدھوں کا معرض وجود آیا۔اور مہایان بدھوں کا مختصر نام ہنایانہ رکھا گیا۔"[2]

---

[1] Manning Nash, *Burmese Buddhism in Everyday Life*, (Chicago: University of Chicago press, 1961), 287.

[2] Robert E. Buswell, Jr,*Encyclopedia of Buddhism,* (New York: Macmillan Reference USA,300 Park Avenue South, 2004), vol: 1, 838.

تیسری صدی قبل مسیح میں تیسری بدھ کونسل بٹالہ تیرا میں منعقد ہوئی۔ یہ ایک ہنایانہ فرقہ کی کانفرنس تھی۔ جس کا مقصد بدعت کی مذمت کرنا جو مہایانہ فرقے کا رجحان بن رہا تھا۔ یہ کانفرنس اشوکا نے بلائی تھی۔ جو دنیا کا ایک شریف ترین بادشاہ تھا۔ جو عدم تشدد اور امن کی پالیسی اور بیش بہا خدمات بدھ مت اور انسانیت کے لئے ادا کئے۔

دوسری صدی عیسوی (۱۲۰۔۱۶۲) میں کنشک بادشاہ نے بدھ مت کے گندھارا کو بہت تقویت دی۔ اس میں مشہور مصنف اسوغسا نے بدھ کریٹا (بدھ کی حالات زندگی) اور مہایانہ کی سرھد پڑا تحریر کی۔ اور اس دور میں دو مشہور بدھ مت کی جامعات جامعہ ٹکشلا اور جامعہ مگدھ (بہار) میں بنائی گئی۔

کنشک نے اشوکا کے طرز پر چوتھی بدھ مت کونسل بلائی۔ اس کونسل کو صرف سروستیویدا نے حاضری دی۔ اور اس کا مقصد آواز ملانا اور ان دو فرقوں کی تعلیمات پھیلانا تھا۔

برما میں بدھ مت کی ابتداء کے بارے میں تاریخی اور روایتی ذرائع میں بہت سے اختلافات ہیں۔ اہل برما اپنے خوش اعتقادی کے باعث یہاں تک یقین رکھتے ہیں۔ کہ بدھ دیو ان کے دیس میں خود تشریف لائے تھے۔ لیکن یہ محض خوش اعتقادی ہی ہے کیونکہ اشوک کے مبلغین کی ابتدائی کوششوں کے بعد در حقیقت برما میں بدھ مت کا باقاعدہ ارتقاء پانچویں صدی میں ہوا جب بدھ گوش لنکا سے یہاں آئے۔ اس کی انتھک کوششوں سے برما میں بدھ مت کو مثالی عروج حاصل ہوا۔ اس علاقے میں بدھ مت کا دوسرا سنہری دور دسویں صدی عیسوی کے بعد شروع ہوتا ہے جب برمی حکمران انوراتھا نے اس مذہب کو سرکاری قرار دے کر خود کو اس کی تبلیغ کے لیے وقف کر دیا۔

"اس کے تقریبا سو سال بعد برما نے لنکا سے متعدد بھکشو بلائے اور خالص ہنایانہ یعنی بدھ مت کو باقاعدہ طور پر قبول کر لیا۔ یہاں بدھی مندر کو پگوڈا کہا جاتا ہے۔ اس چھوٹے سے ملک میں کوئی بھی گاؤں ایسا نہیں جو پگوڈے سے محروم ہو۔ ۱۹۴۲ء تک مذہبی فقیروں بھکشوؤں کی تعداد ۷۵ ہزار تھی۔ جو اب لاکھوں تک جا پہنچیں۔ یہاں بدھوؤں کے بعد دوسری قابل لحاظ مذہبی تعداد عیسائیوں کی ہے۔"[1]

سن عیسوی کی ابتدا میں موریا حکومت کے سقوط کے بعد جس سے اشوک کا تعلق تھا۔ ہندوستان میں بدھوں کی بالادستی کم ہونا شروع ہو گئی۔ اس دوران میں مسلسل آٹھ صدیوں تک بدھ مت اور برہمنی ہندو مت کے درمیان ایک کشمکش برپا رہی۔ مگدھ (بہار، ہندوستان) میں نسل پرست ہندوؤں اور حریف مہایانہ بدھ فرقے کے ہاتھوں ہنایانہ بدھ فرقہ اتنی بری طرح ستایا گیا کہ وہ مشرق کی جانب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

"مگدھ (بہار، ہندوستان) کے ان تھیراویدا (ہنایانہ فرقہ) بدھوں کو بالآخر ویسالی (موجودہ اراکان) آکر اس وقت کے ہندو راجاؤں کے پاس پناہ لی۔ تب سے اراکان میں ان بدھوں کو مگدھ سے بھاگ کر آنے کی نسبت سے مگھ

---

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، (لاہور: نگارشات مزنگ، ۲۰۱۳ء) ۳۰۵

کہا جاتا ہے۔اس وقت سے اراکان میں ہندو مت، اسلام اور بدھ مت ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے۔لیکن لوگوں کا قبول اسلام بڑے پیمانے پر تھا۔"[1]

چھٹی صدی قبل مسیح میں برما، تھائی لینڈ،لاؤس اور کمبوڈیا الگ الگ آباد تھے۔جبکہ بھارتی مہاجر مشرقی ساحل میں تجارتی کالونیاں مرتبان کے خلیج پر قائم کر چکے تھے۔ اور یہی ساحلی علاقے میانمار اور تھائی لینڈ کے قبیلے کے لوگوں کے گھر تھے۔اس دور میں خمیر لوگوں نے لاؤس کمبوڈیا اور شمالی تھائی لینڈ پر قبضہ کیا تھا۔جبکہ بالائی برما پر پہلے سے میانمار کے قبیلوں کا قبضہ تھا۔

برمی بدھ " سنکھی موانتا"جو سری لنکا میں پندرہویں صدی میں لکھتا ہے کہ:وہ مذہب کو خالص کرنے کے لیے بادشاہ اور تربیت یافتہ سنہالی بدھو کی مدد سے ویانا اور ابھی دھما کو پاک کیا۔

بھارتی مذاہب برہمنیت اور بدھ مت(تھیرویدا اور مہایانہ)اور اس کی زبانیں(سنسکرت اور پالی)نے اپنے راستے بنا لیے تھے۔اس سے پہلے کہ پیگن تاریخی حیثیت اختیار کرے یہ مذاہب بنیادی طور پر دو نسلی گروہوں پیو اور مون کی طرف سے پیش کیے گئے تھے۔اس سے پہلے کہ برما کے پیگن شہر کو اہمیت حاصل ہو،اس لیے ضروری ہے کہ پیو اور مون کے مذاہب کا مطالعہ کیا جائے۔کیونکہ برما میں یہ مذاہب یہاں سے ہی وارد ہوئے ہیں۔ تھیرویدا بدھ مت پیو میں چھٹی تا ساتویں صدی میں ترویج ہوئی،اور برہمنیت اور مہایانہ بدھ مت برما میں ساتویں تا نویں صدی عیسوی متعارف ہوا۔

پہلی کونسل:

گوتم بدھ کے انتقال کے بعد ہی سب سے پہلا جلسہ ۴۸۸ ق م میں راج گڑھ میں راجا اجات سترو کی سرپرستی میں منعقد ہوا۔اس کی صدارت ایک عالی مرتبہ مواری مہاکشپ کی تھی۔یہ جلسہ برسات میں شروع ہوا اور سات مہینے تک برابر جاری رہا۔اس میں پانچ سو راہب شریک تھے۔

> A convocation held in the city of Rajagrha during the first summer after Sakyamuni's death.[2]

ترجمہ:ساکھیا منی کی وفات کے بعد پہلی موسم گرما کے دوران راج گڑھ شہر میں ایک کونسل منعقد ہوئی۔

بقول دکھنی بدھوں کے اسی جلسے میں بدھ کی تعلیمات سوتر مختصر وجامع نظم کی صورت میں منتقل کی گئیں۔اور تھیرواد کے نام سے گا گا کر یاد کی گئیں۔ان کا دعویٰ ہے کہ یہی تیری پٹک کے نام سے بعد میں موسوم کی گئیں۔چنانچہ تری پٹک لفظ بلفظ تھیرواد ہیں۔ مغربی مؤرخین اس دعوے کو صحیح نہیں مانتے۔وہ کہتے ہیں کہ خود تری

---

[1]Wilhelm klein, Gunter pfannmuller, *Burma the golden designed and photography*,(Bangkok :apa production (NK) ltd, 2005) 94.

[2]Robert E. Buswell, *Encyclopedia of Buddhism*, 354.

پٹک میں ایسے داخلی ثبوت موجود ہیں جس سے یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ اس کے بعض حصے یقینی گوتم بدھ کے انتقال کے بعد تیار کیے گئے۔ اس لیے کہ ان کو ہو بہو تھیرواد نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ اس کے لئے یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دیپ ونس میں جو تھیرواد کے حصے بیان کئے گئے ہیں وہ ان حصوں سے بالکل مختلف ہیں جو تری پٹک میں دیئے گئے ہیں اور دونوں کے موضوعات بھی نہیں ملتے۔

> A division between one group that styled itself the Sthaviravada (Pali, theravada; The Teaching of the Elders) and a second group that called itself the mahasamghika school (The Great Assembly, or Majorityists).[1]

ترجمہ: ایک گروہ کے درمیان ایک تقسیم جس نے خود کو ستھراواڈا (پالی، تھراواڈا، بزرگوں کی تعلیم) اور ایک دوسرے گروہ جس نے خود مہاسانگھ کا سکول (عظیم اسمبلی یا اکثریت پسند) کہا۔

اس لئے معدوم یا مفروضہ تھرویدا کو تری پٹک مان لینا قرین عقل نہیں معلوم ہوتا۔ بہر حال اتناسب کو تسلیم ہے کہ پہلی کونسل میں بہت کچھ طے ہوا اور منظم سوتروں میں جو کچھ یاد کرا دیا گیا اس میں ایک حصہ ضرور تری پٹک میں موجود ہے۔

دوسری کونسل:

اس کے بعد ایک صدی تک کسی جلسے کا پتا نہیں چلتا۔ البتہ تقریباً ایک صدی کے بعد ویسال کے مقام پر ایک بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسے کی وجہ یہ تھی کہ کچھ راہبوں نے سنگھ کے قواعد کی خلاف ورزی کرنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ایک گروہ نے دوسرے پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ شریعت بدھ کے خلاف بہت سے امور کرتے ہیں۔ اس لیے اب یہ سوال اٹھ گیا کہ ان تمام امور کے متعلق قطعی فیصلہ ہو جانا چاہیئے کہ آیا ان کے کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔

اختلافات کے بنیادی امور یہ تھے کہ دوپہر کا کھانا زوال کے وقت کھا سکتے ہیں یا نہیں اس وقت دہی یا چھاچھ کھانا برا ہے یا نہیں۔ چاندی سونا راہب لے سکتے ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ بڑی بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ یہ تمام امور مثل سابق ممنوع سمجھیں جائیں گے۔ مگر جدت پسندوں کو یہ قدامت پسندی اچھی نہ لگی اور اسی وقت سے دو جماعتیں ہو گئیں۔ دونوں کے علیحدہ علیحدہ جلسے ہونے لگے اور ہر جماعت اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط ثابت کرنے لگی۔ آپس کا یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ بدھ راہب اٹھارہ گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ اور ہر ایک حق پرستی کا دعویدار تھا۔

تیسری کونسل:

۲۵۲ ق م تیسری کونسل اشوک کے بادشاہ بننے کے اٹھارویں سال میں پاٹلی پتر (پٹنہ) میں ہوئی۔ اس جلسے میں ایک ہزار بزرگ ترین راہب شریک ہوئے۔ اور اس کی صدارت ٹیسا ولد موکلی نے کی۔ اس کونسل میں بدھ کی

---

[1] Robert E. Buswell, *Encyclopedia of Buddhism*, 354.

بتائی ہوئی شریعت میں پہلی بار سوتری اور تحریری صورت تری پٹک کے نام سے اختیار کی۔ یہ احکام وہدایات، قوانین و قواعد نظم کی صورت میں لکھے گئے اور بار بار دہرا کر حفظ کرائے گئے۔ یہ کونسل نو مہینے تک ہوتی رہی اور اسی کے نام اشوک نے وہ پیغام بھیجا جو مختلف پہاڑیوں پر کندہ ہے۔

> The Third Buddhist Council was held in the reign of Emperor Asoka in the year 252 BC in order to purify the Saïgha, to reassert orthodox teaching and to refute heresy.[1]

مگدھ کا بادشاہ پیاداسی (رحمدل) سنگھ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس کی صحت اور عافیت کی دعا کرتا ہے۔ محترم بزرگو آپ جانتے ہیں کہ میں بدھ کی شریعت اور سنگھ کی کتنی عزت کرتا ہوں اور ان کو کس قدر محترم سمجھتا ہوں۔ محترم بزرگو مقدس بدھ نے جو کچھ فرمایا وہ بہت ہی مناسب تھا۔اگر ہم ان کے احکام کو اپنا ماخذ سمجھیں تو سچا قانون (شریعت) بہت دنوں قائم رہے گا۔ محترم بزرگوں میں حسب ذیل کتب شریعت کو جو مقدس بدھ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ محترم بزرگو مجھے امید ہے کہ مکرمہ راہبہ اور مکرم راہب ان کتب شریعت کو پڑھتے اور ان پر غور کرتے رہیں گے۔اور اسی طرح دونوں جنسوں کے معمولی بدھ بھی ایسا ہی کریں گے۔اسی غرض سے میں نے یہ کندہ کرادیا ہے اور اپنی خواہش کا اظہار کردیا ہے۔

چوتھی کونسل:

چوتھی کونسل کنشک (۱۲۵ تا ۱۴۸ء) کے زمانے میں ہوئی۔اس میں پانچ سو راہب شریک ہوئے تھے۔اس کے تین ثبوت ملتے ہیں کہ اس وقت بدھ مذہب دو فرقوں میں استھرویروار اور مہاسنگھک میں منقسم تھا اور یہ کونسل انہی کے اختلافات کو مٹانے کے لیے منعقد ہوئی تھی۔اس جلسے کی صدارت وسوبندھونے کی۔اس میں مذہبی عقائد دوبارہ سے طے پائے۔ تین تفسیریں تیار ہوئیں جن میں سے مہادماشاسب سے مشہور ہے۔ یہ کتاب بدھوں کی شریعت کا ایک نہایت مستند ذخیرہ سمجھی جاتی ہے۔ان تفسیروں میں سے ہر ایک میں بقول ہیوان سوانگ کے ایک لاکھ شعر تھے۔کہا جاتا ہے کہ ان تفسیروں کو کنشک نے تانبے کے ٹکڑوں پر کندہ کراکے ایک بڑے بھاری اسٹوپ کے نیچے دفن کرادیا تھا جو اس نے سرینگر کے متصل بنوایا تھا اس اسٹوپ کا اب تک پتا نہیں چلا۔

ہنایان اور مہایان:

برٹینیکا میں بدھ ازم کے عنوان کے تحت مقالہ نویس لکھتے ہیں:

> The story of Buddha's life, is recorded here is based on the Pali texts of the Tipitaka (The triple Cannon" Are the three baskets)" Which is

[1]Bischoff, Roger, *Buddhism in Myanmar A Short History*,(Sri Lanka: Buddhist Publication Society Kandy,2007) , 26.

recognized by Scholars is the earliest extent record of the Buddha's discoveries, And their Pali commentaries.[1]

ترجمہ: بدھ کی جو داستانِ حیات بیان کی گئی ہے وہ پالی زبان میں لکھی ہوئی ٹپی ٹکا پر مبنی ہے۔(تین مذہبی اصول) جس کو اہل علم بدھا کے مواعظ اور ان کی پالی (میں لکھی ہوئی) سب سے پہلے رواج پانے والی تفسیروں میں شمار کرتے ہیں۔

ٹپی ٹکا کی ثقاہت کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسے بدھا کے نروان حاصل کرنے سے تین سو سال بعد مرتب کیا گیا۔

برٹینیکا جلد نمبر ۲۱ کے صفحہ نمبر ۱۸۵ پر انڈین فلاسفی کے عنوان کے تحت تحریر ہے:

In the Tipitaka (Pali: The three baskets "Sanskrit tripitaka) Collected and compiled 300 years after the Buddha's mahaparinisvana (Attainment of Buddhahood) At the Council of Patalipura (3rd Century BC), Both the Council and philosopher kal the crimes of early Buddhism codifie.[2]

ترجمہ: پاٹلی پورہ کی مجلس (تیسری صدی ق م) میں بدھا کے اپنا مقام (بدھا کا مرتبہ) حاصل کرنے کے لیے تین سو سال بعد ٹپی ٹکا کی شکل میں بدھ مت کے اولین مذہبی احکامات اور فلسفیانہ اصول جمع اور مدون کیے گئے۔

بھارتی پروفیسر اومیلا تھاپر اپنی تصنیف "ہندوستان کی تاریخ"(History of India) میں لکھتی ہیں:

The Buddhist Canon was collected some 500 years after the Buddha's death ‹Which makes it extremely difficult to define the chronological sequence of Canon or to indicate which certainty the interpolation Of the Followers. Buddhism was to undergo many Changes both in the country of its origin and in the course of it spread to other parts of Asia.

ترجمہ: بدھ مت کے مذہبی احکامات بدھا کی موت کے پانچ سو سال بعد جمع کیے گئے۔ یہ بات احکامات کی زمانی ترتیب کی توضیح یا پیروان (بدھ) کے غلط اختلاط کے قطعی تعین کو انتہائی مشکل بنا دیتی ہے۔ بدھ مت کو اس ملک میں بھی جہاں اس کی ابتداء ہوئی اور ایشیا کے دوسرے حصوں میں پھیلنے کے دوران بہت سی تحریفات سے گزرنا پڑا۔

ان تین یا پانچ صدیوں میں بدھ مت کے بنیادی مسائل محو ہونے کے علاوہ شدید قسم کی نزاع اور اختلافات کا موضوع بن چکے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے حالات کے رونما ہونے کے بعد تین یا پانچ سو سال پر پھیلی ہوئی زبانی روایات کیا قابل قبول ہو سکتی ہیں؟ گوتم بدھ کی موت کے چند برس بعد راج گڑھ میں بدھوں کی پہلی کونسل منعقد ہوئی۔ اس میں آنند انے جو گوتم بدھ کا سب متبعین سے زیادہ قرب رکھتا تھا، بدھا کے حالات و نظریات پیش کرتے ہوئے یہ تاثر دیا کہ وہ انسان ہی تھے۔ اس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور آنند ااس مجلس کے ارکان کے زیر عتاب آ گیا۔

---

[1]E. Sufra Jacob, *Encyclopedia of Britannica*, (Benton Foundation and Encyclopedia Britannica, Inc.2010) vol: 15, 269.
[2]Jacob, E. Sufra, *Encyclopedia of Britannica*, vol: 21, 185.

وہ لوگ گوتم بدھ کو الوہیت کے مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اس اختلاف نے دو بڑے فرقوں ہنایانا اور مہایانہ کو جنم دیا۔

ڈبلیو این ویچ (W.N Weech) کی کتاب عالمی تاریخ (History of the world) میں لکھا ہے:

> The teaching known as Hinayana or" lesser way to salvation" Gotama remains an inspired man, But in the Mahayana or" great away "he was recognized as a God[1].

ترجمہ: (فرقہ) ہنایانا کی تعلیم کے مطابق (جس کو "نجات کا کم تر راستہ" کہتے ہیں) گوتم ماوراء ہستی سے ہدایت حاصل کرنے والا انسان ہے۔ لیکن مہایانہ (برتر راستہ) میں اس کو خدا تسلیم کیا گیا۔

کونسل کے تھوڑے دنوں بعد بدھ مذہب میں دو بڑے فرقے ہوگئے۔ جنہیں مہایان اور ہنایان کہتے ہیں۔ ہنایان تو اس قدیمی بدھ مذہب کے ماننے والے ہیں جو لنکا اور برما میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو روح کے قائل نہیں اور خدا کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ بدھ نے کچھ نہیں کہا اور ہمیں اس کے وجود اور عدم وجود سے کوئی سروکار نہیں۔ مہایان بدھ ستو پر یقین رکھتے ہیں۔ گوتم بدھ کو مافوق الانسان شخصیت سمجھتے ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کے قائل ہیں بدھ اور دیوتاؤں کی مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں جنتر منتر پر یقین رکھتے ہیں اور مختلف خداؤں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

مہایان فرقے کا بانی ناگارجن تھا۔ اس نے بدھ مذہب میں بکتی اور عام محبت کو داخل کرکے اور اس میں خدا اور دیوتاؤں کو شامل کرکے اسے بہت زیادہ ہر دلعزیز بنا دیا۔ ونسنسٹ اسمتھ کی رائے ہے کہ مہایان فرقہ ہندو، بدھ مت، ایرانی، رومن اور یونانی مذاہب کی ایک کھچڑی ہے۔ جس نے گوتم بدھ کو ایک زندہ جاوید شفیع کی صورت میں پیش کرکے سوکھے ہوئے بے جان اخلاقی اصول کے مجموعے میں جان ڈال دی۔

منگولوں کا حملہ:

مسلمانوں کے بسنے اور ان کے بعد مگدھ بہار (ہندوستان) سے بڑی تعداد میں بچوں کے ساتھ آکر پناہ لینے کے تھوڑے ہی عرصے بعد ۹۵۰ء میں شمال کی طرف سے ایک منگول چڑھائی ہوئی۔ جس میں منگولوں نے ویسالی کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا۔ تب سے ہندومت مشرق کی ہندو ریاست میں ویسالی سے ہمیشہ کے لئے معدوم ہوکر رہ گیا۔

"منگول وحشی اور غیر متمدن تھے اور بعد کی پانچ صدیاں جن میں تبتی اور برمی اراکان میں وارد ہوئے۔ ایک تاریک دور تھا۔ بالآخر پانچ صدیوں کے دوران میں منگول اصل باشندوں، روہنگیا مسلمانوں میں رچ بس گئے۔ اس طرح اراکان میں صرف دو اقوام باقی رہ گئیں۔ روہنگیا جو دینِ اسلام پر عمل کرتے تھے اور مگدھ جو بدھ مت کے ایک فرقہ کے ماننے والے تھے۔"[2]

---

[1] Weech, W.N, *History of the world,* (USA: Odhams Press, 1960), 318- 319.
[2]Weech, W.N, *History of the world,* 318- 319.

انوراتھا کے تھیرویدا بدھ مت کی اشاعت سے پہلے برما میں مہایانہ بدھ مت پھیلی ہوئی تھی۔جو کہ ناگ پرستش کی شکل میں برما میں رائج تھی۔ عمومی طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ تھیرویدا بدھ مت کی اشاعت سے پہلے کوئی بھی مذہب باقاعدہ طور پر رائج نہیں تھا۔اس زمانے میں آریہ باشندے بالائی برما میں نمایاں تھے۔اور وہ تانترک مہایانہ جو کہ ناگ پرستش اور روح کی عبادت کرتے بہت نمایاں تھے۔وہ پوپا پہاڑ جو تھامتی گاؤں پاگن کے قریب ہے اس میں بہت بااثر تھے۔ فرانسیسی اسکالر فنوٹ کے مطابق ان کا دیوتا وشنو تھا اور یہ لوگ ناگ پرستش کرتے تھے۔ بعض مورخین کے نزدیک وہ ایک طرف مہایانہ بدھ مت میں ناگ پرستش کرتے تو دوسری طرف شیوامت اور تانترک مذہب کی تقلید کرتے تھے۔

اپنی پہلی صدی میں وسیع تبلیغی تحریکوں اور چین وجاپان جیسی ہے ایشیائی اقوام کو اپنے مذہب میں داخل کر لینے کے بعد بدھ مت کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں۔ کئی صدیوں تک کوئی بڑی تحریکیں کیا تبدیلیاں سامنے نہ آئیں۔ تاہم بیسویں صدی کے اندر اندر بدھ مت کا از سر نو آغاز ہونے لگا۔اس نشاط ثانیہ کا ایک اہم عنصر ایشیائی اقوام میں عیسائی مبلغین کی سرگرمی تھی۔بدھ مت اور ایشیائی اقوام کو بہتر طور پر جاننے کی کوشش میں عیسائی مبلغین نے قدیم بودھی کتب کا ترجمہ کیا۔اور سب لوگوں کے مطالعے کے لیے اسے سامنے لائے۔اس کی وجہ سے اکثر بھودی اپنے ہی مذہب کا مطالعہ کرنے اور ان کا سرنو جائزہ لینے اور دوبارہ عقائد کو پختہ کرنے کے قابل ہو گئے۔

بودھ مت کے دوبارہ زندہ ہونے میں دوسرا عنصر ایشیائی قوم پرستی کا ابھرنا ہے۔نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے ساتھ ہی کئی ایشیائی اقوام میں اپنی قومی خودمختاری کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ بعض علاقوں میں بدھ مت ایک مرتبہ پھر تبلیغی مذہب بن گیا۔ اور مبلغین کو واپس ہندوستان بھیج چکا ہے۔ تاہم بدھ مت کے دنیا میں نئے آغاز کے ساتھ ہی بدھ مت کو تمام مذاہب کو چین اور تبت جیسے ممالک میں حکومتیں زیر بار کر رہی ہیں۔

کیا بدھ مت الہامی مذہب ہے؟ مناظر احسن گیلانی کی رائے:

مذہب کا الہامی نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السّلام کو جب دنیا میں بھیجا تو اوّل روز سے ہی ان کی تمام مادی ضروریات کی طرح ان کی روحانی ضروریات یعنی دینی ہدایت کا بھی سامان کیا۔اس طرح انسانِ اوّل پوری طرح ہدایت یافتہ تھا۔وہ نہ صرف توحید پرست تھا بلکہ توحیدِ الٰہی کا پیغامبر تھا،انسانیت کو صراطِ مستقیم اور توحیدِ خالص سکھانے کے لیے وقفے وقفے سے ہر زمانے اور ہر قوم کی طرف رسول بھیجے گئے۔ مختصر یہ کہ ابتدائے آفرینش سے انسان کا اصلی مذہب توحید رہا ہے۔شرک اس وقت پیدا ہوا جب انسانی آبادی میں اضافہ اور پھیلاؤ ہوا اور انبیاء کی تعلیم دھندلی پڑ گئی۔ آج بھی غیر الہامی اور مشرک مذاہب ہندومت، جین مت، زرتشتی اور سکھ مت، بدھ مت اور افریقہ کے پرانے مذاہب وغیرہ میں الہامی تعلیمات کی ہلکی پھلکی جھلک دیکھی جاسکتی ہیں۔

بدھ مت کے پیش کردہ تصورات میں واضح طور پر الہامی ادیان کی تعلیمات کا عکس دیکھا جا سکتا ہے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ زبان کی تبدیلی کے باعث جب مقدس نسخوں کے تراجم کا وقت آیا تو تحریف کے راستے عقائد میں بگاڑ اس مذہب میں داخل ہو گیا۔ پھر بھی یہ امر بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ توحید جیسا عقیدہ اگرچہ کہیں نظر نہیں آتا لیکن عقیدہ آخرت جہاں اپنی پوری قوت سے موجود ہے۔

گوتم بدھ کے بارے میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی رائے:

بدھ مت ایک مذہب اور فلسفہ ہے جو مختلف روایات، عقائد اور طرز عمل کو محیط کیا ہوا ہے، جس کی زیادہ تر تعلیمات کی بنیاد سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہیں، عام طور پر بدھ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب بدھ مت بھی ہے۔ بدھا چوتھی سے پانچویں صدی قبل مسیح کے درمیان میں شمال مشرقی برصغیر میں رہتے تھے اور تعلیمات دیتے تھے۔ انہیں بدھ مت لوگ "ایک جاگت" یا "روشن خیال استاد" کے نام سے مانتے ہیں۔ انھوں نے حیات احساسی کو مشکلات سے نجات حاصل کرنا، نروان کو حاصل کرنا اور تکلیف اور دوسرے جنموں کی مشکلات سے بچنا سکھایا۔

ڈاکٹر حمید اللہ خطبات بہاولپور میں لکھتے ہیں:

ہم میں سے بہت سے لوگوں کے استاد مولانا مناظر احسن گیلانی انہیں کفل کہتے تھے غالباً اس سے مراد گوتم بدھ ہے اس کی وجہ وہ یہ بتاتے تھے کہ ذوالکفل کے لفظی معنی کفل والے کے ہیں۔ اور کفل "کپل وستو" کی معرب شکل ہے یہ بنارس کے قریب ایک شہر ہے۔ جس میں گوتم بدھ پیدا ہوئے تھے اس کی مزید تائید کے لیے وہ سورہ التین کی آیات 1 تا 3 کی طرف اشارہ کرتے تھے جس میں تمام مفسرین کے خیال میں چار پیغمبروں کا ذکر آیا ہے زیتون سے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے، سینا سے حضرت موسیٰؑ کی طرف، بلد الامین سے حضور اکرمؐ کی طرف۔ والتین کیا ہے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ ہیں لیکن حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے نبیوں کی زندگیوں میں انجیر کو کوئی اہمیت نہیں رہی جبکہ مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے تھے کہ گوتم بدھ کے ماننے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ گوتم بدھ کو جنگلی انجیر کے نیچے نروان حاصل ہوا تھا۔ اس سے وہ استنباط کرتے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں دنیا کے بڑے مذاہب کا ذکر ہے وہاں بدھ مت کا بھی ذکر ایک بہت لطیف انداز میں کر دیا گیا ہے۔ گوتم بدھ کے حالات چونکہ عربوں کو تفصیل سے معلوم نہیں تھے لہٰذا اس پر زور نہیں دیا گیا"۔ اس اقتباس کے ذیل میں کہنا ہے کہ یہ ڈاکٹر حمید اللہ کی اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی اپنی ذاتی رائے ہے۔[1]

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ آرا کتاب "النبی الخاتمؐ" کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

---

[1] حمید اللہ، خطبات بہاولپور، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۴ء)، ۲۵۸

"یوں تو آنے کو سب ہی آئے۔ سب میں آئے۔ سب جگہ آئے۔(سلام ہو اُن پر کہ) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے۔ لیکن کیا کیجیے کہ ان میں جو بھی آیا جانے کے لیے آیا۔ پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا، وہی جو آنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا۔ چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا چاہیے کہ جنھیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کیے گئے، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اُسی کو ہے اور اُس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے؟ جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دُور والے بھی اُس کو ٹھیک اُسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا۔ جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا"۔[1]

مولانا مناظر احسن گوتم بدھ کا شمار بھی "برگزیدوں کے اُس پاک گروہ" میں کرتے ہیں جو "سب میں آئے۔ سب جگہ آئے"۔ گوتم کی کہانی میں پائی جانے والی ایک ایک نشانی ہماری رہنمائی اِس امکان کی طرف کرتی ہے کہ کیا عجب کہ کپل وستو کا شہزادہ بھی اُن ایک لاکھ چوبیس ہزار آنے والوں میں سے ایک ہو جو "سب میں آئے۔ سب جگہ آئے"۔ مشرق کا اتنا بڑا خطہ جسے اب کوئی برصغیر کہتا ہے اور کوئی برعظیم، کسی "ہادی" سے کیوں محروم رکھا جاتا؟

سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ میں صابئین کا جو ذکر آیا ہے اس کے بارے میں علماء، مفسرین اور دوسرے مؤرخین کے خلاف مولانا مناظر احسن گیلانی صابئین کو بدھ مت کے پیروکار قرار دیتے ہیں اور اس کو مختلف تاریخی حوالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ذیل میں صابئین کے بارے میں جو مختلف اقوال ہیں اس کو بیان کیا جاتا ہے جس سے مولانا مناظر احسن گیلانی کی انفرادیت ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے خود ہی چند حوالے دیئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کے دین کے ماننے والوں کو صابئین یادگار ہیں۔[2]

۲۔ السدی کا یہ قول ہے کہ اہل کتاب کا ہی ایک گروہ ہے۔

۳۔ ایک قوم ہے جو فرشتوں کو پوجتے ہیں اور زبور کی تلاوت کرتی ہے۔

---

[1] گیلانی، مناظر احسن، النبیؐ الخاتم، (لاہور: المیزان ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۶ء)، ۱۲

[2] رازی، محمد بن ضیاء الدین عمر، التفسیر الکھف، (مکۃ المکرمہ: التجاریۃ، ۱۹۹۴ء)، ۲/ ۱۱۳

۴۔ کسدانیوں (قدیم بابل اور نینوا) والوں کی ایک یادگار امت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی امت کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

۵۔ وہب بن منبہ جو غیر قوموں کے حالات سے زیادہ واقف تھے کہا کرتے تھے کہ صابی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں لیکن ان کے پاس کوئی خاص شریعت نہیں ہے جس پر عمل کیا جائے۔

٦۔ ابوالزناد کا قول ہے کہ عراق کے نواح میں کوثی نامی مقام کی رہنے والی یہ ایک قوم ہے جو سارے انبیاء علیہ السلام کو مانتی ہے۔[1]

۷۔ مجاہد کہتے تھے کہ صابی نہ تو یہودی ہیں نہ نصاری بلکہ مشرکوں کی ایک قوم ہے جن کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے۔

سعید بن جبیرؒ کی طرف ایک لطیفہ یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ تھے جو یہودیوں سے ملے اور پوچھا کہ تمہارے دین کی نوعیت کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کی کتاب تورات ہے، اس کتاب میں فلاں فلاں باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور فلاں فلاں چیزوں سے منع کیا گیا ہے جو ہمارا ساتھ دے گا وہی جنت میں داخل ہوگا پھر وہ عیسائیوں کے پاس آئے اور پوچھا جس کا جواب دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کی کتاب انجیل ہے جو ہماری پیروی کرے گا وہی جنت میں ہوگا، صابئیوں نے دونوں قوموں کی ان باتوں کو سن کر کہا کہ ان جھگڑوں میں کون پڑے ہم کسی مذہب کو نہیں مانتے۔[2]

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ٦٢:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: بیشک ایمان والوں نیز یہودیوں اور عیسائیوں اور ستاروں کی پوجا کرنے والوں میں سے جو بھی سچے دل سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل مفسرین کے خیالات بیان کئے جاتے ہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے:

---

[1] سیوطی، جلال الدین، علامہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الدر المنثور، (بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۱ء)، ۴۱۱

[2] مسعودی، علی بن حسین، مروج الذہب و معادن الجوہر، (مصر: مکتبہ احمد الحلبی، ۱۸۸٦ء)، ۲/۴۷

[3] سورۃ البقرہ: ٦٢

"کہ صابی ایک قدیم فرقے کا نام ہے، شہر بابل و نینوا میں یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں رہتے تھے ابتدا تو ان کی معلوم نہیں کب ہوئی ہے لہٰذا ان کی صحیح اور پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں اس لئے مفسرین کے اقوال میں اختلاف ہے۔ تاہم ان کا اعتقاد تھا کہ خدا چونکہ مجرد محض ہے۔ اس لئے خدا تک رسائی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ مظاہر قدرت، بذات کی پرستش کی جائے چنانچہ بعض نے آفتاب، مہتاب ستاروں کی پرستش کو شعار بنالیا بعض نے اصنام کو اس ذات کا مظہر سمجھ کر ان کی پرستش شروع کر دی یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام سے معبد گاہ بنے ہوئے ہیں آگے چل کر ایران کے آتش پرست، ہندوستان کے وید پرست بھی اس گروہ کی شاخیں ہو گئیں غرض یہ کہ کسی نے ان کو یہود سمجھا کسی نے نصرانی، کسی نے مجوسی، یہ لفظ صابی اگر عربی ہے تو صبا یمنی حال سے چونکہ یہ تمام ادیان سے نکل کر اپنے مذہب کی طرف مائل ہوئے اسی لئے صابی کہلائے جانے لگے۔[1]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور بے مذہب کے کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقے کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے۔[2]

اس بنا پر ابو حنیفہ اور اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ ان کے ہاتھ ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی۔ حضرت حسن اور حضرت حکم فرماتے ہیں یہ گروہ مجوسیوں کی مانند ہے یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پانچ وقت نماز قبلہ کی جانب رخ کر کے پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔ ابو الزناد فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں کوثی کے رہنے والے سب نبیوں کو مانتے ہیں ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے یہ دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں۔ لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں عبد الرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بنا پر آنحضورؐ اور آپ کو صحابہ کو لا الہ الا اللہ صابی کہتے تھے۔ یعنی کہنے کی بنا پر ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک تو یہ بھی ہے کہ دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں

---

[1] سیوطی، جلال الدین، تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین (شرح مولانا محمد نعیم) (کراچی: مکتبہ دار الاشاعت، ۲۰۰۴ء)، ۱/۹۶

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۶ء)، ۱/۱۴۷

مجھے یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ مواحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔ ابو سعید اصطخری ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ امام رازی کے خیال میں ستارہ پرست لوگ تھے۔ بعض علماء کے خیال میں صاب وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

"صابئین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پورا پتہ نہ ملا اس لئے مختلف اقوال ہیں۔[1]

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگرچہ مولانا گیلانی کا یہ خیال کہ صابی، بدھ مت کے پیروکاروں کا لقب ہے تمام دوسرے مفسیرین کے نظریات کے خلاف ہے لیکن ان کے استدلال اور تحقیق و جستجو اور پھر اس سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت کو داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ بدھ مت مولانا گیلانی کی سوچ کا کاص ہدف ہے۔ اس پر انہوں نے بہت تحقیق کی ہے اور بعض منفرد خیالات کو تحریر کا جامہ پہنایا ہے جو کوئی اور نہ کر سکا۔

[1] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۹۸۲ء)، ۲۳۹

فصل دوم

برما میں اسلام کی آمد و اشاعت:

سرزمین عرب میں ۶۱۰ء میں ظہور اسلام سے قبل، پہلے کے عرب "خطہ روہانگ" سے بخوبی واقف تھے۔ جہاں وہ اپنے چین تک کے اگلے سفر کو جاری رکھنے سے پہلے تھوڑے وقفے کے لئے آرام کیا کرتے تھے۔ اور صرف اس علاقے میں دستیاب قیمتی لکڑی ساگوان سے اپنے لیے جہاز تیار کرتے اور ان کی مرمت کرتے تھے۔ اراکان میں ظہور اسلام کی پہلی ہی صدی ۶۱۰ء میں عربوں کی بستیوں کے وجود سے متعلق معلومات مستند حوالوں سے تاریخ بھری ہوئی ہے۔

"اسلام اراکان برما میں ۶۱۰ء اور ۶۶۰ء کے درمیان پہنچا۔ مسلمانوں کے کئی تجارتی جہاز ساحل اراکان پر طوفان کی زد میں آکر ٹوٹ گئے تھے۔ جہازوں کے مسلم ملاح کسی طرح جان بچا کر اراکان کے ساحل پر آباد ہو گئے۔ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اور پھر ان کی تبلیغ کے نتیجے میں مقامی آبادی کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔"[1]

بیان کیا جاتا ہے کہ ۶۶۰ء کے آس پاس اسلام برما میں داخل ہوا۔ یہاں کے اراکان صوبہ کے ساحل پر مسلمان تاجروں کی کی تجارتی کشتیاں کسی بڑی طوفان کی زد میں آکر ٹوٹ گئی تھیں۔ انہیں جہازوں کے مسلمان ملاح اور تاجر اراکان کے ساحل پر آباد ہو گئے تھے۔ انہی کے اخلاق و عادات سے متاثر ہو کر یہاں کے لوگ بھی مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد جوں جوں دن گزرتے گئے، عرب تاجر بھی یہاں پر آتے رہے۔ اسی طرح تجارت کے ساتھ ساتھ ان کی آبادی میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں مسلمان بدھوں سے پہلے آکر آباد ہوئے تھے۔ یہاں کے بدھ مگدھ بدھ کہلاتے ہیں۔ جنہیں اہل عرب ماغ بوذی کہتے ہیں۔ یہ در حقیقت بہار کے علاقہ مگدھ کے باشندے تھے۔ اسی مناسبت سے انہیں مگدھ بدھ کہا جاتا ہے۔ بہار کے جنوبی علاقہ میں گنگا کے پاس ۲۶۰۰ سال قبل مگدھ سلطنت قائم تھی۔ اور ان کا راج گریہہ دارالسلطنت تھا۔ آر۔ بی سمارٹ کے مطابق:

"تقریبا ۷۸۸ء میں مہانگ سندیا تخت نشین ہوا۔ اور پرانے راماوادی کے قریب ایک نیا شہر ویسالی آباد کیا۔ اور بیس سال حکمرانی کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس کے دور حکومت میں بحری جہاز اور ان کا عملہ رحمبری جزیرے میں تباہ ہوئے۔ اور وہ عربی حبشی مسلمان تھے۔ ان کو اراکان بھیجا گیا۔ اور وہ وہاں سکونت اختیار کر گئے۔"[2]

[1] Noorul Islam, *Facts about The rohingya Muslims of Arakan,* (London:The Arakan Rohingya National Organisation, 1986), 2-3.
See also: Moshe yegar, *The Muslims of Burma,* (Wiesbaden: Otto Harrassowitz, 1972), 27.
[2]Smart, R.B, *Burma Gazetteer, Akyab District,* (Myanamr: History and Archeology, 2004), Vol.1, 13.

۶۸۰ء کو عرب تاجروں کے اراکان آنے کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح ۷۸۰ء کو بھی بڑی تعداد میں عرب تاجر اراکان آئے تھے۔ اور ۷۸۸ء کو عرب تاجروں کے جہاز ساحل اراکان میں غرق ہو جانے کی وجہ سے عرب تاجروں کی کافی تعداد اراکان میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئی تھی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جزیرہ نمائے عرب اور خلیج فارس☆ سے تجارت وسیع کرنے آتے رہے۔

"عربوں کی آٹھویں صدی عیسوی کے دوران آمد کے بہت سے واقعات میں سے ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ان کے تجارتی جہازوں کا ایک چھوٹا سا بحری بیڑا رحمبری اور چٹوبا جزیروں کے قریب ساحل سمندر کی چٹانوں سے ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ تباہ حال تاجروں نے جان بچا کر مقامی آبادی میں پناہ لی۔ اور لوگوں کے اندر اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے وہاں مستقل آباد ہو گئے۔ بیشتر نے مقامی لڑکیوں سے شادیاں بھی کر لیں۔ اسلام لگاتار صدیوں تک سرعت کے ساتھ پھیلتا رہا اور تیرہویں صدی عیسوی میں آسام سے ملایا تک ساحل پر مساجد وجود میں آگئی تھیں جو بدر مقام کہلاتی ہیں۔"[1]

اس عرصے میں عربوں کی تجارتی سرگرمیاں انڈمان، نکوبار، ساحل اراکان، ملایا، سماٹرا اور جاوا تک پھیل گئی تھی۔ اسلام ان علاقوں میں بغیر کسی سیاسی مدد یا سہارے کے آیا تھا۔ عرب قدیم زمانے میں سمندروں پر راج کرنے والی سب سے عظیم قوم تھی۔ تیسری صدی قبل مسیح میں ان کے جنوبی ایشیا، جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے ممالک سے سمندری روابط قائم تھے۔

"اس وقت سے عربوں نے چھوٹے کاروباری کالونیاں قائم کی تھی۔ جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے ساحلوں سمیت اراکان، سماٹرا، جاوا اور ملایا تک شامل تھے۔"[2]

پھر ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلام کا آغاز ایک عظیم روحانی، سماجی اور سیاسی طور پر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سو سال بعد وہ روم کے مقابلے میں زیادہ طاقتور سلطنت کے مالک بن گئے۔ ان کی سمندری حکومت بحیرہ قلزم تک بڑا جس کو "عرب جھیل" بھی کہتے ہیں۔ تاہم بحر اوقیانوس میں ان کے براہ راست سیاسی کنٹرول مشرق وسطیٰ کے ساحلی علاقوں تک توسیع ہوئی۔ اور ان کی تجارتی سرگرمیاں انڈمان، نکوبار، اراکان کے ساحل، ملایا، سماٹرا اور جاوا تک پہنچ گئیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام بغیر کسی سیاسی مداخلت کے ان علاقوں میں پہنچ گیا۔ مسجدیں بنائی گئیں، قرآنی حلقے قائم کئے گئے، مدارس وجامعات کھولے گئے، ان کی کرنسی پر لا الہ الا اللہ محمد

☆خلیج فارس: جنوب مغربی ایشیا میں ایران اور جزیرہ نما عرب کے درمیان واقع خلیج ہے۔

[1]G.E Harvey, *outline of Burmese history*, (Bombay: Orient Longmans, 1954), 90.

[2] Nafis Ahmed, *Muslim Contribution to geography*, (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf printerse, 1972), 121.

رسول اللہ کندہ ہوتا تھا اور اس کے نیچے ابو بکر" عمر" عثمان" اور علی نام درج ہوتے تھے۔ برما کا صوبہ اراکان وہ سر زمین ہے جہاں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں یہاں مسلم تاجروں کے ذریعے اسلام پہنچا۔

اسی دور میں اراکان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ:

"مسلم فقراء و درویش اس کے ساحلی علاقوں میں آئے۔ وسیع پیمانے پر لوگ جانتے ہیں کہ وہاں پر ایک بدر مقام ہے۔ جو کہ بدرالدین "بدر عالم" کے عقیدت مندوں نے وہاں عمارت بنائی، جو کہ ان کے ساحل کے ساتھ پیر بدر کے نام سے مشہور ہے۔"[1]

برمی مسلمانوں کی تاریخ:

عربی مسلمان سب سے پہلے ہندوستان برصغیر کے ساتھ رابطے میں آئے، اور جنوب مشرقی ایشیا میں تجارت کی غرض سے آئے۔ جنوب مشرقی ایشیا سے طویل عرصے سے یہاں کے مصالحے، کپڑے، قیمتی پتھر اور دیگر اشیاء کی جنوبی اور مشرقی وسطی ایشیا اور یورپی ممالک میں بہت مانگ تھی۔ عربی باشندے جن کی سمندروں پر اجارہ داری تھی ایک طرف اس تجارت کو جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا کے درمیان قائم کیا تھا۔ اور دوسری طرف مشرق میں شمالی افریقہ اور یورپی ممالک کے ساتھ تجارتی روابط قائم کیے تھے۔ اور عرب تاجر ان اشیاء کو سمندری راستے کے ذریعے خلیج فارس، بصرہ، یمن، بحیرہ قلزم سے لے کر مشرقی وسطی اور وسطی ایشیاء شمالی افریقہ اور یورپی ممالک میں بیچتے تھے۔ تقریبا آٹھ صدیوں تک عرب تاجر نے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت قائم کی تھی۔ عربی لوگ پیدائشی تاجر تھے اور اسلام کے معترف ہونے کے بعد وہ ایک عظیم سمندری قوم بن گئے۔ سمت شناسی میں گہرے علوم، فلکیات کے مظاہر اور طول و عرض بلد کے علوم اور ممالک کے جغرافیوں اور ان کی سیر و سیاحت کی وجہ سے تجارتی سرگرمیوں نے منفرد مقام دیا تھا۔ عرب لوگ ان جگہوں کے بارے میں معلومات لکھتے جہاں کی وہ سیر کرتے۔ جو اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ لوگ دنیا کے مشرق و مغرب میں پہنچے ہیں۔ اراکان کے ساحلی علاقوں میں آٹھویں صدی اور اس کے بعد عرب مسلمانوں کے باشندوں کی باقاعدہ آبادکاری کے حوالہ جات موجود ہیں۔

مختلف عربی اور فارسی ذرائع کے بنیاد پر صادق خان لکھتے ہیں کہ:

"عربوں اور فارسیوں کے لیے برما کی زمین اور مختلف بندرگاہیں خاص کر اراکان کے ساحلی علاقوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ قدرتی طور پر وہ آٹھویں صدی اور اس کے بعد مسلم تاجر اور سمت شناس مشرقی سمندر مصر اور مڈغاسکر[2] سے لے کر چین تک پھیلے۔ اور تجارتی بستیاں قائم کیں۔ جس میں برما کے ساحلی علاقے نظر انداز نہیں

---

[1] Khan, Siddiq, *Analytical Study of 'Badar Muqum*, (Journal of Applied Social Psychology, 1962), Vol.7,7.

[2] مڈغاسکر: پرانا نام (مالاگاسی) بحر ہند میں افریقا کے مشرقی طرف واقع جزائر پر مشتمل ملک ہے۔

کیے۔اصل میں ان تاجروں اور ملاحوں کا مستقل کالونیاں قائم کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔لیکن کچھ مخصوص حالات کی وجہ سے مستقل بستیاں حاصل کیں۔[1]

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۷۲۵ء میں اراکان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ شیخ عبداللہ نے ۸۲۵ء سے ۸۳۷ء تک حکومت کی تھی۔وہ مشہور مسلمان سپہ سالار جنہوں نے اس کے بعد حکومتیں کی تھیں۔ان میں سے محمد حنیفۃ عیسیٰ، امیر حمزہ اور گولنگی تھے۔

مولانا محمد سالم قاسمی صاحب سفر نامہ برما قاری محمد طیب صاحب کی مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہاں ایک خوبصورت مینارہ بنایا گیا ہے جس سے منظر کی دلکشی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ کچھ دیر یہاں ٹھہر کر اس کے قریب ہی کے اس تاریخی پہاڑ پر تشریف لے گئے جہاں تاریخی ثبوت سے صحابہ کرام تشریف لائے اور قیام فرمایا۔بتلایا گیا کہ اس کے کنارے پر صحابہ کا جہاز خراب ہو گیا تھا اور وہ حضرات قیام پر مجبور ہوئے۔پہاڑ کے اس حصہ پر اس وقت ایک قبہ بنا ہوا ہے برابر میں ایک مسجد بھی ہے۔"[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اراکان آئے تھے۔محمد خلیل الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کے عہد میں اراکان میں اسلام جاری ہوا تھا۔"[3]

ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں مسلمان اراکان پہنچے ہیں۔اور بعد میں یہاں پر شادیاں کرکے بس گئے تھے۔عرب اس علاقے کو جو اراکان کے ساحل پر تھا رہمی کے نام سے پہچانتے تھے۔

"عرب اس علاقے کو رہمی کے نام سے منسوب کرتے تھے اور رہمی ان کے نزدیک اراکان اور زیریں برما تھا۔"[4]

اس علاقے کے حدود تھائی لینڈ، تناسرم، مولمین، خلیج مرتبان سے اراکان، چاٹگام☆، خلیج بنگال تک کے ساحلی علاقوں پر مشتمل تھا۔ بہت سارے عرب سیاح، جغرافیہ نویس اور مصنفین رہمی (اراکان) کے متعلق تحریریں موجود ہیں۔

محمد حنیفہ اور ملکہ کایاپوری:

عرب مسلم تاجروں کے اراکان رحمبری جزیرہ، انڈوچین، انڈونیشیا اور مالے وغیرہ کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ تجارت کے ساتھ ساتھ ان تاجروں نے دین اسلام کو بھی ان ممالک میں پھیلانا شروع کیا۔شاہ برید کی

---

[1]Khan, Siddiq, *Muslims Intercourse with Burma, Islamic Culture*, (Hydrabad: new press, July 1936), 418.

[2] قاسمی، محمد سالم، سفر نامہ برما، (سہارنپور: حجۃ الاسلام اکیڈیمی دیوبند یوپی انڈیا، ۲۰۱۷ء)، ۶۳

[3] خلیل الرحمن، محمد، تاریخ اسلام برہما و ارکان، (کلکتہ: پریس انڈیا، ۱۹۴۶ء)، ۲۴

[4] Phayre, Sir Arthur P, *History of Burma*, 9-10.

☆ چاٹگام (چٹاگانگ): بنگلہ دیش کا ایک اہم ساحلی شہر ہے۔ یہ ملک کے جنوب مشرقی علاقے میں واقع ہے۔

کتاب جو سولہویں صدی میں لکھی گئی ہے۔ اس میں محمد حنیفہ وکایاپوری کے نام موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد حنیفہ اراکان آئے تھے۔

> The first Muslim arrived at Myanmar was Sayed Mohammad al-Hanafia, one of the sons of Caliph Ali in A.D 680. He first reached to the north of Maungdaw in northern Rakhine with his followers and confronted with native queen Kaya Pari. When he won a battle, queen and her followers converted to Islam and he married the queen. However his arrival to Myanmar is no written evidence, the tombs of Sayed Mohammad al- Hanafia and his wife still exist on the peaks of Mayu Hills, near Maungdaw region.[1]

ترجمہ: سید محمد الحنفیہ جو خلیفہ علیؓ کے بیٹوں میں سے ایک تھے ۶۸۰ء میں پہلا مسلمان میانمار پہنچا۔ وہ شمالی راکھائن میں منگڈاؤ کے شمال میں اپنے پیروکاروں کے ساتھ پہنچا۔ اور مقامی ملکہ کایاپوری سے لڑا۔ جب انہوں نے یہ جنگ جیت لی، تو رانی اور اس کے پیروکاروں نے اسلام کو قبول کیا۔ اور اس نے رانی سے شادی کی۔ تاہم میانمار میں ان کے آنے کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے۔ سید محمد الحنفیہ اور اس کی بیوی کی قبریں منگڈاؤ کے علاقے کے قریب مایو پہاڑی کے چوٹیوں پر ابھی بھی موجود ہیں۔

۶۸۰ء میں واقعہ کربلا کے بعد محمد حنیفہ اپنی فوج کے ساتھ عرب شاہ پارہ پہنچے جو کہ شمالی اراکان اور مڈغاسکر کے قریب ہے۔ جبکہ کایاپوری ملکہ آدم خور قبیلہ پر حکمرانی کر رہی تھی۔ اس نے اس پہاڑی پر قبضہ کیا تھا اور اراکانی باشندوں کو لوٹا تھا۔ محمد حنیفہ نے آدم خور قبیلے پر حملہ کرکے رانی کو پکڑ لیا۔ اس کے بعد ملکہ نے اسلام قبول کر لیا اور محمد حنیفہ سے شادی کر لی۔ اور ملکہ کے لوگ بہت بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے۔ محمد حنیفہ اور اس کی ملکہ کایا پوری "مایو" میں رہنے لگے۔ مایو پہاڑیوں کی چوٹیوں کو آج بھی حنیفہ ٹونکی اور کایاپوری ٹونکی کہتے ہیں۔ اور جنگلی آدم خور سدھر کر تہذیب یافتہ ہوگئے۔ اراکانی باشندوں کو کوئی خوف نہ رہا اور وہ پرامن ہوگئے۔ محمد حنیفہ اور ملکہ کایاپوری کے ساتھی آپس میں گھل مل گئے اور امن سے رہنے لگے۔ ان مخلوط لوگوں کی اولاد اراکانی مسلمانوں کی بنیاد بنی۔

برطانیہ برما کے فرہنگ جغرافیہ کے مطابق:

> "۷۸۸ء میں ہاتنگ ساندیا نے ویسالی پر چڑھائی کی اور نیا شہر آباد کیا۔ جو کہ پرانی راماوادی کے قریب تھا۔ اور اس علاقے پر ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اور اس علاقے میں کئی بحری جہاز اور اس کا عملہ رحمبری جزیرہ میں تباہ ہوئے۔ جو کہ حبشی عربی مسلمان تھے۔ اور ان کو اراکان بھیجا گیا اور وہاں سکونت اختیار کی۔[2]

---

[1] Ezati, Abu al- Fazl, *The Spread of Islam, the contributing factors,* (London: Islamic College for Advanced Studies press, 2002), 481-482.

[2] *Burma Gazetteer – Akyab District*, 19.

خلیج بنگال کے ساحل ضلع اکیاب رحمبری کی بابازی شاہ منعم اور پیر بدر شاہ (علامہ بدرالدین) دونوں کے مزار موجود ہیں۔ اراکان کی ابتدائی تاریخ میں مسلمان صوفیوں کی آمد کے ثبوت موجود ہیں۔ دنیا کے اس حصے میں عربوں کی تجارتی سرگرمیوں کے دوران وہ اراکان کے ارد گرد نو آبادی اور پھر برما کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ اور انہوں نے مسلمان صوفیاء اور فقراء کے لئے مشرقی بنگال میں آنے کے لیے راستے بنائے۔ اور مبلغین اسلام نے صوبوں کے کونے کونے تک لادینی لوگوں کو سچے مذہب اسلام کی دعوت پہنچائی۔ اور لوگوں کی خدمت کی۔ ان پیروکاروں کے اعلیٰ اخلاقی کردار سے لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیا۔ اور ان پیروکاروں نے مسلم آبادی کی ترقی اور مسلم معاشرے کی بڑھوتری میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

"اسلام کے زریں اصولوں یعنی مساوات، بھائی چارہ اور اسلام میں ذات پات سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کی برابری کی خوبی نے اراکان کے باشندوں کو بہت متاثر کیا۔ ان تصورات نے اس نئے مذہب اسلام کو قبول کرنے کے لئے ان لوگوں کو بہت متاثر کیا۔" [1]

دین اسلام میں تمام بنی نوع انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور تمام انسان برابر ہیں۔ انسان کی تمام ذاتیں صرف ان کی پہچان کے لئے بنائی گئی ہیں۔ کسی کو بھی کسی پر کوءی فوقیت حاصل نہیں۔ اور اس زریں خوبی نے دنیا کے تمام انسانوں کو بہت متاثر کیا خصوصاً ان معاشروں میں جہاں ذات پات کا عمل دخل زیادہ تھا۔ اسی طرح اراکان کے رہنے والوں کو بھی اسلام کی اس خوبی نے متاثر کر کے اسلام میں داخل کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسلم مبلغین نے بھی اسلام کا پرچار کیا۔

اراکان میں مبلغین اسلام:

اس عرصہ میں مختلف ملکوں سے کافی تعداد میں داعیان اسلام دین کی نشرواشاعت کے لئے اراکان میں تشریف لائے۔ اور دین اسلام کی اشاعت میں اپنی پوری زندگی صرف کی۔ اور بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سر فہرست شاہ بدرالدین بدر عالم معروف بدر شاہ کا ذکر ملتا ہے۔ جن کی بنائی ہوئی مساجد اور خانقاہیں چٹاگام و اراکان کی متعدد جگہوں میں پائی جاتی ہیں جن کو بدر مقام کہا جاتا ہے۔ [2]

۱۴۱۴ء کو برمی راجہ من کھامن نے اراکان پر قبضہ کر لیا راجہ اراکان سلیمان شاہ نے حاکم بنگال کے پاس پناہ لی۔ برمی راجہ نے اراکان پر قبضہ کرنے کے بعد بہت سارے عربی النسل مسلمانوں کو قتل کیا۔ اور بہت سارے مسلمانوں کو

---

[1] *Rohingya Outcry and Demands*, 36-37.

[2] Phayre, Sir Arthur P, *History of Burma*, 134.

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: خلیل الرحمٰن، تاریخ اسلام برہما وارکان، ٦٥ تا ٦٧

شفیع، محمد واراکین، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۴/ ۵۷، اور ۵/ ٦٨٨

قید کر کے شہر آوا اور پیگو لے جایا گیا۔ اور بہتوں نے چٹاگام و بنگال کی طرف ہجرت کی یہ اراکانی مسلمانوں کی پہلی ہجرت ہے۔[1]

ان مہاجرین کی اولاد کو برما میں کَلاَ اور چٹاگام میں رُھَنی کہا جاتا ہے۔ بر من راجہ من کھا من نے ۱۴۰۴ء میں اراکان پر قبضہ کر لیا تھا اور بہت سارے عربی النسل مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ شاہ اراکان سلیمان شاہ یہاں سے بھاگ کر حاکم بنگال کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے ساتھ بہت سارے مسلمان بھی ہجرت کر کے بنگال آ گئے۔ تاریخ برما یا تاریخ اراکان میں اسے ہم مسلمانوں کی پہلی ہجرت کہہ سکتے ہیں۔

اراکان میں اسلامی حکومت:

۷۲۵ء سے اراکان کے جزیرہ ہنتھاودی میں مسلمانوں کی حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں ۸۲۵ء سے ۸۳۷ء تک شیخ عبد اللہ نے حکومت کی تھی۔ اسی طرح محمد حنیفہ، عیسیٰ، امیر حمزہ، گو لنگی یا گاؤ لنگی نامی مسلمان سپہ سالاروں کی اراکان میں حکومت کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۰۸۴ء میں اراکان میں مسلمانوں نے باقاعدہ اسلامی حکومت قائم کر لی تھی۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ فی الحال مراکش سے بنگال تک جو اسلامی ممالک کا سلسلہ ہے، وہ زمانہ قدیم میں اراکان، تناسرم، فطانی، مالدیپ، انڈمان☆، کولیکر، برونی کانٹین، مندناؤ، فلپائن تک وسیع تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

ان جزیروں میں عربوں کی جہازی آمد و رفت صدیوں تک اتنی رہی کہ ان میں سے اکثر جزیروں میں ان کی مستقل آبادیاں قائم ہو گئیں۔ اور ان کے بدولت یہاں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ مالدیپ سے لے کر جاوا اور سوماترہ (سماٹرا) تک اور وہاں سے فلپائن تک ان کا اثر پھیلا۔ ان کی تہذیب و تمدن و ترقی میں عرب جہاز رانوں اور بحری تاجروں کا بڑا حصہ ہے، یہاں تک کہ صدیوں کے بعد یہاں اسلامی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ خصوصیت کے ساتھ حضر موتی عربوں کے یہ مرکز بن گئے۔ اور آج بھی حضارمہ کی آبادی یہاں اچھی خاصی ہے۔[2]

اراکان میں عربوں کی آمد ہندوستان کو فتح کرنے سے پہلے کی ہے۔ ابتدائی تاریخ اور عرب جغرافیوں اور تاجروں کی جو مسلمانوں کے آنے کی اراکان کی تاریخ کی تعمیر کیلئے اہم ذریعہ ہے۔ عربوں نے ان مقامات کے بارے میں لکھا جن کی انہوں نے سیاحت کی۔ اسی لئے یہ بات ان کے دیکھنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ابتدائی جغرافیوں کا حوالہ دیتے ہوئے جی ای ہاروی (G.E Harvery) لکھتے ہیں:

---

[1] خلیل الرحمٰن، تاریخ اسلام برما و ارکان، ۹۶،۹۷

☆ انڈمان: خلیج بنگال کے جنوب مشرق میں، برما کے جنوب، تھائی لینڈ کے مغرب اور جزائر انڈمان مشرق میں واقع بحر ہند کا حصہ ہے۔

[2] ندوی، سید سلیمان، عربوں کی جہاز رانی، (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈیمی، ۱۹۳۵ء)، ۶۶

عربوں کے لیے جن کے بحری جہاز مشرقی وسطی میں آٹھویں صدی سے سولہویں صدی تک برما، اراکان اور زیریں برما کی ترسیل میں اہم کردار ادا کرتی رہی تھی۔ اس کے علاوہ خلیج بنگال میں مسلم تجارتی جہازوں کی سرگرمیوں کے آغاز سے مسلم تجارتی بحری جہاز اراکان کی بندرگاہ تک پہنچ گئے۔ جیسا کہ وہ برما کے بندرگاہوں میں پہنچ گئے تھے۔[1]

لفظ روہنگیا کا مادہ اور رہمی کی تحقیق:

اراکان کے پرانے نام روہانگ سے عربی بحری سیاح اسلام آنے سے پہلے بھی واقف تھے۔ قدیم اوقات میں عربی، حبشی، پٹھان، ترکش، مغل، وسطی ایشیا کے باشندے اور بنگالی زیادہ تر تاجر، جنگجو، قیدی، مبلغین اور سیاحوں کے طور پر اراکان آئے ہیں۔ ان میں بہت سارے اراکان میں ہی رہائش پذیر ہوئے۔ اور مقامی لوگوں سے گھل مل گئے۔ اب موجودہ لوگوں کو روہنگیا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا روہنگیا مسلمان جو ساتویں صدی سے پہلے کے یہاں آباد ہیں۔ کسی ایک قبیلے یا کسی ایک نسلی گروہ کے لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مختلف لوگوں کے میلاپ سے ایک نسلی گروہ بن گئے ہیں۔ نسلی روہنگیا باشندے مذہبی طور پر مسلمان ہیں۔ جن کی اپنی مخصوص ثقافت اور تمدن ہے۔ جن کی نسب عربی، حبشی، پٹھان، مغل، وسطی ایشیا کے باشندے، بنگالی اور کچھ ہندو منگولی لوگوں کو پہنچتی ہیں۔ اس وجہ سے روہنگیا لوگ مختلف نسلوں کے ملاپ سے پیدا ہوئے۔ اس لئے راکھائن کے مگدھ اور برمی لوگوں کی طرح ان کے چہرے بڑے اور آنکھیں باریک اور ان کی ناک ہموار نہیں ہے۔ بلکہ وہ قد میں لمبے اور رنگ میں سیاہ ہیں۔ کچھ ان میں پیتلی رنگ کے ہیں لیکن زردی مائل نہیں ہیں۔ روہنگیا لوگ اب بھی اپنے نام، لباس اور رسم و رواج عربوں کی طرز پر رکھتے ہیں۔ اس لیے روہنگیا لوگ یہاں کے مقامی ہونے کے ساتھ ساتھ برمی باشندے ہیں۔ وہ کوئی نئی نسلی گروہ نہیں بلکہ دوسرے نسلی گروہوں کی طرح برمی باشندے ہیں۔ "ملک رہمی مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق برہما ہے۔"[2]

چونکہ اراکان برما و بنگال کے درمیان واقع ہے اس لیے اس کی تعین میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اس کے بارے میں قاضی اطہر مبارکپوری صاحب یہ احتمال بھی ظاہر کرتے ہیں: ہو سکتا ہے یہ ارکان یا برما کے آس پاس کا علاقہ ہو۔[3]

اراکان کے سرحدات برما اور بنگال کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ مؤلف "ہندوستان عربوں کی نظر میں" نے لکھا ہے کہ: غالباً روہان یا اراکان واقع برہما ہے مؤلف شاہان گوجر کہتے ہیں کہ یہ لفظ برہما ہے۔ عرب مؤرخین نے الف کو بصورت "ی" لکھا۔ برہما کا برہمی ہو گیا اور ب کا آہستہ آہستہ نقل در نقل میں اڑ گیا۔[4]

---

[1] G.E Harvey, *the Muslim of Burma: A Study of Minority Group*, 18.

[2] مبارکپوری، قاضی اطہر، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، (لاہور: فینس بک الوہاب مارکیٹ اردو بازار، ۱۹۸۹ء)، ۲۳۴-۲۴۳

[3] ایضاً: ۲۳۷

[4] اصلاحی، ضیاء الدین، ہندوستان عربوں کی نظر میں، (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۱۷ء)، ۱/۵۱۷

جس سے یہ لفظ رھمہ یا رھمۃ پڑ گیا۔ سب جانتے ہیں اراکان کا قدیم نام روہان یا رُہنگ ہے وہاں کے باشندے کو رہنگیہ یا روہنگیا کہا جاتا ہے یہ لفظ رہم یا رہمی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

"رھمۃ، رھمہ، رھام بمعنی ہلکی بارش، مسلسل ہلکی بارش رہمی ہے ہلکی بارش والا ملک مراد ہے جیسا کہ مؤلف "مقاطعہ ارکان" نے لکھا ہے۔[1]

لیکن خلیل الرحمن صاحب نے اس کو رحمۃ، رحم، رحمی قرار دیا ہے لکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان کو رحم یا رحمیہ کہا گیا ہے۔[2] اور بعض نے کہا ہے اس قوم کی رحمدلی کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا ہے۔ خلیل الرحمٰن صاحب نے عرب سیاحوں کا حوالہ دیا ہے۔[3]

لیکن تلاش و تحقیق کے بعد مجھے کسی بھی عرب سیاح سے لفظ رحمی منقول نہیں ملا، بلکہ تمام سیاح نے رہمی ہی لکھا ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

راجہ رحمی نے اپنا تعارف عظیم ارکان المشرق کے لقب سے کرایا ہے۔ خلیفہ مامون نے بھی جواب میں عظیم من تحت یدہ من اراکنۃ الہند و ارکان المشرق سے خطاب کرکے اس کا اعتراف کیا ہے یہ دلائل راجہ رہمی کی مملکت کی تعیین کے لئے کافی ہے۔[4]

اراکان کا پرانا نام روہانگ تھا۔ پرانے زمانے میں عرب، پٹھان، ترک، مغل اور بنگالی جو زیادہ تر تاجر، جنگجو، مبلغین اور سیاحوں کے طور پر اراکان آئے ان میں بہت سارے اراکان میں ہی رہائش پذیر ہو کر مقامی لوگوں میں گھل مل گئے۔ اب ان تمام لوگوں کو روہنگیا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا روہنگیا مسلمان ساتویں صدی سے پہلے کے یہاں آباد ہیں۔

لفظ اراکان کی تحقیق:

اراکنۃ ارکون کی جمع ہے جس کے معنی رئیس، راجہ کے ہیں۔ اور ارکان رکن کی جمع ہے۔ جس کے معنی شریف، سردار کے ہیں۔ اس سے اس مشہور بات کی طرف کسی حد تک اشارہ ملتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ارکان کے مختلف شہروں کے حاکم کو رکن کہا جاتا تھا۔ جس کا اطلاق اس کے ماتحت علاقوں پر بھی ہوتا تھا جیسا کہ رہمی کا اطلاق ملک اور راجہ دونوں پر ہوا ہے۔ اس طرح تمام علاقوں کو ملا کر ارکان نام ہو گیا۔ جیسا کہ خط میں لکھا ہے عظیم ارکان المشرق، عظیم من تحت یدہ من اراکنۃ الہند و ارکان المشرق۔

---

[1] مقاطع ارکان، (کراچی: موتمر عالم اسلامی، سن اشاعت ندارد)، ۳۷

[2] خلیل الرحمن، محمد، تاریخ اسلام برہما و ارکان، ۲۶

[3] A,P Phayre, *History of Burma*, 269- 270.

[4] مبارکپوری، قاضی اطہر، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ۲۳۸

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ارکان کو پہلے الرکن بھی کہا جاتا تھا۔[1]

لیکن خلیل الرحمٰن صاحب نے اراکانی مسلمانوں کی خاندانی روایات کے طور پر ذکر کیا ہے کہ:

"راجہ ارکان گولنگی نے مسلمان ہو کر اس ملک کا نام ارکان رکھا تھا جس سے مراد اسلام کا بنیادی مقام ہے۔"[2]

اس کے علاوہ خلیل علی خان اشک نے گاؤلنگی کو راجہ رخام لکھا ہے۔[3]

یہاں ایک قسم کا سفید پتھر سنگ مرمر پایا جاتا تھا جس کو عربی میں رخام کہا جاتا ہے اس وجہ سے ارکان کا نام رخام بھی مشہور ہے۔ جزیرہ رحمبری کے شہر چوکفیو اس کا ہم معنی ہے۔[4]

لفظ اراکان کا مادہ روہان یا روہنگ سے لیا گیا ہے۔ اور اس کے مختلف علاقوں کے امراء کو رکن کہا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے تمام علاقوں کو مجموعی طور پر اراکان کہا جاتا تھا۔ اور آج بھی یہ نام مستعمل ہے۔

روہنگیا مسلمان اور مگھ بدھسٹ:

اراکان میں اسلام بدھ مت سے پہلے پھیل گیا تھا۔ بدھ مت کے ماننے والے وہاں پہنچنے سے پہلے مسلمان وہاں پہنچ چکے تھے۔ وہاں دین اسلام کے پھیلنے اور عرب مسلمانوں کے مستقل طور پر آباد ہو جانے کے بہت بعد مگھ بدھسٹ قوم وہاں پہنچی ہے۔ یہ اصلاً مگدھ بہار کے باشندے ہیں۔

جناب فصیح الدین بلخی تاریخ مگدھ میں لکھتے ہیں:

> "۱۱۹۷ء میں من دیو پال مگدھ (بہار) کا حکمران تھا۔ مونگیر کا قلعہ اسی کا بنایا ہوا سمجھا جاتا ہے۔ پال خاندان کے آخر زمانہ میں بنگالہ کے سین خاندان کے راجاؤں نے پال راجاؤں کو بنگالہ کے اکثر علاقوں سے بے دخل کر دیا تھا۔ مگدھ (بہار) اور مونگیر کے اعتراف میں تمام علاقے محمد بن بختیار خلجی کے حملوں کے قبل تک پال خاندان کی حکومت میں تھے۔ پال خاندان کی حکومت میں بدھ دھرم کی درسگاہیں خوب آباد رہیں۔"[5]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] قاسمی، شاہد، اراکان میں روہنگیا، سہ ماہی، Rohingyar Daak، (آر پی ایف کا ترجمان اراکان برما، ۱۹۸۳ء)، ۲/۳

[2] خلیل الرحمٰن، محمد، تاریخ اسلام برہما و ارکان، ۲۴

[3] امیر حمزہ، داستان امیر حمزہ، دفتر چہارم، (لکھنؤ: حمزہ کتب خانہ، ۱۹۵۳ء)، ۵۲۰- ۵۴۱

[4] خلیل الرحمٰن، محمد، تاریخ اسلام برہما و ارکان، ۱۸۰

[5] بلخی، فصیح الدین، تاریخ مگدھ، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۴ء)، ۹۳

"محمد بن بختیار خلجی کے حملوں کے وقت اندر من دیو پال غائب ہو کر بھاگ گیا اور گنگا کے پار کسی جگہ روپوش رہا اس کے بعد سے صوبہ بہار میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔"[1]

یہ لوگ یہاں سے بھاگ کر ڈھاکہ، بریسال، چاٹگام، وغیرہ کے مختلف علاقوں میں بس گئے تھے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اسے آہستہ آہستہ اراکان میں رہ کر یہاں کے ہو کر رہ گئے، اور دوسری اہم چیز یہ کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے وہاں برمیوں کے ساتھ زبان و ثقافت میں یکسانیت اختیار کر لی۔ اور یہاں کے مستقل باشندے بن گئے۔

انورادھا کی بادشاہت میں برمی مسلمان:

دسویں صدی عیسوی برما کی تاریخ کے عظیم بادشاہ انورادھا پیگن کے حکمران بنے۔ وہ برما کے پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے کئی ریاستیں فتح کیں۔ انورادھا نے ٹاگونگ شاہی خاندان کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ جو کہ پہلے شان اور مون تلیانگ قبیلوں نے فتح کیا تھا۔ اس کے علاوہ انورادھا نے برما میں بدھ مت کو پھیلایا۔ اور پڑوسی ممالک بھارت اور چین کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کئے۔

۱۰۵۰ء میں "بیاطوائی" نامی مسلمان سردار کا ذکر ملتا ہے، جسے "مان" خاندان کے بادشاہ نے اس لئے قتل کر دیا تھا کہ وہ قوت جمع کر رہا تھا۔ برما کے مشہور تاریخی ہیرو بادشاہ "کیان سیتھا" نے اپنے وقت کے مسلمان سردار "رحمان خان" کو سیاسی و مذہبی اختلافات کی بنیاد پر قتل کرا دیا تھا، اور اس مسلمان کے قتل کیلئے اس بادشاہ نے جلاد کو خصوصاً اپنی ذاتی تلوار دی تھی۔

برما کے پہلے مسلمان مہاراج ونگ تھے جو کہ عربی تاجر تھے۔ اس کے دو بیٹے بیاتوی اور بیاتاتھے۔ وہ زیریں برما پہنچے جہاں پر تاٹھون بادشاہ ۱۰۵۰ء کی حکومت تھی۔ وہ تاٹھون میں مہاجر کی حیثیت سے آئے۔ وہ بہت طاقتور اور مضبوط تھے۔ تاٹھوں بادشاہ نے گھبرا کر اس کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ جس کی وجہ سے بڑے بھائی بیاتوی قتل ہوئے۔ اور چھوٹے بھائی بیاتاوہاں سے ہجرت کر کے انورادھا کی حکومت پیگن چلے گئے۔ انورادھا کو وہ اس کی بہادری کی وجہ سے پسند آئے اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ بیاتا نے برمی عورت سے شادی کی اور اس کے دو بیٹے ہوئے۔ اور وہ شاہی خاندان کے اولاد کے طور پر جاننے لگے۔[2]

دوسری تاریخی واقعہ میں یمن خان رحمان خان کا ذکر ہے۔ جو کہ سالو(Sawlu) ۱۰۷۷ء-۱۰۸۸ء اپنے والد انورادھا کے بعد حکمران بنا۔ انورادھا نے اپنے بیٹے کے لئے ایک عرب مسلم شاہی استاد کو منتخب کر لیا۔ جب

---

[1] بلخی، فصیح الدین، تاریخ مگدھ، ۹۳

[2] Moshe yegar, *The Muslims of Burma, A study of Minority groups*, 2.

شہزادہ سالو (Sawlu) حکمران بنا تو اس نے اپنے استاد کے بیٹے اور اپنے بچپن کے دوست یمن خان (Yaman Khan) کو پیگو شہر کا گورنر بنایا۔

۱۲۷۷ء میں برما پر ایک دوسرے مسلم فوج نے مشرقی طرف سے قبلائی خان کی قیادت میں چڑھائی کی۔ اس کی فوج کا سپہ سالار ترکش مسلمان تھا۔ جو کہ گورنر یونن (Yunan) کا بیٹا تھا۔ اس نے بالائی برما کو قبضہ کیا اور کچھ سالوں بعد ۱۲۸۵-۱۲۸۷ء میں پیگن اور پیگن شاہی خاندان کو قبضہ کرکے اس کے بادشاہت کو پارہ پارہ کیا۔

اراکانی تاریخ پیگن میں انورادھا کے دور حکومت ۱۰۴۴-۱۰۷۷ء کے ملک میں مسلم صوفیوں کے سفر کے مزید حوالے بھی ملتے ہیں۔ انورادھا کی حکمرانی کے دوران اعطوا کے کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب انورادھا جنگل میں داخل ہوا تو انہوں نے ایک فقیر دیکھا۔ جو صوفیانہ حکمت کا حامل تھا۔ اس کے جسم پر تشدد کے نشانات موجود تھے اور وہ فوت ہوا تھا۔"[1]

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں اسلام نہ صرف تاجروں بلکہ درویشوں اور صوفیوں کی وجہ سے پھیلا۔ عرب تاجروں اور صوفیوں نے مقامی لوگوں کے ساتھ تبلیغی سرگرمیاں سرانجام دیں۔ اعلیٰ اخلاقی کردار اور اسلام کے سچے پیروکاروں کے اعلیٰ تبلیغی جذبے کی وجہ سے اسلام کی طرف بڑی تعداد میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ جس میں ان کی حوصلہ افزائی کی۔ عربوں نے بہت سے مقامی خواتین سے شادیاں کیں اور مستقل طور پر شہروں اور گاؤں میں آباد ہوئے۔ عرب تاجروں نے اراکان کے علاقائی راستوں کا استعمال کرکے بالائی برما اور چین تک پہنچے۔ اور ملایا، سماٹرا، جاوا اور دور دور مشرق میں بحری راستے استعمال کیے۔ اور مشرق وسطی سے واپسی پر عرب تاجروں نے اراکان کے ذریعے اسی راستے کا استعمال کیا۔ گذشتہ صدیوں تک عرب تاجروں نے اراکان سے غیر ملکی تجارت پر قابض رہے۔ مسلسل کئی صدیوں کے دوران گفت وشنید اور نئے آنے والے مہاجروں کے نتیجے میں مسلم آبادی بڑی تعداد میں بڑھ گئی۔

مورخ جی آئی ہاروی (G.E Harvey) کہتے ہیں کہ:

> "دسویں صدی کے بعد یہ ملک بدھ مت کا دعویدار تھا۔ لیکن اسلام کے پھیلنے کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ جو کہ تیرہویں صدی عیسوی میں آسام سے ملایا کے ساحل پر ایک مسجد بنائی جس کو بدر مقام کہا جاتا ہے۔ بے شک یہ اسلام کا ہی اثر ورسوخ تھا جس کی وجہ سے برما کے مقابلے میں اراکانی عورتوں کو زیادہ تحفظ دیا گیا۔"[2]

---

[1]Qanungo, S.B, *A History of Chittagong*, (Thailand:Dipankar Qanungo, January, 1988), Vol.1, 111-112.
[2]G.E Harvey, *Outline of Burmese History*, 90.

تیر ہویں صدی تک اسلام نے افریقہ کے بحر اوقیانوس اور بنگال کے درمیان لوگوں کے دلوں اور روح پر فتح حاصل کی تھی۔ اراکان بنگال کے ساتھ منسلک تھا۔ اور تیر ہویں صدی سے قبل اراکان میں اسلامی اثرات کافی حد تک پھیل گئے تھے۔

مورخ ڈی جی ای ہال (D.G.E Hall) مذکورہ بالا جملوں سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"پیگن کے بادشاہ انورادھا نے اراکان پر اپنے اختیار پر زور دیا۔ لیکن ۱۲۳۷ء کے بعد یہ زور ختم ہو گیا۔ اور ۱۴۳۳ء میں نرمیخلا کے مروہانگ کو آباد کرنے سے پہلی گرمی اور مونگ قبیلہ کی مداخلت وقت کے ساتھ ساتھ کمی بیشی ہوتی رہی۔ اور اراکان کے اسلامی ہندوستان کے ساتھ رابطے برما کی بنسبت زیادہ قریب تھے۔"[1]

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اراکان کے بادشاہ نرمیخلا قریبی بدھ مذہبی ریاست یا ہندو بھارتی ریاستوں کے مقابلے میں مسلم بنگال میں پناہ لینے کو ترجیح دی۔ تاہم بنگال میں اس کے طویل قیام سے اراکان کی تاریخ پر زبردست اثر پڑا ہے۔

"نرمیخلا نے اپنی پناہ گزینی کے درمیانی سال غور میں رہ کر ریاضی اور قدرتی سائنسی علوم کے مختلف شعبہ جات اور انقلابی تصورات کو سیکھنے میں گزارے۔ جس کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور اسلامی عقائد بھی حاصل کئے۔"[2]

مسلمان دوسرے برمی بادشاہت میں:

انورادھا کی ریاست میں زیریں برما پر اس کے اپنے حکمران تھے۔ اور وہ برمی بادشاہت پیگن ریاست کے قبضے کے بعد زیریں برما کے حکمران نے خود کو مضبوط کیا اور اپنی طاقت کو ہمسایہ ریاستوں تک پھیلایا۔ اس کے بعد سیامی تاریخ کے مطابق بہت زیادہ مسلم تاجر، سوداگر اور ملاح اور ان کے اسفار برما کے مختلف شہروں جیسا کہ تنام سر اور زیریں برما میں جیسا کہ Bessein، پیگو، سریام اور رنگون وغیرہ میں ملے ہیں۔

انہوں نے اپنی محنت اور دولت کے بل بوتے پر وہاں کی تجارت کو قبضے میں لے لیا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ وہاں کے قصبات میں بہت اہمیت رکھتے تھے۔ برما مون سون موسم والا ملک ہے۔ مون سون بارشوں کے موسم میں ملاح اپنی کشتیوں کو برما کے بندر گاہ پر روک لیتے تھے۔ برما کے گورنران ملاحوں کو برمی عورتوں سے شادی کیلئے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ لیکن جب وہ برما چھوڑ کر جانا چاہتے تھے تو گورنر ان کو عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کچھ وہاں کی شادیوں کی وجہ سے اور کچھ نئے آنے والے تاجروں کی وجہ سے کچھ عرصہ میں وہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اسی وجہ سے انہوں نے برما میں مسلمانوں کی آبادی کی بنیاد رکھی۔ برمی

---

[1] Hall, D.G.E, *BURMA BRITISH EMPIRE HISTORY*, (Rangoon:press University of Rangoon, 2008), 57.

[2]Klein, Wilhem, Gunter Pfannmuller, *Burma the Golden, designed and photographed*, (Myanmar: Apa Productions, January 1, 1982) , 94.

بادشاہ پاتھی (Pathee)یا کالا(Kala)کے زمانے میں مسلمانوں کی رہنے کے لیے ایک جگہ مختص کی جس کو کلدان(Kaladan) کہتے جو کہ بادشاہ نے ان کو مہیا کی تھی۔

"اس کے علاوہ(Bayintanaung) ۱۵۵۰ء-۱۵۸۱ءکے علاقے میں جو کہ دوسرے برمی بادشاہت کے لیے مشہور ہے نے دوسرے تلیانگ کے خلاف جنگ ۱۵۶۸-۶۹ء میں اس نے بھارت سے جنگجو بلائے اور بعد میں ان کو وہاں رہائش دی اور برمی عورتوں سے شادیاں کرائیں۔"[1]

سولہویں صدی میں مسلمان قیدی جو کہ مختلف جنگوں میں یہاں لائے گئے وہ بھی بالائی برمایعنی(Mydeu)جو کہ (Shwebo) ضلع میں برمی بادشاہت میں سکونت اختیار کرگئے۔ اس کے بعد ان کو قریبی اضلاع یعنی (Kyaukse Yamethin, Sagaing)میں رہنے لگے اور بادشاہ کی نوکری کرکے وہاں پر زمین خریدیں۔ وہ شاہی محل کے محافظ کی حیثیت سے خدمت کرتے رہے۔ اور یہ خدمت ان کی میراث میں چلتی رہی۔[2]

تیسری برمی بادشاہت میں مسلمان:

الونگ پایہ تیسری برمی بادشاہت کے لیے مشہور ہے۔ اورآخری شاہی خاندان "Konbaung"بنایا۔ اور برمی بادشاہت کی طاقت کو دوبارہ حاصل کیا۔ اس نے مون بادشاہت زیریں برما اور راکھائن کو فتح کرلیا۔ شروع میں الونگ پایہ نے مون بادشاہت جو کہ مسلمان فوج پر منحصر تھی پر حملہ کیا۔ جب اس نے جنگ جیتی تو اس نے مون کے تمام شہروں کو قبضہ کرکے تمام مسلمان سپاہیوں اور جنگجوؤں کو لے آیا۔ اور بعد میں ان کو اپنی فوج میں شامل کیا۔[3]

اور اس کے بعد ان کو ضلع"Shwebo"اور"Yamethin"میں رہائش دی۔ ان علاقوں کے مسلمانوں کو "Mydeu kala"یا"Kula byo"اور"Pathee"کہاجانے لگا۔

اٹھارہویں صدی میں اور انیسویں صدی کے شروع میں برما کے تمام بڑے شہروں میں مسلمان برادری موجود تھی جو کہ برما کے اردگرد اور ان کی زبانوں، لباس اور رسم ورواج میں ضم ہونے کے باوجود مذہبی اقلیت برقرار رکھتی تھی۔[4]
مسلمان نہ صرف فوجی بلکہ انتظامی عہدوں پر بھی فائز ہوئے تھے۔ بادشاہ بوداپایہ(۱۷۸۱ء-۱۸۹۱ء) ایک مستحکم حکمران اور الونگ پایہ کے بیٹے تھے۔ اس نے ایک مسلمان قاضی القضاۃ عابد شاہ حسینی کو مقرر کیا تھا۔ اور Pagan Min☆ دور (۱۸۱۱ء-۱۸۸۰ء) میں ایک مسلمان کو امرپورہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ برمی بادشاہ منڈن*(۱۸۵۳ء-

[1]Moshe yegar, *The Muslim of Burma: A Study of Minority Group*, 10.
[2]Ibid, 11.
[3] Let Ware Nawrattha, Twin-thin Taik-wun, *The Chronicles of Alaungpaya's Battle*,(Yangon: Yangon press, 1961), 77-99.
[4] Moshe yegar,*The Muslim of Burma: A Study of Minority Group*, 11-13.

☆Pagan min:(۲۱جون۱۸۱۱ء -۱۴مارچ۱۸۸۰ء)، برما کے Konbaung خاندان کا نواں بادشاہ تھا۔

*(۸جولائی۱۸۰۸ء - ۱۱اکتوبر۱۸۷۸ء)۱۸۵۳ء سے ۱۸۷۸ء تک برما کا بادشاہ تھا۔ وہ برما کے سب سے مقبول بادشاہوں میں سے تھا۔

۱۹۷۸ء) کے زمانے میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان برمی فوج میں مختلف انتظامی عہدوں پر فائز تھے۔ اینگلو برمن جنگ میں بھی مسلمان فوجی برما کی طرف سے لڑے۔[1]

دوسری طرف چینی مسلمان برادری جو کہ Pathay کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ Yunan ضلع مغربی چینی سرحد سے یہاں آئے تھے۔ چینی بادشاہ ۱۸۵۶ء- ۱۸۷۳ء Pathay کی بغاوت ہونے کے بعد ان میں اکثریت تاجر، خچر چلانے والے اور مہاجر کی حیثیت سے برما میں آئے۔

"برما کے مشرقی حصہ شان علاقے میں مختلف جگہوں پر رہائش اختیار کی۔ اور یہ لوگ برما میں آئے یہاں تک کہ Yunan کو چینی برادری نے لے لیا۔"[2]

بنگال ۱۲۰۳ء میں اسلامی ریاست بنی۔ لیکن اسلامی ممالک کی توسیع میں یہ انتہائی مشرقی حد تھی۔ شمالی اراکان کے مشرقی بنگال کے ساتھ قریبی علاقائی تعلقات قائم تھے۔ اراکان کی تاریخ میں ثقافتی اور سیاسی مسلم اثرورسوخ کی اہمیت تھی۔ دراصل اراکان نے برما کے دوسرے حصوں تک مسلمانوں کی رسائی کیلئے ایک پُل کی حیثیت سے مدد فراہم کی۔ اور مسلمانوں نے کہیں بھی اتنی اہمیت حاصل نہیں کی، جتنی انہوں نے اراکان میں حاصل کی۔ اور ۱۴۳۰ء میں شروع ہونے والی مسلم ریاست قائم کرنے کے لیے اراکان میں اسلامی اثرات بڑھائے۔

مروہانگ حکومت سے نکلنا:

یہ آزاد ریاست مغربی سمت میں بنگال کی طرف بڑھ گیا۔ اور برمی بادشاہ کی طاقت پھیلنا شروع ہوئی۔ ۱۴۰۴ء میں اراکان کے بادشاہ نرمیخلا کو بنگال کے دارالحکومت غور کی طرف بھاگنا پڑا۔ جو کہ ۸۶ سال پہلے ہی دہلی کی حکومت سے الگ ہو کر آزاد ہوا تھا۔ اور غور کے بادشاہ احمد شاہ نے مہاجر بادشاہ کو خوش آمدید کہا۔ نرمیخلا کو غور میں فوجی عہدہ عطا کر دیا گیا۔ اور جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ جیتنے کے بعد احمد شاہ نے تخت اپنے بیٹے نذیر شاہ کو ۱۴۲۶ء میں سونپ دیا۔ پھر نرمیخلا نے اپنی کھوئی ہوئی ریاست کو حاصل کرنے کے لیے بادشاہ سے مدد طلب کی۔ اراکان کی تاریخ میں بنگال کے بادشاہ نے مدد کرنے کے لئے چھ نکات کی شرط رکھ دی جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بنگال کے بارہ شہروں کو واپس کرنا ہوگا۔

۲۔ اراکان کے بادشاہوں کے لیے بنگال سے مسلم خطابات حاصل کرنا ہونگے۔

۳۔ فارسی میں کلمہ طیبہ کو عدالت میں علامتی طور پر لکھنا ہوگا۔

۴۔ سکوں اور تمغوں پر فارسی میں کلمہ طیبہ لکھنا، اور سلطنت بنگال سے مشابہ کرنا ضروری ہوگا۔

۵۔ اراکان کی عدالتی زبان فارسی ہوگی۔

---

1 Sir Arthur P. Phayre, *History of Burma*, 110-111.
2 Ibid, 146.

۶۔ سلطنت بنگال کو ٹیکس خراج ادا کرنا اور سالانہ ہدیہ پیش کرنا ہوگا۔

حاکم بنگال نذیر شاہ نے اپنے سپہ سالار ولی خان کو بیس ہزار غوری مسلمان فوجیوں کو دے کر ۱۴۳۰ء میں اراکان کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے بھیجا تا کہ (نرمیخلا) سلیمان شاہ کی سلطنت کو دوبارہ واپس لایا جا سکے۔ اس کے بعد ہی سپہ سالار سندی خان کی قیادت میں مزید فوجی ٹکڑیاں روانہ کی گئیں۔ برمی فوج شکست سے دوچار ہوئی۔ سلیمان شاہ دوبارہ اراکان میں تخت نشین ہوئے۔ تمام فوجیوں کو اراکان میں مختلف جگہوں پر آباد کر دیا گیا۔ یہ گویا اراکان کی دوبارہ اسلامی فتح تھی۔

۱۴۳۰ء کو حاکم بنگال نذیر شاہ نے سپہ سالار ولی خان کی قیادت میں ۲۰۰۰۰ غوری مسلمانوں کو سلیمان شاہ کا تخت واپس دلوانے کے لیے بھیجی۔ اس کے بعد سپہ سالار سندی خان کی قیادت میں اس سے زیادہ فوج مزید بھیجی۔ برمی اراکان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سلیمان شان دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد ان تمام فوجوں کو اراکان کے مختلف علاقوں میں بسایا۔[1]

سلیمان شاہ نے ۱۴۳۴ء تک ۴ سال حکومت کی۔ آپ کے بعد آپ کے بھائی علی خان اسی سال ۱۴۳۴ء تخت نشین ہوئے۔ کلمہ شاہ کے بعد ۱۴۸۲ء میں آپ کے بیٹے محمد شاہ اول تخت نشین ہوئے۔ محمد شاہ اول نے اپنے باپ کلمہ شاہ کو قتل کر کے حکومت حاصل کی تھی۔ پھر محمد شاہ دوم ۱۴۹۲ء میں نوری شاہ ۱۴۹۴ء میں اسی طرح ۱۵۰۱ء میں شیخ الیاس شاہ، ۱۵۱۵ء عادل شاہ، ۱۵۲۳ء میں ظفر شاہ، ۱۵۲۵ء میں جلال شاہ اور علی شاہ اور ۱۵۳۱ء میں سلطان ذوق زبک شاہ تخت نشین ہوئے۔[2]

۱۵۴۴ء میں زبک شاہ کے زمانے میں برمی راجہ سے ایک زبردست معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ جس میں برمی اراکان پر قبضہ کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ زبک شاہ کے بعد داؤد خان ۱۵۵۳ء میں تخت نشین ہوئے۔ ان کے بعد صالح شاہ ۱۵۵۵ء میں تخت پر بیٹھے۔ ان کے بعد شکور شاہ ۱۵۶۴ء میں تخت پر براجمان ہوئے۔ ان کے بعد سکندر شاہ اول ۱۵۷۱ء میں تخت نشین ہوئے۔ ان کے بعد ۱۵۹۳ء سکندر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ اول بادشاہ بنے۔ ان کے بعد ۱۶۱۲ء میں سلیم شاہ اول کے بیٹے حسین شاہ تخت نشین ہوئے۔ آپ ہی کے عہد میں پرتگیزوں نے ۱۶۱۵ء میں اراکان پر حملہ کر دیا تھا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں خلیج بنگال بحر اراکان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ۱۶۲۲ء میں سلیم شاہ دوم تخت نشین ہوئے۔ آپ حسین شاہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے بعد ۱۶۳۸ء میں ثانی شاہ، ۱۶۴۵ء میں ہادی شاہ، اور ۱۶۵۲ء میں سکندر شاہ دوم تخت نشین ہوئے۔ اسی زمانہ میں دہلی کے مغل بادشاہ شاہجہان

---

[1] خلیل الرحمٰن، محمد، تاریخ اسلام برہما وارکان، ۱۰۰ تا ۱۰۴

[2] Moshe yegar, *The Muslim of Burma: A Study of Minority Group*, 24.

کے بیٹے شہزادہ شجاع جو حاکم بنگال تھے اپنے ہی بھائی اورنگزیب سے دہلی کا تخت حاصل کرنے کے لئے زبردست معرکہ آرائی کی۔ لیکن آپ کو شکست ہوئی۔۱۶۶۰ء میں شاہ شجاع ۳۰۰۰ مغلیہ فوج اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ اراکان پہنچ گئے۔ شاہجہان کے دوسرے فرزند شجاع نے عالمگیر کے مقابلے میں شکست کھاکر اراکان ہی کا رُخ کیا تھا۔ مقامی فرمانروا نے دولت کے لالچ میں شجاع پر حملہ کر دیا، جس میں شجاع اور اس کے اہل و عیال کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بنگال کے حاکم شائستہ خان نے جو شجاع کا ماموں تھا، اراکان پر پے در پے حملے کیے اور اسے مسخر کرلیا۔

"میر جملہ کی وفات پر اورنگزیب نے اپنے ماموں شائستہ خان کو بنگال کا گورنر مقرر کیا اس نے ۱۶۶۶ء میں چٹاگانگ سے بحری ڈاکوؤں کو نکال کر اور اراکان کو فتح کرکے اسے مغل سلطنت کا حصہ بنالیا۔"[1]

سکندر شاہ دوم نے کل ۳۰ سال حکومت کی۔ آپ کے بعد ۲۴ بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ۱۷۸۴ء میں برمی راجہ بوداپایہ اراکان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

اراکانی بادشاہ کے مسلم نام اور ان کے خطابات:

ہسٹاریکل کمیشن آف برما کے چیئرمین لیفٹننٹ کرنل باشن کی کتاب "سترہویں صدی میں برما میں اسلام کی آمد" کے مطابق:

"نرمیخلا (منسامون) سلیمان شاہ مروہانگ بادشاہت کا بانی اور اس کا جانشین اسلامی ثقافت کی طرف بہت مائل تھا۔ دو سو سال ۱۴۳۰-۱۶۳۸ء سے زیادہ اراکانی حکمرانوں نے اسلامی نام خطابات کو اپنایا۔ جو خطابات عربی و فارسی لکھائی میں ان کے سکھوں پر جاری ہوئے۔"[2]

وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	بادشاہ کا نام	اسلامی نام	دور حکومت
۱	نرمیخلا (منسامون)	سلیمان شاہ	۱۴۳۰-۱۴۳۳ء
۲	منگ کھری نرانو	علی خان	۱۴۳۳-۱۴۵۹ء
۳	باساپرو	کلمہ شاہ	۱۴۵۹-۱۴۸۲ء
۴	دولیا	مٹھو شاہ	۱۴۸۲-۱۴۹۲ء
۵	باسونایو	محمد شاہ	۱۴۹۲-۱۴۹۳ء
۶	رن آنگ	نوری شاہ	۱۴۹۳-۱۴۹۴ء

[1] چوہدری، ہدایت اللہ خان، اسلامی تاریخ پاکستان وہند عہد سلاطین، (لاہور: علمی کتب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار، ۲۰۰۹ء)، ۱۶۷
[2] Ba Shin, *Coming of Islam to Burma 1700 AD*, (New Delhi: Azad Bhavan, 1961), 5.
For more detail: Moshe Yegar, *The Muslims of Burma*, 19; D.G.E Hall, *History of Burma*, 330.

۷	سلم گٹھو	شیخ عبداللہ شاہ	۱۴۹۴-۱۵۰۱ء
۸	منگ رازا	الیاس شاہ اول	۱۵۰۱-۱۵۱۳ء
۹	کاسابدی	الیاس شاہ دوم	۱۵۱۳-۱۵۱۵ء
۱۰	منگ ساوو	جلال شاہ	۱۵۱۵ء
۱۱	تھاتاسا	علی شاہ	۱۵۱۵-۱۵۲۱ء
۱۲	منگ کاونگ رازا	ایل شاہ آزاد	۱۵۲۱-۱۵۳۱ء
۱۳	من بن "من پاگری	زبوک شاہ	۱۵۳۱-۱۵۵۳ء
۱۴	من دکھا	داود خان	۱۵۵۳-۱۵۵۵ء
۱۵	من پھلاونگ	سکندر شاہ	۱۵۷۱-۱۵۹۱ء
۱۶	من رازاگری	سلیم شاہ اول	۱۵۹۳-۱۶۱۲ء
۱۷	من خامونگ	حسین شاہ	۱۶۱۲-۱۶۲۲ء
۱۸	تھری صدامہ	سلیم شاہ دوم	۱۶۲۲-۱۶۳۷ء[1]

سلطنت اراکان کی ثقافتی تمدنی خدمات:

۱۴۳۱ءسے لے کر ۱۷۸۴ءتک اراکان میں مسلسل مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس عہد میں سرکاری پیمانہ پر کافی تصنیفی تالیفی خدمات انجام دیں گئیں۔ چنانچہ سلیمان شاہ کے عہد میں ملک الشعراء عبدالمنان یا عبدالمعین نے "اراکانی شہزادی کی مدح" نامی تاریخی نظم تصنیف کی تھی۔ اور سید سلیمان نے نبی بنین (آل نبی) اور شب معراج تصنیف کی تھی۔ مولوی عبدالکریم شجاع قاضی نے روشنگ پنجابی (تاریخی اراکان) راحۃ القلوب، عبداللہ کے ہزار سوال، نورنامہ مدھومالتی دریغ مجلس (قصص الانبیاء والاولیاء) لکھی تھی۔ مولوی یونس میں سراج شرعی مولانا عابد شاہ حسین حسینی نے کنزالمؤمنین اور دیگر کتب تصنیف کی تھیں۔ مولوی اسماعیل نے سراجیہ شریفیہ لکھی تھی۔ قاضی محمد حسین نے داستان امیر حمزہ دیولال متی اور حیدر جنگ کا اول حصہ تصنیف کیا تھا باقی حصے مولوی زین العابدین اور نصراللہ نے لکھے تھے۔ مولوی عبدالمطلب نے کیدانی (تلخیص فقہ) لکھی تھی۔ ابوالحسن پنڈت نے ادہم کی لڑائی لکھی اسماعیل امام ثاقب نے مولانا عبدالعلی دری کے ارشاد پر بلقیس نامہ لکھی دولت قاضی نے ستی بلنا کا اول حصہ لکھا۔ ماگن یا مغن جو صدیقی النسب تھا اور بڑا علم دوست تھا سلیم شاہ حسین شاہ سکندر شاہ دوم (۱۶۰۰ء تا ۱۶۵۲ء) کے ایام میں وزیر اعظم تھا۔ اس نے اراکانی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کیلئے سید شاہ عبدالاول (علاول) کے ذریعہ بہت ساری

---

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، (لاہور: حرا پبلی کیشنز اردو بازار، ۱۹۹۲ء)، ۲۹

کتابیں ترجمہ و تصنیف کروائیں۔ ان میں پدپتی، ذوق قلندر، ہفت پیکر، شہر ملوک، بدیع الجمال وغیرہ ہیں۔ اسی طرح سلیمان مجلس کتب، سید موسی نامی وزرا نے بھی علاول شاہ کے ذریعہ تحفہ نصیحہ، آنند برما، سکندر نامہ، ستی بلنا، کے بقیہ حصے وغیرہ کا ترجمہ یا تصنیف کرائی تھی۔[1]

روہنگیا زبان عربی رسم الخط میں:

ان میں اکثر کتابیں اراکانی رہنگیا زبان میں تھیں جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ چنانچہ تحفہ نصیحہ، کیدانی، سراجیہ کے چند نمونے خلیل الرحمن صاحب نے اپنی کتاب تاریخ اسلام برہما و ارکان کے صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴ میں دیے ہیں۔

"اس عہد میں مسلم حکمران اسلامی نام کے ساتھ علاقائی خطاب بھی استعمال کرتے تھے۔ کچھ مسلم حکمران کا تو علاقائی نام اتنا مشہور ہوا کہ اسلامی نام کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ کچھ اراکانی اور برمی مسلمان اسلامی نام سرے سے رکھتے ہی نہیں"[2]

اس دور حکومت میں تمام بادشاہ اسلامی خطابات کے ساتھ ساتھ اپنے علاقائی نام بھی استعمال کرتے تھے، اور اس دور کے سکوں پر خلفائے راشدین کے نام درج ہوتے تھے۔

فارسی سرکاری زبان شجاع اراکان روڈ کلمہ شریف کندہ سکے:

سلیمان شاہ کے عہد میں فارسی اراکان کی سرکاری زبان قرار پائی جو ۱۷۸۴ء کو برمی راجہ کے اراکان قبضہ کرنے کے بعد اور ۱۸۲۵ء کو انگریزوں کے اراکان و برما فتح کر لینے کے بعد بھی بیسویں صدی کے وسط تک برقرار تھی۔ سلیمان شاہ نے اراکان سے چٹاگانگ آنے کا راستہ بذریعہ خشکی درہ افک اور درہ گرحنبیہ سے بنایا تھا جو بعد ازاں شاہ شجاع کی ارکان آمد کے بعد شجاع ارکان روڈ کے نام سے موسوم ہوا۔

"اس عہد میں کلمہ شریف کندہ سکے جاری ہوئے تھے۔" [3]

اور سلطنت ارکان کا رقبہ وسیع ہوتا گیا تھا سیرم (حدود تھائی لینڈ) سے ڈھاکہ تک اراکانی سلطنت کی عملداری قائم ہو گئی تھی۔ ملک کے طول و عرض میں مساجد مدارس خانقاہی کافی تعداد میں قائم ہو گئی تھیں۔ علماء مشائخ و مبلغین نے قوم کی تعلیم و تربیت اصلاح اور دین کی نشر و اشاعت کا کام کیا تھا۔

---

[1] خلیل الرحمٰن، محمد، تاریخ اسلام برہما و ارکان، ۴۸، ۷۵ تا ۷۸

[2] ایضاً: ۵- ۶، اور ۴۴- ۴۷

[3] ایضاً: ۹۳- ۱۰۷

اراکانی علاقے میں مسلمان:

جب بھی برمی بادشاہ کی طاقت بظاہر پھیلی، برمی بادشاہوں نے اپنی ریاست کی وسعت کے لئے ہمسایہ ریاستوں کو قبضہ کیا اور ان کو اپنے ماتحت بنایا۔ ۱۴۰۴ء میں نرمیخلا احکام کے بادشاہ کو اور جو کہ سلطنت بنگال کا دارالخلافہ تھا بھاگنے پر مجبور کیا۔ سلطنت بنگال کے سلطان احمد شاہ نے اس کو خوش آمدید کہا۔ اور بادشاہ کی فوج میں اعلیٰ عہدہ دیا۔

۱۴۳۰ء میں نرمیخلا نے نادر شاہ سے اپنے ملک کے لیے مدد طلب کی۔ نادر شاہ نے اس کو فوجی سپہ سالار ولی خان کے ساتھ فوج بھیجی اور اس نے ملک کو فتح کر لیا۔ نرمیخلا نے نئے دارالحکومت مروہانگ یا Mrauk U☆ کی بنیاد رکھی۔ نرمیخلا نے بنگال سے آئے فوجیوں کو مروہانگ کے قریب ایک گاؤں میں بسایا۔ اور وہاں پر سندھی خان مسجد جو کہ آج بھی موجود ہے بنائی۔ ۱۴۳۰ء سے راکھائن مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ راکھائن ریاست مغربی طرف سے بنگال کے ساتھ منسلک تھی۔ نرمیخلا کی وفات کے بعد راکھائن ریاست نے شمال کی طرف پھیلنا اور باقاعدگی سے بنگال پر چھاپے شروع ہوئے۔

راکھائن کے انتظامی امور اور عدالتی تقریبات کو غور اور دہلی سلطنت کے طرز پر ہونے لگے۔ اور بہت سارے اعلیٰ عہدوں پر مسلمان فائز ہوئے اگرچہ حکومت اب بھی بدھ مت پیروکاروں کی تھی۔[1]

سولہویں صدی میں پرتگیزوں نے راکھائن ریاست کی مدد کی کہ وہ بنگال پر حملے کریں اور وہاں کے مسلمانوں کو جنگی قیدی بنائے۔ اور اس کے لئے انہوں نے راکھائن کی فوج میں شامل ہوئے اور بادشاہ کے محافظ بنے۔

۱۶۵۸ء میں مغل شہزادہ دارا شیخو نے مغل بادشاہ شاہجہان کو معزول کر کے خود بادشاہ بنے۔ اور شاہ جہان کے دوسرے بیٹے شاہ شجاع کو شکست ہوئی اور وہ اراکان اپنے ساتھیوں اور خاندان سمیت چلے گئے۔ اراکان کے بادشاہ سنداصودمہ (Sanda Thudhamma) نے ان کو خوش آمدید کہا اور اس شرط پر کہ وہ اپنا اسلحہ ان کو دے دیں رہنے کی اجازت دی۔[2]

جب شاہ شجاع اپنے خدام اور بیش بہا خزانوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو اراکان کے بادشاہ کی نیت خراب ہوگئی۔ اس نے شاہ شجاع کی مرضی کے برخلاف اپنے پاس روکے رکھا اور اس کی بیٹیوں سے شادی کا مطالبہ کیا۔ وعدہ خلافی پر شاہ شجاع کو کوئی اور راستہ نظر نہ آیا تو اس نے اپنے خدام کے ساتھ مل کر مقابلے کی ٹھانی۔ لیکن یہ کوشش ناکام

☆(mrauk u): اردو میں مروہانگ شمالی راکھائن ریاست، میانمار میں ایک آثار قدیمہ سے متعلق اہم شہر ہے۔

[1] Edward Conze(tr). *Buddhist Scriptures,* (Victoria: Penguin Books,1960), 70.

[2] D.G.E Hall, *A History of South – East Asia,* (London: Macmillan, 1958), 338-339.

ہو گئی جس کے سبب ان کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے سپاہیوں کو بادشاہ کے تیر انداز فوجیوں میں شامل کیا۔ جس کو کمان یا Kamanci کہا گیا۔

جب مغل بادشاہ کو اپنے بھائی شاہ شجاع اور اس کے خاندان کے قتل کی خبر ملی، تو وہ بہت غصہ ہوئے اور مشرقی بنگال کے ساحل پر پرتگالی اراکانی قزاقوں کو ختم کرنے کے لیے بنگال کی زمین پر ان کی بحریہ فوج ڈال دی۔ راکھائن کی فوج نے مقامی مسلمانوں اور ان کی اولاد پر حملہ کیا جو کہ وہاں پر بس رہے تھے۔[1]

نتیجے کے طور پر راکھائن بادشاہت اختتام کو پہنچا۔ ۱۶۸۴ء میں راکھائن بادشاہ فوت ہوا اور نشانی کے طور پر سلطنت کی شروعات کی۔ جس میں مسلمان Kaman کو حتمی حکومت میں حصہ لیا۔ اور ان کو افغانی سپاہیوں جو کہ شمالی ہندوستان سے تھے کی حمایت حاصل تھی۔

اراکان ایک آزاد اور خود مختار ریاست تھی۔ جو کہ اب یونین آف برما کا ایک صوبہ ہے۔ اراکان خلیج بنگال کے مشرقی ساحل اور دریائے ناف سے کے کیپپ نیگریس کے ساتھ پھیلی ہوئی زمینی پٹی کے ساتھ شمال میں پھیلا ہوا ہے۔ اور جنوب میں بنگلہ دیش کے ساتھ شمال مغرب سے ملا ہوا ہے بنگلہ دیش کا علاقہ چٹاگانگ کو دریائے ناف الگ کرتا ہے۔[2] اور اراکان کو پہاڑی سلسلہ جس کو "اراکانی یومس" کہا جاتا ہے کو برما سے الگ کرتا ہے۔ جو شمال سے جنوب کی طرف ہے۔ جو کہ اراکان کی حفاظت اور دشمن کے حملے کے خلاف رکاوٹ ہے۔ اراکان کے شمالی حصہ کو آج شمالی اراکان کہا جاتا ہے۔ جو کہ مشرقی بنگال کے ساتھ رابطے کا اہم رستہ تھا۔ یہ جغرافیائی حقائق ان دونوں علاقوں کی علیٰحدہ تاریخ و ترقی کی وضاحت کرتے ہیں۔ جب تک کہ اس مسلم آبادی والی ریاست کو برمی بادشاہ بودہ پایہ ۲۸ دسمبر ۱۷۸۴ء کو فتح نہیں کیا تھا۔[3]

تاریخ کے مختلف ادوار میں اراکان ہندوؤں، بدھوں اور مسلمانوں کی طرف سے حکومتی خود مختار ریاست تھی۔ اراکان کی تاریخ ممکنہ دس ادوار پر مشتمل ہے۔

ا۔	۱۰۰-۷۸۸ء	ہندو بادشاہت
۲۔	۷۸۸-۹۵۷ء	چندرا ہندو بادشاہت
۳۔	۹۵۷-۱۴۳۰ء	منگول، بدھ مت اور مسلمانوں کی بے ترتیب بادشاہت
۴۔	۱۴۳۰-۱۷۸۴ء	مروہانگ بدھ۔ مسلم بادشاہت
۵۔	۱۷۸۴-۱۸۲۶ء	بدھ برمی حکمران

[1] Phayre, Sir Arthur P. *History of Burma*, 147.
[2] Mohammed Ali Chowdhury, *The Advent of Islam in Arakan and Rohingyas*, The Annual Magazine 1995-96,(Chittagong :Arakan Historical Society (A.H.S), 1996),24.
[3] Hamilton, H. Clarence, *Buddhism*, (New York: The Merrill Company, 1971), 19-20.

۶۔	۱۸۲۶-۱۹۴۸ء	برطانیہ حکومت کی نو آبادیات حکومت
۷۔	۱۹۴۸-۱۹۶۲ء	پارلیمانی جمہوری حکومت
۸۔	۱۹۶۲-۱۹۷۴ء	انقلابی فوجی حکومت
۹۔	۱۹۷۵-۱۹۸۸ء	یک پارٹی سوشلسٹ پروگرام پارٹی حکومت
۱۰۔	۱۹۸۸-۱۹۹۹ء	SPDC/SLORC فوجی حکومت

تاریخ کے مختلف ادوار کے دوران ہندو، بدھ اور مسلمانوں کی طرف سے حکمران خود مختار بادشاہت تھی۔ اراکان آزاد اور خود مختار ریاست رہ چکی ہے۔ اے پی فریار (A.P Phayer) اور جی ایچ ہاروی (G E Harvey) کے مطابق:

"اراکان کے بادشاہوں نے متبادل دارالحکومت کے طور پر ایک سے دوسرے آٹھ مختلف شہروں میں منتقل کیئے۔"[1]

جن کی حکومت چلیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

دھنیاوادی	۲۵ بادشاہ	۱۴۶-۷۴۶
ویسالی	۱۲ بادشاہ	۷۸۸ء-۹۹۴ء
پینسا اول (سانباوت)	۱۵ بادشاہ	۱۰۱۸ء-۱۱۰۳ء
پرن	۸ بادشاہ	۱۱۰۳ء-۱۱۶۷ء
کرت	۴ بادشاہ	۱۱۶۷ء-۱۱۸۰ء
پینسا دوم	۱۶ بادشاہ	۱۱۸۰ء-۱۲۳۷ء
لینگیٹ (Launggyet)	۱۷ بادشاہ	۱۲۳۷ء-۱۴۳۳ء
مروہانگ	۴۸ بادشاہ	۱۴۳۳ء-۱۷۸۴ء

اراکانی سلطنت کا سنہری دور:

سلیمان شاہ چار سال حکومت کر کے انتقال کر گیا اس کے بعد اس کا بھائی علی خان ۱۴۳۴ء کو تخت نشین ہوا اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کلمہ شاہ ۱۴۵۹ء میں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ پھر ۱۴۸۵ء کو کلمہ شاہ کا بیٹا محمد شاہ اول نے اپنے باپ کو قتل کر کے تخت و تاج اپنے قبضے میں لایا۔ اس کی وفات کے بعد ۱۴۹۲ء کو محمد شاہ دوم تخت پر بیٹھا۔ پھر ۱۹۹۴ء کو نوری شاہ اور شیخ عبد اللہ شاہ ۱۵۰۱ء کو الیاس شاہ ۱۵۱۵ء کو عادل شاہ ۱۵۲۳ء کو ظفر شاہ ۱۵۲۵ء کو جلال شاہ اور علی شاہ ۱۵۳۱ء کو سلطان ذوق پک شاہ (زبک شاہ) یکے بعد یگرے حکومت کی۔

[1] G.E Harvey, *History of Burma*, 137, 369 – 372.

برما کا حملہ اور صلح:

زبک شاہ کے عہد حکومت میں ۱۵۴۴ء کو برمی راجہ بتین شویتھی نے ارکان پر حملہ کیا تھا۔ گھمسان لڑائی کے بعد دونوں میں صلح ہوگئی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد ۱۵۵۳ء کو داؤد خان نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اس کے بعد ۱۵۶۴ کو شکور شاہ راجہ ہوا پھر ۱۵۷۱ء کو سکندر شاہ اول ارکان کا نام دار راجہ بنا پر اس کا بیٹا سلیم شاہ اول ۱۵۹۳ء میں پر اس کا بیٹا حسین شاہ ۱۶۱۲ء کو راجہ ہوا۔

پرتگیزوں کا حملہ اور شکست:

زین شاہ کے عہد میں ۱۶۱۵ء کو پرتگیزوں نے ارکان پر حملہ کیا تھا دریائے کلاڈان میں پرتگیزی بحری بیڑے کو شکست فاش ملی۔ ان سے جزیرہ سندیپ واپس لے لیا گیا۔ اس وقت سیام (تھائی لینڈ) سے بنگال تک اراکانی عملداری تھی۔ دریائے برہم پتر اور میگھنا ارکان و بنگال کی سرحد تھی۔[1]

خلیج بنگال کو اس وقت بحر اراکان یا بحر ہر کند کہا جاتا تھا۔ حسین شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ دوم ۱۶۲۲ء کو بادشاہ بنا۔ اس کے انتقال کے بعد ثانی شاہ اور لغزہ پتی جی ۱۶۳۸ء میں اور ہادی شاہ ۱۶۴۵ء میں راجہ بنا، پھر ۱۶۵۲ء کو سکندر شاہ دوم نے تخت سنبھالا۔ اس کے دور حکومت میں بنگال سے شاہ شجاع نے اپنے بھائی اورنگزیب عالمگیر سے شکست کے بعد اراکان کا رخ کیا۔

شجاع اراکان میں:

سکندر شاہ دوم کے عہد میں شہزادہ شاہ شجاع حاکم بنگال پسر شاہجہان شہنشاہ دہلی نے اپنے بھائی اورنگزیب عالمگیر کے ساتھ تخت دہلی کی وراثت کے لیے لڑتے ہوئے شکست کھائی، چونکہ اورنگزیب عالمگیر کا سپہ سالار میر جملہ شاہ شجاع کے تعاقب میں تھا۔ اس لئے ۱۶۶۰ء کو شاہ شجاع اپنے اہل و عیال اور ۳۰۰۰ مغلیہ فوج کے ساتھ فرار ہو کر قصبہ شجاع پارہ منگڈاؤ اراکان پہنچا، پھر وہاں سے اراکانی دارالحکومت مروہانگ (روہانگ) پہنچ گیا۔[2]

شاہ شجاع کو پکڑنے کے لئے میر جملہ کا جانشین شائستہ خان صوبیدار بنگال نے اراکان پر چڑھائی کر دی۔ اور چاٹگام پر پر قبضہ کر لیا اور وہاں شاہی جامع مسجد کی بنیاد ڈالی۔ راجہ سکندر شاہ دوم ۳۰ سال حکومت کر کے انتقال کر گیا اور اس کے بعد چوبیس راجے ارکان میں اور تخت نشین ہوئے۔ آخر کار بھر میں راجہ بوداپایہ نے ۱۷۸۴ء کو حملہ کر کے اراکان پر قبضہ کر لیا اور یوں اراکان پر طویل اسلامی حکومت کا دور ختم ہو گیا۔

---

[1] خلیل الرحمٰن، محمد، تاریخ اسلام برہما وارکان، ۱۰۶، ۱۱۰-۱۱۲

[2] ایضاً: ۱۲۸، ۱۳۷ اور ۱۴۷- ۱۵۶

برمی راجہ کا حملہ اور مظالم اور اراکان میں اسلامی حکومت کا خاتمہ:

برمی راجہ ۲۰ ہزار فوج ڈھائی ہزار گھوڑے دو سو ہاتھیوں کے ساتھ آگے بڑھا بمقام لنگریٹ اراکانی راجہ کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ راجہ ارکان شکست کھا کر روپوش ہو گیا بعد ازاں گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ برمیوں نے ارکان پر قبضہ کرنے کے بعد اراکانیوں پر سخت ظلم و تشدد شروع کر دیا۔ سرکاری کتب خانے جلا دیے گئے جس میں اراکانی دور حکومت میں لکھی گئی ہزاروں بیش قیمت کتابیں دین وادب اور تاریخ کی تصانیف جل کر خاکستر ہو گئیں۔ یوں اراکانی روہنگیا قوم ہزاروں تاریخی و ادبی کتابوں سے محروم ہو گئی۔ ان کے پاس نہ تاریخ کی کوئی کتاب باقی رہی نہ زبان کی۔ ۱۷۸۴ء میں برمی راجہ بوداپایہ کے قبضے کے بعد مسلمانوں کے اس طویل ترین دور حکومت کا اراکان سے خاتمہ ہو گیا۔ برما کے اس سفاک راجہ نے بالکل وہی رویہ اپنایا جو نصرانیوں نے سپین میں اپنایا تھا۔

۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء میں اراکان پر برما کا قبضہ ہو گیا۔ اور اس کی آزاد حیثیت ختم ہو گئی۔ مسلمانوں سے ساڑھے تین سو سال کے تعلقات کے نتیجے میں اراکان میں مسلمانوں کی مستقل آبادی قائم ہو گی اور اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اراکان کے بدھسٹ حکمران اسلامی تہذیب سے متاثر ہوئے۔ وہ لوگوں کو مسلمانوں جیسے خطابات دیتے تھے۔ سکے بنگال کے نمونے پر ڈالے جاتے تھے۔ اور ان پر فارسی تحریر حتیٰ کہ کلمہ تک درج ہوتا تھا۔ فوج اور انتظامی محکموں میں مسلمان افسر بڑی تعداد میں تھے۔ بنگالی زبان کے ممتاز مسلمان شاعر دولت قاضی عبد الاول دربار اراکان کے شاعر تھے۔ اور مسلمان افسر اور حکام ان کی سرپرستی کرتے تھے۔

سازش:

جو کتابیں بچ گئیں ان کو دارالحکومت لے جائی گئی اور وہاں سے ایک منظم سازش کے ذریعے روہنگیا قوم کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جانے لگا۔ اراکانی مسلمانوں پر برمی زبان ٹھونسی جانے لگی۔ عرصہ دراز تک یہ عمل جاری رہا۔ اور اب بھی جاری ہے جس سے اب مسلمان بھی دھوکہ کھانے لگے ہیں خود اکثر روہنگیا مسلمانوں کو بھی نہ ارکان میں اسلامی حکومت کا پتا ہے نہ اراکانی زبان وادب اور تاریخ کی کتابیں اور انکے عربی رسم الخط میں لکھنے جانے پر ان کا یقین ہے۔

برمی حکومت کی سازش سے اراکانی مسلم حکمران کو دور دراز کی تاویلوں سے بدھسٹ ثابت کیا جانے لگا۔ مسلمانوں کی خوشنودی کے لئے اسلامی نام اختیار کرنے کا ڈھنڈورا پیٹا جانے لگا۔[1]

[1] Smith, Donald Eugene, *Religion and Politics in Burma.* (Princeton: Princeton University Press. 1967), 45.

اراکانی روہنگیا زبان کے عربی رسم الخط کو مسخ کر کے نئے نئے رسم الخط کا اختراع شروع کر دیا گیا۔ روہنگیا قوم دھوکہ میں آگئی اور برمی حکومت کی سازش پر یقین کرتی چلی گئی۔ ارکان کی اسلامی حکومت کو بھول گئی اس کو بھی فراموش کر دیا کہ کلمہ شریف کندہ سے کے جاری تھے۔ یہ بھی بھول گئی کہ فارسی سرکاری زبان تھی اور عوام نے عربی رسم الخط میں روہنگیا زبان مستعمل رہی۔ یہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اس بات کو تسلیم کرنے پر رضامند نہیں ہے کہ عربی رسم الخط میں روہنگیا زبان لکھی جاتی تھی بزرگوں نے سلف صالحین نے عربی رسم الخط میں ہزاروں کتابیں تصنیف کیں تھیں۔ یہ محض تاریخی ناواقفیت کی دلیل ہے اگر سلطنت ارکان کا سرکاری کتب خانہ جلا دیا نہ جاتا تو معاملہ کم از کم یہاں تک نہ پہنچتا۔

مظالم کی انتہا اور روہنگیا مسلمانوں کی دوسری ہجرت:

اس کے علاوہ بھر میں راجہ وقتاً فوقتاً کثیر تعداد میں اراکانی مسلمانوں کو جبراً پکڑ واکے پگوڈا کی تعمیر کے لیے برما لے جاتے رہے اور برمی افسران بہت سختی کے ساتھ اراکانی مسلمانوں سے خراج وصول کرتے رہے بلکہ اس قدر ظلم وستم اراکانی مسلمانوں پر روا رکھا جس کے ذکر سے زبان قلم حیران اور عقل پریشان ہیں اور آنکھوں سے خون کے آنسو رواں ہو جاتے ہیں سینکڑوں معصوم بچے سیم وزر کی طلب پر ماں باپ کے سامنے قتل کئے گئے عورتوں کی بے حرمتی کی گئی بستیاں اجاڑ دی گئیں۔ ۱۷۸۵ء میں ہزاروں اراکانی مسلمانوں کو پکڑ کر برما لے جایا گیا اور ۱۷۹۰ میں بھی تھی ہزار اراکانی مسلمان علاقہ چنگمے میں لے جائے گئے جن میں سے اکثر بیماری سے مر گئے اور کوئی بھی واپس نہ لوٹا اور ۳۰۰۰ اراکانی مسلمان کو مکٹیلا کی جھیل کھودنے کے لئے لے جایا گیا ان میں سے کوئی شخص اراکان واپس نہ لوٹا۔

روہنگیا مجاہدین:

پھر جب ۱۷۹۷ء میں اور دو ہزار آدمی طلب کیے گئے تو اراکانی مسلمانوں نے پرزور احتجاج کیا اور برما سے اراکان کی آزادی کے لیے جدوجہد شروع کر دی برمی حکومت نے ان کو باغی قرار دیا یہ سب چاٹگام کی پہاڑیوں میں (جو اس وقت انگریزی عملداری میں تھیں) جا کر برما کے ساتھ ایک عرصہ تک لڑتے رہے۔ برمیوں کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے بہت سارے اراکانی روہنگیا مسلمان جن کی تعداد پچاس ہزار سے زائد تھی چاٹگام کی طرف ہجرت کر گئے جس کو اراکانی رہیں گے مسلمانوں کی دوسری ہجرت کہا جاتا ہے۔[1]

انگریزی سرکار نے مسٹر کاکس رائے کے مطابق ان پناہ گزینوں کے رہنے سہنے اور خورد ونوش کا انتظام کر دیا تھا۔ اور قطعات اراضی دے کر ان کو بازار ہربانگ میں بسایا گیا تھا۔ مسلمانوں کو برما کی طرف لے جانے اور

[1] Smith, Donald Eugene, *Religion and Politics in Burma*, 47.

چاٹگام کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے جنوبی ارکان علاقہ روہانگ وممبیا وغیرہ کی بہت ساری بڑی بڑی مسلم بستیاں ویران ہو گئیں۔

روہنگیا مجاہدین اور برما کا حملہ:

تقریباً چالیس سال تک برمیوں نے اراکان پر ظلم و تشدد کے ساتھ حکومت کی۔ اسی اثناء میں مسلمان مجاہدین گرمیوں کو ارکان سے نکالنے میں ہمہ تن کوشاں رہے۔ چونکہ مسلمان مجاہدین انگریزی علاقے سے برما کے خلاف لڑ رہے تھے۔ اس لیے بھر میں فوجوں نے چاٹگام پر چڑھائی کر دی۔ انگریزی فوج اس کے بالمقابل آگئی۔ آخر کار دونوں کے درمیان باغیوں کو برما کے حوالہ کر دینے کی شرط پر صلح ہو گئی۔ مجاہدین کے تین سردار برما کے حوالہ کر دیئے گئے، دو کو فوراً قتل کر دیا گیا۔ تیسرا بھاگ کر پر چاٹگام پہنچا۔ اراکان پر نئے سرے سے حملہ شروع کر دیا۔ صوفیہ پہاڑی ٹھکانوں میں انہوں نے اپنا مورچہ بنا رکھا تھا۔ اس لئے دونوں سرکار اس کو پکڑنے سے قاصر رہیں برما نے پھر چاٹگام پر ہلہ بول دیا۔

وائسرائے ہند سر جان شور نے کیپٹن سائم اور مسٹر کاکس کو دوبارہ آوا میں بطور سفیر بھیجا۔ مگر بے سود رہا۔ آخر کار مسٹر کاکس کی تجویز اور اراکانی رؤساء وامراء شجاع قاضی وغیرہ کی خفیہ تائید پر سرکار انگریز نے ارکان پر حملہ کر دیا۔

انگریزوں کا برما پر قبضہ:

اس طرح ۱۸۲۵ء کو ارکان پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اس کے بعد رفتہ رفتہ پورے برما انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ انیسویں صدی میں برما پر انگریزوں نے قبضہ کر کے اس کو برطانوی ہند کا ایک صوبہ بنا دیا۔ اور اس کی یہ حیثیت ۱۹۳۶ء تک رہی۔ ۱۹۳۷ء میں برما برطانوی ہند سے الگ کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں اراکان کے ضلع اکیاب میں بنگال سے کثرت سے مسلمان آئے۔ اور جنوبی برما میں ہندوستانی باشندے آکر آباد ہوئے جن میں مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے برمی عورتوں سے شادیاں کی اور اس طرح جو اولاد ہوئی وہ برمی بولنے لگی۔

اس وقت برمی مسلمان تین بڑے گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ برصغیر کے ہندوستانی اور پاکستانی بنگالی بولنے والے مسلمان اور برمی نسل کے مسلمان۔ ان کے علاوہ موگوک (Mogok) کے علاقے میں چینی صوبے یونان سے آنے والے چینی مسلمان جو پنتھائے (Panthay) کہلاتے ہیں۔ اور جنوب میں خصوصاً بوک پن (Bokpin) میں باشو میلے مسلمان بھی پائے جاتے ہیں۔ شمالی اراکان کے مسلمان روہنگیا کہلاتے ہیں۔ اور برسوں کے مقابلے میں تہذیب وتمدن میں بنگالیوں سے زیادہ مشابہ ہے۔ لیکن تعلیم اور معاشی میدان میں برما کے باقی مسلمانوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور ضلع اکیاب کے کئی حصوں میں ان کی اکثریت ہے۔

دوسری عالمی جنگ اور مسلمانوں کا قتلِ عام:

۱۹۴۲ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی جاپانیوں اور مگ بدھسٹ کی ملی بھگت اور انگریزوں کے خاموش تماشائی بنے رہنے سے مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ ۱۷۸۲ء میں سلطنت مغلیہ کمزور ہوئی تو برمیوں نے پھر اراکان کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد ۱۸۲۶ء انگریزوں سے جنگ چھڑی تو اراکان حکومت ہند کے حوالے کرنا پڑا۔

"دوسری جنگ عظیم کے دوران میں (۱۹۴۲ء۔ ۱۹۴۵ء) جاپانی تسلط میں رہا۔ ۱۹۴۸ء میں اسے برما میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں برما سے علیحدگی کی تحریک چلی، لیکن یہ تحریک ناکام رہی۔"[1]

دوسری جنگ عظیم میں برما پر جاپانیوں نے تین سال تک قبضہ کئے رکھا۔ اور اس کے بعد برما پھر انگریزوں کے تسلط میں چلا گیا۔ آخر کار ۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو برما کو آزادی ملی۔

اسلام اراکان برما میں ساتویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ مسلمان یہاں پر تجارت کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے کئی تجارتی جہاز ساحل اراکان پر طوفان کی زد میں آکر ٹوٹ گئے تھے۔ جہازوں کے مسلم ملاح کسی طرح جان بچا کر اراکان کے ساحل پر آباد ہو گئے۔ ان کی تبلیغ کے نتیجے میں مقامی آبادی کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ اراکان چار اضلاع پر مشتمل ہے۔ جن میں اکیاب، چاکفیو، تھانڈوے اور پلوا شامل ہیں۔ اراکان کا دارالحکومت اکیاب ہے۔

برمی راجہ من کھامن نے ۱۴۰۴ء میں اراکان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور بہت سارے عربی النسل مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ شاہ اراکان سلیمان شاہ یہاں سے بھاگ کر حاکم بنگال کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے ساتھ بہت سارے مسلمان بھی ہجرت کر کے بنگال آ گئے۔ تاریخ برما یا تاریخ اراکان میں یہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی۔ حاکم بنگال نذیر شاہ نے اپنے سپاسالار ولی خان کو بیس ہزاروں ری مسلمان فوجیوں کو دے کر ۱۴۳۰ء میں اراکان کو دوبارہ فتح کرنے کیلئے بھیجا تاکہ سلیمان شاہ کی سلطنت کو دوبارہ واپس لایا جاسکے۔ اس کے بعد ہی سپہ سالار سندی خان کی قیادت میں مزید فوجیوں کو روانہ کیا گیا۔ آخر کار برمی فوج شکست سے دوچار ہوئی۔ اور سلیمان شاہ تیس سال بعد دوبارہ اراکان میں تخت نشین ہوئے۔ تمام فوجیوں کو اراکان کے مختلف علاقوں میں آباد کر دیا گیا۔ یہ گویا اراکان کی دوبارہ اسلامی فتح تھی۔ سلیمان شاہ نے ۱۴۳۴ء تک چار سال تک حکومت کی۔ آپ کے بعد آپ کے بھائی علی خان اسی سال ۱۴۳۴ء میں تخت نشین ہوئے۔ کلمہ شاہ کے بعد ۱۴۸۲ء میں آپ کے بیٹے محمد شاہ اول پھر محمد شاہ دوم ۱۴۹۲ء میں نور شاہ ۱۴۹۴ء میں اسی طرح ۱۵۰۱ء میں شیخ الیاس شاہ، ۱۵۱۵ء میں عادل شاہ، ۱۵۲۳ء میں ظفر شاہ، ۱۵۲۵ء میں جلال شاہ اور علی شاہ اور ۱۵۳۱ء میں سلطان ذوق زبک شاہ تخت نشین ہوئے۔ ۱۵۴۴ء میں زبک شاہ کے زمانہ میں برمی راجہ سے ایک زبردست معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ زبک شاہ کے بعد داؤد خان ۱۵۵۳ء میں ان کے بعد صالح شاہ

---

[1] رحمان، چیئرمین جسٹس ایس اے، اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۸۲

۱۵۵۵ء میں تخت پر بیٹھے، ان کے بعد شکور شاہ ۱۵۶۴ء میں ان کے بعد سکندر شاہ اول ۱۵۷۱ء میں تخت نشین ہوئے۔ ان کے بعد ۱۵۹۳ء میں سکندر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ اول بادشاہ بنے۔ ان کے بعد ۱۶۱۲ء میں سلیم شاہ اول کے بیٹے حسین شاہ پھر ۱۶۲۲ء میں سلیم شاہ دوم آپ کے بعد ۱۶۳۸ء میں ثانی شاہ، ۱۶۴۵ء میں ہادی شاہ، اور ۱۶۵۲ء میں سکندر شاہ دوم تخت نشین ہوئے۔ اسی زمانہ میں دہلی کے مغل بادشاہ شاہجہان کے بیٹے شہزادہ شاہ شجاع جو حاکم بنگال تھے۔ اپنے ہی بھائی اورنگزیب سے دہلی کا تخت حاصل کرنے کے لیے زبردست معرکہ آرائی کی۔ ۱۶۶۰ء میں شاہ شجاع ۳۰۰۰ مغلیہ فوج اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ اراکان پہنچ گئے۔ آپ کے بعد متعدد حکمرانوں نے اراکان پر حکومت کی۔ سکندر شاہ دوم نے کل ۳۰ سال حکومت کی۔ آپ کے بعد ۲۴ بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ۱۷۸۴ء میں برما کا راجہ بودھ پایہ اراکان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کے بعد روہنگیا مسلمانوں نے برمی مظالم کے خلاف آزادی اور اپنے حقوق کے حصول کے لئے مزاحمتی تحریکوں کا آغاز کیا۔

اراکان کی مزاحمتی تحریکیں:

تحریک کا لفظ حرکتہ سے ماخوذ ہے۔ تحریک اس جدوجہد کا نام ہے جو کسی نصب العین کے حصول کے لیے منظم طور پر کی جائے۔ تاریخ اسلام کسی قوم کی تاریخ نہیں ہے بلکہ ایک تحریک کی تاریخ ہے اور ایک نظریے کے عروج وزوال کی داستان ہے۔ مسلم ممالک میں نفاذِ اسلام کی تحریکوں کو ایک عرصے سے اس صورت حال کا سامنا ہے کہ جو تحریکیں عسکری انداز میں ہتھیار اٹھا کر نفاذِ شریعت کا پروگرام رکھتی ہیں، انہیں نہ صرف اپنے ملک کی فوجی قوت کا سامنا ہے بلکہ عالمی سطح پر انہیں دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف کردار کشی کی مہم چلائی جاتی ہے اور ایک طرح سے پوری دنیا ان کے خلاف یک آواز ہو جاتی ہے، جبکہ دوسری طرف وہ تحریکیں ہیں جو سیاسی انداز میں نفاذِ اسلام کے مقصد کی طرف آگے بڑھتی ہیں، جمہوری راستہ اختیار کرتی ہیں، رائے عامہ اور ووٹ کو ذریعہ بناتی ہیں اور عدمِ تشدد کے اصول پر پُر امن سیاسی جدوجہد کرتی ہیں۔ آزادی کی تحریک چند مثالیت پسند افراد کے خواب وفکر کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور تیز رفتاری کے ساتھ اپنے طبقے میں مقبولیت حاصل کر لیتی ہے۔ اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں تقریباً سو کے قریب آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں۔ عالمی برادری عمومی طور پہ آزادی کی تحریکوں کے حق میں نہیں ہوتی کیونکہ دنیا میں دس فیصد ممالک ایسے ہیں جہاں شناخت کی یکسانیت غالب ہے ورنہ ہر ملک میں نسلی، ثقافتی اور مذہبی تنوع موجود ہے اور اس کے تناظر میں کہیں نہ کہیں شکوے شکایات بھی ہیں۔ اس لیے ایسی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کم ہوتی ہے۔

اگر برما کی تاریخ کو دیکھا جائے تو وہاں پر روہنگیا مسلمانوں کے کئی ایک مزاحمتی تحریکیں چلی ہیں۔ جن میں سے چند ایک ابھی تک چل رہی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان قائم ہوا، تو روہنگیا کے بعض مسلم رہنماؤں نے اس کو دیکھ کر روہنگیا میں برما سے علیحدہ ایک آزاد مسلم ریاست بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی اس کوشش کو "سیاسی خود اختیاری" کا نام دیا۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک تیز ہوتی گئی، اور بہت سے مسلمانوں نے اس میں پوری طرح حصہ لیا۔ برما کی مرکزی حکومت نے ان کی کوششوں کو بغاوت کے طور پر دیکھا۔ تاہم برطانوی اور برمی لیڈروں کی ساز باز سے تحریک آزادی کامیاب نہ ہونے دی۔ جب برمی فوجیوں نے بزور تحریک ختم کرنا چاہا، تو روہنگیا مسلمانوں سے تصادم ہو گیا۔ اور یوں برمی حکمران طبقے (فوج، سیاستدانوں، افسر شاہی اور بدھ بھکشوؤں) اور مسلمانوں کے مابین طویل لڑائی کا آغاز ہوا جو اب تک جاری ہے۔

برما کی آزادی کے ساتھ اراکان میں روہنگیا پر ظلم وبربریت کے خلاف منظم تحریک کا آغاز ہوا۔ ریاست اراکان میں تحریکیں جو برمی حکومت اور فوج کے خلاف متحرک ہیں۔ ان میں سے چند اہم درجہ ذیل ہیں:

۱۔ مجاہد تحریک
۲۔ اراکان روہنگیا سالویشن آرمی
۳۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن
۴۔ حرکۃ الجہاد الاسلامی
۵۔ اراکان روہنگیا اسلامک فرنٹ
۶۔ روہنگیا جمعیت العلماء
۷۔ اتحاد المجاہدین ارکان برما[1]

۱۔ مجاہد تحریک

دوسری جنگ عظیم کے دوران برما پر جاپان قابض ہو گیا۔ اسی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۲ء میں بودھوں کی انتہاپسند تنظیم "تھاکن" نے منظم طریقے پر مسلم کش فسادات شروع کر دیے۔ یہ ایک خوفناک المیہ تھا، جس کی طرف جنگ عظیم کی وجہ سے کسی نے توجہ نہیں دی۔ اس قتل عام میں ایک لاکھ مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور پانچ لاکھ ہجرت پر مجبور ہوئے، بیشتر بنگال چلے گئے۔

برما کے مسلمانوں میں اس کا شدید ردعمل ہوا اور ۱۰ مئی ۱۹۴۲ء میں بوتھیڈانگ اور منگڈاؤ کے علاقوں میں مزاحمت کر کے مسلمانوں نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا، یہ اراکان کی آزادی کی ایک کوشش تھی، جو اس وقت ناکام ہو گئی۔[2]

---

[1] محمد سجاد، حافظ، اسلامی تحریکات عہد جدید میں، اسلامی تحریکات برصغیر پاک وہند میں، (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت، ۲۰۱۲ء)۳۲۱

[2] https://irak.pk/rohingya-muslim-of-arakan/#:~:text=اس%20تحریک%20کا%20بانی%20قاسم،یہ%20تحریک%20دم%20توڑ%20گئی۔
(Accessed March 24, 2022)

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان قائم ہوا، تو روہنگیا کے بعض مسلم رہنماؤں نے اس کو دیکھ کر روہنگیا میں برما سے علیحدہ ایک آزاد مسلم ریاست بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

انہوں نے اپنی اس کوشش کو "سیاسی خود اختیاری" کا نام دیا۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک تیز ہوتی گئی، اور بہت سے مسلمانوں نے اس میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔[1]

میانمار کی مرکزی حکومت نے ان کی کوششوں کو بغاوت کے طور پر دیکھا۔ اور اس تحریک کو کچلنے کے لئے انہوں نے روہنگیا مسلمانوں پر ظلم شروع کر دیا۔

تحریک پاکستان کے عروج کے زمانے میں روہنگیا کے مسلمانوں نے ایک تحریک چلائی کہ اراکان صوبے کو مجوزہ پاکستان کے مشرقی بازو (مشرقی پاکستان) کا حصہ بنایا جائے۔ اس تحریک نے مختلف موقعوں پر تشدّد کا رنگ بھی اختیار کیا تھا۔

۱۹۵۰ء اراکان کے مسلمانوں کی ایک تعداد نے ایک مزاحمتی تحریک شروع کی، یہ لوگ اپنے آپ کو مجاھد کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے حقوق اور سرزمین کے دفاع کیلئے ہتھیار اٹھائے اور مسلح جدوجہد شروع کی تاہم وقت گزرنے کے ساتھ یہ تحریک دم توڑ گئی۔

اس تحریک کا قائد قاسم نامی ایک ماہی گیر تھا۔اس تحریک نے اپنے مراکز مشرقی پاکستان میں قائم کئے۔ بالآخر قاسم کو مشرقی پاکستان میں گرفتار کرلیا گیا۔ اور اس گرفتاری کے باعث تحریک کزور ہو کر ختم ہو گئی۔[2]

حکومتی مظالم کے رد عمل میں مجاہدانہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کا بانی قاسم نامی ایک ماہی گیر تھا، شمالی اراکان میں شروع ہونے والی اس تحریک کا مقصد پاکستان سے الحاق تھا۔ اس تحریک نے شمالی اراکان کے ۸۰ فیصد حصے پر قبضہ کر لیا، یہ سرگرمیاں آٹھ سال جاری رہیں لیکن قاسم کی مشرقی پاکستان میں گرفتاری اور تحریک سے پاکستان کی عدم دلچسپی کی وجہ سے آزادی کی یہ تحریک دم توڑ گئی۔

۲۔ اراکان روہنگیا سالویشن آرمی

اراکان روہنگیا سالویشن آرمی جس کا پرانا نام حرکۃ الیقین تھا۔ ایک روہنگیا عسکری گروہ ہے جو میانمار کی ریاست شمالی راکھائن میں موجود ہے۔ انٹرنیشنل کرائسز گروہ کی دسمبر ۲۰۱۶ کی رپورٹ کے مطابق، اس کی قیادت عطاء اللہ ابو عمار جنونی کر رہے ہیں، ایک روہنگیا شخص جو کراچی میں پیدا ہوا، اور مکہ مکرمہ میں پلا بڑھا۔ عطا اللہ پاکستان میں پیدا ہونے والا روہنگیا مسلمان ہے۔

---

[1] https://www.cpsglobal.org/content/rohingya-musalman-روہنگیا-مسلمان(Accessed March 24, 2022)

[2] محمد الیاس انصاری، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص:۴۹

The document is said to be the first public statement from the Arakan Rohingya Salvation Army, which previously called itself the Faith Movement, or Harakah al-Yaqin, said the *AP* report from Bangkok.[1]

ترجمہ: بنکاک سے اے پی (ایسوسی ایٹڈ پریس) کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ دستاویز اراکان روہنگیا سالویشن آرمی کا پہلا عوامی بیان ہے، جو پہلے خود کو فیتھ موومنٹ، یا حرکۃ الیقین کہتی تھی۔

انٹر نیشنل کرائسز گروہ کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ:

روہنگیا مسلمانوں کے ایک گروہ نے حرکۃ الیقین کے نام سے ایک مزاحمتی تنظیم سن ۲۰۱۲ء میں قائم کی تھی۔ رپورٹ کے مطابق اس مزاحمتی تحریک کو قائم کرنے والے زیادہ تر روہنگیا مسلمان سعودی عرب میں مقیم ہیں۔[2]

میانمار کی انسداد دہشت گردی کی مرکزی کمیٹی نے ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کو ملک کے انسداد دہشت گردی کے قانون کے مطابق ارسا کو ایک دہشت گرد گروہ قرار دیا۔ARSA پر میانمار کی حکومت کی طرف سے الزام لگایا گیا ہے کہ وہ غیر ملکی اسلام پسندوں کے ساتھ ملوث ہے اور ان کی مدد کرتا ہے، حالانکہ اس طرح کے الزامات کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے۔اس کے بعد ARSA نے ۲۸ اگست ۲۰۱۷ء کو ایک بیان جاری کیا، جس میں اس کے خلاف حکومتی الزامات کو "بے بنیاد" قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ اس کا بنیادی مقصد روہنگیا کے حقوق کا دفاع کرنا ہے۔ یہ گروہ اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ اراکان میں روہنگیا برادری کے دفاع، بچاؤ اور تحفظ کے لیے آگے آیا ہے کیونکہ انہیں بین الاقوامی قانون کے مطابق اپنا دفاع کرنے کا جائز حق حاصل ہے۔

اراکان روہنگیا سالویشن آرمی کا دنیا کے کسی دہشت گرد گروہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔[3]

بنکاک میں مقیم ایک سکیورٹی تجزیہ کار اینتھونی ڈیوس کا کہنا ہے کہ عطا اللہ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ خود کو ایک نسلی قومی تحریک کے طور پر دیکھتے ہیں۔

ان کے بین الاقوامی جہادی تنظیموں جیسے کہ القاعدہ یا دولتِ اسلامیہ (ISIS) کے ساتھ کوئی خاطر خواہ روابط نہیں ہیں۔ وہ اپنی تحریک کو روہنگیا کے لیے راکھائن ریاست کے اندر ہی حقوق کی بات کر رہے ہیں۔ وہ نہ تو علیحدگی پسند ہیں اور نہ ہی جہادی۔[4]

میانمار کی روہنگیا مسلم اقلیت کے لیڈر نے مزاحمت جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ عطا اللہ کا مؤقف ہے کہ وہ روہنگیا کے حقوق کے حصول کی جدوجہد میں مرنے کے لئے تیار ہیں۔ میانمار کے بعض مقامی حلقے اور روہنگیا افراد کی

---

[1] https://www.frontiermyanmar.net/en/rohingya-army-stresses-right-to-self-defence-in-first-statement/ (Accessed March 25, 2022)

[2] https://www.islamtimes.org/ur/article/666321/روہنگیا-مسلمانوں-کی-حالت-زار-اور-عالم-اسلام-ذمہ-داری (Accessed March 25, 2022)

[3] https://www.frontiermyanmar.net/en/rohingya-army-stresses-right-to-self-defence-in-first-statement/ (Accessed March 26, 2022)

[4] https://www.bbc.com/urdu/world-41577799(Accessed March 26, 2022)

ایک محدود تعداد عطا اللہ کو لیڈر کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ عطا اللہ اُن الزامات کی بھی نفی کرتا ہے کہ انہیں غیر ملکی حکومتوں یا دوسرے کئی ملکوں میں متحرک جہادی تنظیموں کا تعاون حاصل ہے۔

۳۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) ایک روہنگیا مزاحمتی گروہ اور سیاسی تنظیم ہے۔ اس کی بنیاد ۱۹۸۲ء میں تماداو (میانمار کی مسلح افواج) کی طرف سے کیے گئے بڑے پیمانے پر فوجی آپریشن کے بعد رکھی گئی تھی۔ اس گروہ نے ۱۹۹۸ء میں اپنی مسلح بغاوت بند کر دی لیکن ۲۰۲۱ء میں میانمار کی بغاوت کے بعد خود کو دوبارہ مسلح کیا۔[1]

روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کے سربراہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب ہیں۔ اور ان کا ترجمان ماہنامہ انصاف ہے۔ RSO اراکان روہنگیا سالویشن آرمی (ARSA) کی مخالفت کرتی ہے، جسے RSO بنگلہ دیشی پناہ گزین کیمپوں میں روہنگیا کمیونٹی کے رہنماؤں کے خلاف حملوں کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

۴۔ حرکۃ الجہاد الاسلامی

حرکت الجہاد الاسلامی یا حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم جنوبی ایشیا کی ابتدائی عسکریت پسند تحریکوں میں سے ایک ہے۔ اس تنظیم کی بنیاد روس کے افغانستان آنے کے بعد سال ۱۹۸۰ء کے اوائل میں رکھی گئی۔ تنظیم کے بانی پاکستان کے ایک دیوبندی عالم مولانا ارشاد تھے۔ جو بعد ازاں روسی فوج کے خلاف جنگ میں شہید ہو گئے۔

حرکت الجہاد الاسلامی کے سربراہ مولانا عبد القدس مجاہد ہیں۔ اور ان کا ترجمان مہنامہ الرباط ہے۔

There are several reports that indicate that HUJI has a widespread presence in many countries, including Pakistan, India, Chechnya, Tajikistan, Central Asia, and Burma.[2]

ترجمہ: ایسی کئی رپورٹیں ہیں جو بتاتی ہیں کہ حرکۃ الجہاد الاسلامی پاکستان، بھارت، چیچنیا، تاجکستان، وسطی ایشیا اور برما سمیت کئی ممالک میں وسیع پیمانے پر موجود ہے۔

مولانا ابو عمار زاہد الراشدی صاحب اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

گزشتہ روز برما کے علاقہ اراکان سے تعلق رکھنے والے ایک عالم دین گوجرانوالہ تشریف لائے اور ان سے اراکان کے ان مسلمانوں کے حالات کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کا موقع ملا جو ایک عرصہ سے ریاستی جبر و تشدد کا

---

[1] https://www.aljazeera.com/news/2016/10/12/myanmar-fears-of-violence-after-deadly-border-attack/ (Accessed March 27, 2022)
[2] https://www.encyclopedia.com/politics/legal-and-political-magazines/harakat-ul-jihad-i-islami-huji (Accessed March 27, 2022)

مسلسل نشانہ بنے ہوئے ہیں اور اب وہاں کے بہت سے نوجوانوں اور علماء نے اپنے دینی تشخص کے تحفظ اور آزادی کے حصول کے لیے "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے نام سے تحریک شروع کر رکھی ہے۔[1]

حرکۃ الجہاد الاسلامی کے اراکین مختلف اسلامی ممالک کے دورے کر کے روہنگیا مسلمانوں کے لئے چندے اکھٹے کرتے رہتے ہیں۔

۵۔ اراکان روہنگیا اسلامک فرنٹ

اراکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) ایک روہنگیا عسکری گروہ ہے جو شمالی راکھائن ریاست، میانمار میں سرگرم ہے۔ یہ گروہ روہنگیا جنگجوؤں پر مشتمل تھا جس کی قیادت ینگون کے ایک تعلیم یافتہ وکیل نورالاسلام کر رہے تھے۔ یہ گروہ روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) کی باقیات اور روہنگیا سالیڈیرٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ایک منحرف دھڑے کو متحد کرنے کے بعد بنایا گیا تھا جو نورالاسلام کی کمان میں تھا۔

۱۲۸کتوبر ۱۹۹۸ء کو ARIF, RSO کے ساتھ ضم ہو گیا اور اراکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) قائم کیا، جو کاکس بازار میں جلاوطنی میں کام کر رہی ہے۔ روہنگیا نیشنل آرمی (RNA) اس کے مسلح ونگ کے طور پر قائم کی گئی تھی۔[2]

٦۔ روہنگیا جمعیت العلماء

روہنگیا مسلمانوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ برما جیسے ملک میں پیدا ہوئے جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور جس کے حکمران انسان کم اور وحشی زیادہ ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب برصغیر کی آزادی کا وقت قریب آیا تو برما کے مسلمانوں نے بھی صوبے کو مشرقی پاکستان سے ملانے کی کوششیں شروع کر دیں اور جمعیت علمائے اسلام کے نام سے جماعت بنا کر جدوجہد کا آغاز کیا۔

برما میں علماء کی واحد تنظیم جمعیت علماء برما جو بیسویں صدی کے آغاز سے برما میں دینی اور اصلاحی کام کرتی آرہی ہے۔ اس کے پہلے صدر مولانا ابراہیم احمد مظاہری مرحوم جو برما میں اسلامی صحافت کے بانی اور اردو روزنامہ "دور جدید" رنگون کے مدیر مسئول بھی تھے۔[3]

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد مولانا شمس الضحیٰ جمعیت علماء اسلام برما کے امیر ہیں۔ حضرت موصوف کا شمار میانمار کے جید علماء میں ہوتا ہے۔ اور جمعیت علماء اسلام برما کے نائب صدر مولانا محمد یوسف صاحب ہیں۔[4]

---

[1]http://zahidrashdi.org/1234 (Accessed March 27, 2022)
[2]http://www.satp.org/satporgtp/publication/faultlines/volume14/Article1.htm (Accessed March 27, 2022)

[3]انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص:۵۳

[4] http://library.ahnafmedia.com/136-faqeeh/year1/mar/321-mutkalm-aslam-molana-muhammad-ilyas-ghman-ka-dora-muanmar-barma(Accessed March 27, 2022)

اور اپنی بساط کے مطابق اس تنظیم کے ارکان اب بھی تمام برمی مسلمانوں کی دینی اور اصلاحی خدمت میں سر گرم ہے۔

۷۔ اتحاد المجاہدین اراکان برما

برمی مظالم کے سدباب اور حقوق کی بحالی کے لئے اس سے قبل اراکان میں بہت سی تنظیمیں بنیں اور بہت سی تحریکیں چلیں۔ ان تمام حالات اور باتوں کے پیش نظر مسلمہ تنظیمی اصول وضوابط کے تحت صحیح اسلامی خطوط پر ایک تنظیم قائم کرنے کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جارہا تھا۔ لہٰذا گذشتہ تین سالوں میں برما، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودیہ، ملائیشیا اور تھائی لینڈ کے مختلف دورہ جات اور ہر ملک میں بسے ہوئے روہنگیا برادری کے اہل علم اصحاب فکر دانشوروں اور بااثر سماجی شخصیات کے مشوروں اور منظوری کے بعد ایک تنظیم بنام اتحاد المجاھدین ارکان برما کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔

جس کا مرکز بنگلہ دیش میں ہے اس کے علاوہ پاکستان اور سعودیہ کی سطح پر بھی اس کی باضابطہ شاخیں قائم ہو چکی ہیں اور اتحاد المجاہدین اراکان برما کو بنگلہ دیش کے بزرگ اور سرکردہ علمائے کرام کی باقاعدہ تائید وحمایت بھی حاصل ہے۔[1]

اور اتحاد المجاہدین اراکان برما کے ساتھ اب تک چھوٹی بڑی پانچ تنظیموں نے باقاعدہ انضمام اور تین تنظیموں نے اتحاد کر لئے ہیں۔

معاہدہ پین لونگ کے بعد مختلف قومیتوں نے محسوس کیا کہ برمی ان پر مسلط ہو چکے ہیں وہ خواب جو انہیں دکھائے گئے تھے پورے نہیں ہوئے۔ جس سبز باغ کے جھانسے میں وہ آئے تھے وہ تو سرخ ہے جو بربریت اور ظلم وستم کی عکاسی کرتا ہے۔ لہٰذا ملک کے مختلف حصوں سے حقوق کے حصول کے لئے آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ جب اس پر امن طریقے سے کسی کو کچھ نہ ملا تو پھر مسلح جدوجہد کی غرض سے مختلف علاقوں میں مختلف تنظیمیں معرض وجود میں آگئیں۔

روہنگیا مسلمانوں کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ برما جیسے ملک میں پیدا ہوئے جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور جس کے حکمران انسان کم اور وحشی زیادہ ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب برصغیر کی آزادی کا وقت قریب آیا تو برما کے مسلمانوں نے بھی صوبے کو مشرقی پاکستان سے ملانے کی کوششیں شروع کر دیں اور جمعیت علمائے اسلام کے نام سے جماعت بنا کر جدوجہد کا آغاز کیا۔ سیاست سے کام نہ چلا تو تحریک مجاہدین کے نام سے بعض لوگوں نے مسلح جدوجہد شروع کر دی۔ یہ مسلح جدوجہد ۱۹۴۷ سے ۱۹۶۱ تک جاری رہی لیکن برما کی حکومت کے مسلسل آپریشنوں کے نتیجے میں ان کی قوت دم توڑتی رہی۔ برمی حکومت کی کارروائیوں

---

[1] سمیع الحق، مکتوبات مشاہیر بنام شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب، (اکوڑہ خٹک: مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان، سن اشاعت ندارد)، ۶/ ۳۷۴

سے روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بنگلہ دیش منتقل ہوتی رہی۔ ۱۹۵۱ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران روہنگیا مسلمانوں کو بنگلہ دیش میں ایک بار پھر ہتھیار ہاتھ آئے اور ایک سال بعد دوبارہ انہوں نے روہنگیا لبریشن پارٹی کی زیر قیادت مسلح جدوجہد شروع کردی۔ ۱۹۷۸ء میں ایک بار پھر برما کی حکومت نے ان کے خلاف بھرپور کارروائی کی اور ان کی بڑی تعداد بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں محمد یونس کی قیادت میں برمی مسلمانوں نے روہنگیا سولیڈیریٹی آرگنائزیشن کے نام سے جبکہ انوالاسلام نے اراکان روہنگیا اسلامک فرنٹ کے نام سے تنظیمیں قائم کرلیں جنہیں بعدازاں روہنگیا نیشنل آرمی کے نام سے ایک تنظیم میں مدغم کرلیا گیا۔ موجودہ وقت میں دو بڑی تنظیمیں زیادہ نمایاں ہیں جس میں ایک روہنگیا سالڈیریٹی آرگنائزیشن اور دوسری حرکت الجہاد الاسلامی اراکان ہے۔

برما میں غیر روہنگیا مسلمان:

برما میں ایک قدیم مسلم گروہ پانتھے مسلمانوں کی ہے، جن کی ابتداء آٹھویں صدی سے ہوئی، جب ان کے آباؤاجداد تاجر، درباری ملازم اور بطور فوجی برما پہنچے تھے۔ ان میں بعض نے اعلیٰ عہدے بھی حاصل کیے۔ وہ پاتھی یا زربادی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، ایک اصطلاح جو عام طور پر کسی کو برمی ماں اور مسلمان باپ کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اب "برمی مسلمان" کے نام سے جانے جاتے ہیں، وہ لسانی اور ثقافتی طور پر برمی معاشرے میں ضم ہوچکے ہیں۔ پانتھے ایک چھوٹی سی چینی برادری ہے، جو بنیادی طور پر برما کے شمال مشرق میں رہتے ہیں۔ ان کی اصل چینی نسل سے ہے جو ۱۹ویں صدی میں یونان میں سلطنت کے خاتمے کے بعد برما ہجرت کرگئے۔

موجودہ پانتھے زیادہ تر یونن مسلمانوں (Yunnan Muslims) کی نسلیں ہیں جو ہجرت کی دو لہروں میں برما آئے۔ پہلی ہجرت اس وقت ہوئی جب ۱۸۷۳ء میں پانتھے بغاوت کے دوران چینی حکومت نے یونن سلطنت کو شکست دی، جس کی وجہ سے میانمار کی طرف بہت بڑے پیمانے پر ہجرت شروع ہوئی۔

The first wave occurred when Yunnan Sultanate was defeated by the Chinese government during Panthay rebellion around 1873, which triggered the mass migration to Myanmar.[1]

ترجمہ: پہلی لہر اس وقت پیش آئی جب ۱۸۷۳ء کے آس پاس پانتھے بغاوت کے دوران چینی حکومت نے یونن سلطنت کو شکست دی، جس نے میانمار کی طرف بڑے پیمانے پر ہجرت کا آغاز کیا۔

پانتھے مسلمانوں نے برمی لوگوں کی اکثریت کے ساتھ الحاق کرلیا۔ ضم کرنے کے اس فیصلے نے میانمار میں مقامی لوگوں اور پانتھے کے درمیان اچھے تعلقات استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

---

[1] Yegar, Moshe, (1966) The Panthay (Chinese Muslims) of Burma and Yunnan. Journal of Southeast Asian History, Cambridge University Press 7 (1) P:80.
available at http://www.jstor.org/stable/20172835 (Accessed March 28, 2022)

۱۹۲۶ء کی جنگ کے بعد سے پانتھے اور "وا" کا ہم آہنگی کا رشتہ تھا۔ اس انضمام نے انہیں یُونو کی حکومت کے دوران اہم حیثیت دینے میں مدد کی۔[1]

پانتھے مسلمان امن پسند ہیں اور معاشرہ میں باہمی آہنگی کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے نام رکھتے ہوئے دو نام لکھواتے ہیں، نام کا پہلا حصہ اسلامی جبکہ دوسرا برمی گھ ہوتا ہے۔ جیسے صالح تون سین (Saleh Tun Sein)، احمد موآنگ موآنگ (Ahmed Maung Maung) وغیرہ۔ پانتھے تہذیب وثقافت اور زبان وادب اسلامی تہذیب کے بل بوتے پر پروان چڑھے۔

پانتھے مسلمانوں نے برما میں مشین سے بُنائی کا کاروبار شروع کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہیں برمی پالیسی کے منصوبے کے دوران روہنگیا کی طرح بے دخل نہیں کیا گیا۔ اس حقیقت کو کہ نی ون کو ۱۹۸۰ء کی دہائی کے دوران تباہ شدہ مانڈلے کی تعمیر نو کے لیے یونی تاجروں سے سرمایہ کاری کی ضرورت تھی۔"[2]

اس لئے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ پانتھے مسلمان مانڈلے کے کامیاب یونی تاجروں کا حصہ تھے۔ اس طرح، وہ حکومت کو مالی امداد فراہم کر کے مانڈلے میں رہ سکتے تھے۔

تاہم، چانگ، یگر اور فوربس اس کے برعکس حقیقت بیان کی ہے جنھوں نے پیش گوئی کی تھی کہ چینی ثقافت اور اسلام آہستہ آہستہ پانتھے مسلمانوں کی زندگی سے دور ہو جائیں گے۔ اپنی حالیہ کتاب میں، چانگ نے ۲۰۰۰ء کی دہائی کے دوران پانتھے کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"پانتھے اپنی چینی ثقافت کے ساتھ ساتھ اسلامی شناخت کو برقرار رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پانتھے اپنی ثقافتی اور مذہبی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اپنے کاروبار کو بھی برقرار رکھنے کے قابل ہیں۔"[3]

ڈاکٹر قبلہ آیاز صاحب اپنے ایک آرٹیکل میں لکھتے ہیں:

اس وقت تو صورتِ حال یہ ہے کہ میانمار کے اندر خود غیر روہنگیا مسلمان بھی روہنگیا کے حق میں آواز بلند نہیں کرتے۔ مانڈلے میں مسلمانوں کا ایک گروپ پانتھے (Panthay) کے نام سے موجود ہے۔ ان کی آبادی ۳۰ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان میں تعلیم بھی ہے اور یہ تجارت بھی کرتے ہیں۔ یہ چینی نسل کے مسلمان ہیں۔ ان کے پاس میانمار کی مکمل شہریت موجود ہے۔ ان کی مسجد کے ساتھ کانفرنس ہال بھی ہے۔ پانتھے مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شہریت کے حصول کے لئے اپنی جدوجہد کے طریقہ کار کو تبدیل کریں۔ اور حکومتی اراکین کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔

---

[1] Taylor, Robert H., (1987), The State in Burma, London: Hurst, p:291
[2] Egreteau, Renaud., (2015), "Indian and Chinese Communities in Contemporary Burma: Comparative Analysis on Their Presence and Influence" In Bhattacharya, Jayati and Kripalani, Coonoor (Eds.) Indian and Chinese Immigrant Communities: Comparative Perspectives, UK: Anthem Press, pp. 124
[3] https://ur.lbicph.com/267192-panthay-INHANE (Accessed March 28, 2022)

Most of the Panthay have acquired citizenship. [1]

ترجمہ: زیادہ تر پانتھے شہریت حاصل کر چکے ہیں۔

میانمار میں مونک ویراتھو کے حامیوں اور پیروکاروں کی تعداد میں اضافے سے انکار ممکن نہیں، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ میانمار کے عام لوگ بے حد نرم خو، پر امن اور تحمل مزاجی کی صفات سے مالا مال ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے بدھ مونک موجود ہیں جو ویراتھو سے اتفاق نہیں کرتے اور میانمار کو ایک پر امن کثیر النسلی اور کثیر المذہبی ملک کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی قیادت ڈاکٹر آشین سیتاگو سیاگو کے ہاتھوں میں ہے۔ ڈاکٹر آشین کے پیروکاروں کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے اور ان کے تعلیمی ادارے ملک کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ روہنگیا کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹر آشین سیتاگو سیاگو کے ساتھ بہتر تعلقات کار قائم کریں اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ان کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہوں۔

میانمار کے صدر مقام ینگون میں ایک غیر روہنگیا مسلمان یو یے لوین(UA Ye Lwin)مسلمانوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان بہتر تعلقات کار کے لئے بہت مفید کام کر رہے ہیں۔ وہ بین المذاہب مکالمے کے پلیٹ فارم سے خاصے فعال ہیں۔ ان کی کوششوں کی حمایت کی جانی چاہئے۔ ینگون کے بدھ حلقوں اور پالیسی سازوں میں ان کو بہت احترام حاصل ہے۔[2]

میانمار میں "Generation Group 88" ایک بہت مضبوط گروپ ہے۔ یہ ان سیاسی کارکنوں پر مشتمل ہے جنھوں نے ۱۹۸۸ء میں فوجی حکمرانوں کے خلاف تحریک چلائی اور بے انتہا مظالم کا نشانہ بنے۔ اس گروپ کے قائدین کی جوانیاں میانمار میں قانون کی حکمرانی کی بحالی کی تحریک میں صرف ہوئیں اور وہ اب بھی ایک خوشحال معاشرے کی تشکیل کو یقینی بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ روہنگیا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس گروپ کا حصہ بنیں اور ان کی جدوجہد میں تعاون کر کے اپنے لئے مقام(space)پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

میانمار میں اکثریتی گروپ (برمن) کے رویّے سے غیر مطمئن گروپوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ ان میں مونگ، کوکن، شان، چن، کائن اور کیچن خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ برمن اکثریتی گروپ دوسرے گروپوں کی ثقافت، تاریخ اور سیاسی جدوجہد کو نظر انداز کر رہا ہے۔[3]

---

[1] https://www.mmtimes.com/national-news/mandalay-upper-myanmar/9998-panthay-muslims-protect-their-name.html (Accessed March 28, 2022)

[2] http://alsharia.org/2017/oct/burma-musalman-asal-masala-dr-qibla-ayaz
(Accessed March 29, 2022)

[3] Ibid

تاریخ کی کتابوں میں صرف برمن ہیروز کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے نسلی گروہوں کو نمائندگی نہیں دی جاتی۔ ان گروپوں میں مسلمان اور مسیحی شامل ہیں۔ روہنگیا کو چاہیے کہ وہ ان گروپوں کے ساتھ قریبی تعلقات کار قائم کریں اور اپنے لئے سیاسی و معاشرتی ہمدردی کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کریں۔

اگرچہ ایسا لگتا ہے کہ پانتھے مسلمان بدھ مت کے تسلط کے خلاف مزاحمت نہیں کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اب بھی ہر طرح سے اسلامی تعلیمات کو اپناتے ہیں، یہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت کی طرف سے مسلط کردہ بدھ مت کو قبول کرنے کی مزاحمت کیسے کی جاتی ہے۔

روہنگیا مسلمان اور حکومت دونوں کی طرف سے مذہبی اور نسلی شناخت کا استعمال ان کے اقدامات کو درست ثابت کرنے کے لیے کیا گیا۔ روہنگیا مسلمانوں نے بدھ مت اور برمن تسلط کے خلاف کھلے عام مزاحمت کی، جس کی وجہ سے ان کی شہریت سے انکار کیا گیا۔ دوسری طرف حکومت نے اس مزاحمت کو ہر قسم کی شورش سے لڑنے کے لیے اور اپنے اقدامات کو جائز بنانے کے لیے اس کو استعمال کیا۔ روہنگیا جو زیادہ تر سرحدی علاقے میں رہ رہے تھے، نقصان میں رہے، کیونکہ نی ون حکومت نے سرحدی علاقے میں مزاحمت پر توجہ مرکوز رکھی۔ دریں اثنا، پانتھے جو زیادہ تر شہر مانڈلے میں رہ رہے تھے، کم متاثر ہوئے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پانتھے مسلمانوں نے اپنے آپ کو برمی ثقافت میں ضم کیا جس کی وجہ سے ان کو برمی عوام اور حکومت نے قبول کیا۔ لہٰذا، پانتھے اپنی مذہبی اور نسلی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے شہریت حاصل کرنے کے قابل ہیں۔

فصل سوم

برما کے وسائل:

برما رقبے کے لحاظ سے جنوب مشرقی ایشیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔اور یہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ یہاں بہترین قسم کا چاول پایا جاتا ہے۔ملک کے ۵۷ فیصد رقبہ پر جنگلات واقع ہیں۔ دنیا کی بہترین لکڑی یہاں پیدا ہوتی ہے۔برما کی لکڑی تمام دنیا میں پسند کی جاتی ہے۔اور یہاں اس کے علاوہ کئی وسائل، مثلاً پٹرول اور گیس، تانبا، ٹین، چاندی، ٹنگ سٹن اور دیگر معدنیات کے علاوہ یاقوت، زُمرد، سرخ یاقوت اور ریشم جیسے قیمتی پتھر بھی وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ برما کی سرزمین خوبصورت نظاروں اور قدرتی حسن کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ یہاں کے لوگ خوبصورت ہی نہیں بلکہ خوش اخلاق بھی ہیں۔ برما اپنے خوبصورت سنہری پگوڈوں یعنی بدھ مندروں کے لیے بھی مشہور ہے۔ جنہیں دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خطہ قدرتی نعمتوں سے بھی مالا مال ہے۔اس وقت برما میں سب سے زیادہ سرمایہ کاری چین کی جانب سے کی جارہی ہے۔اس وقت دونوں ممالک کی سالانہ تجارت کا حجم چھ ارب ڈالر کے قریب ہے۔ برما سے چین کو برآمد کی جانے والی مصنوعات میں چاول، زرعی اجناس، قیمتی پتھر اور دیگر خام مال ہیں۔ساگوان کی لکڑی بڑے پیمانے پر برآمد ہوتی ہے۔

> Myanmar borders five countries and has thirteen border trade points of which Myawaddy (bordering Thailand) and Muse (bordering China) have been the busiest[1].

ترجمہ: میانمار کے پانچ ممالک کے ساتھ سرحدات ملتے ہیں اور تیرہ سرحدی تجارتی مقامات ہیں جن میں میواواڈی (تھائی لینڈ کے ارد گرد) اور میوز (چین کی سرحد) سب سے زیادہ مصروف ہیں۔

برما میں جو تیل اور قدرتی گیس کی دریافت ہوئی ہے، اس کے بڑے بڑے ذخیرے مسلم اکثریتی صوبے راکھائن کے ساحلوں کے قریب واقع ہیں۔ برما کا شمار دنیا کے سب سے پرانے تیل پیدا کرنے والے ممالک میں ہوتا ہے۔۱۸۵۳ء میں یہاں سے پہلی دفعہ تیل برآمد کیا گیا۔ چین کے نزدیک برما کے صوبے اراکان میں اپنے تعمیر شدہ پورٹ اور تیل و گیس پائپ لائین کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ جس سے روزآنہ ساڑھے چار لاکھ بیرل خام تیل کو منتقل ہوتا ہے۔ان بیش قیمت ذخائر میں حاری برساتی جنگلات کی گراں بہا پیداوار ٹیک، خوشبودار لکڑی اور بڑے درختوں کی منفرد قیمتی لکڑی بھی شامل ہے۔ یہ جنگلات بندر، شیر، ریچھ، ایشیائی بھینس اور ہاتھی جیسے کئی جنگلی جانوروں کی زادبوم بھی ہے۔

---

[1]Winston Set Aung, *The Role of Informal Cross-border Trade in Myanmar*, (Sweden:Institute for Security and Development Policy, 2001), 11.

زراعت:

برما ایک اہم زرعی پیداوار کا ملک ہے۔ یہاں کی سب سے زیادہ اہم چاول کی فصل ہے۔ برما کی ابتدائی تاریخ سے لے کر اب تک چاول کی کاشت کی جاتی ہے۔ کئی صدیوں سے چاول برما کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ انیسویں صدی میں برطانوی مداخلت اور تعلیم یافتہ گرمیوں کی وجہ سے برما کی صنعت عالمی مارکیٹ میں داخل ہو گئی۔ برما کے چاول کی پیداوار نے عالمی منڈی میں بہت ترقی کی ہے۔ اور اس کا مطالبہ اس کی فراہمی سے زیادہ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ اور پچھلی صدی کے دوران دنیا کے چاول کی مارکیٹ پر قبضہ کیا تھا۔ اس کا سالانہ برآمد ۳ ملین ٹن تک پہنچ گئی تھی۔ اسی وجہ سے برما کو "ایشیا کے چاول کا پیالہ" تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے پہلے نمبر کا چاول برآمد کنندہ کہا جاتا ہے۔ رسل کے مطابق:

برما میں ۱۸۸۰ء سے ۱۹۴۰ء کے دوران چاول کی برآمد میں ۶۴ فیصد سے ۷۱ فیصد تک اضافہ ہوا۔[1]

اس کے بعد برما میں دوسری جنگ عظیم اور فوجی بغاوت کی وجہ سے برآمدات میں یہ تناسب رکھنے میں ناکام ہوا۔ اور موثر طریقے سے اس کی صنعت پر اثر انداز ہوا۔ کچھ وجوہات کی بنا پر اب چاول کی صنعت کی مانگ عالمی منڈی میں کم ہوئی ہے۔ اور پڑوسی ممالک کے چاول کی برآمدات سے برما کی برآمدات پر بہت اثر پڑا ہے۔

> Agriculture is the dominant sector of the Burmese economy. It employs 65 per cent of the labor force, accounts for 76 per cent of total commodity production, and contributes about 50 per cent of GDP. In addition, about 40 per cent of exports consist of agricultural goods.[2]

ترجمہ: برما کی معیشت میں زراعت ایک اہم شعبہ ہے۔ یہ ۶۵ فیصد مزدور، ۷۶ فیصد اشیاء کی پیداوار میں، اور تقریباً ۵۰ فیصد جی ڈی پی (مجموعی داخلی پیداوار) کا حصہ بنتا ہے۔ اور اس کے علاوہ برآمدات میں تقریباً ۴۰ فیصد زرعی سامان پر مشتمل ہے۔

برما زراعت پر منحصر ممالک میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ اس کے پاس کافی قدرتی وسائل ہیں۔ کسی ملک کی ترقی کے لیے قدرتی وسائل کے ساتھ ساتھ انسانی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدرتی وسائل خدا کی طرف سے دی جاتی ہیں اور جب انسانی قوت اس کے ساتھ مل جاتی ہے تو اس میں جدت آجاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ملک ترقی کی طرف جاتا ہے۔ اس ترقی کے پیچھے سماجی فلاح و بہبود اور شہریوں کی حالات زندگی میں بہتری آتی ہے۔ ملک کی ترقی کو بڑھانے کے لئے ان قدرتی وسائل کو اچھی طرح سے قائم پالیسیوں کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔ برما قابل کاشت

---

[1]Rosalind Russell, *Burma's Spring: Real Lives in Turbulent Times*, (London:publishing River Books, Denbigh Road, June 30, 2015), 73.

[2] Khin Maung Kyi, Ronald Findlay, *A Vision and A Strategy Economic Development Of Burma*, (Singapore: Singapore University Press (Pvt) Ltd,2000), 34.

زمین میں خود کفیل ہے۔ اور زرعی زمین مختلف فصلوں اور سبزیوں کی کاشت کے لیے بہت زرخیز ہے۔ برما میں کافی زمینی وسائل موجود ہیں۔ اور اس کا گرم مون سون موسم زرعی شعبے کو بڑھانے میں مدد گار ثابت ہوتا ہے۔

> Myanmar's water resources meet its household needs, crop production and aquaculture requirements, industry needs, and hydropower generation. Myanmar's rivers, lakes, wetlands, and coastal areas also provide a major mode of transport, as well as providing the environment for a wide range of aquatic species. Fisheries from these sources contribute significantly to Myanmar's overall food supply and exports.[1]

ترجمہ: میانمار کے پانی کے وسائل اس کی گھریلو ضروریات، فصل کی پیداوار اور زراعت کی ضروریات، صنعت کی ضروریات، اور بجلی کی پیداوار پیدا کرنے کی ضرورت پورا کرتی ہے۔ میانمار کی ندیوں، جھیلوں اور ساحلی علاقوں میں بھی نقل و حمل کا ایک اہم ذریعہ ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ زراعت کی وسیع اقسام کی پیداوار میں مدد فراہم کرتی ہے۔ ان ذرائع سے میانمار میں ماہی گیری مجموعی خوراک کی فراہمی اور برآمدات میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

برما میں چار اہم دریا بہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ دیگر چھوٹے نہر و اور ڈیموں کے ذخائر ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سب زراعتی شعبے کے ساتھ ساتھ ماہی گیری کے شعبے کے لیے کافی ہیں۔ برما کا رقبہ ۲۶۱،۲۷۸ مربع میل (۶۷۷،۰۰۰ مربع کلومیٹر) ہے۔ برما کی زمین کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ مغربی پہاڑی علاقے، مرکزی وادی کا علاقہ اور مشرقی پہاڑی علاقے شامل ہیں۔ برما کے سات ریاستیں اور سات ڈویژن ان تین حصوں پر مشتمل ہیں۔ برما میں تین موسم ہوتے ہیں۔ یہ گرم، سرد اور برسات کا موسم ہے۔ برما میں زیادہ انتہائی گرم اور سرد موسم نہیں ہوتے۔ عام طور پر برما میں گرم مون سون آب و ہوا ہے۔

چاول:

چاول جنوب مشرقی ایشیا میں شروع ہوئی۔ ایک اندازے کے مطابق اس علاقے میں کئی ہزار سالوں سے چاول خوراک کا حصہ ہے۔ برما میں بھی یہ روزمرہ خوراک کا حصہ ہے۔ اور لوگ چاول کو مختلف طریقوں سے خوراک میں استعمال کرتے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے عشرے سے پیداواری شرح گر جانے کے باوجود یہ خطہ تقریباً دولاکھ ٹن سالانہ چاول پیدا کرتا ہے۔[2]

۲۰۰۱ء کے ایک سروے کے مطابق برما میں فی کس سالانہ ۱۹۵ کلوگرام چاول استعمال کرتا ہے۔ حکومتوں نے کامیابی سے ملک میں چاول کی معیشت کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ گھریلو استعمال کے چاول کی مقدار

[1] Myanmar: Agriculture, natural resources, and environment initial sector assessment, strategy, and road map. (Mandaluyong City, Philippines: Asian Development Bank, 2013), 16.

[2] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۲۰

میں اضافہ ہو سکے اور چاول کی بر آمدات میں اضافہ ہو سکے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان حکومتوں نے اضافی مقدار میں چاول پیدا کرنے میں بہت دلچسپی لی ہے۔ اگرچہ ان کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی مقاصد ایک جیسے نہیں تھے۔ عمومی طور پر یہ مستقل حکومتوں کی مندرجہ ذیل درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔

برطانوی نو آبادیات (۱۸۲۶ء-۱۹۴۱ء)، جاپانی حکومت (۱۹۴۱ء-۱۹۴۵ء)، آزادی سے پہلے اور بعد میں (۱۹۴۵ء-۱۹۶۱ء)، انقلابی کونسل حکومت (۱۹۶۲ء-۱۹۷۴ء)، سوشلسٹ معاشی حکومت (۱۹۷۴ء-۱۹۸۸ء) فوجی حکومت (۱۹۸۸ء- ۲۰۱۱ء)۔

برمی بادشاہوں کے زمانے میں وہ کسانوں کو چاول اور دیگر فصلوں میں خود کفیل بنانے کے لئے اور اہلکاروں کے سامان کو حاصل کرنے کے لیے زراعت میں معروف تھے۔ اور بہتر نظام پر عمل کیا گیا تھا۔ برمی بادشاہ ہونے زراعت میں فصل کی کٹائی کی حوصلہ افزائی کی۔ اور اس کے لیے مناسب اقدامات کیے۔ اور نئے ذخائر، جھیلیں اور ندیاں بنائیں۔ اور پرانے طریقے آبپاشی کو بہتر کیا۔

برطانوی حکومت نے برما پر تین بار قبضہ کیا۔ اور اس دور میں انہوں نے نو آبادیاتی سرمایہ داری نظام قائم کیا۔ اور چاول کی کاشت کے لیے ۷.۵ ملین ہیکٹر زمین تک بڑھا دیا گیا۔ اور ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک تین ملین ٹن چاول کو بر آمد کیا گیا۔ اور اسی دور میں آٹھ ملین ٹن کی پیداوار سب سے زیادہ تھی۔

> In the mid 1940's, particularly during independence period, there were approximately 3.5 million ha for rice and the irrigated areas for rice was only 0.5 million ha which accounts to 13.8 % of total rice production areas[1].

ترجمہ: ۱۹۴۰ کے وسط میں، خاص طور پر آزادی کے دوران، چاول کے لئے تقریبا ۳.۵ لاکھ ہیکٹر زمین مختص تھی۔ اور آبپاشی علاقوں میں چاول کے لئے صرف ۰.۵ ملین ہیکٹر زمین تھی، جس میں چاول کل کی پیداوار کے شعبے میں ۱۳.۸ فیصد تھی۔

دسمبر ۱۹۴۱ء میں دوسری عالمی جنگ میں برما پر جاپان کا قبضہ ہوا۔ ۱۹۴۱ء برما نے ہر سال ۳.۴ ملین ٹن چاول کی مصنوعات بر آمد کیں۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے برما چاول کی بر آمد کرنے سے قاصر رہا۔ جس کی وجہ سے چاول کی قیمت تیزی سے گرنا شروع ہوئی۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۴۴ء- ۴۵ء کے دوران صرف ۲.۶۳ ملین ہیکٹر زمین میں چاول کاشت کی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۵ء میں برطانوی حکومت نے دوبارہ قبضہ حاصل کر لیا۔ لیکن برمی لوگوں نے برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ۴ جنوری ۱۹۴۸ء میں برما نے آزادی حاصل کی۔ اور پارلیمانی حکومت بنائی۔ اس دوران چاول کی کاشت کیلئے ۳.۸۳ ہیکٹر کی زمین مختص کی گئی۔ اور

[1] Thein, M, *Economic Development of Myanmar*, (Singapore: Singapore Institute of Southeast Asian Studies, 2004),13.

اس سے ۱۹۵۱ء- ۵۲ء میں ۵.۶ میٹرک ٹن چاول حاصل کی گئی۔ اس کے بعد چاول کی بر آمد ۸.۱ ملین ٹن تک ریکارڈ کیا گیا۔ ۱۹۶۱ء-۶۲ میں چاول کی کاشت ۴.۶ ملین ہیکٹر تک پہنچ گئی۔ اور اس سے ۸.۶ ملین میٹرک ٹن چاول تیار کی گئی۔ اور ملک میں چاول کی بر آمد ایک ملین ٹن سے زائد تھی۔ ۲مارچ ۱۹۶۲ء میں انقلابی کونسل اور فوجی افراد نے ملک کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ چاول کی پیداوار کو فوجی املاک کا حصہ بنایا گیا۔ کسی بھی تاجر کو چاول خریدنے، بیچنے یا گودام میں جمع کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور چاول اور اس کی مصنوعات کی تقسیم اور بعد میں کاروبار ریاستی کاروباری مہم بن گیا۔ ۱۹۶۴ء- ۶۵ میں پہلی بار چاول کی کاشت کے لیے ۵.۱۱ ملین ہیکٹر زمین مختص کی گئی۔ جو کہ ۱۹۴۱ء کا ۵.۰۷ ملین ہیکٹر کا ریکارڈ تھا۔ اسی سال ایک ملین ٹن سے زائد چاول بر آمد کیے گئے۔ اور مجموعی پیداوار ۸.۵ ملین میٹرک ٹن تک پہنچ گئی۔ ۱۹۶۰ء کے دوران عالمی ریسرچ کمیونٹی کی طرف سے سبز انقلاب متعارف کرایا گیا۔ اور برما میں اعلیٰ پیداوار کی اقسام کے چاول کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ چاول کی کاشت مون سون موسم جو جون سے نومبر تک ہوتا ہے میں کاشت کی جاتی ہے۔ ۳جنوری ۱۹۷۴ء کو سوشلسٹ کونسل نے نیا ریاستی آئین بنایا۔ اور برما کو نیا نام سوشلسٹ عوامی یونین آف میانمر دیا گیا۔ چاول کی پیداوار سستی کا شکار تھی کیونکہ حکومت کی طرف سے چاول کی مقررہ قیمت نامناسب تھی۔ اور بڑھتی ہوئی آبادی کو خوراک مہیا کرنے کا مسئلہ بڑھ رہا تھا۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لئے حکومت نے ۱۹۷۷ء-۷۸ سے ۱۹۸۵ء-۸۶ تک تمام دیہات میں چاول کی پیداوار کا پروگرام شروع کیا۔ اس پروگرام میں انہوں نے کسانوں کیلئے آمدنی بڑھانے کی بجائے پیداوار کی مزید کاشت پر زور دیا۔ اور کسانوں کو زراعت میں استعمال ہونے والے کیمیائی کھادوں اور زرعی قرضوں پر سبسڈی دی گئی۔ اور ملک میں چاول کی پیداوار ۱۴ ملین میٹرک ٹن تک پہنچ گئی۔ اور اس دوران سالانہ چاول کی بر آمد اوسط ۰.۵ میٹرک ملین تک ہو گی۔ اور ۱۹۸۸ء میں لوگوں نے معیشت کو کم کرنے کی کئی وجوہات کی بنا پر سوشلسٹ حکومت کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔

> During 1988 -1999, the irrigation projects were improved by the Irrigation Department and the rice grown areas can see some increment during the SLORC period in early 1990s.[1]

ترجمہ: ۱۹۸۸- ۱۹۹۹ء کے دوران آبپاشی کے منصوبوں کو بہتر بنایا گیا تھا اور چاول کے بڑے علاقوں میں ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں SLORC دور کے میں کچھ اضافہ ہوا تھا۔

زمین زرخیز ہے اور ۲۵،۱۹۶۴،۷ ایکڑ قابل کاشت زمین میں سے ۸۲۴،۸۵۴ ایکڑ زمین ہر سال زیر کاشت لائی جاتی ہے۔ وہ بھی سال میں ایک فصل سے زیادہ نہیں دیتی۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے سے پیداواری شرح گر جانے کے باوجود یہ خطہ ایک زائد مقدار میں تقریباً دولاکھ ٹن سالانہ چاول پیدا کرتا ہے۔ ۴۰ سال قبل اراکان ۴،۵۰،۰۰۰ ٹن زائد مقدار میں چاول پیدا کرتا تھا۔ یہ تاریخی طور پر دھنیاوادی "دھان کا مخزن" کے نام سے مشہور تھا جو دنیا کے بہت

[1]Thein, M, *Economic Development of Myanmar*, 15.

سے ملکوں کو چاول بر آمد کر تا تھا۔ عالمی پیداوار اس لیے گر گئی ہے کہ بہت سے مسلم مالکان زمین کو اس علاقہ سے بھگا دیا گیا ہے۔ اور جن "بدھوں" کو ان کی جگہ لا کر بسایا گیا ہے وہ سست اور کاہل ہونے کے علاوہ زراعت سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔

دیگر زرعی پیداوار:

چاول کے علاوہ اراکان میں مرچ،، تمباکو، لوبیا، گنا، اروی، چنا، مونگ، ارہر، بھنڈی، مونگ پھلی، تل، پیاز، رائی، ناریل، لہسن، پان، چھالیہ، توری، کدو، لوکی، پیٹھا، سیم، شکر قند، ادرک، ہلدی، باجرہ، جوار، بینگن، مولی، بند گوبھی، آلو، مکئی، کھیرا، آڑو، ٹماٹر، اور دوسرے بہت سے پھل جیسے آم، کٹھل، آلو بخارا، پپیتا، موسی، لیچی، لیموں، کھٹا، تربوز، کیلا، آمرود، اناناس، انار، سنترا، سردا، شریفہ، کاجو، خربوزہ، ترنجبین، رس بھری وغیرہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

یہ چھوٹے پیمانے پر اگائے جاتے ہیں اور ان کی کاشت میں کوئی حکومتی تعاون حاصل نہیں ہے۔ اگر یہ فصلیں سائنسی انداز میں بڑے پیمانے پر آگاہی جائیں تو دیگر ملکوں کو بر آمد بھی کی جاسکتی ہیں۔

مچھلی:

مچھلی کی کاشت کی تاریخ انسان کے وجود سے منسلک ہے۔ زمانہ قدیم سے اس کا ذکر مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ انسانی خوراک میں پروٹین کی اہمیت مسلمہ ہے۔ ویسے تو پروٹین انسانی خوراک میں استعمال ہونے والی کی اشیاء میں موجود ہے لیکن گوشت بالخصوص مچھلی کے گوشت میں اس کی تعداد دیگر اشیاء کی نسبت زیادہ ہے۔ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں گوشت کافی کس استعمال ترقی یافتہ ممالک کی نسبت کم ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں عمومی صحت کا معیار بھی پست ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا کے علاقے میں برما ماہی گیری (سمندری اور میٹھا پانی) کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اور برما کا پانی جنوب مشرقی ایشیاء میں ماہی گیری کے لئے بہت مناسب ہے۔ اور اس میں سب سے مشہور راکھائن کا ساحلی علاقہ ہے۔ برما میں ددو قسم کی ماہی گیری ہوتی ہے۔ ایک کو اندرونی یا فارمنگ ماہی گیری اور دورے کو سمندری ماہی گیری کہتے ہیں۔ اور گزشتہ چند دہائیوں میں پیداوار بہت بڑھ گئی ہے۔

اراکان کا ۳۶۰ میں لمبا ساحل مچھلیوں سے بھرا پڑا ہے۔ تاہم جدید ساز و سامان سے آراستہ ماہی گیر کشتیوں کی عدم موجودگی اور مسلمان ماہی گیروں پر عائد ناروا پابندیوں کی وجہ سے سالانہ پیداوار پڑوسی ملک بنگلہ دیش کے مقابلے میں کہیں کم ہیں۔[1]

---

[1] انصاری، محمد الیاس، ارکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۲۱

> The fisheries sector is of major importance to Myanmar, since most of the protein in the diet of the population comes from fish. It is also the fifth-largest earner of foreign currency for the country.[1]

ترجمہ: میانمار میں مچھلیوں کا شعبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ آبادی کی غذا میں زیادہ تر پروٹین مچھلی سے آتی ہے۔ اور یہ بھی ملک کے لئے غیر ملکی کرنسی کمانے کا پانچواں بڑا عنصر ہے۔

اراکان کے ساحلی علاقے ماہی پروری کے لیے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کی بین الاقوامی منڈی میں بڑی مانگ ہے۔ اور دنیا بھر میں لوگ اراکان کے مچھلیوں کو بہت شوق سے کھاتے ہیں۔

> In 1981 the Department of Fisheries established a Microbiology Laboratory.[2]

ترجمہ: ۱۹۸۱ء میں، ماہی گیری کے محکمہ نے ایک مائیکروبالوجی لیبارٹری قائم کیا۔

یہ مائیکروبیالوجی لیبارٹری اس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی کہ جو ممالک مچھلی کی درآمد کرتے ہیں ان کی ضرویات اور معیار کو پورا کیا جاسکے۔ لیبارٹری کے سازوسامان اور ٹیکنالوجی ۱۹۸۵ء میں برطانیہ کے اوورسیس ڈیولپمنٹ ایڈمنسٹریشن سے موصول ہوئی تھیں۔ یہ ماہی پروری کے بند دریائے ناف اور دریائے کلادان کے مدوجزر والے دانوں پر بہترین قسم کی مچھلیاں پیدا کرتے ہیں لیکن برمی نسل پرست حکومت نے مسلمانوں سے ماہی پروری کے لیے تمام بند چھین لیے ہیں۔ اس لئے ۱۹۸۲ء سے پیداوار گھٹ گئی ہے۔ پھر بھی سرحد پر اراکان سے بنگلہ دیش جو مچھلی کی تجارت ہوتی ہے، وہ بنگلہ دیش کی مچھلی کی برآمدات کا ۵۰ فیصد سے زائد ہے۔ برما کے پاس زمین اور پانی کے کافی وسائل موجود ہیں۔ جو سب جانوروں اور ماہی گیری کی صنعت کے لیے کافی ہیں۔ پانی کے وسائل ماہی گیری کی صنعت کی ترقی کے لئے کافی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

> Myanmar's coastline can be divided into three regions: the Rakhine region (about 740 km), the Ayeyarwaddy and Gulf of Mottama region (about 460 km), and the Tanintharyi region (about 1,200 km). There are a large number of estuaries and islands along these coastal regions.[3]

ترجمہ: میانمار کے ساحل کو تین حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ راکھائن کے علاقے کی لمبائی تقریباً ۷۴۰ کلومیٹر ہے، ایرواڈی اور موٹما علاقے کے خلیج کی لمبائی تقریباً ۴۶۰ کلومیٹر ہے، اور تنین تھری علاقے کے ساحل کی لمبائی تقریباً ۱۲۰۰ کلومیٹر ہے۔ اس ساحلی علاقوں میں ایک بڑی تعداد میں دریاؤں کے وسیع دہانے اور جزائر موجود ہیں۔

برما کی ساحلی سرحد دریائے ناف سے شروع ہو کر کوتھانگ تک ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً ۱۳۸۵ میل (۲۸۲۳ کلومیٹر) ہے۔ برما فشری کے اعداد و شمار کے مطابق اس ساحلی سرحد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ راکھائن ماہی گیری کی زمین، ایراوادی ماہی گیری کی زمین اور تنین تھری ماہی گیری کی زمین پر مشتمل ہیں۔ یہ تین

---

[1] U Win Aung, *Review Of National Fisheries In Myanmar*, (Myanmar: Government of the Union of Myanmar, Ministry for Livestock Breeding and Fisheries Department of Fisheries,1995), 1.

[2] *Review Of National Fisheries In Myanmar, 1.*

[3] Ibid.

ماہی گیری کی زمینیں راکھائن ریاست، ایراوادی ڈویژن اور تنین تھری ڈویژن میں موجود ہیں۔ راکھائن ماہی گیری کی زمین برما کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔ اس سرحد کی لمبائی دریائے ناف سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس علاقے کا احاطہ ۵۶،۷۹۰ مربع کلومیٹر ہے۔ ایراوادی ڈویژن کی ماہی گیری کی زمین برما کے جنوبی علاقے میں واقع ہے۔ اس علاقے کی ماہی گیری کی زمین کا رقبہ ۱۵۲،۰۳۸ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے اہم دریاؤں میں اراوادی دریا، ستیونگ دریا اور تھان لون دریا ہیں۔ جو ایراوادی کے دریا میں جمع ہوتے ہیں۔ تنین تھری ماہی گیری زمین برما کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ یہ جنوب میں موتما سے پچن دریا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی بارہ سو کلومیٹر ہے۔ اور یہ علاقہ ۸۰۰ جزیروں پر مشتمل ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ۱۸۱۳۹۲ مربع کلومیٹر ہے۔ یہ تینوں زمینی ساحلی علاقے کے قریب واقع ہیں۔ اور سمندری مچھلی کی پیداوار، ترقی اور ارد گرد کی آبادی اور ماہی گیری کی صنعت میں مددگار اور اس پر منحصر ہے۔

جنگلات:

جنگلات کی ماحولیاتی اہمیت مسلمہ ہے اور انسانی معاشرے کی بقا کا تصور ان کے بغیر تقریباً ناممکن ہے۔ اس وقت ہماری زمین کے ۳۰ فیصد حصے پر جنگلات موجود ہیں۔ دنیا بھر کے باسیوں کو اس امر سے آگاہی دی جاتی ہے کہ جنگلات کی موجودگی کسی ملک کے ماحول، شہری ترقی، معیشت اور انسانوں کو مختلف جہتوں سے توانائی فراہم کرتی ہے۔ ماہرین یہ بھی بتاتے ہیں کہ بڑے اور پر ہجوم شہروں میں درختوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہاں موسمی تغیرات کی وجہ سے ہونے والی گرمی اور ماحول کی آلودگی میں کمی آئے۔ حالانکہ عالمی مسلمہ معیارات کے مطابق کسی بھی ملک کے کم از کم ۲۵ فیصد رقبے پر جنگلات کا ہونا ضروری ہے۔ جنگلات کے فائدے بے شمار ہیں جس میں اولین تو آکسیجن کا پیدا کرنا ہے جو سانس لینے کے لئے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ درخت زرعی زمین کے کٹاؤ کو روکتے ہیں سیلاب سے بچاؤ کا سبب بنتے ہیں۔ انسانوں کے استعمال کے لئے فرنیچر اور جلانے کی لکڑی کا ذریعہ ہیں۔ حیواناتی اور نباتاتی زندگی کی پناہ گاہیں ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے بھی اخروی زندگی میں انعام کے طور پر جنت یعنی باغات کی بشارت دی ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ سیرت النبیؐ بھی اس باب میں ہدایات سے خالی نہیں ہے جس کی رو سے جنگ کے دوران بھی درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ برما انڈونیشیا کے بعد ایشیا میں حاری جنگل کا دوسرا بڑا علاقہ ہے۔

آزادی کے وقت برما کا ۷۰ فیصد حصہ جنگل سے ڈھکا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ کم ہوتے ۲۰۱۴ء میں ۴۸ فیصد رہ گیا۔[1]

جنگلات سے اچھی خاصی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ اراکان کی خشکی کا ۷۰ فیصد علاقہ جنگلات سے گھیرا ہوا ہے۔ جس میں بہترین عمارتی لکڑی پیدا ہوتی ہے۔ اراکان کے پہاڑی علاقوں میں قدرتی طور پر اگنے والی ساگوان کل

[1] Donald, *historical dictionary of Burma,* (London: Maryland press, 2006),15.

برمی برآمدات کا پندرہ فیصد ہے۔ اگر ساگوان باقاعدہ سائنسی طریقوں سے اُگائے جائیں تو کہیں زیادہ مقدار میں برآمد کرکے زرمبادلہ حاصل کیاجاسکتاہے۔

آہنی لکڑی بھی جو "پینکاڈو" کے نام سے مشہور ہے، علاقے میں وافر ہے۔بانسوں کی بھی بھرمار ہے۔اگرچہ بانسوں کے جنگلوں کی کسی قسم کی پرداخت نہیں کی گئی۔ماہرین کے خیال کے مطابق اراکانی بانس بہترین قسم کے کاغذ اور دیگر اشیاء عالمی منڈی کے لیے تیار کرسکتے ہیں۔اگر اراکان میں کسی موزوں جگہ پر ایک کاغذ سازی کا کارخانہ قائم کیا جاتا تو اس کی پیداوار بنگلہ دیش کے مشہور "کرنافلی پیپر ملز" سے بھی بڑھ جاتی۔ماہرین نے یہ رائے بھی دی ہے کہ شمالی اراکان ربڑاور چائے کی کاشت کے لئے بھی نہایت موزوں ہے۔

وحشی جانور جیسے شیر ،ہاتھی، ارنا، بھینسا، بارہ سنگھا، سالبھر، ہرن، سور، ریچھ، بھیڑیا، مختلف اقسام کے بندر، چرخ لومڑی، سانپ، اژدہا، طوطا، مور، فاختہ، مینا، چیل، کوا، آلو، جنگلی کتا، سیل، جنگلی مرغ، تیتر وغیرہ اراکان کی نمایاں جنگلی حیات میں شمار ہوتے ہیں۔ برماجنگلات اور دیگر قدرتی وسائل سے بھرا ہوا ہے۔جنگلات مجموعی علاقے کے تقریباً۴۰ فیصد حصے کا احاطہ کرتا ہے۔جنگلات روایتی طریقے سے دو اقسام میں درج ہیں۔

1۔ محفوظ جنگلات

2۔ غیر مرتب شدہ جنگلات

جنگل کے کٹاؤ کے لئے قانون بنایاہے لیکن حکومت دیہاتی علاقوں کے باشندوں کو ماسوائے چند مخصوص پودوں اور جانوروں کے مختلف جنگلات کی مصنوعات کو استعمال کرنے کی اجازت دیتاہے۔ برما کی کل آبادی کا تین چوتھائی لوگ جنگلات کی مصنوعات خاص طور پر ایندھن کی لکڑی اور عمارتی لکڑی پر انحصار کرتے ہیں۔ جنگلاتی وسائل سماجی اور اقتصادی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔اور جنگلات کی مصنوعات کی برآمدگی غیر ملکی کرنسی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔برماعمارتی لکڑی مہیا کرنے والا دنیاکے بڑے ممالک میں شمار ہوتا ہے۔

"برما کے جنگلوں میں بہت سے پودوں اور جانوروں کی پیداوار پائی جاتی ہیں۔ برما میں سات ہزار درختوں کے اقسام ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار ستر مقامی اقسام ہیں۔ان تمام میں سے پانچ علی قسم کے عمارتی لکڑیاں ہیں۔"[1]
اگرچہ ہزاروں سال سے برما میں روایتی طریقوں سے زراعت پر عمل درآمد ہو رہاہے لیکن اس میں کوئی بھی عمل جنگلات کو بچانے کے لیے مددگار نہیں۔برما میں جنگلات کی کٹائی بڑے پیمانے پر اٹھارہویں صدی کے اوائل میں شروع ہوئی۔ جب حکومت برطانیہ نے لکڑی کا بڑا مطالبہ کیا۔

[1] رپورٹ محکمہ جنگلات، محکمہ جنگلات برمارنگون،(۲۰۰۰ء)،۲۳

"بحری جہازوں کے بنانے کے لیے سخت لکڑی کا حصول بہت اہم تھا۔ اور اس میں ایک خاص قسم کی لکڑی جو مضبوط اور پانی سے خراب ہونے کی سخت مزاحمتی لکڑی بہت اہم تھی۔"[1]

۱۸۵۶ء میں زیریں برما کے الحاق کے بعد برطانوی نوآبادیاتی حکومت نے جنگل کے شعبے کے لیے ایک پائیدار نظام قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور لکڑی کی کٹائی برطانوی برما کے لیے آمدنی کا بنیادی ذریعہ بنا۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل تک برطانیہ نے برما سے ۴۴۷،۰۰۰ ٹن لکڑی کی کٹائی کی۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں آزادی کے بعد نسلیں بغاوت اور شہری بدامنی کی وجہ سے جنگلات کی کٹائی میں اضافہ ہوا۔ برما میں باغی گروہوں کے اکثریت تھی والے علاقوں پر کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے کٹائی میں تیزی آئی۔

"جنگلات کے شعبے سے برآمد آمدنی ۱۹۹۰ء کی دہائی میں برما کی کل برآمدات میں تقریباً ۳۰ فیصد تھی۔ ۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۰ء کے درمیان جنگلاتی شعبے کی آمدنی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔"[2]

جنوب مشرقی ایشیا میں انڈونیشیا کے بعد برما جنگلات کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ مشرق وسطیٰ سے تیل اور گیس کی تجاوزات کے علاوہ ایک اندازے کے مطابق صوبہ اراکان جس کا نام راکھائن ہے کہ آپ نے ساحل سمندر میں بھی دو ارب مکعب میٹر سے زائد تیل اور ۱۲ کھرب مکعب میٹر قدرتی گیس کے ذخائر موجود ہیں۔ قیمتی دھاتوں اور پتھروں کے ذخیرے بھی دریافت ہوئے ہیں۔ جس پر پوری دنیا کی نظر ہے۔ راکھائن کا دارالحکومت سیٹوئے (Sittwe) جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

"اقوام متحدہ کے خوراک وزراعت کے تنظیم کی ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۰ء اور ۲۰۰۰ء کے درمیان برما کے جنگل میں ۱۹ فیصد کمی آئی ہے۔"[3]

برما میں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۰ء تک ہر سال جنگلات میں ۰.۹۵ سے کم ہو کر ۰.۳ فیصد تک کمی آئی ہے۔ برما میں ۱۹۹۰ء تک جنگلات میں کمی ہر سال ۰.۹۵ فیصد رہی ہے۔ اب یہ شرح ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۰ء تک ۰.۳ فیصد تک رہ گئی ہے۔ اور اس علاقے میں دوسرے ممالک مثلاً انڈونیشیا یا ویتنام سے یہ شرح کم ہو گئی ہے۔ لیکن اب بھی یہ ایک اہم ماحولیاتی مسئلہ ہے۔[4]

برما میں پچھلی دہائیوں کی نسبت جنگلی کٹاؤ میں کمی آئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک اہم ماحولیاتی مسئلہ ہے۔ اس کے لئے حکومتی طور پر مناسب طریقے سے حکمت عملی وضع ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ اراکان بہترین قسم

---

[1] Bryant, *The political ecology of Forestry in Burma*, (Hawaii: University of Hawaii press, 1996), 21.
[2] Forest Department, Forestry in Myanmar ,Forestry department,Facts about Ministry of forestry, (Yangon: Ministry of Forestry, 1999), 5.
[3] Global forest resource assessment, 2010, country report Myanmar, 5.
[4] Peter ،Daniel, *Forest cover change Partners in Burma, 1990- 2010,* (Yangoon: Yangoon press Burma,Sep 2005), 356- 364.

کے شہد کے لئے بھی مشہور ہے۔ برما کے جنگلات اس کے اہم ترین بڑے وسائل میں سے ایک ہیں۔ ان جنگلات میں بہت سے درختوں اور پودوں کے علاوہ آگ جلانے اور دیگر مصنوعات بنانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور جنگلات پانی، مٹی اور جانوروں کی زندگی جیسے وسائل کے تحفظ میں مدد ملتی ہے۔ جنگلات اور دیگر پودوں کے اقسام کا تحفظ ضروری ہے تا کہ برما کے لوگ ان کو زیادہ مناسب طریقے سے منظم اور محفوظ استعمال سے مستفید ہو سکے۔

عمارتی لکڑی:

حکومت نے اراکان کے بعض قصبات میں عمارتی لکڑی کے حصول کے لیے چند "آرامل" قائم کئے ہوئے ہیں لیکن حکومت شمالی اراکان کے مسلمان اکثریتی علاقے میں جہاں مختلف النوع اعلیٰ معیار کی لکڑی کی بہتات ہے۔ مناسب "آراملوں" کے قیام کی اجازت نہیں دیتی جس کی بنا پر پیداوار خاصی کم ہے۔ بہت سے روہنگیا مسلمان دستی محنت سے عمارتی لکڑی تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سرکاری حکام اور مقامی بدھوں کی طرف سے انہیں ایسا کرنے سے روکا جاتا ہے۔

> Burmese teak dominated the world market. Just prior to the Second World War, for example, Burma provided 85 per cent of world teak exports[1].

ترجمہ: برمی ساگوان عالمی منڈی پر غلبہ رکھتی ہے۔ دوسری عالمی جنگ سے پہلے، مثال کے طور پر، برما نے دنیا کو ۸۵ فیصد ساگوان بر آمد کی۔

برما کی ساگوان لکڑی تمام دنیا میں سب سے بہترین ہے۔ برما ساگوان کی لکڑی کا اہم بر آمد کنندہ ہے۔ ساگوان ایک ایسا درخت ہے جس کی لکڑی دنیا کی نمبر ون لکڑی مانی جاتی ہے۔ ساگوان مشرق و مغرب میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لکڑی سے فرنیچر فرش خاص طور پر کشتیاں اور جہاز وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ پانی، دھوپ، دیمک، گھن گویا کسی بھی طرح کے حالات میں یہ لکڑی خراب نہیں ہوتی۔ بعض محققین کو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس کی لکڑی دو ہزار سال تک اپنی اصلی حالت بر قرار رکھتی ہے۔

برما کے مندروں اور خانقاہوں میں ساگوان کے خوبصورت نقش و نگار بنانا ایک عام فن ہے۔ [2]

ساگوان کو انگلش میں (Teak) کہتے ہیں۔ اچھی، مضبوط اور نہایت خوبصورت لکڑی ہوتی ہے اور اس کا فرنیچر بنتا ہے۔ موسم کے اثرات بہت آسانی سے برداشت کرتی ہے اور اسے آسانی سے کیڑا نہیں لگتا۔ سب سے اچھی ساگوان لکڑی برما میں ہوتی ہے۔

---

[1] Gallant, *Report to the Government of Burma on the Teakwood Trade*, (Myanmar: Rome Food and Agriculture Organization, 1957), 2.

[2] کو انداس، ایس، مترجم: مسرت جہاں، جنگلات کی کاشت، انسان ساختہ جنگلات، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۳ء)، ۱۶۔

برق آبی قوت:

"سینڈ ونگ آبشار" کے نام سے بلندی سے گرنے والی ایک قدرتی آبشار دریائے "سین دونگ" کے بالائی دہانوں پر "بوتھیڈونگ" ٹاؤن شپ سے پندرہ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اگر اس سے بجلی پیدا کی جائے تو یہ ایک بہت بڑے برق آبی پلانٹ کو قوت مہیا کر سکتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں اس وقت کی "اونو" حکومت نے اقوام متحدہ کے تعاون سے اس آبشار کی جگہ ایک برقی بھی پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جائزے کے مطابق جو اقوام متحدہ کے ماہرین نے لیا تھا، اس منصوبے کی تکمیل کے بعد اراکان کی بجلی کی تمام ضروریات پورے ہونے کے علاوہ ایک بڑی مقدار میں برقی قوت ہمسایہ (اس وقت کے) مشرقی پاکستان کو برآمد بھی کی جا سکتی تھی۔ ۱۹۶۲ء کے تبدیلی اقتدار کے بعد فوجی حکومت نے منصوبے پر عملدرآمد روک دیا تھا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مجوزہ منصوبہ مسلم آبادی میں واقع تھا۔

معدنی وسائل: گیس و پیٹرولیم:

برما کا علاقہ پٹرول اور گیس کے ذخائر سے بھرا ہوا ہے۔ برطانیہ نے ۱۸۵۳ء میں یہاں سے پہلی دفعہ تیل برآمد کیا گیا۔ لندن میں برما تیل کمپنی کو ۱۸۷۱ء میں قائم کیا گیا اور یہاں کے دو مشہور آئل فیلڈ ینانگیونگ اور چاؤک ہیں۔ جنہیں بالترتیب ۱۸۸۷ء اور ۱۹۰۲ء میں دریافت کیا گیا۔ یہاں سے ابھی بھی تیل نکالا جا رہا ہے۔ دنیا میں تیل کی بہت بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں ٹوٹل اور یونوکال یہاں کے فوجی حکمرانوں کے ساتھ مل کر یہاں سے تیل اور گیس کی دولت کو گزشتہ کئی سالوں سے استعمال کر رہی ہیں۔ عالمی سطح پر برما پر پابندیوں کے باوجود یہ ملٹی نیشنل تیل نکال رہی ہیں۔

> Early British explorers in Burma discovered a flourishing oil extraction industry in the town of Yenangyaung* in 1795.[1]

ترجمہ: برما میں ابتدائی برطانوی محققین نے ۱۷۹۵ء میں ینانگیونگ ☆ کے شہر میں تیل نکالنے کی صنعت کو دریافت کیا۔

۱۹۴۸ء میں آزادی کے بعد برما نے پٹرولیم کی صنعت اور زرعی برآمدات کی وجہ سے ایشیا میں زیادہ خوشحال ملک کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں، حکومت نے اس شعبے کو قومی حیثیت دی، جس کی وجہ سے کئی دہائیوں تک معاشی استحکام جمود کا شکار ہوا۔ ۱۹۸۹ء کے بعد، فوجی جنتا نے ملک کو مزید غیر ملکی سرمایہ کاری کے لئے کھولنے کا آغاز کیا۔ جس کی وجہ سے شیل کمپنی نے ۱۹۹۱ء میں یانگون کے شمال مغرب میں ۵۰ کلو میٹر دور اپیاک گیس

[1] Longmuir, Marilyn V, "*Oil in Burma: The Extraction of Earth Oil to 1914*", (Bangkok: White Lotus, 2001), 329.

☆ ینانگیونگ (Yenangyaung): میانمار کا ایک رہائشی علاقہ جو ینانگیونگ ٹاؤن شپ میں واقع ہے۔

فیلڈ کو دریافت کیا۔ ۱۹۹۲ء میں انڈامان سمندر میں واقع ایڈانا گیس فیلڈ سے پیداوار کے لیے ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے ایک پائپ لائن بچھانے کا آغاز کیا گیا۔ جبکہ ۲۰۰۰ء سے پیداوار کا آغاز ہوا۔ اس پائپ لائن کی سکیورٹی اور بچھانے کے لیے برما کی فوج کو ٹھیکہ دیا گیا۔ جس نے عام دیہاتیوں سے کام کروا کر یہ پائپ لائن بچھائی۔ اس وقت اس پائپ لائن کے منافعوں میں فرانسیسی ملٹی نیشنل ٹوٹل کا حصہ ۲.۳۱فیصد، امریکی ملٹی نیشنل شیوران کا ۲۸.۳فیصد، تھائی لینڈ کی سرکاری کمپنی پی ٹی ٹی کا ۲۵.۵فیصد اور برما کی سرکاری کمپنی ایم او جی ای کا ۱۵فیصد ہے۔ چند سال قبل آنے والی خبروں کے مطابق برما کے فوجی حکمرانوں نے اس پائپ لائن کی وجہ سے ۵ارب ڈالر کمائے ہیں۔ اس تناسب سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی پیداوار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ یہاں سے کتنی مقدار میں تیل پیدا ہوتا ہے۔

ساحل اراکان کے قریب ہی پٹرولیم موجود ہے مگر کلی طور پر غیر دریافت شدہ ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں بعض جاپانی فرموں کے ساتھ اشتراک عمل سے تیل تلاش کرنے کی کوششیں شروع ہو چکی تھیں لیکن بعض سیاسی اور مالی وجوہات کی بنا پر برمی حکومت نے منصوبے کو ترک کر دیا۔ رحمبری اور چڈوبا جزائر میں تیل خام اور دستی طریقوں سے برآمد کیا جاتا ہے۔ ماہرین ارضیات کا دعویٰ ہے کہ راتھیڈونگ جزیرہ، چڈوبا جزیرہ، رحمبری اور خلیج حمزہ کے علاقے میں بہت سا خام تیل محفوظ ہے۔ اراکان کے دیگر معدنی رسائل کو درحقیقت اہمیت ہی نہیں دی گئی۔ مقامی طور پر صاف شدہ تیل موٹر سائیکل اور کار ڈرائیوروں کو فروخت کیا جاتا ہے۔

> Still 5,000 traditional wells on Ramree Island Wells go up to 500 ft. The cost of drilling equipment is high, upwards from $400, and is shared by five to seven households.[1]

ترجمہ: رحمبری جزیرہ میں ابھی تک ۵۰۰۰ روایتی کنویں موجود ہیں جن کی گہرائی ۵۰۰ فٹ تک ہے۔ ڈرلنگ کے سامان کی قیمت زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ڈالر تک ہے، اور پانچ سے سات گھروں کا مل کر خریدا جاتا ہے۔

متعدد جائزوں سے انکشاف ہوا ہے کہ لوہا، یورینیم، کوئلہ، چونے کا پتھر، گرینائٹ، اور فلز وغیرہ برآمد کیے جا سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ دستیاب سنگ مرمر کے ذخائر ہیں۔ جاپانی فرموں نے ان ذخائر کی اجازت کے بدلے علاقے میں منافع بخش ترقیاتی منصوبوں کی پیشکش کی لیکن اس تجویز پر کبھی بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا۔

صنعت و حرفت: نمک سازی

ساحل اراکان کے ساتھ ساتھ کھارے سمندری پانی سے نمک پیدا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان نمک کے طاسوں سے بھی جو کہ بعض مقامات جیسے منگڈاؤ، پکتو، اکیاب، کیوکپیو، رحمبری، تھانڈوے، تنگپ اور گوا وغیرہ میں واقع ہے مختلف کیمیکل بنائے جاتے ہیں۔

---

[1] Scott E. Thornton,*The History of Oil Exploration in the Union of Myanmar*, (California: Department of Earth Sciences University of Southern California,2015), 27.

Myanmar Salt and Marine Chemical Enterprise (MSMCE) is responsible for production and marketing of common salt, Epsom salt, marine chemical and soda ash[1].

ترجمہ: میانمار نمک اور میرین کیمیائی انٹرپرائز (MSMCE) عام نمک، جلابی نمک، سمندری کیمیکل اور دھوبی سوڈا کی پیداوار اور مارکیٹنگ کے لئے جوابدہ ہے۔

منگڈاؤ، رحمبری، کیوکپیو، اکیاب اور تھانڈوے میں سمندری پانی کو گھڑوں میں جمع اور خشک کر کے بھی نمک حاصل کیا جاتا ہے۔ اور یہ کاروبار زیادہ تر کسی سرکاری مدد اور تعاون کے بغیر جاری ہے۔

ناریل کی کاشت:

مقامی زراعت کے طور پر پورے اراکان میں ناریل چھوٹے پیمانے پر اُگتے ہیں۔ اور یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ناریل کی سالانہ پیداوار تقریبا ۱۵۰ لاکھ ہے۔ "تھانڈوے" اور "گوا" شہروں میں ایک ایک فیکٹری ہے۔ لیکن اراکان میں ناریل کے تیل کی بہتات کے باوجود جو صابن سازی کے لئے استعمال ہو سکتا ہے وہاں اب تک کوئی صابن فیکٹری نہیں۔

پرورش حیوانات:

اگرچہ اراکان میں گلہ بانی اور حیوانی نسل کشی کا کوئی سرکاری منصوبہ موجود نہیں ہے۔ پھر بھی تمام کسان گائے، بھینس، بکری، مرغی، بطخ، کبوتر وغیرہ پالتو جانوروں کے طور پر رکھتے ہیں۔[2]

چھوٹی اور گھریلو صنعتیں:

پورے اراکان میں مجموعی طور پر چاول کے ۳۳ کارخانے ہیں۔ ایک آئس کریم فیکٹری اور ایک ہوا بند مشروب (بوتل میں بند مشروب) تیار کرنے کی فیکٹری اکیاب میں موجود ہے۔ "اکیاب" میں ایک کاٹن فیکٹری بھی ہے ہر قصبے میں کپڑا بننے والی دستی کھڈیاں خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ ایک چھوٹی سی شکر مل کی بنیاد حکومت نے کیوکتو قصبے میں رکھی ہے جس کے ساتھ ایک شراب سازی کی فیکٹری بی ملحق ہے۔

اراکان میں شکر زیادہ تر گنے سے بنائی جاتی ہے۔ جہاں مشینوں کی مدد سے خام شکر (گڑ) دیسی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے کیونکہ گنے کی کاشت بکثرت ہے۔[3]

---

[1] Saw Lwin, *Department of Geological Survey and Mineral Exploration*,(Myanmar: Data Base Building In Ministry Of Mines, 2012), 7.

[2] انصاری، محمد الیاس، ارکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۲۴

[3] ایضاً، ۲۴

نمک تمام کھانوں میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مفید جز ہے، اور نمک کھانے کی حفاظت کا ایک اہم طریقہ بھی ہے۔ ایراوادی ڈویژن میں نمک پیدا ہوتا ہے۔ نمک سمندر میں وسیع مقدار میں موجود ہے، جہاں یہ اہم معدنی اجزاء میں سے ایک ہے۔

سیاحت:

برمی حکومت کا خیال ہے کہ یہاں کا دلکش قدرتی حسن اور نظارے اور قدیم دور کے عالیشان پگوڈے یعنی بدھ مندر آج بھی لوگوں کو برما آنے پر مجبور کر دیں گے۔ اس سلسلے میں تیاریاں پورے عروج پر ہیں۔ ہوٹلوں کی حالت بہتر بنائی جارہی ہے۔ امریکی اور فرانسیسی کمپنیاں بین الاقوامی معیار کے بیس نئے ہوٹل بھی تعمیر کر رہی ہے۔ ذرائع آمد ورفت اور سڑکوں کی حالت بہتر بنانے پر بھی توجہ دی جارہی ہے۔ تاکہ باہر سے آنے والے لوگوں کو بہتر ماحول فراہم کیا جاسکے۔

> Tourism is another sector with a significant potential for growth. According to official figures, Myanmar received 816,369 tourists in 2011 and 1,058,995 tourists in 2012 – an increase of 29%. However, the tourism sector in Myanmar is still in its infancy and faces stiff competition from regional competitors such as Thailand, which recorded more than 22 million tourists in 2012.[1]

ترجمہ: ایک اور شعبہ سیاحت ہے جو ترقی کے لئے ایک اہم امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، میانمار ۲۰۱۱ میں ۸۱۶،۳۶۹ سیاحوں اور ۲۰۱۲ میں ۱،۰۵۸،۹۹۵ سیاحوں نے ۲۹ فیصد اضافہ کیا۔ تاہم میانمار میں سیاحت کا شعبہ اب بھی اس کی ابتدائی حالت میں ہے اور علاقائی حریفوں سے سخت مقابلہ کا سامنا ہے، جیسے کہ تھائی لینڈ، جس نے ۲۰۱۲ء میں ۲۲ ملین سے زائد سیاحوں کو ریکارڈ کیا۔

سیاحوں کو دکھانے کے لیے برما میں قدرتی نظاروں کے علاوہ ایک رنگارنگ ثقافت بھی ہے۔ خاص طور پر ٹونگی قبیلے کے لوگوں کو رنگین اور خوب صورت لباس جو روشنی کے میلے کے دوران پہنتے ہیں۔ روشنی کا تہوار پورے چاند کے دن منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر جانوروں اور دیگر چیزوں کی شکل کے بنے ہوئے بڑے بڑے غبارے ہوا میں اڑائے جاتے ہیں۔ جن میں آگ جل رہی ہوتی ہے۔ یہ غبارے ایک راکٹ کی مانند اڑتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھنے کی چیز ہے اور یہ یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم غاروں میں انسانی تہذیب بکھری پڑی ہے۔ یہ تہذیب بدھ مت کی تاریخی مورتیوں اور آئنل جھیل میں تیرتے ہوئے باغات کی صورت میں ہے۔ آنے والے لوگوں کی دلچسپی کے لیے بہت کچھ کیا جارہا ہے۔ ان تمام اقدامات کے ساتھ ساتھ حکومت یہ بھی چاہتی ہے کہ بیرونی ثقافت کا ملک کی اندرونی تہذیب پر کوئی اثر نہ پڑے۔

[1] Ong, Chao Choon, *Myanmar Business Guide*, (Myanmar: Bahan Township press, 2017), 5.

وہ لوگ جن کو ویزا کی ضرورت نہیں ہے ان میں برما کے شہری، بحری جہازوں میں کام کرنے والے ایسے لوگ جن کو برما حکومت نے نیشنل سرٹیفکیٹ دیا ہوا ہے جو تھرڈ سکریٹری کی مہر سے جاری ہوا ہو۔ ری انٹری پرمٹ ہولڈر کے افراد، ایسے لوگ جو اسی جہاز کے اگلے ملک کے لیے پرواز کر رہے ہیں۔ ملک میں آنے والے ہر شخص کو ہیلتھ کارڈ کی ضرورت ہے، سوائے ٹرانزٹ مسافروں کے۔ مگر ایسے مسافر ائیر پورٹ حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ سیاحت کا ویزا سات دن کے لیے دیا جاتا ہے۔ سیاحت کا ویزا صرف ایسے سیاحتی گروپ کو دیا جاتا ہے جو اپنے پروگرام کا انتظام برما ٹورسٹ کو کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ بزنس ویزا حکومت کے مقرر کردہ نمائندہ ممالک سے مل سکتا ہے جو یہ ہیں۔ آسٹریلیا، کینیڈا، چین، شام، فرانس، جرمنی، ہانگ کانگ، ہندوستان اور انڈونیشیا وغیرہ۔

بدھ مت اپنی پہلی صدی میں وسیع تبلیغی تحریکوں اور چین و جاپان جیسی ایشیائی اقوام کو اپنے مذہب میں داخل کر لینے کے بعد ان کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں۔ کئی صدیوں تک کئی بڑی تحریکیں کوئی تبدیلیاں سامنے نہ لا سکیں۔ تاہم بیسویں صدی کے اندر اندر بدھ مت کا از سر نو آغاز ہونے لگا۔ اس نشاط ثانیہ کا ایک اہم عنصر ایشیائی اقوام میں عیسائی مبلغین کی سرگرمی تھی۔ بدھ مت اور ایشیائی اقوام کو بہتر طور پر جاننے کی کوشش میں عیسائی مبلغین نے قدیم بودھی کتب کا ترجمہ کیا۔ بدھ مت کے دوبارہ زندہ ہونے میں دوسرا عنصر ایشیائی قوم پرستی کا ابھرنا تھا۔ نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے ساتھ ہی کئی ایشیائی اقوام میں اپنی قومی خود مختاری کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔

اسلام اراکان برما میں ساتویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ مسلمانوں کے کئی تجارتی جہاز ساحل اراکان پر طوفان کی زد میں آکر ٹوٹ گئے تھے۔ جہازوں کے مسلم ملاح کسی طرح جان بچا کر اراکان کے ساحل پر آباد ہو گئے۔ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اور پھر ان کی تبلیغ کے نتیجے میں مقامی آبادی کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔ برمی راجہ من کھامن نے ۱۴۰۴ء میں اراکان پر قبضہ کر لیا تھا۔ حاکم بنگال نذیر شاہ نے ۱۴۳۰ء میں اراکان کو دوبارہ فتح کر لیا۔ اور سلیمان شاہ تیس سال بعد دوبارہ اراکان میں تخت نشین ہوئے۔ آپ کے بعد ۲۴ بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ۱۷۸۴ء میں برمی راجہ بوداپایہ نے اراکان پر قبضہ کر لیا۔

برما ایک قدرتی وسائل سے مالا مال خطہ ہے۔ قدرتی گیس، تیل، کوئلہ، قیمتی پتھر، ہیرے جواہرات اور دیگر وسائل کا حامی علاقہ ہے۔ اراکان میں چار بڑے بڑے دریا ہیں۔ دوسرے اہم ذرائع میں کوئلہ ہے۔ اراکان کا نصف حصہ جنگلات اور نصف حصہ دریاؤں پر مشتمل ہے۔ گیس اور تیل کے ساتھ ساتھ سرزمین برما میں قیمتی پتھر اور ہیرے جواہرات بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اعلیٰ معیار کی مچھلیاں اور سی فوڈز بکثرت پائے جاتے ہیں۔ برما ایک نہایت خوب صورت اور جنت نظیر خطہ ہے۔ جو دیکھنے والوں کو مبہوت کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس طرح سیاحت کے ذریعے بھی کثیر زر مبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔

برما کے نام کی تبدیلی:

نام کسی فرد کا ہو یا ملک کا اس کی شناخت کا سب سے اہم ذریعہ ہوتا ہے اور اس کو تبدیل کرنا آسان کام نہیں ہوتا ہے کیوں کہ اس کو تبدیل کرنے کا مطلب اپنی شناخت کو تبدیل کر لینا ہوتا ہے۔ اور کسی ملک کے لیے نام کو تبدیل کرنا اس لیے بھی دشوار ہوتا ہے کہ اس کے نام کی تبدیلی درحقیقت اس کی سرکاری شناخت، اس کی کرنسی، اس کی تمام سرکاری دستاویزات اور اس کے ساتھ بین الاقوامی تعلقات میں اس کی شناخت کی سرکاری طور پر تبدیلی ہوتی ہے جو کہ ایک بہت مہنگا اور طویل عمل ہوتا ہے جس کو کرنے کے لیے مکمل منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقالے میں برما نام کی تبدیلی کی وجوہات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

برما کا نام ۱۸ جون ۱۹۸۹ء کو وہاں کی فوجی حکومت نے برما سے بدل کر کے میانمار رکھا تا کہ وہاں کی زبان میں اسے لکھنے میں آسانی ہو مگر فوجی حکومت کے اس فیصلے کو پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا اور اب بھی کئی جگہ پر میانمار کو اس کے پرانے نام برما سے ہی پکارا جاتا ہے۔

جہاں تک ملک کے نام کی تبدیلی کا تعلق ہے، تو اس نام کی تبدیلی کے لئے حکومت نے ایک کمیشن بنایا اور اس کمیشن نے تین وجوہات کی بناپر انگریزی نام "برما" کی جگہ "میانمار" رکھنے کا فیصلہ کیا:

First, *Myanma* is the official name of the country in the Burmese language, and the aim of the commission was to have English place names aligned with Burmese place names and pronunciation. Second, the commission thought that the name *Myanma* was more inclusive of minorities than the name *Bama*, and wanted the English name of the country to reflect this. Finally, the military regime has long been suspicious of the colloquial Burmese language, which it perceives as subversive; the English name "Burma" mirrors the colloquial Burmese name *Bama*.[1]

ترجمہ: سب سے پہلے میانما برمی زبان میں ملک کا سرکاری نام ہے، اور کمیشن کا مقصد انگریزی ناموں کو برمی ناموں اور تلفظ کے ساتھ منسلک کرنا تھا۔ دوسرا، کمیشن کا خیال تھا کہ میانما نام باما کے مقابلے میں زیادہ اقلیتوں کو شامل کرتا ہے، ان کی خواہش تھی کہ ملک کا انگریزی نام اس کی عکاسی کرے انگریزی نام "برما" بول چال کے برمی نام باما کا عکس ہے۔

غالب برمن نسلی گروہ کے بعد کئی نسلوں سے، ملک کو برما کہا جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۸۹ء میں حکمران جنتا (جماعت) کی طرف سے جمہوریت کی حامی بغاوت کو بے دردی سے دبانے کے ایک سال بعد، فوجی رہنماؤں نے اچانک اس کا نام تبدیل کر کے میانمار کر دیا۔

حکومت نے کہا کہ وہ اپنے نو آبادیاتی ماضی اور نسلی اتحاد کو فروغ دینے کے نام کو ترک کر رہا ہے۔ حکام نے کہا کہ پرانا نام ملک کی بہت سی نسلی اقلیتوں کو خارج کر دیتا ہے۔

[1] Gustaaf Houtman , Mental Culture in Burmese Crisis Politics: Aung San Suu Kyi and the National, (Nishigahara Kita-ku, Tokyo 114-8580 Japan,1999) 135

برما کا نام دنیا کے بیشتر لوگوں کے لیے ایک دھندلی، غیر ملکی ثقافتی یاد بن گیا ہے۔ اس نام نے سب سے پہلے دنیا کے تخیل کو اپنی طرف متوجہ کیا جب ابتدائی برطانوی نوآبادیات نے زیادہ تر بدھ مت قوم کے خوبصورت اور ہر جگہ موجود مندروں اور پگوڈا کے بارے میں لکھا۔

برطانویوں نے برما کا نام ۱۸۸۶ء میں باضابطہ طور پر برطانوی کالونی بننے کے بعد استعمال کیا۔ اس وقت سے لے کر دوسری جنگ عظیم کے بعد تک (سوائے ۱۹۴۲ء-۱۹۴۵ء کے سالوں کے، جب اس پر جاپان نے قبضہ کیا تھا)، برما انگریزی حکومت اور اثر میں تھا۔ لیکن آزادی کے بعد کے سالوں میں، برما نے سیاسی بحران کا سامنا کیا کیونکہ مختلف دھڑوں نے ایک نئی قومی شناخت قائم کرنے اور اسے جدید دنیا میں داخل کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ ۱۹۶۲ء میں، فوج نے ملک کا کنٹرول حاصل کر لیا۔ اس قبضے کے بعد کئی دہائیوں تک، قوم کے نوآبادیاتی ماضی کو مٹانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی رہی، بشمول بہت سے برطانوی زیر اثر ناموں کی تبدیلی۔ خاص طور پر، برما کو میانمار میں تبدیل کر دیا گیا تھا، اور رنگون کو ینگون میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح اکیاب کو سیٹوے میں تبدیل کر دیا۔

برما کا نام ملک میں اکثریتی نسلی گروہ کے نام سے اخذ کیا گیا تھا۔ میانمار ایک اصطلاح جس کا مطلب ہے "تیز اور مضبوط لوگ" کو اسی نام کی ایک ادبی شکل سمجھا جاتا ہے، جبکہ برما بول چال کی شکل، بامر سے ماخوذ ہے۔ بول چال کے استعمال یا اصلیت کے لحاظ سے اسے "باما" یا "میامہ" کے طور پر تلفظ کیا جاتا ہے۔

۱۹۸۰ء کی دہائی کے اواخر میں اس نام کو سرکاری طور پر تبدیل کر کے "میانمار کی جمہوریہ یونین" کرنے کے بعد، ملک کے اندر بہت سے گروہوں نے اعتراض کیا۔ اور بہت سے غیر ملکی الجھن میں پڑ گئے۔ معاملات کو مزید خراب کرنے کے لیے، آج کچھ ممالک زیادہ تر وہ جہاں انگریزی زبان کا غلبہ ہے، بشمول برطانیہ، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ اب بھی سرکاری طور پر نئے نام کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکومتیں اپنے لوگوں پر ظلم کرنے والے فوجی جنتا (حکمران جماعت) کو قانونی حیثیت نہیں دینا چاہتیں، یا اس لیے کہ وہ میانمار کے اندر جمہوریت کے حامی نسلی اور سیاسی گروہوں کی حمایت کرنا چاہتی ہیں۔ یہ اندرونی گروہ اپنی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے، اور اس لیے یہ نہیں مانتے کہ اسے ملک کا نام تبدیل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

ملک کے نام کی تبدیلی ۱۹۸۹ء میں اس وقت سامنے آئی جب برسر اقتدار فوجی حکومت نے ہزاروں لوگوں کو ہلاک کر کے جمہوریت نواز بغاوت کو کچلنے کے بعد ملک کا نام برما سے بدل کر میانمار کر دیا۔ فوج نے اسی وقت ملک کے بڑے شہر رنگون کے انگریزی زبان کے ہجے کو تبدیل کر کے ینگون کر دیا۔

فوجی حکومت کے خیال میں برما کی اصطلاح صرف برمن کا احاطہ کرتی ہے، جو میانمار کا سب سے بڑا نسلی گروہ ہے، اور اس میں دیگر ۱۳۴ نسلی اقلیتی گروہ شامل نہیں۔ یونائیٹڈ سٹیٹس انسٹی ٹیوٹ آف پیس بلاگ کے مطابق:

"فوجی موقف یہ ہے کہ اگر ملک کے نام کے طور پر اہم نسلی گروپ کا نام استعمال کیا جاتا ہے، تو یہ نسلی امتیاز ہو گا۔ اور برما جو برطانوی راج کے تحت ملک کا سرکاری نام بن گیا جو نو آبادیاتی ماضی کی یاد دہانی تھی۔[1]

اب صورتحال یہ ہے کہ برمی زبانی طور پر اپنے ملک کو برما کہتے ہیں لیکن عام طور پر سرکاری تحریری دستاویزات میں میانمار کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ میانمار کا مکمل اور آفیشل نام "ریپبلک آف دی یونین آف میانمار" ہے۔۱۹۸۹ء میں ملک کا نام آفیشلی برما سے Myanma رکھا گیا اور بعد میں آخر میں ایک "r" کا اضافہ کر کے Myanmar بنایا گیا۔ لیکن برمی زبان میں Myanma ہی بولا جاتا ہے۔ اس کا دارالحکومت Naypyidaw ہے جس کا مطلب "بادشاہوں کا شہر" ہے جبکہ سب سے بڑا شہر ینگون ہے۔ پہلے ینگون ہی میانمار کا دارالحکومت تھا اور اس کا نام رنگون تھا ۲۰۰۶ء میں نیپیداؤ کو دارالحکومت بنایا گیا۔ ملک کے نام کے ساتھ ہی اس شہر کا نام بھی ۱۹۸۹ء میں رنگون سے ینگون کیا گیا۔ تاہم، زیادہ تر لوگ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دونوں ناموں کو ایک دوسرے کے ساتھ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ برما کا تلفظ کرنا آسان ہے۔ جب کہ دونوں الفاظ کی اصل لسانی اعتبار سے ایک ہی ہے۔ میانما ملک کا ادبی اور تحریری نام ہے جبکہ باما زیادہ عام بول چال میں مستعمل ہے۔

جب جنرل نی ون نے حکومت سے اقتدار چھین لیا تو ملک کے مختلف نسلی گروہوں کے درمیان قومی شناخت قائم کرنے کے لیے زور دیا گیا۔ برما کو صرف نسلی برمیوں کی وضاحت کرنے کے لیے سمجھا جاتا ہے، اس لیے میانمار سیاسی طور پر درست اصطلاح بن گیا، جس میں ملک میں رہنے والے تمام افراد کو شامل کیا جاتا ہے۔

Myanmar is a federal democracy. It consists of a president, a state councilor (prime minister) and two vice presidents. Is called the House of Nationalities and the upper house is called the House of Representatives.[2]

ترجمہ: میانمار ایک وفاقی جمہوری ملک ہے۔ جس میں ایک صدر، ایک سٹیٹ کونسلر (وزیر اعظم) اور اس کے علاوہ ملک میں دو وائس پریزڈنٹ ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ کا نام "اسمبلی آف یونین" ہے جو دو ایوانوں پہ مشتمل ہے ایوان زیریں یعنی لوئر ہاؤس اور ایوان بالا یعنی اپر ہاؤس کو House of Representatives کہا جاتا ہے۔

۱۸۸۵ء میں برما مکمل طور پہ برطانیہ کے تحت آ چکا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں برما کو انڈین برطانوی راج سے الگ کر دیا گیا لیکن پھر بھی برما برطانیہ کے تحت ہی تھا برما کو مکمل آزادی ۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو ملی جب برما "یونین آف برما" کی شکل میں دنیا کے نقشے پہ ابھرا۔ ۱۹۶۲ میں ملک میں ملٹری نے اقتدار سنبھال لیا اور یہ ملٹری دور ۲۰۱۱ء میں ختم ہوا۔ برما نام کو ۱۹۸۹ء میں ملٹری گورنمنٹ نے برما سے بدل کر میانمار کر دیا تھا۔ برما میں دوبارہ آرمی نے یکم فروری ۲۰۲۱ء کو چارج سنبھال لیا ہے۔

---

[1] https://www.voanews.com/a/east-asia-pacific_burma-or-myanmar-one-country-two-names/6201633.html(Accessed March 12, 2022)

[2] Seekins, Donald M,Historical dictionary of Burma (Myanmar), (Historical Dictionaries of Asia, Oceania, and the Middle East), (Maryland :Lanham, Rowman & Littlefield, Scarecrow Press,2006) 123

باب دوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے حالات و مسائل

فصل اول: برما میں روہنگیا مسلمانوں کی حالاتِ زندگی

فصل دوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کا جائزہ

فصل سوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے عصر حاضر کے اہم مسائل

فصل اول

روہنگیا مسلمانوں کی حالات زندگی:

اراکان روہنگیا قوم کی ابتداء اسلام ہے۔ یہ ابتدا میں چھوٹی سی اسلامی ریاست تھی جہاں کے سکّوں اور سرکاری دستاویزات میں کلمہ اسلام کندہ ہوتا تھا۔[1] اس کے پڑوس میں نام نہاد امن وآشتی کے پرچار کرنے والے گوتم بدھ کے پجاریوں کا ملک واقع تھا۔ یہ ۱۷۸۴ء کی بات ہے کہ اس وقت بدھسٹ برمی راجہ بودا پایہ نے شب خون مار کر اراکان پر اپنا تسلط جمالیا، اس طرح اراکان کی اسلامی ریاست کو برما کا ایک جزبنا دیا۔ جب ۱۷۸۴ء میں برمی راجہ بودو پایہ نے اراکان پر قبضہ کیا تو بڑے پیمانے پر روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ ۱۸۲۴ء میں برطانیہ نے برما سمیت اراکان پر قبضہ کر لیا۔ بیسویں صدی عیسوی کے نصف میں دوسری جنگ عظیم لڑی گئی جس میں مگھ جاپان کے ساتھ تھے۔ جب کہ مسلمانوں نے آزادی کی شرط پر برطانیہ کی حمایت کی تھی۔ مارچ ۱۹۴۲ء اراکان کے ضلع اکیاب (Sittwe) میں بدھسٹوں کی ایک انتہا پسند تنظیم کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف منظم انداز میں فسادات شروع ہوئے۔مارچ ۱۹۴۲ء سے جون ۱۹۴۲ء تک تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار مسلمان شہید اور پانچ لاکھ مسلمان بے گھر ہوئے۔

یہاں پر اسلام کی آمد کے آثار ۶۸۰ء سے ملتے ہیں۔ جب اسلام کے ابتدائی سالوں میں ہی عرب مسلمان تجارت کی غرض سے برما آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ سات صوبوں کے اس ملک میں مسلمانوں کی اکثریت راکھائن (رخائن) میں آباد ہے اور یہاں جو مسلمان بستے ہیں انہیں "روہنگیا" کہا جاتا ہے۔[2]

تاریخ بتاتی ہے کہ شروع سے ہی اراکانی مسلمانوں کا قلبی تعلق طبعی میلان اور دینی جھکاؤ پاکستان کی طرف رہا اور اب بھی ہے۔ اسی طرح پاکستانی عوام وحکام کی غیر مشروط حمایت ومدد بھی روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں اراکانی مسلم لیڈروں کا ایک وفد بانئ پاکستان محمد علی جناح سے ملا اور درخواست کی کہ تقسیم برصغیر کے طے شدہ اصول وضوابط کے مطابق مسلم ریاست ارکان کو بھی برما کی بجائے پاکستان کا حصہ بنا دیا جائے۔

۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو برطانوی اقتدار کا سورج برما سے غروب ہوا۔ اس سے تقریباً چھ ماہ قبل پاکستان اور ہندوستان کو بھی آزادی ملی۔ اراکان کے مسلمانوں کا رجحان بلکہ پوری کوشش یہی تھی کہ اراکان کو برما کے ساتھ منسلک کرنے کے بجائے پاکستان کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک وفد نے دہلی میں قائداعظم محمد علی

---

[1] Moshe yegar, *The Muslims of Burma,* 24.

[2] رمضان، مرزا محمد، برما، رحیمیہ، جلد ۷، شمارہ ۷، (۲۰۱۵ء)، ص ۴

جناح سے ملاقات کی، اس وقت میں جناب امراء میاں صاحب، جناب ظہیر الدین (علیگ)، جناب وجیہ اللہ صاحب اور جناب مسیح الدین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے مدعا پیش کیا، دوسری طرف آزادی برما کے قائد موجودہ آنگ سانگ سوچی کے والد نے قائداعظم کو یقین دلایا کہ ان مسلمانوں کا برما کے ساتھ رہنے میں ہی فائدہ ہے، ان کو ہر قسم کے تحفظ کے ساتھ سارے حقوق بھی ملیں گے۔ اس طرح اراکان کی ریاست عملاً پاکستان کے ساتھ ملحق ہونے سے رہ گئی۔ لیکن وہاں کے ایک ایک فرد کا دل پاکستان ہی کے ساتھ دھڑکتا رہا۔ جب تک پاکستان کی عملداری رہی وہاں کے مسلمانوں کو سہارا ملتا رہا اور اراکانی مسلمانوں نے بھی اپنی محبتوں اور تعلق کا ثبوت ہمیشہ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اراکان کے مسلمانوں کے اوپر آج تک جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں وہ پاکستان سے محبت اور تعلق کی قیمت ہی تو ہے۔ پاکستانی صدر جنرل محمد ایوب خان کے دور میں جب اراکانی مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا تو پاکستانی صدر نے یہ بیان جاری کیا کہ:

"کیا برمی حکومت یہ پسند کرے گی کہ پاکستانی فوج صبح ڈھاکہ سے روانہ ہو اور شام تک رنگون (برما کا دارالحکومت) پہنچ جائے" اس بیان کی وجہ سے جب تک ایوب خان صدارت پر رہے تب تک اراکانی مسلمان برما کے مظالم سے محفوظ رہے اس لیے آج بھی اراکانی مسلمان جنرل محمد ایوب خان کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔"[1]

۱۹۴۸ء میں آزادی کے بعد مسلمانوں نے اس ملک کی ترقی میں کردار ادا کرنا شروع کیا لیکن دو ہی سال بعد ۱۹۵۰ء میں اراکانی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا نئے سرے سے آغاز ہو گیا، ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور ہزاروں لاپتہ ہو گئے۔ اس موقع پر بہت سے اراکانی مسلمان ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لے چکے تھے۔

اس دوران اراکانی مسلمانوں نے اپنے دفاع کی بھی کوشش کی، اس سلسلے میں انہوں نے برمی حکومت اور ملٹری کے خلاف ہتھیار اٹھائے، پہلے پہل تو برمی حکومت نے بزور طاقت اس تحریک کو کچلنے کی کوشش کی، لیکن ناکامی کی وجہ سے دوسری پالیسی اختیار کرتے ہوئے انہیں ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا، اس موقع پر برمی حکومت اور فوجی ذمہ داروں نے کھلے الفاظ میں ان روہنگیا مسلمانوں کے برمی باشندے ہونے اور ان کو تمام تر حقوق دینے اور ان کے ساتھ کسی قسم کے امتیازی سلوک نہ کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ اس موقع پر برمی فوج کے ذمہ داران کی تقاریر و خطاب پر مشتمل ایک دستاویز بھی تیار کی گئی جس کا نام "مے یو کا مستقبل"☆ ہے۔

---

[1] شاہ، سید شہاب الدین، روہنگیا مسلمان مظلومیت کے تناظر میں، نقیب ختم نبوت، جلد ۲۸، شمارہ ۹، (ستمبر ۲۰۱۷ء)، ص ۵

☆ آؤں، کرنل، مے یو کا مستقبل، (رنگون: اتحاد پبلی کیشنز انٹرنیشنل، پروم روڈ، جنوری ۲۰۰۶ء)

یہ دستاویزات دراصل دو تقریریں ہیں جو کرنل آئوں جی اور سومنٹ نے جولائی ۱۹۶۱ء کو اراکان کے سرحدی شہر "منگڈاؤ" میں ہزاروں روہنگیا مسلمانوں کے اجتماع میں کی تھیں۔ اس کتابچہ میں شامل دونوں تقریریں برمی زبان میں تھیں۔ چنانچہ برمی زبان میں ان کو شائع کرواکے بڑے پیمانے پر تقسیم کیا گیا۔ چونکہ اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کی علمی زبان اردو چلی آرہی تھی اس لئے اس وقت کی برمی حکومت نے مسلمانوں کو رام کرنے کے لیے اس کا اردو ترجمہ کرواکر بڑی تعداد میں تقسیم کیا۔

اس دستاویز میں دونوں کرنلوں نے کھلے الفاظ میں نہایت صراحت کے ساتھ اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کے برمی شہری ہونے کا اعتراف کیا، ناانصافیوں کے ازالے کے وعدے کیے اور ہر قسم کے حقوق اور تحفظ دینے کی یقین دہانی کرائی۔ لیکن ابھی اس کی سیاہی خشک ہونے نہیں پائی تھی کہ ۱۹۶۲ء میں "جنرل نی ون" کا فوجی انقلاب برپا ہوگیا۔ اور پھر مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جانے لگا۔ مسلمان بھی اپنے دفاع میں کچھ حرکت کرتے رہے اور پاکستان کی پناہ لیتے رہے۔

پھر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کا یہ بازو کٹ گیا تو ایک دفعہ پھر یہ مسلمان بے آسرا ہوگئے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں برما کی حکومت نے اپنے ان باشندوں کے خلاف آپریشن کیا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور پانچ لاکھ بے گھر ہوکر بنگلہ دیش میں پناہ گزیں بن گئے۔ برمی حکومت نے اب بھوٹان، نیپال، بھارت اور بنگلہ دیش سے بدھوں کو اس علاقے میں آباد کرنا شروع کردیا۔ پھر ۱۹۸۲ء میں ان مسلمانوں کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی کہ بیک جنبشِ قلم پوری روہنگیا قوم کی شہریت منسوخ کردی اور ان کو غیر ملکی قرار دیا۔ ۱۹۹۱ء میں ایک دفعہ پھر ان مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔

> "ہزاروں مسلمان شہید اور ساڑھے تین لاکھ جلاوطن ہونے پر مجبور ہوئے۔ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ برمی ان کو بنگالی سمجھ کر وہاں رہنے نہیں دینا چاہتے۔"[1]

یہ پناہ گزیں بے آسرا اور خانماں برباد لوگ کس طرح جانوروں کے ڈربے میں رہ رہے ہیں۔ اور سالہا سال سے ذلت آمیز حیوانات کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ منظر کوئی مضبوط دل والا ہی دیکھ سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر پانچ دس سال میں اس قسم کے آپریشن ہوتے رہتے ہیں۔ برمی حکومت کی پالیسی یہ رہی ہے کہ باہر سے کسی بھی فرد کو خواہ وہ کتنی ہی وی آئی پی شخصیت ہی کیوں نہ ہو اراکان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس طرح اندرونی مظالم کی خبریں باہر نہیں آسکتیں۔ حتیٰ کہ اراکان کے علاوہ دیگر صوبوں میں بسنے والے مسلمانوں سے بھی اراکان کی خبریں نہیں ملتی۔ برمی حکومت اپنے ملک کے باشندوں تک کو باخبر ہونے نہیں دیتی۔

---

[1] ندوی، طارق ایوبی، قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم، ندائے اعتدال، جلد ۹، شمارہ ۱۳، (اکتوبر ۲۰۱۷ء)، ص ۷

سیاسی حالات:

برما کی آزادی کے ساتھ ہی روہنگیا مسلمانوں کو نسلی اقلیتی گروہ میں ڈال دیا گیا۔اور ہر روہنگیا باشندے کو دوسرے درجے کا شہری مانا جاتا ہے۔ لیکن بہادر روہنگیا لوگوں نے ان برے مقاصد کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا تاکہ وہ اراکان میں اپنے پیدائشی حقوق اس جدوجہد کے ذریعے حاصل کر سکیں۔برمی ریڈیو یا برما براڈکاسٹنگ سروس روہنگیا زبان میں ایک پروگرام ہفتے میں دوبار نشر کرتا تھا۔جو کہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں اس کو بھی بند کر دیا گیا۔

روہنگیا لوگ مختلف تنظیمیں چلاتے تھے۔ جیسا کہ یونائیٹڈ روہنگیا نیشنل تنظیم، دی روہنگیا کلچرل ایسوسی ایشن، دی یونیورسٹی ریگولر سٹوڈنٹ تنظیم، روہنگیا جمعیت العلماء، روہنگیا یوتھ لیگ، روہنگیا فلاح وبہبود ایسوسی ایشن اور روہنگیا یونین سٹوڈنٹ تنظیم روہنگیا لوگوں کے ذریعے چلائی گئیں۔ لیکن یہ سب تنظیمیں ۱۹۶۴ میں بند ہو گئیں۔

> During the parliamentary democracy period 1948 ,1962 At least the rohingyas were able to send their representative to both upper and lower houses through election.[1]

ترجمہ: پارلیمانی جمہوریت کی مدت میں (۱۹۴۸ء-۱۹۶۲ء) کم از کم روہنگیا لوگوں اپنے نمائندوں کو انتخاب کے ذریعے اوپر اور نیچے دونوں ہاؤسز میں بھیجنے کے قابل تھے۔

مختلف اوقات میں جناب عبد الغفار، جناب سلطان احمد، جناب عبد السبحان، جناب ابوالبشیر، جناب رشید احمد، محترمہ زہراء بیگم، جناب ابوالخیر، جناب سلطان محمود اور جناب ناصر الدین پارلیمنٹ کے رکن (روہنگیا کے نمائندوں) تھے۔ جناب عبد الغفار بی اے، بی ٹی، بھوتیڈونگ ٹاؤن شپ سے پارلیمانی رکن، اور جناب سلطان احمد بی اے بی ایل، ایم پی (منگڈو ٹاؤن شپ) سے برما اسمبلی کے رکن تھے۔۱۹۴۸ء میں جناب سلطان احمد برما کے پہلے آئینی مسودہ کی کمیٹی کے رکن تھے۔ جناب سلطان احمد نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۰ء تک پارلیمانی سیکرٹری وزارت برائے اقلیتوں کی پوسٹ بھی فائز رہے۔ جناب سلطان محمود (اکیاب) ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء تک وزارت صحت میں پارلیمانی سیکرٹری تھے۔ جناب عبد الغفار بی اے، بی ٹی (بوتھیڈانگ) ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء تک پارلیمانی سیکرٹری تھے۔ ۱۹۶۲ء میں جنرل نی ون کی سربراہی میں فوجی بغاوت کے بعد روہنگیا مسلمانوں کو آہستہ آہستہ سیاست سے الگ کر دیا گیا۔

ان بے سہارا مسلمانوں کو پوری دنیا میں طاق نسیاں میں ڈال دیا گیا، یہاں کے مسلمانوں کے چیخنے چلانے اور رونے دھونے کی آواز بھی مہذب دنیا میں نہیں پہنچتی اور اگر کسی طرح پہنچ بھی جائے تو ان کے حق میں کہیں سے کوئی توانا آواز نہیں اٹھتی۔۲۰۱۰ء کے اواخر میں فوجی ڈکٹیٹر نے شدید بیرونی دباؤ سے مجبور ہو کر ملک میں انتخابات کروائے۔ان انتخابات میں آنگ سانگ سوچی ایک خاتون اپوزیشن لیڈر کامیاب ہوئیں۔ ان محترمہ کا رویہ برمی

[1]Ali, Al haj Muhammad, *Rohingya struggle*,(Sharjah: Sharjah priting press, December 1999), 38-39.

مسلمانوں کے حوالے سے قدرے نرم ہے۔ لیکن اکثر مسلمان لیڈروں کی رائے ہے کہ ان کی سیاست ہے اور اچھا رویہ سیاسی بیانات کی حد تک ہے، عملی طور پر وہ بھی مسلمانوں کے لیے کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ سوچی کے والد نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی اور انہیں مسلمانوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ ان انتخابات میں ۱۴ مسلمان بھی اسمبلی کے رکن بنے۔

> In the general elections in 2010, Rohingya were given temporary identity cards, so called "white cards", which gave them permission to vote.[1]

ترجمہ: ۲۰۱۰ء میں عام انتخابات میں روہنگیا کو عارضی شناختی کارڈ دیئے گئے تھے، جسے "سفید کارڈ" کہا جاتا تھا، جس نے انہیں ووٹ دینے کی اجازت دی۔

۲۰۱۰ء کے انتخابات میں سوچی کی کامیابی اور مسلمانوں کے اسمبلی میں ۱۴ نشستیں حاصل کرنے سے محسوس ہوا کہ فوجی حکومت کا رویہ نرم ہو گیا ہے لیکن یہ شاید ایک چال تھی۔ کچھ عرصہ کے لئے مسلمان ایک صوبے سے دوسرے صوبے گئے تو انھیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی، برما کی تبلیغی جماعت بھی متحرک ہو گئی۔ کچھ خاندان جن کے آباؤ اجداد مسلمان تھے اور وہ خوف اور ظالمانہ تشدد کارروائیوں کی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر چکے تھے ایسے کسی خاندان کی دو عورتیں دوبارہ مسلمان ہو گئیں۔ بدھ بھکشو جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں انہوں نے ان عورتوں کو قتل کر دیا اور مشہور کر دیا کہ مسلمانوں نے ان عورتوں کو قتل کیا ہے۔ اور مسلم کش فسادات کا آغاز کر دیا۔ مسلمانوں کے صوبہ اراکان کے ایک مشہور شہر تنگوک میں ایک جامع مسجد میں تبلیغی اجتماع تھا دوسرے شہر سے تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے ۳۷ مسلمان آ رہے تھے بدھ بھکشوؤں نے اس بس کو روک کر دس مسافروں کو شہید کر دیا اور ستائیس زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد فسادات پورے برما میں شروع ہو گئے اور مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا جانے لگا۔ مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کی گئی ان کے ہاتھوں ایک ماہ کے مختصر عرصہ میں ۲۲ ہزار کے قریب مسلمان قتل کئے جا چکے ہیں یا غائب کر دیے گئے۔[2]

اب تک مسلمانوں کو ووٹ دینے کا حق بھی دیا جاتا رہا اور بطور امیدوار پارلیمنٹ کے انتخابات میں حصہ لینے کا حق ملتا رہا لیکن حالیہ انتخابات ۲۰۱۵ء جس میں آنگ سانگ سوچی کی پارٹی کامیاب ہو کر حکومت بنا چکی، اس میں مسلمانوں پر نہ صرف بطور امیدوار کھڑے ہونے کی پابندی لگا دی بلکہ کسی بھی مسلمان کو ووٹ کاسٹ کرنے کا حق بھی نہیں دیا گیا۔

> However, Rohingya are not granted equal rights before the law as a Burmese citizen would and the temporary identity cards were revoked in 2015, denying their right to vote.[3]

---

[1] Albert, Eleanor. *"The Rohingya Crisis"*. Council on Foreign Relations. https://www.cfr.org/backgrounder/rohingya-crisis (Accessed October 09, 2018)

[2] ایوب بیگ، مرزا، ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو، جلد: ۲۱، شمار: ۳۰، ندائے خلافت، (جولائی ۲۰۱۲ء)، ص ۱-۲

[3] Albert, Eleanor. *"The Rohingya Crisis"*. Council on Foreign Relations. (Accessed October10, 2018) https://www.cfr.org/backgrounder/rohingya-crisis

ترجمہ: تاہم، روہنگیا مسلمان قانون کے سامنے برمی شہری کے طور پر برابر حقوق نہیں دیے جاتے ہیں اور ۲۰۱۵ء میں عارضی شناختی کارڈ منسوخ کر دیئے گئے تھے، ان کے ووٹ دینے کا حق مسترد کر دیا گیا۔
برما میں ۱۳۵ قسم کی نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں، جو مختلف علاقوں سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ جن میں ۱۰۸ نسلی گروہوں کو سرکاری سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ باقی کو تسلیم کرنے سے یعنی برما کا باشندہ ہونے سے روکا جارہا ہے۔ اور ان گروہوں میں مسلم اکثریتی گروہ بھی شامل ہیں۔ جنہیں اس انتشار کا سامنا ہے اور مسلمانوں کے لئے دو طرح کی نفرتوں کا سامنا ہے جن میں ایک نسلی اور دوسرا مذہبی ہے۔ مسلمان صدیوں سے برما میں رہ رہے ہیں۔

معاشرتی حالات:

مسلمانوں پر مظالم نئے نہیں بلکہ صدیوں سے مقامی مسلمان آبادی حکومتوں کے مظالم سہتے چلی آرہی ہے، لیکن مسلمان آبادی کے اجتماعی قتلِ عام کا آغاز ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اس وقت ہوا، جب برما اور بنگلہ دیش کے درمیان مسلمانوں کو ایک دوسرے کی حدود میں دھکیلنے پر ایک تنازع پیدا ہوا۔
یہ دنیا کی واحد ایسی قومیت ہے کہ جن کے پاس کسی ملک کی شہریت نہیں یعنی کاغذات کے اعتبار کے لحاظ سے یہ دنیا کے انسانوں میں شمار ہی نہیں ہوتے۔ رہنے والے تو یہ برما کے ہیں۔ لیکن برما نے ان کی شہریت ۱۹۸۲ء میں یہ کہہ کر منسوخ کر دی کہ ان کا برما کی سرزمین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس وقت سے ان مسلمانوں پر بے پناہ مظالم شروع ہوئے۔ برما کی حکومت نے ان پر پابندی لگائی کہ وہ پختہ مکان نہیں بنا سکتے، دو سے زائد بچے پیدا نہیں کر سکتے، شادی کیلئے رجسٹریشن ضروری ہے جو اس قدر مشکل ہے کہ کسی عذاب سے کم نہیں۔ یہ لوگ اب بنگلہ دیش اور برما کی سرحد کے درمیان سمندر کے کنارے دلدلی زمین والے علاقوں میں جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں جہاں انہیں دنیا کی کوئی سہولت میسر نہیں۔[1]
بنگلہ دیشی حکومت کا کہنا تھا کہ وہ برما کے مہاجرین کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی، لہٰذا برمی مسلمان تارکینِ وطن واپس اپنے ملک جائیں جبکہ برمی حکومت مسلمانوں کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ۱۹۹۲ء میں دونوں ملکوں کے درمیان اقوامِ متحدہ کی وساطت سے ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت بنگلہ دیش میں موجود تمام مسلمان مہاجرین کو واپس میانمار منتقل کرنے پر اتفاق کیا گیا تھا۔ اس معاہدے کے وقت بنگلہ دیش میں ڈھائی لاکھ برمی مسلمان پناہ لیے ہوئے تھے۔
برما نے اعتراض کیا کہ ہجرت کر کے بنگلہ دیش آنے والے مہاجرین کے بنگلہ دیش میں پیدا ہونے والے بچے بنگالی شہری ہوں گے جن کا برما سے کوئی تعلق نہیں۔ اس بہانے کی آڑ میں میانمار حکومت نے ۱۲ ہزار بچوں کو بنگالی شہری قرار دے کر انہیں ان کے والدین سمیت لینے سے انکار کر دیا۔ برما کے مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر زور

[1] ضیاء، طیبہ، دنیا کی واحد قوم جس کے پاس اپنی شہریت نہیں، معارف، جلد ۱۹، شمارہ ۲۵، (۹ نومبر ۲۰۱۸ء)، ص ۸۷

پکڑ چکا ہے۔ لاکھوں روہنگیا اپنے ہی ملک میں بے گھر اور بے ریاست ہونے پر مجبور ہو گئے، یعنی وہ دنیا کی ان بد قسمت اقلیتوں میں شامل ہو گئے جو اس کرہ ارض پر تو رہتے ہیں، لیکن قانونی طور پر کسی بھی ملک کے شہری نہیں ہیں۔

> Citizenship Law establishes the Rohingya as the world's largest group of stateless persons. About 800,000 stateless Rohingya live within Myanmar's borders and almost as many live in Myanmar's neighboring countries: Bangladesh, Malaysia, and Thailand. Without citizenship, the Rohingya cannot work legally, travel, or use public services.[1]

ترجمہ: شہری قانون کی وجہ سے روہنگیا دنیا کی سب سے بڑی اقلیتی باشندے ہیں جن کا کوئی ملک نہیں۔ تقریباً ۸ لاکھ روہنگیا برما کے سرحدوں اور اس کے پڑوسی ممالک جیسے بنگلہ دیش، ملائشیا اور تھائی لینڈ میں رہ رہے ہیں۔ بغیر شہریت کے روہنگیا باشندے کو نہ تو کام کرنے، سفر کرنے یا عوامی سہولیات حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

میانمار میں ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء سے شروع ہونے والی پر تشدد کارروائیوں کی نئی لہر کے بعد سے اب تک ۸۷ ہزار سے زائد افراد بنگلہ دیش پہنچ چکے ہیں، جن میں سے اکثریت روہنگیا مہاجرین کی ہے۔ برما کے مظلوم مسلمانوں پر جو چاہے آندھی چلے اور ان کا خون بہے، یہ کوئی ظلم نہیں، دہشت گردی نہیں اور نہ اس حوالے سے آج تک کسی ملک یا ادارے نے برما پر کوئی پابندی عائد کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سارے المیے کے ذمہ دار مسلمان خود ہی ہیں جو ایک دوسرے کے لئے بھی آواز بلند کرنے کو تیار نہیں۔ ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اپنی جان بچانی چاہئے اور دوسرے کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ عالم کفر نے یکجان ہو کر ساری جنگیں اور قتل و غارت گری مسلم دنیا میں دھکیل کر سارے عالم اسلام کو دہکتی آگ میں دھکیل دیا ہے۔[2]

۱۹۸۲ء میں شہریت کے قانون میں تبدیلی کر کے ملک میں آباد ۱۳۵ نسلی گروہوں کی فہرست سے ان مسلمانوں کو خارج کر دیا۔ شہریت چھننے کے بعد وہ غیر ملکی قرار دیدیئے گئے اور ان سے رہائش، صحت، تعلیم اور روزگار سمیت بنیادی سہولتوں کا حق بھی چھین لیا گیا۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ وہ سرکاری اجازت کے بغیر شادی نہیں کر سکتے اور نہ دو سے زائد بچے پیدا کر سکتے ہیں۔ اجازت نامے کے بغیر نہ املاک کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ایک سے دوسری جگہ آ جا سکتے ہیں۔

روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کی ایک تاریخ ۱۹۹۷ء میں بھی رقم کی گئی جب ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو دن دیہاڑے بدھوں نے راکھائن صوبے کے شہر "مانڈلے" کے مسلم اکثریتی علاقوں میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کے خون سے اپنی

---

[1] The Economist "*Nowhere to Call Home: The Changing Face of the World's Non-citizens*", May 17, 2014,http://www.economist.com/news/international/21602251-changing-face-worlds-noncitizens-nowhere-call-home (Accessed October 10, 2018).

[2] انصاری، محمد عارف، "برما، ظلم کے نرغے میں روہنگیا مسلمان"، روزنامہ "سہارہ" ہندوستان، ۱۷ ستمبر ۲۰۱۷ء

پیاس بجھانے لگے۔ گھروں، مسجدوں اور مذہبی کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا، دکانوں کو لوٹ لیا گیا اور مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا گیا جس کے بعد مسلمانوں نے دوسرے شہروں میں پناہ لی۔

جون ۲۰۱۲ کا المیہ:

جب طالبان کی طرف سے بامیان کے مجسموں کو نشانہ بنایا گیا تو اس وقت بھی روہنگیا مسلمانوں پر حملے کی خبریں سامنے آتی رہیں اور بدھ بھکشوؤں کی جانب سے مسلسل یہی مطالبہ کیا جاتا رہا کہ برمی حکومت کو انتقاماً برما میں موجود تمام مسجدوں کو ڈھا دینا چاہیے۔ ۱۹۶۲ء سے میانمار فوجی حکومت کے زیر اثر تھا۔ ۲۰۱۰ء میں الیکشن ہوئے جس کے نتیجے میں طویل آمریت کا یہ سورج ۲۰۱۱ء میں غروب ہوا اور ملک میں ایک جمہوری حکومت تشکیل دی گئی۔ اس دوران روہنگیا مسلمانوں نے بھی اپنے بنیادی انسانی حقوق اور شہریت کا مطالبہ دہرایا لیکن بڑی سختی کے ساتھ یہ آواز دبا دی گئی۔

۱۵ مئی سے ۱۲ جولائی ۲۰۱۱ء کو بدھوں نے ایک مسجد پر حملہ کر کے عبادت میں مصروف نمازیوں کو قتل کر دیا اور اس فساد کے نتیجے میں ۱۱ مساجد شہید، ۴۰۰ سے زائد گھروں کو نذرِ آتش اور کم و بیش ۲۰۰ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

These riots resulted in 200 dead Rohingya and 140’000 homeless.[1]

ترجمہ: ان فسادات میں روہنگیا کے ۲۰۰ باشندے شہید ہوئے اور ۱۴۰،۰۰۰ بے گھر ہلاک ہوئے۔

مسلم کش فسادات کی ایک قسط مئی ۲۰۱۲ء میں بھی نشر ہوئی جب ایک بدھ لڑکی نے اسلام قبول کر لیا جس پر بدھ مت والے بہت رنجیدہ ہوئے اور لڑکی کو گھر بدر کر دیا، لڑکی نے مسلم آبادی میں پناہ لے لی۔ چند دن بعد اس لڑکی کی لاش ملی جسے زیادتی کے بعد قتل کیا گیا تھا۔[2]

مسلمانوں نے الزام لگایا کہ بدھوں نے اسے قتل کیا ہے جب کہ بودھوں نے تین مسلمان نوجوانوں کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دے دیا۔ جس نے علاقے کے حالات کافی کشیدہ کر دیے۔ اس کے بعد ۳ جون ۲۰۱۲ء کو بدھ بھکشوؤں نے زائرین کی ایک بس روکی اور اس میں سے عمرہ کی ادائیگی کر کے واپس آنے والے ۱۰ مسلمانوں کو باہر نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور بس جلا دی۔ ساتھ ہی ساتھ بدھوں کی جانب سے مسلم اکثریتی علاقوں پر بھی دھاوا بول دیا گیا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس قتلِ عام پر بہت افسوس کیا۔ اول تو مقامی حکومت کی جانب سے اسے صاف جھٹلا کر حیلے بہانے کیے جاتے رہے اور متاثرہ علاقوں میں کرفیو لگا دیا اور فوج بھیج کر صحافیوں کو فساد زدہ علاقوں سے نکال دیا۔

---

[1] Ahsan Ullah, A.K.M. 2016. “Rohingya Crisis in Myanmar: Seeking Justice for the ‘Stateless”. Journal of Contemporary Criminal Justice. Vol. 32, No. 3, 285-301.

[2] حسرت، بشیر احمد، "برما کے مظلوم مسلمان"، ابلاغ، جلد ۷، شمارہ ۹، (۷ اکتوبر ۲۰۱۷)، ص ۵

مگر اگست ۲۰۱۲ء میں برطانوی ٹی وی چینل 'چینل فور' نے ایک دستاویزی رپورٹ نشر کی جس میں دکھایا گیا کہ کس طرح مسلمان، کیمپوں میں جانوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ رپورٹ میں قریباً ۱۰ ہزار مکانات کا ملبہ بھی دکھایا گیا جس کے بعد اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے پناہ گزین نے اپنی رپورٹ جاری کی جس کے مطابق تشدد کی اس لہر میں کم از کم ۸۰ ہزار مسلمان اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔[1]

ایک محتاط اندازے کے مطابق ۷۰ ہزار افراد بے گھر ہو گئے اور سینکڑوں شہید اور زخمی ہوئے۔ ۱۱۰ سے زیادہ افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۰۱۲ء میں بدھ بھکشوؤں نے رنگون میں ۱۰ مسلم علماء کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ اسی مہینہ میں مزید ۲۰۰ مسلمانوں کا گلا کاٹ دیا گیا۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اسی سال یعنی ۲۰۱۲ء میں تیرہ ہزار مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اپریل ۲۰۱۳ء میں ہیومن رائٹس واچ نے برمی فورسز کی گھناؤنی کاروائیوں کی ایک رپورٹ شائع کی جس میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور تھا کہ خود برمی فوج مسلمانوں کی نسل کشی میں برابر کی شریک ہے۔ اس آرگنائزیشن نے اسے انسانیت کے خلاف انجام دیئے جانے والے جرائم سے تعبیر کیا۔ اس آرگنائزیشن کا کہنا ہے کہ ایک لاکھ پچیس ہزار مسلمانوں کو جبراً ملک بدر کر دیا گیا۔ برمی لیڈروں نے مگدھ بدھسٹوں کو ابھارا اور مسلمانوں کو ختم کرنے کیلئے ہر طرح کی مدد بہم پہنچائی۔ بی بی سی جیسے ادارے نے مگدھ بدھسٹوں کی ظالمانہ اور بے رحمانہ کاروائیوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مگدھ بدھسٹ کے یہ جلاد گاؤں کا محاصرہ کر لیتے، مسلمانوں کو زبردستی گرفتار کرتے، انہیں زندہ درختوں سے باندھ دیتے، ان کے ناک کان کاٹ دیتے اور ان کے جسموں کو کیلوں کے ذریعے درختوں سے بے دردی کے ساتھ ٹھوک دیتے۔

> Food security issues are worse for the Rohingya living in internally displaced persons (IDPs) camps since the 2012 ethnic riots.[2]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء میں نسلی فسادات کے بعد سے روہنگیا داخلی بے گھر افراد (آئی ڈی پیز) کے کیمپوں میں رہنے والے افراد کے فوڈ سکیورٹی کے حوالے سے بہت مسائل کا شکار ہیں۔

جون ۲۰۱۲ء میں چند مسلمانوں کے دردناک قتل سے شروع ہونے والا فساد اس حد تک پہنچ گیا کہ سارے اراکانی مسلمان پوری دنیا میں تتر بتر ہو کر رہ گئے ہیں اور عالم انسانیت سسک اٹھی، ان کے ساتھ ہر قسم کا ظلم روا رکھا گیا ذیل میں ظلم وستم کی ایک مختصر فہرست دی جا رہی ہے۔

۱۔ ۱۹۸۲ء میں صدیوں سے آباد جدی پشتی باشندوں کو ان کی شہریت منسوخ کر کے غیر قانونی تارکین وطن قرار دے دیا۔ آج کی مہذب دنیا میں اتنی بڑی تعداد میں اپنے ہی وطن میں بے وطن ہونے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

---

[1] رپورٹ مسلم انسٹیوٹ، "روہنگیا مسلمانوں کے موجودہ حالات کا جائزہ"، مراۃ العارفین، (جنوری ۲۰۱۸ء)، ص۵

[2] All You Can Do is Pray, Crimes Against Humanity and Ethnic Cleansing of Rohingya Muslims in Burma’s Arakan State, Human Rights Watch, April 2013, (Accessed October 10,2018) http://www.hrw.org/sites/default/files/reports/burma0413webwcover_0.pdf

۲۔ان کے گھر بار کو جلایا گیا بعض بعض علاقے مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے۔

۳۔ان کے کھیت کھلیان کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

۴۔ان کی دکانیں سازو سامان سمیت آگ میں جلا دی گئیں۔

۵۔ ان کے مدارس اور تعلیمی ادارے بند کر دیے گئے اس طرح ان کے لیے تعلیم کے دروازے مکمل طور پر بند ہو گئے۔

۶۔ان پر مسجدوں میں باجماعت نمازیں پڑھنے کی پابندی لگا دی گئی اور مساجد پر تالے ڈال دیئے گئے۔

۷۔ مسلمانوں پر حج کرنے کے لیے اور اس کیلئے سفر کی پابندی عائد کر دی گئی۔

۸۔ قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی۔

۹۔ مسلمانوں کی جائیدادیں ان سے چھین کر مگھ اور برمی بدھوں کو دی گئی۔

The situation in Rakhine has been increasingly difficult for the Muslim Rohingya since the increased hostilities in the region between Muslims and Buddhists in 2012.[1]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء میں مسلمانوں اور بدھوں کے درمیان خطے میں بڑھتی ہوئی جنگی صورتحال روہنگیا مسلمانوں کے لئے راکھائن ریاست میں حالات مزید کشیدہ ہوئے ہیں۔

۱۰۔ مسلمانوں کی بستیوں کو تاراج کر کے ان کو کیمپوں میں پہنچایا جارہا ہے اور ان کی جگہ غیر مسلموں کو بسایا جارہا ہے۔

۱۱۔ اراکان میں صنعتوں، ملز اور فیکٹریوں کا کوئی تصور نہیں، وہاں غالب ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور معمولی دکانداری ہے، لیکن چونکہ مسلمانوں سے ان کی زمینیں اور جائیدادیں چھین لی گئیں، اس لئے کھیتی باڑی سے محروم ہو گئے اور پھر ان پر ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک آنے جانے کی پابندیاں ہیں، اس لئے دکانوں کے معمولی سامانوں کے حصول کے لیے بھی وہ مگھ بدھوں کے محتاج ہیں۔ اس لئے عملاً ان کا ذریعہ معاش بھی ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

۱۲۔ مسلمانوں پر اپنے مکانات اور رہائش گاہوں کی مرمت واصلاح کی پابندی ہے۔

۱۳۔ مسلمانوں پر شادی بیاہ کے سلسلے میں مختلف رکاوٹیں ہیں۔

۱۴۔ مسلمانوں پر دو سے زیادہ بچوں کی پیدائش پر پابندی عائد ہے۔

The Rohingya are restricted from access to state-run secondary education, and the Myanmar government restricts Rohingya high school graduates from travelling outside Rakhine state to attend college or university. The Rohingya are required to obtain government permission to marry and are restricted in the number of children they

[1] Amnesty International. 2017-11-21. "Myanmar: Rohingya trapped in dehumanising apartheid regime". https://www.amnesty.org/en/latest/news/2017/11/myanmar-rohingya-trapped-indehumanising-apartheid-regime/ (Accessed October 12,2018)

can have legally. Myanmar government authorities restrict gatherings to celebrate Islamic holidays and do not permit repairs to mosques.[1]

ترجمہ: روہنگیا باشندوں کو حکومت میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے سے روک رہے ہے۔ اور میانمار کی حکومت روہنگیا ہائی اسکول گریجویٹس کو راکھائن ریاست سے باہر کالج یا یونیورسٹی میں شرکت کرنے سے روکتی ہیں۔ روہنگیا باشندوں کو شادی کرنے کے لئے حکومت سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اور قانونی طور پر زیادہ بچوں کی افزائش سے روکتی ہیں۔ میانمار کے سرکاری حکام روہنگیا کو اسلامی تہواروں کو منانے اور مساجد میں جمع ہونے سے روکتی ہیں۔

۱۵۔ کوئی مسلمان اپنے علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف بغیر پرمٹ کے نہیں جاسکتا اور نہ ہی وہاں رات گزار سکتا ہے حتیٰ کہ ایک بیٹی اپنے میکے آکر رات نہیں گزار سکتی۔

۱۶۔ علماء کے ایسے دشمن ہیں کہ وہ کرتا پہن کر ادھر سے ادھر نہیں جاسکتے۔

۱۷۔ مسلمانوں کے قبرستانوں کو ان کے آباؤ اجداد کے آثار مٹاڈالنے کی غرض سے تھانوں اور کچہریوں میں تبدیل کر رہے ہیں۔

۱۸۔ مسلمانوں کے تاریخی آثار مٹانے کی غرض سے اراکان کا نام "راکھائن" اور اکیاب کا نام "سیٹوے" سے تبدیل کیا گیا۔

۱۹۔ بے گھر اور خانماں برباد لوگوں نے اپنی جانیں بچاکر کشتیوں میں سوار ہو کر بنگلہ دیش میں پناہ لینے کی کوشش کی تو وہاں کی حکومت نے انہیں پناہ دینے کے بجائے دوبارہ سمندر میں دھکیل دیا جس کے نتیجے میں ہزاروں افراد مچھلیوں کی خوراک بن گئے۔

۲۰۔ ذرائع ابلاغ کی پہنچ اور ان کی دہائی کے بعد معمولی عالمی دباؤ آیا تو عمومی فساد تو رک گیا، لیکن بے گھر اور بے سہارا افراد کیلئے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، ان کو ایسے کیمپوں میں بسا دیا گیا جن میں کسی قسم کی بنیادی سہولت نہیں۔ برما کے سابق صدر جنرل تھین سین نے نہایت ڈھٹائی سے بیان دیا کہ یہ روہنگیا برما کے باشندے نہیں ہیں۔ ان کو ہم کیمپوں میں ہی رکھیں گے اگر کسی کے دل میں درد ہو تو وہ ان کو اپنے ہاں لے جاکر آباد کرائے۔

۲۱۔ جن لوگوں کے مکانات ابھی باقی ہیں وہ برائے نام اپنے گھروں میں تو ہیں لیکن ان کے سروں پر ہر وقت ننگی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا اور کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ ان میں سے کسی ایک یا چند گھروں پر قیامت نہ گزرتی ہو، برمی فوج کے اہلکار گھروں میں دھاوا بول دیتے ہیں اور پھر چادر اور چار دیواری کا تقدس کا پامال کرتے ہوئے مردوں کو گرفتار کرلیتے ہیں۔ عورتوں کی عصمت دری کرتے ہیں، بچوں اور بوڑھوں کو نہیں بخشتے۔[2]

[1] US Department of State, International Religious Freedom Report: Burma, 2013, 7, http://www.state.gov/documents/organization/222331.pdf (Accessed October 12,2018)

[2] رپورٹ مسلم انسٹیوٹ، "روہنگیا مسلمانوں کے موجودہ حالات کا جائزہ"، ۶

کبھی اسلحہ کی تلاشی کے بہانے پورے گھر کو کود ڈالتے ہیں اور کبھی موبائل رکھنے کے ناکردہ جرم پر لاکھوں کیات (برمی کرنسی) کا جرمانہ عائد کرتے ہیں اور قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیتے ہیں۔ آئے دن لوگوں کو فوجی کیمپوں میں پکڑ کے لے جاتے ہیں اور وہاں ان سے بیگار لیتے ہیں۔ پھر ان کو معاوضہ تو در کنار بھوکا پیاسا چھوڑ دیتے ہیں۔

۲۲۔ ظلم و ستم کے یہ شکار مشقتوں اور خوف و ہراس کے اس ماحول سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے لیے سوائے سمندر کے راستے اور کوئی راستہ نہیں رکھا گیا۔ چنانچہ سمندر کی طرف جانے اور کشتیوں کے ذریعے نقل مکانی کرنے کے لیے بھی انہیں پولیس اہلکاروں سے لے کر ایجنٹوں، دلالوں تک کو رشوت دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

پھر جن خوش نصیبوں کو اس طرح کشتی میں جگہ مل جاتی ہے ان کی کیفیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس طرح لکڑیوں اور تختوں کی تھپی لگائی جاتی ہے اس طرح ان انسانوں کی جن میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جوان بھی، عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی، ان کی بھی تھپی لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کے ساتھ ان کو بھی سمندر میں لے جا کر بڑے جہاز میں سوار کرایا جاتا ہے یہاں سے گویا اب یہ انسانی اسمگلروں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کو ٹھونس کر تھائی لینڈ کے غیر آباد جزائر کی طرف لے جایا جاتا ہے اور وہاں کے جنگلات اور غاروں میں ان سمگلروں کے مراکز بنے ہوئے ہیں۔ وہاں لے جا کر ان کو مارا کوٹا جاتا اور ان کے عزیز و اقارب جو مختلف ملکوں میں بسے ہوئے ہوتے ہیں ان کے فون نمبرز پر کال کر کے ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے ان سے بھاری رقوم کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اس طرح بعض خوش نصیب رہائی پا جاتے اور اکثر ان کے غلام بندی کی حیثیت سے رہ جاتے ہیں۔ ان کو زنجیروں میں باندھ کر رکھا جاتا ہے اور ان کی عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے جس کی ویڈیو بنا کر پوری دنیا میں مسلمانوں کی غیرتوں کو للکارا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ ان کی قید میں مر جاتے ہیں بلکہ مار دیے جاتے ہیں جن کی اجتماعی قبریں بھی دریافت ہو چکی ہیں۔

۲۳۔ بہت سے خوش نصیب وہ بھی ہیں جو کسی طرح تھائی لینڈ کی سرزمین پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض ملائشیا اور بعض انڈونیشیا تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے لیے وہاں ایک نئے عذاب کا سلسلہ منتظر ہوتا ہے کیوں کہ ان کو وہاں پناہ گزین کی حیثیت کے بجائے غیر قانونی تارکین وطن کی حیثیت سے جیلوں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں ہر ایک پہلے ہی سے مصیبتوں کا مارا ہوا ہوتا ہے، ان کی فیملی کے کسی نہ کسی فرد کو یا کئی افراد کو بدھسٹوں نے مار دیا ہوتا ہے۔ اور وہ خود سمندروں کی بے رحم موجوں سے لڑتے ہوئے کسی طرح اپنی جانیں بچا کر وہاں پہنچتے ہیں تو وہاں ان کے لیے جیل اور قید و بند کی صعوبتیں منتظر ہوتی ہیں ان کی اشک شوئی کے لیے کوئی نہیں ہوتا۔

As a result, the Rohingya regularly suffer indefinite detention in Bangladesh, Thailand, and Malaysia because the question of where to send them remains unresolved.[1]

ترجمہ: نتیجتاً روہنگیا باقاعدگی سے بنگلہ دیش، تھائی لینڈ اور ملائیشیا میں قید میں ہوتے ہیں کیونکہ انھیں وہاں بھیجنے سے مسئلہ غیر حل شدہ رہتا ہے۔

۲۴۔حال ہی میں عالمی ذرائع ابلاغ نے یہ انکشاف کیا کہ ہزاروں کی تعداد میں (جن کی تعداد تقریباً ۲۷ ہزار بتائی جاتی ہے)روہنگیا مسلمان مختلف چھوٹی بڑی کشتیوں میں سمندر کے بیچوں بیچ سرگرداں ہیں کہ ان کو کوئی ملک قبول کرنے کو تیار نہیں۔یہ وہ تمام حالات تھے جو جون ۲۰۱۲ء سے اکتوبر ۲۰۱۶ء تک پیش آئے۔

اکتوبر ۲۰۱۶ء کا المیہ:

لیکن ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء سے ظلم و ستم کی ایک عجیب لہر اٹھی اور اس ظلم و ستم نے سابقہ سارے ریکارڈ توڑ ڈالے، بنگلہ دیش کی سرحد پہلے سے بند تھی اور اب یہ نہتے مسلمان بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں اور معصوم بلکہ نومولود بچے بھی ملٹری اور پولیس کے شکار ہیں۔جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

برمی بدھ فوج، پولیس اور مگھ دہشت گردوں اور ویراتھو نامی بدھ بھکشو اور اس کے ہمنواؤں کے آئے روز ظلم و ستم سے تنگ آکر چند لوگوں نے ایک پولیس چوکی پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں وقتی طور پر یہ بھاگ گئے، تاہم اس کے بعد ظلم و ستم نے ایک نئی تاریخ رقم کر دی۔ مسلمان علاقوں کا محاصرہ کیا گیا۔گھر گھر کی شدید تلاشی لی گئی۔ حکم دیا گیا کہ گھروں کے اردگرد جو چٹائیوں کی دیواریں ہیں وہ سب گرا دیں۔ تلاشی کے دوران اگر گھر میں مرد ملتے تو انہیں گرفتار کر کے لے جاتے اور پھر مار ڈالتے ہیں۔ اس لیے عموماً گھر کے مرد حضرات گرفتاری کے ڈر سے پہاڑوں اور جنگلوں کا راستہ لیتے ہیں اور عورتیں رہ جاتی ہیں۔یہ برمی ملٹری ان خواتین کی عصمت دری کرنے بلکہ ان کو جان سے مار ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔حد یہ کہ چھوٹی چھوٹی نابالغ بچیوں کے ساتھ درندگی کا مظاہرہ کیا گیا۔

On 9 October 2016, some 200 men crossed from Bangladesh into Myanmar’s Rakhine (Arakan) State by boat to attack three border guard posts in Maungdaw Township. According to the Myanmar government, the attackers killed nine policemen and took away more than 50 guns and thousands of bullets.[2]

---

[1] Weissbrodt, David, and Clay Collins. “The Human Rights of Stateless Persons,” Human Rights Quarterly 28, no. 1 (February 2006), 267 – 268.

[2] Singh, Jasminder, Muhammad Haziq, The Rohingya Crisis: Regional Security Implications, December 2016, RSIS Commentaries. Singapore: Nanyang Technological University), 2, https://dr.ntu.edu.sg/handle/10220/41985?show=full. (Accessed October 16,2018)

ترجمہ: ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو، بنگلہ دیش سے ۲۰۰ افراد نے کشتی کے ذریعے برما کے ریاست اراکان میں منگڈو ٹاؤن شپ میں سرحدی محافظ پوسٹوں پر حملہ کیا۔ میانمار کی حکومت کے مطابق، حملہ آوروں نے ۹ پولیس اہلکار مارے اور ۵۰ سے زائد بندوقیں اور ہزاروں گولیاں نکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔

برمی فوج نے پورے پورے علاقوں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا ان جلائے جانے والے علاقوں میں ناکھورا، دوداٸینگ، وابک، بڑا گوزہ بیل، چھوٹا گوزہ بیل، باگ گونہ، دونسے اور کیاری پرانک شامل ہیں۔ دکانیں جلا دی گئیں توڑ پھوڑ کر کے سب کچھ برباد کر دیا۔ کھیتی باڑی کے لئے نکلنا تو درکنار فصل کاٹنے کے لیے باہر نکلنا ناممکن بنا دیا۔ گھر میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہونے کے باعث قریبی دریا یا تالاب میں مچھلی کے لیے جانے والوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ گن شپ ہیلی کاپٹر کا استعمال کر کے پوری پوری بستیوں کو تباہ کیا گیا۔ آگ جلانے کی وجہ سے جان بچا کر نکلنے والی خواتین اور ان کے بچوں کو آگ میں پھینکا گیا۔ بعض خواتین کی گود سے چھوٹے بچوں کو چھین کر آگ میں ڈال کر بھسم کر دیا۔ عالم دین کو دیکھتے ہی ان کی داڑھی منڈوا دیتے ہیں۔

نومبر ۲۰۱۶ء کے اوائل میں "یو این او" کا اعلیٰ سطحی وفد نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا، برمی حکومت نے اول تو مسلمانوں کو وفد سے ملاقات کرنے سے روکنے کی کوشش کی بلکہ کچھ گھ بدھوں کو مسلمان ظاہر کر کے ملوا دیا اور ان سے کسی قسم کا ظلم نہ ہونے کا بیان دلوا دیا۔ تاہم مسلمانوں نے بڑی تگ و دو کے بعد وفد سے ملاقات کی اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ لیکن وفد کے جاتے ہی ظلم و ستم میں اور اضافہ ہو گیا۔ دسمبر ۲۰۱۶ء میں عینی شاہدین کے مطابق خود برما کی فوج نے اراکان کے ایک گاؤں میں حملہ کر کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا اور حاملہ خواتین کو قتل کر دیا۔[1]

شاید ظلم و ستم کا کوئی حربہ اور طریقہ ایسا نہیں رہا جو روہنگیا مسلمانوں پر آزمایا نہ گیا ہو۔ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۶ء سے جو مظالم شروع ہوئے اور ظلم کے جو نرالے حربے استعمال کیے گئے ان میں سے چند حربے و طریقے یہ ہیں۔

۱۔ اراکان کے اکثر و بیشتر علاقوں کے گھروں اور گھونسلہ نما جھونپڑیوں کی چار دیواری ہٹا دی گئی اور کہا گیا کہ ان چار دیواریوں میں دہشت گرد چھپے رہنے کا امکان ہے۔

۲۔ اراکان کے اکثر و بیشتر علاقوں میں موجود مسلمانوں کے دو منزلہ مکانوں کو مسمار کر دیا جائے ورنہ ان کو جلا دیا جائے گا، دو منزلہ مکانوں کو اس لیے توڑنا ہے کہ دوسری منزل کو دہشت گرد بطور چوکی استعمال کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اکثر لوگوں نے اپنے دو منزلہ مکان اپنے ہاتھوں سے مسمار کیے۔ جلانے کی صورت میں نقصان زیادہ ہوتا۔

---

[1] خان، عبد التواب، "گوتم بدھ کی تعلیمات اور برمی مسلمان"، ترجمان، جلد ۳، شمارہ ۱۹، (اکتوبر ۲۰۱۷ء)، ۱-۱۵

۳۔ مسلمانوں کی زمینیں چھین کر مگھوں کو دے دی گئیں، پھر وہی مگھ یہی زمین کاشت کاری کے لیے بطور کرایہ مسلمانوں کو دیتے مسلمان چاول کی فصلیں تیار کرتے ہیں، جب فصلیں تیار ہوتی ہیں تو مگھ لوگ دہشت گردی کرتے ہوئے فصلیں کاٹ کر لے جاتے ہیں۔ اس کے بعد مگھ مالکان آکر کہتے ہیں کہ جن مگھ دہشت گردوں نے فصل کاٹی ہے ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے لہذا ہمیں اپنا حصہ دو، یوں ان لوگوں کو چاروناچار جیب سے مگھ مالکان کو ان کا حصہ دینا پڑتا ہے۔ مگھ دہشت گرد مسلم عورتوں سے اجتماعی وانفرادی زیادتی کرتے ہیں۔

۴۔ ارکان کے بہت سے مسلم علاقوں میں حفاظت اور شناخت کے نام پر انجکشن لگوائے گئے جس سے دو تین دن کے بعد بندہ مرجاتا ہے۔

۵۔ بعض مسلم قیدیوں کو زبردستی غلاظت اور گندگی کھلائی گئی۔

۶۔ اراکانی مسلم قیدیوں سے گڑھے کھدوائے گئے اور ان کو کہا گیا کہ دوسرے اراکانی قیدیوں کو پکڑ کر ان گڑھوں میں ڈالیں اور زندہ دفن کردیں، اس طرح اراکانی مسلم قیدیوں نے خندقیں تیار کیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائیوں کو پکڑ کر ان میں زندہ دفن کیا۔[1]

بربریت اور ہر لمحہ موت کے خوف کی قدم قدم پر آہٹ روہنگیا مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اذیت ناک مراحل سے گزرتے ہوئے ہجرت کرنے والے مظلوم روہنگیا مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو تھائی لینڈ اور بھارت پہنچے۔ ان کے اعضاء کی وسیع پیمانے پر فروخت شروع ہوگئی۔ کہیں کھلے سمندر کی گہرائیاں ان بے آسرا مظلوم مسلمانوں کی قبریں بن رہی ہیں۔ پیچھے بچ جانیوالے مسلمانوں کی پیدائش وافزائش پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی گئیں۔ اور جو بنگلہ دیش کے بارڈر پر کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں وہ سکھ کا سانس لینے کے لیے ترس رہے ہیں۔ جو بھوک وافلاس اور پیاس میں مبتلا ہیں جن کی کفالت وہ این جی اوز کررہی ہیں جو مستقل عیسائیت اور دھریت کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ان پر مسلط ہوئی ہیں۔ درجنوں خاندان انہی این جی اوز کے نرغے میں آکر مرتد ہوچکے ہیں۔

اگست ۲۰۱۷ء کا المیہ:

اگست ۲۰۱۷ء میں بوتھیڈونگ، راتھیڈونگ اور منگڈاؤ کے علاقوں میں سینکڑوں بستیاں جلاؤ گھراؤ کے ساتھ ساتھ کافی سارے مکینوں کو جلا ڈالا۔ جان بچانے کے لیے نکلنے والے معصوم بچوں، بچیوں، بوڑھوں اور علماء کرام کو بے دردی سے شہید کیا گیا۔ ڈنڈے مار مار کر قتل کیا، گھروں کو جلا کر خاکستر کردیا، بلڈوزر چلا کر نام ونشان کو مٹا ڈالنے کی کوشش کی۔ اب تک اس تشدد نے خطرناک شکل اختیار کرلی ہے، روہنگیا مسلمانوں کے خلاف فوجی

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۱۲۹

کارروائیوں اور بدھ انتہا پسندوں کے حملوں میں اب تک سینکڑوں افراد جاں بحق ہو چکے ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ نے ایک سیٹلائٹ تصویر جاری کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ ہفتہ روہنگیا مسلمانوں کے ۱۲ گھروں کو توڑ دیا گیا ہے، سات سو گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا ہے، انتہا پسندوں کے حملوں سے جان بچا کر بھاگنے والے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو برمی فوج گولیوں سے مار رہی ہے۔

The Burmese security forces burned down Rohingya villages and hundred thousand people became homeless.[1]

ترجمہ: برمی سکیورٹی فورسز نے روہنگیا باشندوں کے گاؤں جلا دیئے اور سینکڑوں ہزاروں لوگ بے گھر ہو گئے۔

اقوام متحدہ کے مطابق ۲۵ اگست کے بعد برما سے تقریباً ۹۰ ہزار پناہ گزین بنگلہ دیش پہنچے ہیں۔ ان میں روہنگیا مسلمان تقریباً بیس ہزار لوگ بنگلہ دیش اور برما کے مغربی صوبے راکھائن کی سرحد پر پہنچے ہیں جو بنگلہ دیش میں داخل ہونے کے انتظار میں ہیں۔ جان بچانے والے مسلمان بوڑھے جوان دریاؤں کے کنارے جنگلات میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں جہاں خوفناک قسم کے درندوں کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے حشرات الارض کی بہتات ہے۔ کھانے پینے کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے بڑے لوگ درخت کے پتے چبانے پر مجبور ہیں اور بچے بلک بلک کر ماؤں کی گودوں میں جان دے رہے ہیں۔

دوسری طرف بنگلہ دیش پہنچنے تک راستے میں دیگر آفات کے علاوہ بھکشوؤں کی صورت میں دہشتگرد ٹولیاں، برمی پولیس اور فوج کی پوری فورس اپنی پوری توانائی کے ساتھ ان نہتے اور بے سہاروں کو تہ تیغ کرنے کے درپے ہیں۔[2]

اکتوبر ۲۰۱۵ میں لندن کی کوئین میری یونیورسٹی کے کچھ محققوں نے ایک رپورٹ پیش کی اس رپورٹ میں بتایا گیا کہ برما حکومت کے زیر سرپرستی روہنگیا کی باضابطہ نسل کشی آخری مراحل میں ہے۔ اپنی تازہ بربریت کو جواز دینے کے لئے برما کی سفاک حکومت نے حیلہ تراشا ہے کہ ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کو ریاست راکھائن میں پولیس سٹیشنوں، سرحدی چوکیوں اور فوجی اڈوں پر روہنگیا نے حملے کیے اور ان حملوں میں کئی افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ حملوں کا بہانہ تراشتے ہوئے برما کی فوج میں اور زیادہ بربریت بڑھ گئی اور اس کی بربریت سے ایک خوفناک انسانی المیہ نے جنم لیا۔ ان کی بربریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ایک دن میں برما کی فوج نے ۲۶۰۰ سے زیادہ گھر جلا دیئے۔

Violence and rape have been used against Rohingya women in Rakhine during the fall of 2017 according to Human Rights Watch.[3]

---

[1] Amnesty International."Myanmar: Rohingya trapped in dehumanising apartheid regime". https://www.amnesty.org/en/latest/news/2017/11/myanmar-rohingya-trapped-indehumanising-apartheid-regime/ (Accessed November 18 , 2018)

[2] نور الحق، نور البشر محمد، برما، اراکان اور روہنگیا کا مختصر تعارف، (لاہور: رحمانیہ کتب خانہ اردو بازار، ۲۰۱۴ء)، ۲-۹

[3] Amnesty International, "Myanmar: Rohingya trapped in dehumanizing apartheid regime". https://www.amnesty.org/en/latest/news/2017/11/myanmar-rohingya-trapped-indehumanising-apartheid-regime/ (Accessed November 19,2018)

ترجمہ: ہیومن رائٹس واچ کے مطابق ۲۰۱۷ء کے موسم خزاں کے دوران روہنگیا خواتین کے خلاف تشدد اور عصمت دری کا استعمال کیا گیا ہے۔

۱۹۸۲ء میں روہنگیا مسلمانوں کو شہریت کے حقوق سے یکسر محروم کرنے کے بعد ان کی آبادی گھٹانے کے لئے ان کی شادی کی عمریں ۲۵ اور ۳۰ برس کی گئی بلکہ شادی کرنے کے لئے بھی حکومت سے پیشگی اجازت ضروری قرار دی گئی۔ اسی طرح ان کی زمینیں اور جائیدادیں چھین کر انھیں اقتصادی طور پر بے یارو مددگار کر دیا گیا۔ اسی پالیسی کے نتیجے میں خطہ سے بڑے پیمانے پر ہجرت کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہوا اور لاکھوں لوگ اپنی جان بچا کر بنگلہ دیش اور بھارت کے علاوہ تھائی لینڈ اور کچھ عرب ممالک میں بطور مہاجرین منتقل ہو گئے۔[1]

۱۹۸۲ء میں برما حکومت نے اراکان کے مسلمانوں کے شہری حقوق چھیننے کا اعلان کر دیا۔ اس صورت حال سے تنگ آکر بے شمار اراکانی مسلم ہجرت پر مجبور ہوئے۔ تقریباً ۵ لاکھ اراکانی مسلمان متحدہ عرب امارات میں، ۶ لاکھ سے زائد سعودی عرب میں اتنے ہی ملائشیا میں اور ۲ لاکھ پاکستان میں آباد ہوئی جبکہ ۷ لاکھ کے قریب بنگلہ دیش میں ہیں۔

مذہبی حالات:

برما میں اکثریت آبادی بدھ مت کی ہے۔ عیسائیت دوسرا بڑا مذہب اور اسلام تیسرا بڑا مذہب ہے۔ مسلم برادری کی موجودگی آٹھویں صدی عیسوی میں ظاہر ہوئی ہے۔ جو عرب کے تاجروں نے مغربی اور جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی بستیاں قائم کیں تھیں۔ برما میں کوئی ریاستی مذہب نہیں ہے۔ اگرچہ آزادی کے بعد حکومت نے تھیرویدا بدھ مت کی تعلیم کی طرف توجہ دی تھی۔ اور اسے حقیقی مذہب کے طور پر لاگو کرنے کی کوشش کی تھی۔ برما سات ڈویژن اور سات ریاستوں پر مشتمل ہے۔ جس کے نتیجے میں ملک نسلی اقلیتی گرہوں کا گھر ہے۔

روہنگیا مسلمان برما کے صوبے اراکان کے باشندے ہیں جس کی سرحد بنگلہ دیش کے ساتھ ملتی ہے۔ روہنگیا کے علاوہ یہاں راکھائنی لوگ بھی رہتے ہیں جو بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ تقریباً ۲۰ لاکھ راکھائن اکثریتی آبادی ہے۔ بدقسمتی سے روہنگیا اور راکھائنی باشندوں کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان ہے۔ دونوں نسلی گروپوں کے درمیان تنازعے نے معاملے کو حد درجہ مشکل بنا دیا ہے۔ دونوں قبیلے غربت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میانمار غالباً دنیا کا واحد ملک ہے جو محض مذہبی عناد کی وجہ سے اپنے شہریوں کو شہری تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ برمی بودھوں کا خیال ہے کہ چونکہ مسلمان یہاں غیر قانونی طور پر ہجرت کر کے آئے اس وجہ سے انہیں خود کو ملک کا شہری کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد یہاں سے ہجرت کر کے بنگلا دیش کے ساحلی علاقوں پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئی ہے۔

---

[1] رسول، عبدالرافع، "میانمار میں مسلم نسل کشی"، روزنامہ **"کشمیر عظمی"**، ۶ ستمبر ۲۰۱۷ء

یہاں کے مسلمانوں کے لئے حج، قربانی، جمعہ وعیدین کی نمازوں کی ادائیگی، تبلیغ، تقاریر وجلسے جلوس، نئے مدارس اور مساجد تعمیر کرنے، بغیر اجازت مسلم لڑکیوں کی شادی یہاں تک کہ اسلامی نام رکھنے پر بھی پابندی ہے۔

The government has also prohibited Muslims from repairing or renovating mosques.[1]

ترجمہ: حکومت نے مسلمانوں کو مسجدوں کی بحالی یا تزئین و آرائش سے بھی منع کیا ہے۔

مسلمانوں کو تعلیم اور بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ جس سے تنگ آکر یہاں کے مسلمان بنگلہ دیش کی جانب ہجرت کر رہے ہیں۔ یہاں ان مہاجرین کے لئے بنیادی انسانی ضروریات تک کا فقدان ہے۔ تعلیم نہ ہونے کے باعث یہ لوگ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی ناواقف ہیں، جبکہ دوسری طرف عیسائی مشنری ادارے ان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے جان وایمان خریدنے میں مصروف ہیں۔[2]

برما کی تاریخ اُٹھا کر دیکھا جائے تو مسلمانوں پر اس طرح کی قیامتیں ٹوٹنے کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ ۱۵۵۹ء میں مذہبی عقائد کی آڑ میں جانور ذبح کرنے پر پابندی لگادی گئی۔ حتیٰ کہ عید الاضحی کے موقع پر بھی کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی جانور پر چھری چلا سکے۔ ۱۷۵۲ء میں بھی جانوروں کے ذبح پر پابندی لگادی گئی۔ ۱۷۸۲ء میں تو بادشاہ بوداپایہ نے پورے علاقے کے مسلمان علماء کرام کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا اور انکار پر ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ برما کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس واقعے کے بعد ے دن تک برما کی سرزمین پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ جس پر بادشاہ نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، معافی مانگی پھر ظلم و ستم کی یہ داستان بڑھتے بڑھتے ۱۹۳۸ء تک جا پہنچتی ہے جب برمی بدھ برطانوی فوجوں کے خلاف جنگِ آزادی لڑنے میں مشغول تھے تو گولیوں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کرتے۔[3]

جمعیت علمائے اسلام برما میں برمی حکومت اور وہاں کے مسلمانوں کے درمیان ثالث کا کام کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں کے مسلمانوں کے حقوق بہت پامال کیے جاتے ہیں۔ اور ان کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات حکومت کے سامنے مسلمانوں کی ترجمانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور یہ اہم خدمت یہاں کی جمعیت کرتی ہے۔[4]

روہنگیا کے نسلی اور مذہبی ظلم و ستم میں حکومت برما برابر کی شریک ہے۔ ۲۰۰۱ء میں حکومت برما نے فوج کو حکم جاری کیا کہ غیر قانونی مساجد کو گرایا جائے۔ مساجد اور اسلامی سکولوں کو حکومت برما نے بند کر دیا۔

[1] International Federation of Human Rights Leagues (FIDH), Burma: (Repression, Discrimination and Ethnic Cleansing in Arakan, April 2000), 18. https://www.fidh.org/IMG/pdf/arakbirm.pdf. (Accessed November 19, 2018)

[2] خان، نعیم احمد، "اراکان (برما) کے مظلوم مسلمانوں کی پکار"، ندائے خلافت، جلد ۹، شمارہ ۱، (جنوری ۲۰۰۰ء)، ص ۷

[3] رپورٹ مسلم انسٹیوٹ، روہنگیا مسلمانوں کے موجودہ حالات کا جائزہ، ۵

[4] قاسمی، طیب، اسیر برما، (سہارنپور: حجۃ الاسلام اکیڈیمی دارالعلوم دیوبند، فروری ۲۰۱۷ء)، ۵۴

In 2001, mobs attacked at least 28 mosques and religious schools. State security not only did nothing to stop the attacks, but also participated in the destruction.[1]

ترجمہ: ۲۰۰۱ء میں، کم از کم ۲۸ مسجدوں اور مذہبی اسکولوں پر حملہ کیا گیا۔ ریاستی سیکورٹی نے نہ صرف حملوں کو روکنے کے لئے کچھ نہیں کیا بلکہ ان کی تباہی میں بھی حصہ لیا۔

اس کے علاوہ اگست ۲۰۰۵ء میں برمی صدر نے مذہبی تبدلی کے قانون پر دستخط کئے جس میں برما کے شہریوں کو مذہب کی تبدیلی کے رجسٹریشن بورڈ سے دوسرے مذہب میں تبدیل کرنے سے پہلے منظوری حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مذہبی تبادلوں کے قوانین کے نتیجے میں بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ یہ راکھائن ریاست میں روہنگیا مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔

Muslims were practically denied proper burial and prevented by the GOM from burying their dead as essential by Islam practice, while some were allegedly cremated.[2]

ترجمہ: روہنگیا مسلمانوں کو عملی طور پر مناسب تدفین سے روکا جاتا ہے۔ اور برمی حکومت کی طرف سے ان کے مُردوں کو دفن کرنے سے روکنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ جبکہ مردے کو دفن کرنا اسلام میں لازم ہے۔

اور برما ۱۹۸۹ء کے سی آر سی☆ تنظیم کا رکن بھی ہے۔ جس کے مطابق: ایک ایسے اقلیت سے تعلق رکھنے والا بچہ یا جو باشندہ ہے اس کے حق سے انکار نہیں کیا جائے گا اور وہ اپنی برادری میں ان کے گروہ کے دوسرے ارکان کے ساتھ اپنی ثقافت، مذہب اور زبان کو استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔[3]

سی آر سی کے آرٹیکل ۳۰ کی وضاحت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سی آر سی کے آرٹیکل ۳۰ کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ برما کو برطانوی حکومت سے ۱۹۴۸ء میں آزادی ملی اور پالیمانی جمہوری حکومت بنی۔ ۱۹۶۲ء میں فوج بغاوت کے ذریعے اقتدار میں آگئے۔ جس کی سربراہی جنرل نی ون نے کی۔ جو قوم کے تمام حقوق کا مالک بن گیا۔ اور دیگر تمام کو ان کے ماتحت قرار دیا گیا۔ غیر ملکی اثر رسوخ کو ختم کرنے کے لئے غیر ملکی مشنریوں پر پابندی اور تارکین وطن جن میں چینی اور ہندوستانی شامل تھے کو نکالنے کے لئے منصوبہ بندی کی۔ جس کے تحت برمنائزیشن (برمنزم) کی مہم شروع کی

---

[1] Human Rights Watch, Crackdown on Burmese Muslims, (July 2002), 11. https://www.hrw.org/legacy/backgrounder/asia/burmese_muslims.pdf. (Accessed November 20, 2018)

[2] Human Rights Watch, The Government Could Have Stopped This: Sectarian Violence and Ensuing Abuses in Burma's Arakan State. (2012, August). https://www.hrw.org/sites/default/files/reports/burma0812webwcover_0.pdf. (Accessed November 20, 2018)

☆ CRC (Convention on the rights of the child) انسانی تاریخ میں سی آر سی سب سے زیادہ عالمی طور پر منظور شدہ انسانی حقوق کا معاہدہ ہے۔ سی آر سی ۱۹۸۹ء میں نافذ ہوا۔ اور ۱۹۱ ممالک نے منظور کیا۔ برما ۱۹۹۱ء میں سی آر سی کا رکن بنا۔

[3] Office of the United Nations High Commissioner for Human Rights. Convention on the Rights of the Child. Retrieved from Office of the United Nations High Commissioner for Human Rights: http://www.ohchr.org/EN/ProfessionalInterest/Pages/CRC.aspx. See Article 2(1) of the CRC. (Accessed November 20, 2018)

گئی۔ اور اس طرح برمی حکومت نے نسلی اقلیتی علاقوں کے انتظامی امور میں شامل ہوا۔ اور نسلی اقلیتوں کی خواتین کی زبردستی شادیاں برمی فوجیوں سے کرادی گئیں۔ اقلیتی برادری کے سکولوں میں برمی زبان کی تعلیم پر مجبور کیا گیا۔ اور نسلی اقلیت کے باغیوں کے گرہوں کے خلاف فوجی مہم جوئی کی گئی۔ اور انہوں نے مسلمانوں کو تمام بڑے فوجی اور انتظامی عہدوں کو حاصل کرنے سے روک دیا گیا۔ اور ۱۹۸۲ء میں ۱۳۵ نسلی گرہوں پر مبنی ایک نئی شہریت کا قانون نافذ کیا۔ جس نے روہنگیا مسلمانوں کو شہریت سے خارج کر دیا۔ اور مؤثر طریقے سے انہیں بے وطن کر دیا گیا۔

غیر جانبدار اعداد و شمار کے مطابق اراکان میں دوماہ کے دوران کم و بیش بیس ہزار مسلمان شہید کیے جاچکے ہیں۔ پانچ ہزار خواتین کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اب تک سوالاکھ سے زائد افراد علاقہ چھوڑ چکے ہیں۔ ۴۷ مساجد شہید کی جاچکی ہیں۔ ۳۰۰ سے زائد مساجد میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روکا جارہا ہے۔ رمضان المبارک کے دوران نماز اور تراویح دونوں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ [1]

انسانی حقوق کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد مذہبی آزادی کو جدید سیاسی اور سول آزادی کا لازمی حصہ قرار دیتی ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کی آبادی کے مطابق مذہبی آزادی کے لئے یہ برمی حکومت کے زیرِ تسلط ہیں۔ اور وہ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کو برمی باشندے نہیں مانتے۔

سیاسی حالات:

میانمار کی آزادی سے پہلے اور آزادی (۱۹۴۸ء) کے بعد رہنے والی تمام حکومتوں کو روہنگیا مسئلے کا سامنا رہا ہے۔ روہنگیا برما میں غیر ملکی دراندازیا تارکین وطن نہیں ہیں۔ ان کی مملکت اراکان آٹھویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے بعد کے برسوں میں اس مملکت کے مکین عرب تاجروں کے ذریعے اسلام سے متعارف ہوئے تھے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ مسلم اکثریتی علاقہ بن گیا۔ اراکان برما کی جدید دور کی ریاست راکھائن ہے جہاں بارہ لاکھ روہنگیا مسلمان رہ رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے دوران میں کئی مرتبہ روہنگیا کو حملوں کا نشانہ بنایا گیا، انھیں راکھائن سے بے دخل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ گزشتہ صدی میں ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۷ء میں روہنگیا مسلمانوں کو ان کے آبائی علاقوں سے نکال باہر کرنے کے لیے منظم کارروائیاں کی گئیں۔ ۱۹۸۲ء میں برما کی فوجی حکومت نے شہریت کے نئے قانون کی منظوری دی تھی۔ اس کے تحت بیشتر روہنگیا کو شہریت سے محروم کر دیا گیا تھا اور انھیں ان کے اپنے ہی ملک میں غیر قانونی آبادکار قرار دے دیا گیا تھا۔

میانمار کی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو شہریت دینے سے انکاری ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر روہنگیا کے پاس کوئی قانونی دستاویزات نہیں ہیں، یعنی عملاً بے وطن ہیں۔ ۱۹۴۸ء کا شہری قانون تو امتیازی تھا ہی مگر ۱۹۸۲ء میں فوجی حکومت کے

---

[1] ابو صباحت، ایشیا کا فلسطین، (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈیمی، اگست ۲۰۱۲ء)، ۲۵

متعارف کردہ شہری قانون کی سخت ترین شقوں نے روہنگیا کی آبادی کے لیے مکمل شہریت کا حصول ناممکن بنادیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک روہنگیا کو عارضی مکینوں کی حیثیت سے رجسٹرڈ کیا جاتا تھا۔ ۹۰ کی دہائی میں مسلمانوں (روہنگیا اور غیر روہنگیا دونوں ہی کے لیے) White Card کا اجرا کیا گیا۔ ان کارڈز کے ذریعے کچھ حقوق تو تھے البتہ یہ مملکت کا شہری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

۱۹۹۰ء اور اس کے بعد سے میانمار میں فوجی قیادت نے کئی بار نام نہاد انتخابات میں کامیابی حاصل کی مگر عوام کے ذہن میں یہ بات پختہ تر ہوتی گئی کہ ایسے نام نہاد انتخابات سے بننے والی حکومت ناکام ہوتی ہے۔ نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی نے کئی بار انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ اس کے نتیجے میں فوجی قیادت پر بھی دباؤ بڑھا کہ انتخابات شفاف ہونے چاہئیں تاکہ عوام کے حقیقی نمائندے منتخب ہوکر پارلیمنٹ میں پہنچیں۔ اور جب انتخابات واقعی شفاف ہوئے تو نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی نے بھرپور کامیابی حاصل کرلی۔

> According to Rakhine officials, 392,259 temporary cards were surrendered in Rakhine State.[1]

ترجمہ: راکھائن حکام کے مطابق راکھائن ریاست سے ۳۲۹،۲۵۹ عارضی کارڈ جمع کر لئے گئے۔

روہنگیا مسلمانوں کو ہر طرح سے ناانصافی کا سامنا ہے۔ ریاستی مشینری انہیں کچلنے کے درپے ہے۔ وہ ملک میں رہتے ہوئے بھی یوں رہتے ہیں جیسے پردیس میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ انہیں قتل و غارت کا سامنا ہے۔ نسلی تطہیر کا عمل جاری ہے۔ ریاستی مشینری انہیں ان کے اپنے گھروں سے نکال کر کیمپوں میں رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔

میانمار کے سیاسی نظام میں فوج کو فیصلہ کن بالادستی حاصل ہے۔ فوج فی الحال اندرونی اور بیرونی دباؤ کے بارے میں بڑی حد تک غیر حساس ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ تاہم چین واحد ملک ہے، جو میانمار کی پالیسیوں پر صحیح معنوں میں اثرانداز ہوسکتا ہے۔ روہنگیا کی مکمل شہریت کا حق ہمیشہ کے لئے مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سینکڑوں سال سے میانمار میں آباد ہیں اور عالمی قوانین کے تحت ان کو شہریت کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس مقصد کے حصول کے لئے ان کو موثر اور صحیح لائحہ عمل ترتیب دینا ہوگا۔ اشتعال کے نتیجے میں تشدّد اور ردّ عمل کے ذریعے ان کے جائز مطالبے کو فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا۔ حال ہی میں ہزاروں روہنگیا انسانی سمگلروں کے مکروہ کاروبار کا نشانہ بنے، جن میں کچھ مجبور اور بے کس بنگالی بھی شامل تھے۔

> Without the white cards Rohingya have no proof of being legal Myanmar citizens and are therefore ineligible to participate in elections.[2]

---

[1] Myanmar Times, 'Rakhine officials collect nearly 400,000 'white cards' by deadline', 1 June 2015, (Accessed November 21, 2018) https://www.mmtimes.com/national-news/14779-rakhine-officials-collect-nearly-400-000-white-cards-by-deadline.html

[2] Albert, Eleanor, "The Rohingya Crisis". Council on Foreign Relations. https://www.cfr.org/backgrounder/rohingya-crisis (Accessed November 21,2018)

ترجمہ: روہنگیا میانمار میں سفید کارڈ کے بغیر قانونی شہری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس وجہ سے انتخابات میں شرکت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

سینکڑوں کی تعداد میں روہنگیا اور بنگالی سمندر کی بے رحم موجوں کی نذر ہوگئے۔ روہنگیا کو اس بات کا ادراک کرنا چاہیے کہ کوئی بھی ملک اب غیر قانونی مہاجرین کو پناہ دینے کے لئے تیار نہیں۔

> In the general elections in 2008, Rohingya were given temporary identity cards, so called "white cards", which gave them permission to vote.[1]

ترجمہ: ۲۰۰۸ء میں عام انتخابات میں روہنگیا کو عارضی شناختی کارڈ دیئے گئے تھے، جسے "سفید کارڈ" کہا جاتا تھا، جس نے انہیں ووٹ دینے کی اجازت دی۔

روہنگیا مسلمانوں کی بنگلہ دیش میں ہجرت کوئی نئی بات نہیں۔ اراکان سے روہنگیا مسلمانوں کی پہلی ہجرت کوکس بازار کے علاقے میں ۱۷۸۴ء کو اس وقت ہوئی، جب برمی بادشاہ بوداپایہ نے اراکان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور اراکان مرکزی برما آوا کے زیر تسلط آیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں پناہ گزینوں کی آمد کے علاوہ دو بڑی ہجرتیں ۱۹۷۸ء اور ۱۹۹۱-۹۲ء میں ہوئیں۔ اب تقریباً ۵.۰ ملین روہنگیا مہاجر تیس سال سے زائد عرصے سے بنگلہ دیش میں کوکس بازار بندربن اور اس کے ساتھ ملحقہ علاقوں میں رہ رہے ہیں۔2

اقوام متحدہ نے روہنگیا کو دنیا کی سب سے مظلوم اقلیت میں سے ایک قرار دیا ہے۔ پچھلے تین ہفتوں میں تقریباً تین لاکھ روہنگیا جان بچا کر بنگلہ دیش پہنچے ہیں، جہاں پہلے ہی سے تین سے پانچ لاکھ روہنگیا مہاجر کیمپوں میں مقیم ہیں۔

۱۱ ستمبر ۲۰۱۷ء کو اقوام متحدہ کے ادارہ برائے انسانی حقوق کے سربراہ زید ابن رعد حسین کے بیان کے مطابق "یہ صورتحال نسل کشی کی واضح مثال نظر آتی ہے۔ میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ فوری طور پر اپنا سفاک ملٹری آپریشن ختم کرے اور تمام بے ضابطگیوں کا کڑا احتساب کرے۔ جبکہ روہنگیا برادری سے کیے جانے والے امتیازی سلوک کا فوری تدارک کریں۔"[3]

روہنگیا مسلمانوں کے ۲۰۰۵ء کے آئینی ریفرنڈم میں ووٹ ڈالنے کے حق کے خلاف بدھ بھکشوؤں کے شدید احتجاج اور دباؤ پر حکومت نے White Card کو معطل کر کے روہنگیا کے (چند عرصہ قبل ہی حاصل ہونے والے) حق یعنی ووٹ پر عملاً پابندی لگا دی۔ اور ۲۰۰۸ء کے آئینی ریفرنڈم اور ۲۰۱۰ء کے عام انتخابات میں روہنگیا مسلمانوں نے ووٹ کا استعمال کیا تھا۔ ۲۰۱۴ء میں حکومت نے اقوام متحدہ کی مدد سے ایک ریفرنڈم کروایا۔ بدھوں کی جانب سے

[1] Albert, Eleanor, "The Rohingya Crisis". Council on Foreign Relations. https://www.cfr.org/backgrounder/rohingya-crisis (Accessed November 21,2018)

[2] Emdadul Haque, Humanitarian vs. Legal Deals: Human Rights Monitor Rohingya people, The Daily Star, Tuesday, July 2, 2013. http://www.thedailystar.net/beta2/news/humanitarian-vs-legaldeals/. (Accessed November 21, 2018)

[3] https://www.unhcr.org/rohingya-emergency.html (Accessed November 21,2018)

اس ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرنے کی دھمکی کے باعث حکومت نے روہنگیا مسلمانوں پر یہ پابندی عائد کردی کہ وہ ریفرنڈم میں حصہ صرف اپنے آپ کو بنگالی رجسٹر کرواکر لے سکتے ہیں۔

۲۰۱۵ء کے انتخابات کو منصفانہ اور شفاف باور کرایا جاتا ہے۔ ان انتخابات میں کوئی مسلمان امیدوار نہیں تھا۔ انٹرنیشنل کرائس گروپ کے مطابق ملک بھر میں پھیلے مسلم مخالف جذبات کی وجہ سے مرکزی حکومت بھی مسلمانوں کے حق میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتی جو کہ اُس کے لیے سیاسی دشواری کا باعث ہو۔ تمام تر تشدد، مسلم مخالف مہم اور ووٹ کے حق سے محروم کرنے کے باوجود مسلم اقلیت اپنی روہنگیا شناخت کے زیر سایہ متحد ہے۔[1]

پچاس سال بعد میانمار (برما) کے پہلے منتخب سویلین صدر 'ہیٹن کیاو' نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا ہے۔ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کے آفس سے جاری ہونے والی رپورٹ برما کی سکیورٹی فورسز کی جانب سے انسانی حقوق کی پامالی کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ روہنگیا برادری کے خلاف قبیح انسانی جرائم کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔

کیمپوں میں حالت زار:

حکومت برما نے اکیاب و دیگر علاقوں میں درجنوں سے زائد کیمپ بنائے، جن میں سے بعض مگھ افراد اور اکثر میں روہنگیا مسلمان پناہ لیے ہوئے ہیں۔ یہ کیمپ برمی حکومت کے زیرِ تسلط و زیرِ نگرانی ہیں۔ ان کیمپوں میں حکومت کی اجازت اور پرمٹ کے بغیر کوئی آ جا نہیں سکتا۔ اور حکومت ان کیمپوں سے درجنوں فوائد حاصل کررہی ہیں۔ مثلاً بین الاقوامی وفود کو اپنی نگرانی میں ان کیمپوں کا دورہ کرایا جاتا ہے۔ یہ وفود دونوں قسم کے کیمپوں میں جا کر انٹرویو لیتے ہیں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ حکومت اور مگھ کے مظالم سے ہم یہاں آگئے ہیں۔ اور مگھ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مظالم سے ہم یہاں آگئے ہیں۔ جبکہ حکومت یہ تاثر دیتی ہے کہ یہ ان کی آپس کی لڑائی ہے اور حکومت دونوں قسم کے مظلوموں کو یکساں مدد فراہم کررہی ہے۔

> The Myanmar Army and Rakhine citizens prevent humanitarian aid from reaching the camps. Moreover, because humanitarian workers' access to these camps is severely restricted, Rohingyas' ability to secure life-saving medical resources is limited.[2]

ترجمہ: میانمار کی فوج اور راکھائنی شہری انسانی امداد کو کیمپوں تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی حقوق کے کارکنوں کا کیمپوں تک رسائی انتہائی مشکل ہے۔ زندگی بچانے والے طبی وسائل کو محفوظ کرنے کی صلاحیت روہنگیا کے پاس محدود ہے۔

---

[1] https://www.crisisgroup.org/asia/south-east-asia/myanmar/myanmar-s-peace-process-getting-political-dialogue (Accessed November 21,2018)

[2] Human Rights Watch, Burma: Rohingya Muslims Face Humanitarian Crisis (Mar. 26, 2013), http://www.hrw.org/news/2013/03/26/burma-rohingya-muslims-face-humanitarian-crisis. (Accessed November 21,2018)

روہنگیا مسلمانوں کے لیے جو امدادی سامان آتے ہیں وہ حکومت اپنے کنٹرول میں لیتی ہے۔ وہ دو تہائی حصہ خود رکھ لیتی ہے اور ایک تہائی مگھ و مسلم دونوں کیمپوں میں برائے نام تقسیم کرتی ہے۔ کیمپوں میں پناہ گزین مسلمانوں کو دوبارہ اپنے علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی وہ دوبارہ سابقہ علاقوں میں بسنے کے قابل رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زمینوں اور گھروں و علاقوں کا قبضہ ہو چکا ہوتا ہے۔ یہاں ان پر جو مظالم کیے جاتے ہیں ان کی کہانی بھی بے حد المناک ہے۔ میڈیا کے عینی شاہدین اور "ہیومن رائٹس واچ" کے مطابق برمی حکومت نے وحشیانہ مظالم ڈھانے کے بعد مزید ایک لاکھ روہنگیا مسلمانوں کو نئے رہائشی کیمپوں میں منتقل کر دیا ہے۔ جہاں وہ بدترین زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان کیمپوں میں مسلمانوں کو طبی سہولتوں سمیت زندگی کی بنیادی ضروریات میسر نہیں ہیں۔ جبکہ نئی جاری ہونے والی سٹیلائٹ تصاویر میں روہنگیا مسلمانوں کے ۱۵۰۰ مزید گھر نذر آتش دکھائے گئے۔

> Another immediate consequence of the latest waves of violence towards Rohingya was the displacement of 650'000 people, most of them fleeing to Bangladesh. The State Councilor of Myanmar, Aung San Suu Kyi has denied all allegations of genocide and dismissed the international criticism as charging the hate between Buddhists and Muslims.[1]

ترجمہ: روہنگیا مسلمانوں پر تشدد کے تازہ ترین لہروں کا ایک اور فوری نتیجہ یہ ہوا کہ ۶،۵۰،۰۰۰ افراد بے گھر ہوئے، ان میں سے اکثر بنگلہ دیش منتقل ہو رہے ہیں۔ میانمار کی ریاستی کونسلر، آنگ سانگ سوچی نے نسل پرستی کے تمام الزامات کو مسترد کر دیا اور بین الاقوامی تنقید کو بدھ اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کا الزام لگایا۔

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے کہا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں پر برمی فوج کے مظالم انسانیت کے خلاف جرائم کے زمرے میں آتے ہیں، اپنی تازہ رپورٹ میں کہا کہ برمی فوج مسلمانوں کے قتل، زیادتی، تشدد اور لوٹ مار میں ملوث ہے۔ جبکہ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے، برٹش روہنگیا کمیونٹی کے جنرل سیکرٹری محمد نظام الدین نے کہا کہ برمی فوج مسلمانوں کی نسل کشی اور عصمت دری میں ملوث ہے ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ ماں کے سامنے بیٹی سے زیادتی کی گئی۔

۷۰ کی دہائی سے ہزاروں روہنگیا مسلمانوں کو گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ اور ان کو اکثر عصمت دری، تشدد، قتل عام اور ان کی املاک جلانے جیسے گھناؤنے مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اب تک ۵۰ ہزار سے زائد گھروں کو جلایا جا چکا ہے۔ اور تقریباً ۱۶۰۰ دیہات صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے ہیں۔ راکھائن کے دارالحکومت سیٹوے سے معروف برطانوی صحافی پیٹر اوبورن نے تازہ صورت حال کو رپورٹ کیا ہے۔ وہ ڈیلی میل میں ۴ ستمبر ۲۰۱۷ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

[1] Albert, Eleanor. 2018-01-05. "The Rohingya Crisis". Council on Foreign Relations. https://www.cfr.org/backgrounder/rohingya-crisis (Accessed November 26,2018)

"پانچ سال قبل شہر کی ایک لاکھ اسّی ہزار کے لگ بھگ آبادی میں پچاس ہزار روہنگیا مسلم اقلیتی گروپ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے لیکن آج شہر میں ان کی تعداد تین ہزار سے بھی کم رہ گئی ہے۔وہ آزادانہ شہر میں گھوم پھر نہیں سکتے۔وہ آہنی تاروں میں محصور ایک چھوٹی سی بستی میں الگ تھلگ رہ رہے ہیں۔ مسلح محافظ ان تک کسی کو پہنچنے نہیں دیتے اور روہنگیا مسلمانوں کو بھی اس بستی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔"[1]

برما روہنگیا برادری کو بنگلہ دیش سے آئے غیر قانونی تارکین وطن تصور کرتا ہے اور ان کو غیر ریاستی عناصر شمار کرتا ہے۔برمی حکومت کا دعویٰ ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کو برطانوی استعمار بطور مزدور برما میں لایا تھا۔اس کے برعکس بہت سے ایسے ناقابل تردید شواہد موجود ہیں کہ روہنگیا مسلمان اراکان کے مقامی لوگ ہیں اور برطانیہ کی آمد سے بہت پہلے یہاں آباد تھے۔انٹرنیشنل سٹیٹ کرائم انیشی ایٹو کی شائع کردہ رپورٹ کے مطابق "برما کے پہلے صدر ساؤشا تھائیکے نے ۱۹۵۹ء میں تسلیم کیا کہ "اراکان کے مسلمان برما کی مقامی نسلوں میں سے ہیں۔اگر وہ مقامی نسلوں میں شمار نہیں ہوتے تو ہم بھی مقامی النسل نہیں ہیں۔"[2]

۱۹۶۲ء تک روہنگیا کو برما کا شہری تسلیم کیا جاتا رہا۔۱۹۶۲ء کے بعد فوجی حکومت نے چند قوانین پاس کئے اور دعویٰ کیا کہ روہنگیا مسلمان بنگالی النسل ہیں برما کے ۱۹۸۲ء کے شہریت کے قانون کے ذریعے روہنگیا کی شہریت ختم کر دی گئی۔ اگر روہنگیا برادری کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ برما کی ریاست اراکان میں ایک المناک انسانی بحران اپنی پوری شدت کے ساتھ برپا ہے۔اس ریاست کے ۱۲ لاکھ سے زائد مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا ہے۔اور تواتر کے ساتھ ان کو فرقہ وارانہ تصادم اور فوجی آپریشنز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔روہنگیا مسلمانوں پر تشدد کوئی حالیہ واقعہ نہیں ہے۔ تشدد کے یہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کی دہائی میں جب فوجی دور حکومت میں بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا انخلا شروع ہوا۔یہ لوگ بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں اور خستہ حال مہاجر کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں جہاں تعلیم روزگار،سفر،شادی،مذہبی آزادی اور صحت جیسی بنیادی سہولیات نہ صرف ناپید ہیں بلکہ دانستہ طور پر ختم کی گئی ہیں۔قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود اراکان کا شمار برما کی غریب ترین ریاستوں میں ہوتا ہے۔

---

[1] Peter Oborne In Sittwe, Myanmar For The Daily Mail
https://www.dailymail.co.uk/news/article-4852092/The-leader-s-turning-blind-eye-genocide.html
(Accessed November 26,2018)

[2] Penny Green , Thomas MacManus , Alicia de la Cour Venning, *Genocide In Myanmar*, *International state crime initiative*, (London:queen marry university, 2015), 19
http://statecrime.org/data/2015/10/ISCI-Rohingya-Report-PUBLISHED-VERSION.pdf
(Accessed November 26, 2018)

فصل دوم

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کا جائزہ:

انسانی حقوق کا تصور ازل سے ہے۔ اور شروع شروع میں مذہبی کتابوں اور الہامی کتابوں میں جو اخلاقی اصول بیان کیے جاتے تھے۔ اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر ہوتا۔ مفکرین نے اسے فطری حقوق کا نام دیا کیونکہ بنی نوع انسان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ طے شدہ امور اور ضوابط کی پابندی کریں گے۔ انسانی حقوق معاشرتی زندگی کا ایسا لازمی جز ہے کہ جن کے بغیر کوئی شخص بھی اپنے طرز عمل کا مظاہرہ احسن انداز میں نہیں کر سکتا۔ انسانی حقوق سے مراد ایسے حقوق ہیں، جو انسان کو بحیثیت بنی نوع آدم ملے ہیں۔ معاشرے میں رہتے ہوئے ملتے ہیں۔ اور ان کا تعلق معاملات سے ہے۔ یہ ایک دوسرے کے باہمی ربط وضبط میں پروان چڑھتے ہیں۔ یہ پیدائشی ہیں۔ اسی لئے ان کو بعض اوقات بنیادی انسانی حقوق یا پیدائشی حقوق بھی کہا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کو مختلف انداز سے پکارا جاتا ہے بعض اوقات انہیں بنیادی حقوق کا نام دیا جاتا ہے۔ بنیادی حقوق سے بالعموم وہ حقوق مراد لئے جاتے ہیں جو ناقابل تنسیخ ہوتے ہیں اور ان سے کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔ جدید ریاستی دساتیر میں ان حقوق کی آئینی شقوں میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف پالیسی کے رہنما خطوط متعین کرتے ہیں بلکہ اگر کوئی انتظامی یا قانون سازی عمل ان کے منافی ہو تو وہ اس کی روک تھام کے بھی ذمہ دار ہیں۔[1]

برما میں روہنگیا مسلمان اپنی پیدائش سے موت تک منظم طریقہ سے سخت ترین مظالم کا سامنا کر رہے ہیں۔ ۲۰۱۷ء میں برمی فوج کی بربریت کے نتیجہ میں تقریباً۷ لاکھ روہنگیا اپنی جان بچا کر اور اپنا مال واسباب چھوڑ کر بنگلہ دیش میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے جو اب کیمپوں میں عبرت انگیز زندگی گزار رہے ہیں۔ اور روہنگیا کے معاشرتی، سیاسی، مذہبی اور دیگر بنیادی حقوق کو ختم کیا جارہا ہے۔ روہنگیا کے ان حقوق کا جائزہ مندرجہ ذیل پیش کیا جارہا ہے۔

معاشرتی حقوق: حق شہریت اور پیدائش کی رجسٹریشن:

قومیت اور شہریت کا حصول ایک قومی مسئلہ ہے۔ جس کا تعین حکمران ادارے کرتے ہیں۔ کہ کون شہری ہے اور کون نہیں ہے۔ جیسا کہ بین الاقوامی برادری شہریوں کی شہریت قوانین کے مطابق بناتی ہے۔ اور اس کے مطابق ان کو وہ تمام حقوق دیے جاتے ہیں جو ان کے بنیادی انسانی حقوق کہلاتے ہیں۔

روہنگیا لوگ آٹھویں ویں صدی سے برما میں رہتے آئے ہیں۔ ۱۸۲۴ء سے ۱۹۴۸ء تک جاری رہنے والے برطانوی نوآبادیاتی دور میں بھارت اور موجودہ بنگلہ دیش سے ہزاروں کی تعداد میں مزدوروں نے برما کی جانب نقل

---

[1] القادری، محمد طاہر، اسلام میں انسانی حقوق کا بنیادی تصور، (لاہور: منہاج القرآن، ۲۰۱۵ء)، ۱۵۰ -۱۵۳

مکانی اختیار کی، جسے اب میانمار کہا جاتا ہے۔ اُس وقت چونکہ برطانوی تسلط میں برماہندوستان کا ایک صوبہ تھا اس لئے اس نقل مکانی کو ملک کا اندرونی اقدام ہی قرار دیا گیا۔ تاہم مزدوروں کی اس آمد کو مقامی اکثریتی آبادی نے کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ ۱۹۴۸ء میں برما کو آزادی ملنے کے بعد وہاں کی حکومت نے اُن کی نقل مکانی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ یوں برما کے زیادہ تر لوگ روہنگیا کو بنگالی سمجھنے لگے۔ اسی وقت حکومت نے یونین سیٹزن ایکٹ کے نام سے ایک قانون کی منظوری دی جس کے تحت اُن نسلی برادریوں کا تعین کر دیا گیا جنھیں ملکی شہریت کا حقدار قرار دیا جا سکتا ہے۔

برما آٹھ نسلی گروہوں کو شہریت کا حق دیتی ہے۔ جن میں کاچن، کایا، کیرن، چن، برمن، مون، راکھائن یا شان شامل ہیں۔ جو تین وزیر وپر مشتمل مرکزی کونسل کمیٹی شہریت کی درخواستوں پر فیصلہ کرتی ہے۔ اور یہ ریاستی کونسل فیصلہ کرتی ہے کہ کونسا نسلی گروہ ریاستی گروہ ہے۔ ان ریاستی اداروں نے ۱۹۸۲ء میں ۱۳۵ نسلی گروہوں میں شہریت کی توثیق کی تھی، جس میں روہنگیا مسلمان شامل نہیں تھے۔ اس طرح تمام روہنگیا کو قانونی طور پر شہریت سے دور کرکے انہیں بے وطن قرار دے دیا گیا۔ اگرچہ ان کے آباواجداد شہریتی قانون کے مطابق ۱۸۲۳ء سے پہلے کے موجود تھے۔ شہریت اور قومیت تمام گروہوں کو قانونی شناخت فراہم کرتی ہے۔ اور شہری، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی نوعیت کے مجموعی حقوق کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ قومیت کے بغیر افراد اور گروہوں کے ساتھ ریاست کی ایک غیر جمہوری حیثیت ہوتی ہے۔ اور دوسری قوموں کے گروہوں کے ساتھ سماجی اور ثقافتی طور پر کم تر حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ برما کا ۱۹۸۲ء شہریت کا قانون[1] نیو نیشنل ڈیموکریسی پارٹی کے چیئرمین کی طرف سے جاری ہوا تھا۔ جس میں بیان کیا گیا کہ "شہریت کے قانون کا مقصد ہماری نسل کی حفاظت کرنا ہے۔" جو سیاسی فیصلے کرنے میں مخلوط خون کو اس کی اجازت نہیں دیتے۔ لہٰذا قانون ہمارے ملک کے تحفظ کے لئے بہت اہم ہے۔ روہنگیا کے خلاف ظالمانہ سلوک اور امتیازی پالیسیوں کو مستحکم کرنے کے لیے شہریت کی محرومیت نے ایک اہم حکمت عملی کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۴۸ء میں برما کو آزادی ملنے کے بعد وہاں کی حکومت نے اُن کی نقل مکانی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ یوں برما کے زیادہ تر لوگ روہنگیا کو بنگالی سمجھنے لگے۔ روہنگیا ایک نسلی مسلمان برادری ہے جو صدیوں سے برما میں اکثریتی بدھ برادری کے ساتھ رہتی چلی آئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت میانمار میں تقریباً ۱۰ لاکھ روہنگیا افراد بستے ہیں۔[2]

[1] 1982 Burma Citizenship Law: http://www.refworld.org/docid/3ae6b4f71b.html (Accessed December 5, 2018)

[2] Mahmood; Wroe; Fuller; Leaning (2016). "The Rohingya people of Myanmar: health, human rights, and identity". (Accessed December 5,2018)

۱۹۷۰ء کی دہائی سے صوبہ راکھائن میں روہنگیا برادری کے خلاف مسلسل تادیبی کارروائیاں کی گئیں ہیں۔ جن کے باعث لاکھوں روہنگیا لوگ بھاگ کر بنگلہ دیش، ملائشیا، تھائی لینڈ اور دیگر جنوب مشرقی ریاستوں کی طرف چلے گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ اُن کے خلاف برما کی سیکورٹی فورسز کی طرف سے ان کارروائیوں میں عصمت دری، تشدد، جلاؤ گھیراؤ، لوٹ مار، ناروا جرمانے اور قتل کے بے شمار واقعات ہوئے ہیں۔

> They also reject the name 'Rohingya' even though it was accepted and recorded by different Burmese governments in the parliamentary era of the 1950s and 1960s.[1]

ترجمہ: انہوں نے 'روہنگیا' کا نام بھی مسترد کر دیا ہے اگرچہ اس نے ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں کے پارلیمانی دور میں برمی حکومتوں کی طرف سے اسے قبول کیا اور ریکارڈ میں لایا گیا تھا۔

اُن کی زبان 'روہنگیا' یا 'روئنگا' کہلاتی ہے جو برما میں عام طور پر بولی جانے والی زبانوں سے یکسر مختلف ہے۔ روہنگیا برادری کو ملک میں آباد دیگر ۱۳۵ نسلی گروہوں جیسی سرکاری حیثیت حاصل نہیں ہے اور اُنہیں ۱۹۸۲ء سے برما میں شہریت کے حق سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ یوں ایک طرح سے یہ برادری اپنے ہی ملک میں بے وطنی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

> Rohingya Muslims from Rakhine state, with an estimated population of around 1.1 million, are not officially recognized by Myanmar since the controversial 1982 citizenship law.[2]

ترجمہ: راکھائن ریاست کے روہنگیا مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۱.۱ ملین ہے، جو ۱۹۸۲ء کی شہریت کے متنازعہ قانون کے بعد سے میانمار کی سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

روہنگیا برما کی غریب ترین برادریوں میں سے ایک ہے اور وہ زیادہ تر کیمپوں میں گزارہ کر رہے ہیں، جہاں اُنہیں زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں ہیں۔ اُن کے خلاف حالیہ طور پر جاری تشدد اور ظلم و ستم کے باعث اس برادری کے لاکھوں افراد گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران خشکی یا پانی کے راستے قریبی ہمسایہ ممالک کی جانب فرار ہونے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ اور وہاں بھی روہنگیا باشندے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

شہریت کا حق:

۱۹۸۲ء کا شہریتی قانون بنیادی طور پر تین قسم کے معیارات پر مبنی ہیں۔ مکمل شہری، ایسوسی ایٹ شہری اور قدرتی شہری، جو کہ مختلف رنگوں کے ساتھ شناختی کارڈ کو جاری کیا گیا ہے۔ جو مختلف حقوق کے حامل ہیں۔ ان میں مکمل شہری وہ ہیں جو پیدائشی برمی ہے ان کا تعلق ان ۱۳۵ گروہوں میں سے ہے جو ۱۸۲۳ء سے قبل برما میں آباد

---

[1] Martin Smith, Ethnic Groups in Burma. Development, Democracy and Human Rights, ASI Human Rights Series, (London: Anti-Slavery International, 1994), 56.
[2] Discrimination in ARAKAN, Human Rights Watch Report, https://www.hrw.org/reports/2000/burma/burm005-02.htm (Accessed December 6,2018)

ہوئے ہیں۔ جو برطانوی حکومت کی شروعات میں اراکان میں رہ رہے ہیں، اور اس کے ساتھ ۱۹۴۸ءیونین ایکٹ کے تحت پہلے ہی شہریوں کے طور پر تسلیم کئے گئے ہیں۔ ایسوسی ایٹ شہری وہ ہیں جنھوں نے ۱۹۴۸ء کے یونین کے شہریت کی درخواست ابھی تک زیر غور تھی جب ۱۹۸۲ء میں شہریت قانون نافذ ہوا۔ قدرتی شہریت کے حصول کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ ۴ جنوری ۱۹۴۸ء سے وہ برما میں طویل مدتی رہائشی ہوں۔

۲۔ اس نسل سے یا اس نسل میں شادی کی ہو جو برما شہریت کا حامل ہو۔ اور تسلیم شدہ قومی زبانوں میں سے ایک پر اچھی عبور رکھتا ہو۔ اور نیک اور اچھے کردار کا حامل ہو۔ اور جو قدرتی شہری ہونے کا حق مختلف قوانین اور قواعد کے ذریعے رکھتا ہو، حکومت ان کے حقوق کی حد بھی محدود کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر قدرتی شہریوں کو انتخابات کے لئے کھڑے ہونے یا سیاسی جماعت کی قیادت کرنے یا طب اور دوسرے مضامین کا مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۲ء کے قانون کے سیکشن ۸ ب میں شہریت کی تمام قسمیں سوائے مکمل شہریت کے کسی بھی وقت منسوخ کی جا سکتی ہیں۔

> 8(b) The Council of State may, in the interest of the State, revoke the citizenship or associate citizenship or naturalized citizenship of any person, except a citizen by birth.[1]

ترجمہ: ۸(ب) ریاستی کونسل ریاست کے مفاد میں ہو سکتا ہے، کہ کسی بھی شخص کی شہریت جو شہری یا ایسوسی ایٹ شہری یا قدرتی شہری ہو کو منسوخ کر سکتی ہے، سوائے ان کے جو پیدائشی شہری ہوں۔

اس قانون میں شہریت کو تین درجوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ بنیادی شہریت کے حصول کیلئے لازمی قرار دیا گیا کہ متعلقہ شخص کا خاندان ۱۹۴۸ء سے قبل برما میں آباد تھا اور وہ قومی زبانوں میں سے کوئی ایک روانی سے بول سکتا ہو۔ روہنگیا برادری کے بیشتر افراد ان شرائط پر پورا نہیں اترتے۔ جس کی وجہ سے وہ حقِ شہریت سے محروم ہیں۔

بچوں کے اندراج کا حق:

۱۹۹۰ء کی دہائی کے وسط سے روہنگیا کے نئے پیدا ہونے والے بچوں کو پیدائشی سرٹیفیکیٹ جاری نہیں کیے گئے۔ تاہم روہنگیا کے ذرائع کے مطابق منگڈاؤ اور بوتھیڈونگ ٹاؤن شپ میں چند روہنگیا نے حال ہی میں میانمار پیدائشی سرٹیفکیٹ حاصل کیے ہیں۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ یونیسیف نے عالمی پیدائشی رجسٹریشن مہم چلائی تھی۔ ایسے حالات میں تفصیلات کے مطابق جن کے تحت ایسے سرٹیفیکیٹ بھیجی جا چکی ہیں ابھی تک غیر واضح ہیں۔

---

[1] Burma Citizenship Law, (Pyithu Hluttaw Law No 4 of 1982), English translation of the Burma citizenship Law, 3.
http://eudoitizenship.eu/NationalDB/docs/1982%20Myanmar%20Citizenship%20Law%20%5BENGLISH%5D.pdf
(Accessed December 6,2018)

> Most Rohingya who made up one out of every four inhabitants of Arakan were classified by the state as illegal foreigners.[1]

ترجمہ: بیشتر روہنگیا افراد ہر چار باشندوں میں سے ایک کو جنہیں اراکان ریاست نے غیر قانونی غیر ملکی کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

شمالی راکھائن ریاست میں ۱۹۹۰ء کے وسط سے روہنگیا برادری کو ہدف بنانے کے لیے مقامی احکامات جاری کیے گئے ہیں۔ایسے احکامات کے مطابق روہنگیا کے جوڑوں کو شادی کرنے کے لیے سرکاری اجازت کے لیے درخواست لازمی ہے۔ اور نئے شادی شدہ جوڑوں کو ایک اقرار نامے پر دستخط کرنا پڑے گا کہ ان کے پاس دو سے زائد بچے نہیں ہوں گے۔ اور Nasaka☆(سابقہ سرحدی سکیورٹی فورسز)ان احکامات کی عمل درآمد کی نگرانی کرے گی۔ کوئی بھی جوڑا رشتہ ازدواج میں بغیر سرکاری اجازت کے شریک ہوئے تو ان پر مقدمہ چلایا جائے گا،پانچ سال تک قید کی سزا سنائی جاسکتی ہے۔

> An estimate of 40,000 unregistered children was provided in 2008, possibly more today.[2]

ترجمہ: ۲۰۰۸ء میں غیر رجسٹرڈ بچوں کا ممکنہ اندازہ ۴۰،۰۰۰ سے زیادہ ہے۔ ممکنہ طور پر آج اس سے بھی زیادہ ہے۔

تیسرا یا چوتھا بچہ یا شادی سے قبل پیدا ہونے والا بچہ مشتبہ یا غیر رجسٹرڈ ہو گا۔ مشتبہ یعنی بلیک لسٹ کردہ بچے حکام کی طرف سے ایسے فہرست میں شامل ہوں گے جو ان کے نام کے بغیر ان کے خاندان کی فہرست میں شامل کیے جائیں گے۔ جولائی ۲۰۱۳ء میں Nasaka کی تحلیل کے بعد گاؤں کی انتظامیہ اب شادی کی اجازت جاری کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ جس نے اس عمل کو قدرے آسان بنادیا ہے۔ لیکن دو بچوں کی پالیسی عملی طور پر قابل عمل نہیں ہے، مگر اس مقامی مروجہ حکم کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جو حکامِ بالا کی طرف سے لاگو ہوا ہے۔

"آبادی کے کنٹرول ہیلتھ کیئر بل ۲۰۱۵ء میں نسلی اور مذہبی قانون سازپیکج کے تحت روہنگیا کو نشانہ بناتے ہوئے نئی پابندیاں لگائی ہیں کیونکہ حکام نے ملک میں بچے کی پیدائش کے بعد تین سال کا وقفہ ضروری کر دیا ہے۔"[3]

جنوری ۲۰۱۶ء سے Makapa☆ امیگریشن ٹیم جو غیر ملکی تارکین وطن سے ملک کو محفوظ رکھتے ہیں انہوں نے شمالی راکھائن ریاست میں روہنگیا خاندان کی فہرستوں کی تجدید کرنے کے لیے سالانہ آبادی کی جانچ پڑتال کر رہی

---

[1] Chan A, *The development of a Muslim enclave in Arakan (Rakhine) State of Burma*, (Burma: SOAS Bull Res, 2005), 396–420.

☆ Nasaka: "سرحدی امیگریشن ہیڈکوارٹر" ایک داخلی ایجنسی فورس کے طور پر بھی جانا جاتا ہے، ۱۹۹۲ء میں قائم ہوا ہے اور اس میں امیگریشن، پولیس، انٹیلی جنس اور کسٹم حکام شامل ہیں۔

[2] Lewa, Chris, *The Arakan Project*, (Bangkok: Thailand prss, 30 June 2016), 6.

[3] Amnesty International and International Commission of Jurists, Joint Statement, Myanmar: Parliament must reject discriminatory, race and religion, laws, 3 March 2015), 15.

☆ Makapa: اس کے بنانے کا مقصد خطے میں غیر قانونی تارکین وطن کو داخل ہونے روکنے کے لئے ہے۔

ہے۔ اور گھریلو فہرست میں نئے پیدا ہونے والے بچوں کو ڈالنے کے لیے ایک نئے طریقے کار کا اعلان کیا ہے۔ وہ طریقہ کار یہ ہے۔ کہ نئے بچوں کی پیدائش کے رجسٹریشن کے عمل کیلئے والدین کو عمل شروع کرنے اور Makapa تک رسائی کے لئے گاؤں کے منتظم (Village administrator) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور والدین کو پانچ صفحات پر مشتمل درخواست کا فارم جمع کرنا ہوگا۔ جس کے ساتھ ایک پیدائشی سرٹیفیکیٹ جو سرکاری صحت مرکز یا حکومتی مقرر کردہ دائی سے جاری ہوا ہو اور شادی کا اجازت نامہ اور ماں باپ دونوں کی گھریلو فہرست جمع کرنا لازمی ہے۔ اور یہ دستاویزات دو گواہوں (پڑوسیوں یا گاؤں کے بزرگوں) گاؤں کے منتظم اور مقامی پولیس یا سرحدی حفاظتی پولیس کے دستخط کردہ بیانات کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

درخواست کی دو کاپیاں مقامی Makapa اور مقامی پولیس کو پیش کی جاتی ہیں، اور پھر منظوری کے لیے کائی کنپن میں Makapa/BGP(Border Guard Police) ہیڈ کوارٹر کو بھیجی جاتی ہیں۔ اور پھر منظوری کے بعد درخواست مقامی Makapa کے پاس واپس آجاتی ہے۔ جو اس کے بعد اصل خاندان کی فہرست میں نئے پیدا ہونے والے بچے کو رجسٹرڈ کیا جاتا ہے۔[1]

بیشتر غریب خاندان، خاص طور پر دیہی علاقوں میں یہ غیر ضروری تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ جس میں متعلقہ اخراجات کے ساتھ رشوت بھی دی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے بچے غیر رجسٹرڈ رہتے ہیں۔ ۲۰۱۲ء تشدد کے چار سال بعد یعنی ۲۰۱۶ء میں حکومت نے ۲۰،۰۰۰ ،اروہنگیا کو سرکاری طور پر بے گھر کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ۲۰۱۲ء سے بے گھر روہنگیا کیلئے کوئی پیدائشی رجسٹریشن یا خاندان کی فہرست کی تجدید نہیں کی گئی۔

> The Rakhine Inquiry Commission roughly estimated that about 60,000 children were unregistered in Rakhine State in 2013.[2]

ترجمہ: ۲۰۱۳ء میں راکھائن ریاست کے راکھائن انکوئری کمیشن نے اندازہ لگایا ہے کہ ۶۰،۰۰۰ بچے غیر رجسٹرڈ ہیں۔

نومبر ۲۰۱۶ء میں اقوام متحدہ کے ایک اہلکار نے میانمار کی حکومت پر الزام لگایا کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے نسلی خاتمے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اس سے قبل انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے بھی اپریل ۲۰۱۳ء میں ایسا ہی الزام لگایا تھا۔ تاہم میانمار کی حکومت ان الزامات کو اب تک مسترد کرتی آئی ہے۔ حال ہی میں میانمار کی حکومت نے روہنگیا پر الزام عائد کیا کہ روہنگیا سالویشن آرمی ARSA نامی عسکری تنظیم نے پولیس چوکیوں پر حملہ کیا۔ جس کے جواب میں میانمار کی فوج نے راکھائن میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف سخت فوجی کارروائی کی، جس میں بہت سے مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوگئے ہیں۔

[1] Lewa, Chris, *The Arakan Project*, 9.

[2] Rakhine State Inquiry Commission Report of 2013, English translation dated 8 July 2013, *Rakhine State Action Plan*,(Draft summary in English dated 7 July 20140 , 67.

اس تشدد کے نتیجے میں ایک اندازے کے مطابق ۵۰،۰۰۰ سے زائد روہنگیا مسلمان وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے جبکہ کئی ہزار لوگ میانمار اور بنگلہ دیش کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ سینکڑوں افراد نے بھاگ کر بنگلہ دیش جانے کی کوشش کی لیکن بنگلہ دیش کی فوج نے اُنہیں یا تو گرفتار کر لیا یا پھر واپس میانمار میں دھکیل دیا۔

بین الاقوامی برادری نے روہنگیا برادری کو دنیا بھر میں تشدد اور ظلم و ستم کا شکار ہونے والی سب سے بڑی برادری قرار دیا ہے۔ حال ہی میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اینٹونیو گوٹیرس نے کہا ہے کہ "راکھائن میں فوج کی طرف سے کئے جانے والی پُرتشدد کارروائیوں پر اُنہیں شدید تشویش ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں روہنگیا میں مسلمانوں پر مظالم کے حوالے سے ٹھوس ثبوت ملے ہیں۔ اور جنوری ۲۰۱۷ء سے جون ۲۰۱۸ء کے درمیانی عرصے میں مزید ۱۱ گیارہ ہزار روہنگیا مسلمان پناہ گزین نقل مکانی کر کے بنگلہ دیش پہنچے ہیں۔ [1]

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم 'ہیومن رائٹس واچ' نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ میانمار کی فوج نے مغربی صوبہ راکھائن میں روہنگیا مسلمانوں کے ٦٢ گاؤں صفحہ ہستی سے مٹا دیے جن میں کم سے کم ۹۰۰ گھروں کو نذر آتش کیا گیا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم کی طرف سے سیٹلائیٹ سے حاصل کی گئی تصاویر کی مدد سے بتایا گیا کہ روہنگیا مسلمان اقلیتوں کے گھروں کو نذر آتش کرنے میں میانمار کی فوج اور اس کی حامی بدھ ملیشیا ملوث ہیں۔

انہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کے کم سے کم ٦٢ گاؤں نذر آتش کر دیے۔ رپورٹ کے مطابق ۲۵ اگست سے ۱۴ ستمبر تک روہنگیا مسلمانوں کے ۹۴۸ گھروں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی جس کے نتیجے میں نہ صرف گھر جل گئے بلکہ گھروں میں موجود کئی افراد بھی جل کر خاکستر ہو گئے۔ [2]

ایک اور رپورٹ کے مطابق میانمار کے شمال مغرب میں روہنگیا مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں گذشتہ ایک ہفتے کے دوران ۲٦۰۰ سے زیادہ مکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ [3]

اسلامی تعاون کی تنظیم 'او آئی سی' نے روہنگیا کی مسلمان اقلیت پر ڈھائے جانے والے ریاستی مظالم کی شدید مذمت کرتے ہوئے بنگلہ دیش سے اپیل کی ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دیں۔ جدہ میں 'او آئی سی' کے صدر دفتر سے جاری کردہ ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ برما کی فوج نے منظم انداز میں روہنگیا کے صوبہ راکھائن میں مسلمانوں کی بستیوں کو تباہ کرنا شروع کیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف ڈھائے جانے والے مظالم نے انسانیت کے سر جھکا

---

[1] https://urdu.palinfo.com/news/2018/8/23/روہنگیا-مسلمانوں-کے-خلاف-ظلم-وتشدد-کا-سلسلہ-بدستور-جاری-ہے-یو-این
(Accessed December 8,2018)

[2] https://urdu.palinfo.com/news/2017/9/16/برما-کی-فوج-نے-مسلمانوں-کے-62-گاؤں-صفحہ-ہستی-سے-مٹا-دیے
(Accessed December 8,2018)

[3] https://urdu.palinfo.com/news/2017/9/3/میانمر-روہنگیا-کے-علاقوں-میں-2-600-سے-زیادہ-مکانات-نذر-آتش/
(Accessed December 8,2018)

دیئے ہیں۔ برما کی فوج اور منظم بدھ پولیس کی معاونت سے مسلمانوں کی بستیوں کو تباہ کرنے کے ساتھ نہتے مسلمانوں کا بے رحمی کے ساتھ قتل عام کر رہے ہیں۔ میانمار کی فوج اور پولیس کے وحشیانہ مظالم کے باعث ہزاروں کی تعداد میں روہنگیا مسلمان نقل مکانی پر مجبور ہوئے ہیں۔ فوج اور پولیس نہتے مسلمانوں کے خلاف بھاری توپ خانے اور وحشیانہ طاقت کا استعمال کر رہی ہے جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں۔

اسلامی تنظیم نے بنگلہ دیش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ روہنگیا سے ہجرت پر مجبور ہو کر آنے والے مسلمانوں کو اپنے یہاں پناہ دیں۔ اور ان کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھیں۔[1]

برما شہریت میں روہنگیا کو شامل نہیں کیا گیا اور اسی وجہ سے روہنگیا کے بیشتر افراد اب تک شہریت سے محروم ہیں۔ تاہم اس ایکٹ کے تحت روہنگیا کے ایسے افراد کو شناختی کارڈ جاری ہونے کا حق دیا گیا جو کم از کم دو نسلوں سے برما میں آباد ہیں۔ یوں شروع میں ان کے بہت سے افراد کو شناختی کارڈ اور شہریت بھی دی گئی جس کی باعث روہنگیا کے متعدد افراد منتخب ہو کر پارلیمان میں بھی پہنچے۔ اور مختلف وزارتوں پر فائز ہو کر مختلف امور سر انجام دے چکے ہیں۔

افزائش نسل کا حق:

ہر معاشرے میں تمام انسانوں کو اپنی نسل بڑھانے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن برما میں روہنگیا برادری پر نسل بڑھانے پر پابندیاں عائد ہیں۔ اور نسل بڑھانے پر ان کو بہت سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑھ رہا ہے۔ اول تو شادی کے لئے بہت سے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے بعد بچوں کی افزائش پر بہت سی پابندیاں عائد ہیں۔ وہ دو بچوں سے زیادہ بچے پیدا نہیں کرسکتے۔ اور اگر پیدا کرتے ہیں تو ان پر جرمانہ ہو گا۔

> The authorities in Rakhine state then decided to introduce a two child limit for Rohingya families.[2]

ترجمہ: راکھائن ریاست کے حکام نے روہنگیا کے خاندانوں کے لئے دو بچے کی حد متعارف کرائی ہے۔

۲۰۱۳ء کے دوران مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے میانمار کے دو صوبوں میں دو سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی جبکہ ان کے خلاف قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ میانمار کے دو صوبوں میں مسلمانوں پر دو سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ میانمار کے مغربی ریاست راکھائن نے روہنگیا جوڑوں کے لئے دو بچوں کی حد رکھی ہے جو کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں یہ پابندی عائد نہیں ہے۔ اور یہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

---

[1] https://urdu.palinfo.com/news/2017/8/30/روہنگیا-مسلمانوں-پر-انسانیت-سوز-مظالم-پر-او-آئی-سی-کی-مذمت (Accessed December 8,2018)

[2] "Rakhine state Rohingya face two-child limit on family size", South China Post, May 2013 http://www.scmp.com/news/asia/article/1246107/rakhine-state-rohingya-face-two-child-limit-family-size (Accessed December 8,2018)

Human rights groups mentioned that the policy makes Myanmar the only country in the world to impose such a restriction on a religious group.[1]

ترجمہ: تمام انسانی حقوق کے گروہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس پالیسی سے برما دنیا کا واحد ملک بن جاتا ہے جہاں مذہبی گروہ پر اس طرح پابندی لگائی جاتی ہے۔

یہ نئی دو بچوں کی پالیسی انسانی حقوق کی ایک اور خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو یہ بنیادی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کی افزائش کی مناسب منصوبہ بندی کرے۔ اس طرح کی پابندی عالمی قوانین کے خلاف ہے۔

مناسب معیار زندگی کا حق:

اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق پر بین الاقوامی معاہدہ ۱۹۶۶ء کے آرٹیکل ۱۱ کے مطابق ہر شہری کو مناسب خوراک، کپڑے، رہائش اور زندگی کے حالات کی مسلسل بہتری میں شامل رہنے کے مناسب معیار کو یقینی بناتا ہے۔ اور ہر انسان کو بنیادی ضروریات تک رسائی ممکن بناتی ہے۔ لیکن ریاست اراکان میں روہنگیا برادری کی معیارِ زندگی انتہائی ناقص ہے۔ خصوصاً مریضوں کے لئے ڈاکٹروں کی دستیابی نہ ہونے کے برابر ہے۔

There are only three medical doctors for a population of 430,000 people in Maungdaw Township, and two per 280,000 people in Buthidaung Township.[2]

ترجمہ: منگڈاؤ ٹاؤن شپ میں ۴۳۰،۰۰۰ لوگوں کی آبادی کے لئے صرف تین طبی ڈاکٹر ہیں اور بوتھیڈونگ ٹاؤن شپ میں ۲۸۰،۰۰۰ افراد کے لئے صرف دو ڈاکٹر موجود ہیں۔

روہنگیا کی معیار زندگی انتہائی ناقص ہے۔ ان کے پاس نہ کھانے پینے کا مناسب مقدار میں سامان موجود ہے اور نہ ہی علاج معالجے کے لئے کو ڈاکٹر یا نرس وغیرہ کی سہولت موجود ہے۔ اور کیمپوں میں بھی وہ انتہائی غیر معیاری زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

حق تحریر و تقریر:

کسی بھی جمہوری ریاست میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ زبان یا قلم کے ذریعے سے اپنی بات آزادی کے ساتھ اپنی ریاست کے دوسرے افراد تک پہنچا سکے، جب ہر فرد کو اپنے خیالات اور اپنی رائے کے اظہار کی پوری پوری آزادی حاصل ہو تو صحیح رائے عامہ تشکیل پاتی ہے۔ اگر اظہارِ خیال پر پابندی لگا دی جائے تو افراد سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہر شخص کھلم کھلا اپنی رائے کا اظہار کر سکے اور اپنی تکلیف اور شکایات کو بے خوف ہو کر پیش کرنے کا حق رکھتا ہو، اور اس مقصد کے لئے وہ اسٹیج، پریس، اخبارات اور

[1] Human Rights Watch.1 January 1997.Burma: Children's Rights and the Rule of Law. http://www.refworld.org/docid/3ae6a7e80.html (Accessed December 8,2018)

[2] UN Human Rights Council, Progress report of the Special Rapporteur on the situation of human rights in Myanmar, Tomás Ojea Quintana, 10 March 2010, ref. A/HRC/13/48, Paragraph. 93 http://www2.ohchr.org/english/bodies/hrcouncil/docs/13session/A.HRC.13.48_en.pdf (Accessed December 8,2018)

میڈیا وغیرہ سے مدد لینے کا مجاز ہو تو ایسی صورت میں صحیح جمہوری فضا پیدا ہوتی ہے۔ تحریر و تقریر کا حق دراصل جمہوریت کی جان ہے اور اسے سلب کرنے کی اجازت کسی فرد یا افراد کے کسی گروہ کو نہیں دی جا سکتی۔ لیکن بد قسمتی سے برما میں روہنگیا سے یہ حق بھی چھینا گیا ہے۔ وہ حکومت کیا کسی کے بھی خلاف اپنی آواز بلند نہیں کر سکتے۔

حق اجتماع:

حق اجتماع سے مراد یہ ہے کہ افراد کو انجمن بنانے، سیاسی جماعت تشکیل دینے اور اجتماعی مقاصد کی خاطر گروہ بندی کرنے کی پوری آزادی ہے۔ حق اجتماع دیے بغیر حق تحریر و تقریر بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ اظہارِ خیال کی آزادی کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہم خیال لوگوں کا آپس میں متحد و مربوط ہونے اور اپنے مشترکہ مقاصد کی خاطر منظم جدوجہد کیلئے گروہ بندی کرنے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے کسی جمہوری ریاست میں اس حق سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کے تمام سماجی، ثقافتی تنظیمیں یعنی یونائٹڈ روہنگیا ارگنائزیشن ۱۹۵۶ء میں بنی، روہنگیا سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن ۱۹۵۵ء میں بنی، روہنگیا یوتھ ارگنائزیشن، رنگون یونیورسٹی روہنگیا سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن، روہنگیا جمعیت العلماء، اراکانی مسلم ایسوسی ایشن اور اراکانی مسلم یوتھ ارگنائزیشن ان تمام تنظیموں پر ۱۹۶۴ء میں پابندی لگادی گئی۔ [1]

اور اس طرح سے روہنگیا مسلمانوں کی تنظیموں پر پابندی لگا کر ان کے حق اجتماع کو سلب کیا گیا۔ حالانکہ کسی بھی ملک میں تمام افراد کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم خیال لوگوں اور اپنی برادری کی بہتری کے لئے تنظیم بنائے۔

حق زبان و ثقافت:

ہر شخص کو اپنی زبان اور ثقافت کی ترقی اور حفاظت کے لیے مناسب اقدامات کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ حق خصوصی طور پر ان ریاستوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے جہاں پر اکثریت کے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب و عقیدہ پر ایمان رکھنے والی اقلیتیں بھی بستی ہوں۔ ایسی صورت میں اکثریت کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اقلیت اپنی تہذیب و ثقافت کو چھوڑ کر اس کی تہذیب میں گم ہو جائیں۔ جو بد قسمتی سے آج کل برما کے مسلمانوں کو ایسے ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جو جمہوری اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔

[1] Htut, Zaw Min, *Human Rights Abuses And Discrimination On Rohingyas*, (Chittagong: The ad Communication 385, Sirajudowllah road Anderilla, 2007), 61.

۱۹۶۲ء میں جنرل نیون کے دور کا آغاز ہوا جو مسلمانوں کے ابتلاء و آزمائش کے ایک نئے عہد کا آغاز تھا۔ فوج سے مسلمانوں کو مکمل طور پر نکال باہر کیا گیا۔ انہیں جانوروں کا قاتل قرار دیا گیا اور معاشرے میں ان کے لئے "کالا" کا لفظ بول کر ان کی معاشرتی تذلیل اور تحقیر کی جانے لگی اور مسلمانوں کے لئے اپنی شریعت پر چلنا بھی دشوار تر کر دیا گیا۔[1]

۱۹۶۴ء میں انقلابی کونسل خصوصی مایو فرنٹیئر ایڈمنسٹریشن کو ختم کر کے علاقے کو دوبارہ ضلع اکیاب کے اندر شامل کر لیا۔ اور برما براڈ کاسٹنگ سروسز سے روہنگیا زبان کا پروگرام نشر کیا جاتا تھا۔ جس کو اکتوبر ۱۹۶۵ء میں رنگون سے منسوخ کر دیا۔[2]

اگرچہ ہر انسان کا یہ بنیادی معاشرتی حق ہے کہ وہ زبان و ثقافت کی حفاظت کیلئے اقدامات کر سکے اور حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے اس حق کا تحفظ کرے اور ان کی زبان و ثقافت کی ترقی کے لیے پوری آسانیاں بہم پہنچائے۔ لیکن برما میں مسلمان اقلیت سے بزور بازو یہ حق چھینا گیا۔

حق تعلیم:

دنیا کے ہر دستور میں تعلیم کو عام طور پر انسانی حقوق کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ کسی کو کوئی خاص قسم کی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ شہریوں کی تعلیم و تربیت ایک اجتماعی فرض ہے اور ریاست کو مفت بنیادی تعلیم کا بندوبست کرنا چاہیے۔ جدید جمہوری نظام جاہل عوام کے ذریعے نہیں چلایا جا سکتا۔ اس کے لئے شہریوں کا تعلیم یافتہ اور باشعور ہونا لازمی ہے۔ اس لیے تعلیم حاصل کرنا شہریوں کا ایک ایسا حق ہے جس کے حصول کے لیے حکومت کو مناسب انتظامات کرنے چاہئیں۔ روہنگیا باشندوں کا یہ حق بھی ان کو حاصل نہیں ہے۔

> The illiteracy rate of the Rohingya is estimated at 80%, with a higher percentage among women. More than 60% of children aged between 5 and 17 have never enrolled in school. We have not had access to recent education statistics but, according to official government figures for 2005, only 124,600 pupils or 36% of school-age children were then enrolled in Northern Rakhine State. Enrolment does not mean attendance: dropout rates are very high and attendance irregular. Consequently, few students pass primary school level and even less reach high school and complete basic education.[3]

ترجمہ: روہنگیا باشندوں کی شرح ناخواندگی تقریباً ۸۰ فیصد ہے، جس میں عورتوں کا تناسب زیادہ ہے۔ ۵ سے ۱۷ سال کے درمیانی عمر کے ۶۰ فیصد سے زائد بچوں نے کبھی سکول میں داخلہ نہیں لیا ہے۔ ہمارے پاس حالیہ تعلیمی اعداد و شمار

---

[1] ساجد، محمد، اراکانی مسلمانوں کا قتل، تحقیقات اسلامی، جلد ۲، شمارہ ۹، (ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص ۳۸-۴۰

[2] *Human Rights Abuses And Discrimination On Rohingyas*, 62.

[3] Lewa, Chris, *The Arakan Project*, 11.

تک رسائی نہیں تھی، لیکن ۲۰۰۵ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، شمالی راکھائن ریاست میں صرف ۲۴،۶۰۰ طلباء یا ۳۶فیصد سکول کی عمر کے بچوں کا اندراج ہوا ہے۔ اندراج کا مطلب حاضری نہیں ہے۔ سکول چھوڑنے کی شرح زیادہ اور حاضری بے ترتیب ہے۔ اس کے نتیجے میں کچھ طلبا پرائمری سکول کی سطح تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ کہ ہائی سکول تک کم ہی پہنچتے ہیں اور بنیادی تعلیم مکمل نہیں کرتے ہیں۔

کم حاضری اور سکول چھوڑنے کا بنیادی سبب خاندانی غربت ہوتا ہے، کیونکہ بچوں کو خاندان کے آمدنی میں شراکت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ غریب خاندان اپنی آمدنی کا ۷۰ فیصد حصہ اپنے گھریلو اخراجات میں صرف کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تعلیمی اخراجات کا بوجھ نہیں اٹھاسکتے۔ سکولوں کی عمارات اور سامان کی کمی، ناقص تعلیمی معیاراور دور دراز علاقوں میں اسکولوں تک لمبے فاصلے بھی مستقل رکاوٹیں ہیں۔

> In 2014, only about 150 Rohingya students successfully passed high school matriculation in Maungdaw and Buthidaung Townships (out of a total population of more than 750,000).[1]

ترجمہ: ۲۰۱۴ میں صرف ۱۵۰ روہنگیا طالب علموں نے منگڈو اور بوتھیڈونگ ٹاؤن شپس میں میٹرک پاس کیا۔(جن کی کل آبادی ۷۵۰،۰۰۰ ہے۔)

اس کے علاوہ روہنگیا طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرسکتے۔ کیونکہ مسلمان طالبعلموں کو نہ صرف سیٹوے یونیورسٹی بلکہ ملک بھر میں کسی بھی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی اجازت نہیں ہے۔ دیہات میں زیادہ تر صرف پرائمری سکول ہیں، مڈل اور ہائی سکول بہت کم ہیں۔ اور سفری اجازت نامہ اور مناسب رہائش نہ ہونا، اور بچوں کی جبری مشقت بھی بچوں کو سکول میں داخل ہونے کے لئے رکاوٹ ہیں۔

حق کاروبار اور معاشی تحفظ کا حق:

افراد کا یہ معاشی اور معاشرتی حق ہے کہ وہ روزی کمانے کے لئے تگ و دو کرسکیں اور جو پیشہ چاہیں اختیار کرسکتے ہیں۔ ریاست کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ شہریوں کے لیے مناسب روزگار بہم پہنچانے کے لیے ضروری اقدامات کرے اور انہیں روزی کمانے کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کر کے دیں۔ البتہ ریاست معاشی سرگرمیوں پر اس حد تک پابندیاں عائد کرسکتی ہے جو متوازن معیشت کے لئے ناگزیر ہوں اور جن کے بغیر معاشرے کا مجموعی معاشی یا معاشرتی مفاد محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔ معاشی تحفظ بھی بنیادی حقوق میں شامل ہے ہر شہری کا یہ حق ہے کہ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اسے روزگار کے مواقع میسر ہو اور بہ وجوہ کسبِ معاش سے معذوری کی بناپر معاشرہ اس کا کفیل بنے۔ معاشی استحصال سے تحفظ بھی انسان کا حق ہے۔ کسی شخص سے بیگار نہیں لیا جائے گا۔ ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق اجرت دی جائے گی۔

[1] Lewa, Chris, *The Arakan Project*,14.

نقل و حرکت پر سخت پابندیوں کے نتیجے کے طور پر چاہے شمالی راکھائن ہو یا آئی ڈی پیز کیمپ بے گھر روہنگیا روز گار، خوراک، صحت کی دیکھ بھال اور تعلیم تک رسائی حاصل کرنے میں بہت سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ۲۰۱۲ء کے فرقہ وارانہ تنازعہ کے بعد حالات بہت خراب ہیں۔ پابندیوں اور نسلی امتیاز میں روہنگیا آئی ڈی پیز کو بین الاقوامی امداد پر منحصر کیا ہے۔ ایک خاندان کو سہارا دینے کے لئے کیمپ کے اندر دستیاب متبادل آمدنی بہت کم ہیں۔

"ورلڈ فوڈ پروگرام کی طرف سے فراہم کردہ راشن (خوراک) میں صرف چاول، دالیں، پکانے کا تیل اور نمک ہوتا ہے۔ اور یہ انفرادی طور پر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ بعض آئی ڈی پیز سرکاری تقسیم کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ تاہم اکثر خاندان دیگر ضروری چیزوں کو خریدنے کے لئے اپنے کھانے پینے کی کچھ اشیاء فروخت کرتے ہیں۔"[1]

برما میں روہنگیا پناہ گزین بچوں کے لئے خوراک کی کمی کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ خوراک کی کمی کا خطرہ انسانی حقوق کی امتیازی پالیسیوں اور خلاف ورزیوں کا نتیجہ ہے۔

As a result 60% of Rohingya children are suffering from chronic malnutrition in Myanmar.[2]

ترجمہ: نتیجے کے طور پر برما میں روہنگیا کے بچوں میں ۶۰ فیصد شدید دائمی غذائیت کی کمی کا شکار ہیں۔

برما میں روہنگیا کا سمندری راستے سے معیشت کے وسائل حاصل کرنے کی کمی نہیں ہے۔ لیکن مقامی احکامات سے پابندیوں کے لاگو ہونے پر ملازمتوں کے کم مواقع اور غربت سے حالات مزید سنگین ہو رہے ہیں۔ شمالی راکھائن ریاست میں ماہی گیری پر، آگ کی لکڑی اور دیگر جنگلی وسائل حاصل کرنے پر سرکاری پابندی عائد ہے۔ نقل و حرکت پر رکاوٹوں کے ساتھ غیر قانونی ٹیکس پہلے ہی سے غریب برادری پر مؤثر اقتصادی طور پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اور خواتین کو کسی بھی طرح کا کاروبار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ روز گار تک رسائی سے روکنے اور ان کے اثاثوں پر قبضہ کرنے سے روہنگیا کو اپنے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

Women are not allowed to participate in any income generation activities. Male adults earn the basic needs for the family.[3]

ترجمہ: خواتین کو کسی بھی ذرائع آمدن میں حصہ لینے کی اجازت نہیں۔ اور بالغ بچے خاندان کے لئے بنیادی ضرویات پورا کرتے ہیں۔

شمالی راکھائن ریاست میں بچوں کو جبری مشقت کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ بالغ بچے خاندان کے لئے بنیادی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بچوں کو جبری مشقت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔

---

[1] Lewa, Chris, *The Arakan Project,* 12.

[2] Chris Lewa, Forum-asia: "*Issues to be raised concerning the Situation of Rohingya Children in Myanmar (Burma)*", (Bangkok: Asian Forum for Human Rights and Development (FORUM-ASIA), November 2003), 5.

[3] *Issues to be raised concerning the Situation of Rohingya Children in Myanmar (Burma),*6.

حق آزادئ نقل و حرکت:

جمہوری ریاستوں میں حکومت شہریوں کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتی۔ وہ ملک کے اندر جہاں چاہیں آجاسکتے ہیں۔ مزید یہ کہ کسی شخص کو بغیر جرم ثابت کیے قید نہیں کیا جاسکتا۔ قید، نقل و حرکت پر پابندی کا نام ہے اور ریاست بغیر کسی معقول وجہ کے لیے اقدام کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ کسی شخص کو اس کے گھر اور وطن سے ناحق بے دخل کرنا بنیادی حقوق کے خلاف اقدام ہے۔ ہر انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اس کی نجی زندگی محفوظ ہو۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی کے وسط سے روہنگیا باشندوں کی نقل و حرکت کو محدود کرنے کے لئے مقامی احکامات جاری کئے گئے۔ جن کی غیر تعمیل پر جرمانہ عائد ہوتا تھا۔ یہ احکامات شمالی راکھائن ریاست میں سختی سے عائد کیے گئے تھے۔ جو ۲۰۱۲ء کے تشدد کے بعد نقل و حرکت کے پابندیوں کو مرکزی راکھائن تک بڑھادیا گیا۔

> During the UN's July, 2014, visit to Rakhine State, it "found the situation deplorable" for the Rohingya population who experience severe legal restrictions, including a ban from travelling or working outside their village without previous authorization. (This requires prohibitive fees of up to US$1167).[1]

ترجمہ: اقوام متحدہ کے جولائی، ۲۰۱۴ء کے دوران، راکھائن ریاست کے دورے پر، روہنگیا آبادی کے لئے "صورتحال خراب ہوگئی" جو سخت قانونی پابندیوں کا سامنا کرتے ہیں، بشمول سفر کی پابندی یا اپنے گاؤں سے باہر کام کرنے کے لئے بغیر سابقہ اجازت کا سفر بھی شامل ہیں۔ (جو امریکی ڈالر ۱۱۶۷ تک ممنوع فیس کی ضرورت ہوتی ہے)۔

معیشت کے مواقع، صحت کی سہولیات اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کو محدود کرنے کے لئے ان کی نقل و حرکت کو قابو کرنا روہنگیا کے لیے تباہ کن ہیں۔ اور یہ رشتہ داروں اور دوستوں اور قیدیوں کے رشتہ داروں کے ملاقاتوں کو محدود کرتا ہے۔ روہنگیا کے لیے سفر کی اجازت Travelling authorities سے اجازت لینی پڑتی ہے۔

> The Rohingyas are virtually confined to their village tracts. They must apply for a travel pass even to visit a neighboring village, and travel is strictly restricted within Northern Rakhine State.[2]

ترجمہ: روہنگیا عملی طور پر اپنے گاؤں کے علاقوں تک محدود ہیں۔ ان کے لئے ایک پڑوسی گاؤں میں سفر کے لئے ایک سفری پاس کی درخواست دینا لازمی ہے۔ اور شمالی راکھائن ریاست کے اندر سفر کرنا انتہائی دشوار ہے۔

ایک ہی قصبے کے دیہات میں سفر کرنے کے لئے روانگی اجازت نامہ اور قصبات کے درمیان سفر کرنے کے لئے فارم ۴☆ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سابقہ Temporary registration card (TRC) کے مالک ابھی تک سفید

---

[1] Burma: Foreigners Act, 1864. 12 February 1864, https://www.refworld.org/docid/3ae6b54c4.html (Accessed December 17, 2018).

[2] Lewa, Chris, *The Arakan Project*, 8.

☆ فارم ۴: وہ فارم جس کی مدد سے روہنگیا قصبات کے درمیان سفر کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایک اجازت نامہ ہوتا ہے۔

کارڈ کے بدلے میں رسید اور سفری اجازت کے لیے درخواست دینے کے قابل ہیں۔ جس میں غیر رجسٹرڈ بچے سفر نہیں کرسکتے ہیں۔ اور روہنگیا ماؤں کو اپنے بچے اپنے رشتہ داروں یا اپنے پڑوسیوں کے پاس چھوڑنے پڑتے ہیں۔

شمالی راکھائن ریاست میں نقل و حرکت پر پابندی:

شمالی راکھائن ریاست میں فارم ۴ کے ساتھ سفر کی اجازت صرف ریاست کے اندر شہروں تک محدود ہے۔ گاؤں سے روانگی سرٹیفیکیٹ (اجازت نامہ) دیہات کے درمیان سفر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اگرچہ یہ ہر جگہ مستعمل نہیں۔ اگر روہنگیا کسی دوسرے گاؤں میں رات گزارنے کے لئے رہتا ہے تو میزبان کو مہمانوں کے ساتھ حکام (پولیس) کو اطلاع کرنی پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ، ۲۰۱۲ء تشدد کے بعد سے نئے چیک پوسٹوں کی تشکیل نے خود ساختہ محصول، جرمانوں اور گرفتاریوں میں اضافہ کیا ہے۔ جون ۲۰۱۲ء میں منگڈو اور بوتھیڈونگ ٹاون شپس میں لگائے جانے والا کرفیو رات گیارہ سے صبح چار بجے تک ہر دو ماہ تک بڑھایا جاتا ہے۔ اور یہ دیگر برادری کے علاوہ صرف روہنگیا پر ہی لاگو ہوتا ہے۔ کرفیو میں ماہی گیری کرنے، اپنے کھیتوں پر جانے یا رات کے وقت فوری علاج کرنے سے روکتا ہے۔

> Rohingya face severe obstacles to reaching health-care facilities, even for emergencies.[1]

ترجمہ: روہنگیا، ہنگامی حالات میں صحت کی دیکھ بھال کی سہولیات تک پہنچنے کے لئے سخت مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

روڈ چیک پوسٹ پر ہراساں کرنا، خاص طور پر خواتین کو اور کرفیو قواعد و ضوابط نے رہنگیا برادری کے لیے نقل و حرکت کی آزادی کو محدود کر دیا ہے۔ روہنگیا خواتین اپنے غیر رجسٹرڈ بچوں کے لئے سفر کی اجازت حاصل نہیں کر سکتی ہے۔ اور اس طرح سفر کرنے میں بہت سے مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

مرکزی راکھائن ریاست میں نقل و حرکت کی پابندی اور نقل مکانی:

مرکزی راکھائن کے متاثرہ علاقوں میں ۱،۲۰،۰۰۰ سے زائد روہنگیا اور کمان کو الگ الگ خیموں میں سختی سے محدود کر دیا گیا ہے۔ معیشت اور بنیادی خدمات کے وسائل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور انہیں بین الاقوامی امداد پر منحصر کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو بے گھر نہیں ہیں اور اب بھی اپنے گاؤں میں رہائش پذیر ہیں، آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ ظاہری طور پر سیکیورٹی کے معاملات کے لئے جو حکام کی طرف سے ہدایات ہیں وہ چیک پوسٹ پر ہراساں کرنا، راکھائن آبادی کو دھمکیاں دینا، اور ان پر حملے کرنے کے ہیں۔

---

[1] Medicines Sans Frontiers, The ongoing humanitarian emergency in Myanmar's Rakhine State. Feb 6, 2013, Amsterdam:
https://www.msf.org/myanmar-humanitarian-emergency-rakhine-state (Accessed December 17, 2018)

> Both the UN and the US Congress have noted that legal restrictions on freedom of movement for the Rohingya people severely affect basic rights to access livelihoods, food, water, sanitation, and education.[1]

ترجمہ: اقوام متحدہ اور امریکی کانگریس دونوں نے بیان کیا ہے کہ روہنگیا کے لوگوں کے لئے تحریک کی آزادی پر قانونی پابندیاں معیشت، خوراک، پانی، حفظان صحت، اور تعلیم کے حصول کے لئے بنیادی حقوق کو متاثر کرتی ہیں۔

۲۰۱۵ء میں ۲۵،۰۰۰ داخلی بے گھر روہنگیا (IDPs) کو حکومت نے منتقل کر دیا۔ اور وہ بھی نقل و حرکت کی اس طرح پابندیوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ گذشتہ چار سالوں کے دوران چار ہزار آونگ منگلہ کے رہائشی جو کہ سیٹوے ٹاؤن کا ایک اقلیتی محلہ ہے نے سیٹوے کے (IDPs) کیمپوں میں مارکیٹ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک پولیس محافظ کو مقرر کیا تھا۔ اور سیٹوے ٹاؤن کو مسلم فری علاقہ سمجھا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کو جانے سے روکا جاتا ہے۔

۱۹اپریل ۲۰۱۶ء کو خراب موسم کی وجہ سے ایک کشتی الٹ گئی جس میں خواتین اور بچوں سمیت کم از کم ۲۱افراد ڈوب گئے۔ یہ نقل و حرکت کی پابندیوں کے خطرناک نتائج کی وضاحت کرتی ہے۔ کشتی میں (IDPs) جارہے تھے۔ اور وہ اجازت کے ساتھ پاؤکتو سے سیٹوے کیمپ کے لیے بنیادی ضروری سامان خریدنے کے لیے سمندر کے راستے جارہے تھے۔ روہنگیا کو راکھائن ریاست سے باہر سفر کرنے کا کوئی قانونی اختیار نہیں ہے۔

صرف روہنگیا اور کمان ہی نسلی امتیاز کا شکار ہیں۔ راکھائی اور دیگر غیر مسلم رہائشیوں کو (IDPs) کیمپوں میں اجازت دی ہے جہاں وہ کچھ اقتصادی سرگرمیوں (کاموں) میں شامل ہیں۔ ینگون کا سفر کبھی کبھی ہنگامی طبی علاج کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ راکھائن ریاست سے باہر سفر کے لیے ۴۵ دن کی خصوصی اجازت ملتی ہے۔ یہ اجازت مہنگی ہونے کے ساتھ ساتھ دو گواہوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جو یہ یقین دہانی کرائے کے یہ مسافر واپس آئے گا۔ اور ان گواہوں کو ضمانت کے طور پر دفتر میں پیش ہونا پڑتا ہے۔ اور ان کی گواہی کے بعد ہی اس شخص کو اجازت ملتی ہے۔

غیر قانونی اسفار پر جرمانے اور مقدمے:

غیر قانونی سفر پر برما کے رہائشی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۴۹ء کے تحت دو سال قید یا دفعہ ۱۳(۱) برما امیگریشن (صوبوں میں ایمرجنسی) ایکٹ ۱۹۴۷ء اور اس کے ۱۹۹۰ء میں ترمیم کے تحت مجرمانہ گرفتاری، قید اور مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ جس میں کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ پانچ سال تک قید ہو سکتی ہے۔

---

[1] McGovern J. H. RES. 418, urging the Government of Burma to end the persecution of the Rohingya people and respect internationally recognized human rights for all ethnic and religious minority groups within Burma. https://foreignaffairs.house.gov/legislation/h-res-418-urging-the-government-of-burma-to-end-thepersecution-of-the-rohingya-people-and-respect-internationallyrecognized-human-rights-for-all-ethnic-and-religious-minoritygroups-within-burma/ (Accessed December 20,2018).

Although the Immigration Act applies to unauthorized travel outside Myanmar, a number of Rohingya were sentenced for violating the Immigration Act for travelling without permission within Myanmar.[1]

ترجمہ: اگرچہ امیگریشن ایکٹ برما سے باہر غیر قانونی سفر پر لاگو ہوتا ہے۔ لیکن برما کے اندر اجازت کے بغیر سفر کے لئے امیگریشن ایکٹ کے تحت ہی بہت سارے روہنگیا کو سزائیں سنائی گئی ہیں۔

شمالی راکھائن ریاست میں اس طرح کے فیصلے پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ بنگلہ دیشی ملزم غیر قانونی طور پر تھا۔ یکم ستمبر ۲۰۱۳ کو بوتھیڈونگ ٹاؤنشپ سے دو خواتین کو ۶ ماہ کی جیل کی سزا ہوئی۔ انھوں نے سفری اجازت نامہ فارم ۴ حاصل نہیں کیا تھا۔ اور ۲۱ اگست کو یوٹ ناؤٹاؤگ گاؤں (ywet nyoe taung) خطہ شمالی منگڈو میں گرفتار کیا گیا تھا۔ سفری اجازت بھی بھتہ خوری کے حربے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ۲۵ جنوری ۲۰۱۵ء کو ایک خاتون اور اس کا بیٹا الیل تھنکاؤ☆ (Alel Than Kyaw) پر غیر قانونی طور سے بنگلہ دیش جارہے تھے کو انٹی ٹریفکنگ پولیس نے پکڑا۔ اگرچہ ان کے پاس سرکاری اجازت نامہ موجود تھا۔ پولیس ان دستاویزات کو ضبط کر لیا اور ان پر یہ الزام لگانے کی دھمکی دی۔ کہ جب تک وہ ۸ لاکھ کیات (۸۰۰ امریکی ڈالر) ادا نہیں کرتے ان کو چھوڑا نہیں جائے گا۔[2]

اسی طرح روہنگیا خواتین کو گرفتاری کی دھمکیاں دیں گئیں۔ کہ ان کے شوہروں نے حکام کو خبر کیے بغیر کشتی کے ذریعے ملک چھوڑ دیا۔ ۱۹ نومبر ۲۰۱۴ء کو یوڈونگ گاؤں* جنوبی منگڈو کے چار خواتین کو انہیں وجوہات پر طلب کیا گیا اور ۴،۵۰،۰۰۰ کیات دینے پر حراست سے بچنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ برمی فورسز اس طرح روہنگیا مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے لوٹتے ہیں۔ اور ہر طرح سے ہراساں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان مشکل حالات میں روہنگیا باشندے ان مظالم کو سہتے ہیں۔

حق مساوات:

سماجی اور معاشرتی لحاظ سے ہر شخص مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے پیشے، خاندان یا ذات برادری کو اس کی مساوی سماجی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ نیز قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں اور اس لحاظ سے امیر و غریب یا حاکم و محکوم میں کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہئے۔ ان دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے مساوات کا برقرار رکھنا حق مساوات کا منشا ہے۔ تمام جمہوری ملکوں میں مندرجہ بالا معاشرتی حقوق تمام شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کا تحفظ ریاست کے ذمہ ہوتا ہے۔ مساوات زمانہ جنگ یا اسی قسم کے دوسرے ہنگامی حالات میں ریاست ان کے حقوق میں کوئی کمی

[1] Lewa, Chris, *The Arakan Project,* 11.
[2] Ibid.

☆ الیل تھنکاؤ: منگڈو ٹاؤن شپ کا ایک سرحدی گاؤں ہے۔

* یوڈونگ جنوبی منگڈاؤ کے ایک گاؤں کا نام ہے۔

بیشی نہیں کر سکتی۔ لیکن برما میں حالت امن ہو یا جنگ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ مجرمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اور اس قسم کے سلوک کے لئے سرکاری طور پر ہدایات ملتی ہیں۔

> Law enforcing agencies and judges were clearly instructed to harass the Muslims and deny justice.[1]

ترجمہ: قانون نافذ کرنے والے ایجنسیوں اور ججوں نے واضح طور پر مسلمانوں کو ہراساں کرنے اور انصاف نہ دینے کی ہدایت کی ہے۔

جب طاقت کا غلط استعمال اپنے عروج پر تھا تو ممتاز مسلمانوں کو رات کی تاریکی میں بغیر وارنٹ کے گرفتار کرتے، انہیں شدید تنقید کا نشانہ بناتے اور ایک خطیر رقم کے عوض دن میں چھوڑا جاتا تھا۔ قانون کے سامنے تمام انسان مساوی ہیں کسی کو کوئی ترجیح یا استثنائی مقام حاصل نہیں۔ قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں اور سب کے لیے ایک ہی قانون ہے۔ ہر قسم کے ظلم سے تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے۔ ظلم سے تحفظ کے ساتھ ساتھ ظلم اور ظالم کے خلاف صدا بلند کرنا بھی انسان کا حق ہے کسی شخص کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و زیادتی کے خلاف عدالت تک رسائی حاصل کرے اور انصاف کا طلبگار ہو۔ لہٰذا ہر انسان کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ برتاؤ ہو گا۔ ہر انسان صرف اپنے فعل کا ہی ذمہ دار ہو گا کسی دوسرے کے جرم کی سزا اسے نہیں دی جائے گی۔ اس کے برعکس برما میں روہنگیا مسلمانوں کو کوئی بھی حق عام شہریوں کی طرح نہیں ملتا۔ اور روہنگیا کو بلاوجہ گرفتار کر کے ان کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اور ان سے بھاری جرمانے لئے جاتے ہیں۔

آزادئ مذہب:

اس حق کی رو سے ہر شخص کو اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے اور عقائد رکھنے کی آزادی عطا ہوتی ہے۔ وہ اپنے اعتقادات کے مطابق عبادت کر سکتا ہے اور مختلف مذہبی رسومات ادا کرنے میں آزاد ہے۔ جدید دور میں یہ رجحان ہے کہ ایک خاص حد تک تمام مذاہب سے رواداری برتی جائے۔ لیکن کسی ایسی مذہبی سرگرمی کی اجازت نہیں دی جا سکتی جو ریاست کے مقاصد کے خلاف ہو یا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی دل آزاری کے لیے سرانجام دی جائے۔ لیکن برما میں روہنگیا برادری کو مذہب کی آزدی بالکل بھی حاصل نہیں ہے۔ ان کے مساجد، مکتب و مدرسے کو تالے لگا دیئے گئے ہیں۔ آزادی کے بعد حکومت نے زمینیں سرکاری تحویل میں لینے کی آڑ میں سینکڑوں دینی مدارس اور مساجد کی وقف زمینیں ضبط کر لیں جن میں منگڈو جامع مسجد کی بہت بڑی زمین بھی شامل ہے۔ اس کے نتیجے میں اکثر مسجدیں ویران اور مدارس بند ہو گئے۔ جنوبی منگڈاؤ میں جامعہ اشرف العلوم کے نام سے ایک بڑا دینی ادارہ تھا

[1] *Human Rights Abuses And Discrimination On Rohingyas,* 63.

جس سے فارغ التحصیل ہونے والے ہزاروں حفاظ و علماء اور مبلغین دینی خدمات میں مصروف تھے، اسے نذر آتش کر دیا گیا اور جامعہ کی بلڈنگ کے ساتھ کروڑوں روپے کی مالیت کا عظیم الشان کتب خانہ بھی جل کر راکھ ہو گیا۔

Human Rights Watch has reported that authorities and Arakanese destroyed mosques and religious schools in other parts of the state, including at least six mosques and six Islamic schools in Minbya Township.[1]

ترجمہ: ہیومن رائٹس واچ تنظیم نے رپورٹ کی ہے کہ حکام اور اراکانی (بدھوں) نے ریاست کے دوسرے حصوں میں مسجدوں اور مذہبی اسکولوں کو تباہ کر دیا، کم سے کم چھ مساجد اور منبیہ ٹاؤن شپ میں چھ مدارس مسمار کر دیے ہیں۔

۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو بدھوں کا ایک بہت بڑا گروہ مسلمانوں کے خلاف نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھا اور مسلمانوں کی مسجد کو آگ لگا دی، مقدس کتب کو جمع کر کے جلایا گیا۔ پھر مسلمانوں کی املاک اور دکانوں میں لوٹ مار کی گئی۔

۱۵ مئی ۲۰۰۱ء کو ایک بار پھر بدھوں نے مسلمانوں کی ۱۱ مسجدیں مسمار کیں۔ چار سو سے زائد گھروں کو آگ لگا دی اور دو سو افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا، جن میں سے بیس افراد وہ تھے جو مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے۔ بدھوں کا مطالبہ تھا کہ مسلمانوں کی مساجد کو مسمار کر دیا جائے جسے حکومت نے تمام بین الاقوامی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مان لیا اور متعدد مساجد زمین بوس کر دی گئیں اور بعض کو مقفل کر دیا گیا۔

"مسلمان اپنے گھروں میں عبادت کے لئے مجبور کیے گئے اور بعض نے ہجرت کر لی۔ اب تک لاکھوں برمی مسلمان ہجرت کر کے بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ کی سرحدوں پر خیموں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔"[2]

"برما میں مسلمان اقلیت کے خلاف بدھ اکثریت اور حکومت کے مظالم جاری ہیں۔ اطلاعات کے مطابق مقامی حکومت نے ملک کے مشرقی علاقے ینگون میں واقع مسلمانوں کی ایک جامع مسجد اور اس سے ملحقہ دینی مدرسے کو بند کر دیا گیا ہے۔"[3]

برما میں نہ صرف مساجد کو بند کیا گیا بلکہ ۲۰۱۲ء میں عین عید الاضحی کے موقع پر جانوروں کو ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی جس کے نتیجہ میں عید کے روز ہونے والے فساد میں ۵۰ مسلمان جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ میانمار کی

---

[1] Human Rights Watch, 2013, All You Can Do is Pray: Crimes Against Humanity and Ethnic Cleansing of Rohingya Muslims in Burma's Arakan State, 165. http://www.hrw.org/sites/default/files/reports/burma0413webwcover_0.pdf. (Accessed Decmber 23,2018)

[2] ساجد، ڈاکٹر محمد، اراکانی مسلمانوں کا قتل، ص ۳۸-۴۰

[3] https://urdu.palinfo.com/news/2017/8/5/میانمار-میں-مسلمانوں-پر-مظالم-جاری،-مسجد-اور-دینی-درسگاہ-بند
(Accessed December 23,2018)

حکومت اور اس کا موقف کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میانمار کے صدر نے تو جولائی ۲۰۱۲ء میں میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ:

اس سارے مسئلے کا حل صرف یہی ہے کہ یا تو مسلمانوں کو ملک بدر کیا جائے یا پھر انہیں مہاجر کیمپوں میں منتقل کیا جائے۔[1]

اس طرح سے روہنگیا مسلمانوں کو ان کے مساجد اور دینی اداروں سے دور کیا جارہا ہے۔ اور مختلف طریقوں سے ان پر مذہب کے نام پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ اور نقل مکانی پر مجبور کیا جارہا ہے۔

سیاسی حقوق:

جس طرح معاشرتی حقوق شہریوں کی متمدن معاشرتی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں، اسی طرح ان کے سیاسی حقوق ان کی ترقی پذیر سیاسی زندگی اور جمہوریت کی بقا کے لئے لازمی ہیں۔ معاشرتی حقوق غیر ملکیوں کو بھی حاصل ہو سکتے ہیں، مگر سیاسی حقوق صرف شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں غیر ملکی ان سے محروم ہوتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں برما مسلم کانگریس(BMC) بنی، عبدالرزاق اس کے صدر منتخب ہوئے جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی بدھ مت کی مذہبی کتاب کی قدیم زبان سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے اس پلیٹ فارم سے برما کی آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا لیکن آزادی کے بعد ۱۹۵۵ء میں مسلمانوں کی اس تنظیم کو ختم کر دیا گیا۔

"اس کے بعد کی حکومتوں نے مسلم کش رویہ اختیار کرتے ہوئے برما کو بدھ ریاست قرار دے دیا اور ذبیحہ تک پر پابندی لگا دی۔ اور حاجیوں کے رستے میں بھی روڑے اٹکائے جانے لگے۔"[2]

روہنگیا مسلمانوں کو سیاست سے دور کرنے کے لئے ان کی جماعت کو سرے سے ختم کرکے ان کے سیاسی حقوق کو سلب کیا گیا۔ اور مزید سیاسی جماعتیں بنانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ روہنگیا مسلمانوں کو عارضی شہریت دے کر وہ کسی بھی سیاسی جماعت کے سربراہ کے طور پر نمائندگی نہیں کر سکتے۔ اور نہ کوئی سیاسی جماعت بنا سکتے ہیں۔ اس طرح سے روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی حقوق ختم کر دیے گئے ہیں۔

اظہارِ رائے کی آزادی کا حق:

آزادی اظہارِ رائے بھی انسان کا بنیادی حق ہے اگر اظہارِ رائے پر پابندی لگا دی جائے تو معاشرے میں صحت مند فکر پروان نہیں چڑھ سکتی۔ ہر معاشرہ فرد کو حریتِ فکر کی آزادی دیتا ہے اور وہ اسے یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر

---

[1] https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%B1%D9%88%DB%81%D9%86%DA%AF%DB%8C%D8%A7 (Accessed Decmeber 23,2018)

[2] ساجد، ڈاکٹر محمد، اراکانی مسلمانوں کا قتل، ص ۳۸-۴۰

و اعتقاد کی آواز پر اپنی رائے کا اظہار کرے۔ برما کے اراکان ریاست میں اس حق کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ کہ اراکانی مسلمانوں کو ان کے اظہارِ رائے کا حق دیا جائے۔ ان پر مختلف پابندیوں کے ساتھ اظہار رائے کی آزادی کے حق پر بھی پابندی ہے۔

حق رائے دہی و حق نمائندگی:

موجودہ ریاستوں کی آبادی بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ لمبے چوڑے رقبے میں پھیلی ہوتی ہیں۔ اس لئے بلاواسطہ جمہوری نظام کے بجائے بالواسطہ جمہوریت کا نظام رائج کیا جاتا ہے۔ بالواسطہ جمہوریت کے نظام میں عوام کے نمائندوں کے ذریعے نظمِ ریاست سر انجام پاتا ہے۔ خصوصی قانون سازی کے لیے صرف عوامی نمائندے ہی مجاز ہوتے ہیں۔ مجلس قانون ساز کے ارکان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس لئے حق رائے دہی بہت ہی اہم حق ہے۔ کسی بالغ شہری کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ تمام شہری بلا امتیاز اپنا ووٹ اپنی مرضی سے امیدوار کو دیتے ہیں۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کو عارضی شہریت دے کر ووٹ دینے کی اجازت دی ہے۔ اور صدیوں سے وہاں پر رہنے کے باوجود ان کو غیر ملکی تصور کیا جاتا ہے۔ اور وہ کسی سیاسی جماعت کی نمائندگی نہیں کر سکتے۔

> Under the 1989 general Election law all citizens. Associate citizens and Naturalized citizens are permitted to vote but are not allowed to stand for election. No foreign residents have the right to vote, thus, allowing the Rohingyas to vote and stand for the national election must be upheld as a measure of recognition of Rohingyas as bonafide citizens of Burma.[1]

ترجمہ: ۱۹۸۹ء کے تمام عام انتخابات کے قانون کے تحت ایسوسی ایٹ شہریوں اور قدرتی شہریوں کو ووٹ دینے کی اجازت ہے مگر انتخابات کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی غیر ملکی باشندوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں ہے، لہٰذا، روہنگیا کو ووٹ دینے اور قومی انتخابات کے لئے موقف دینے کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ روہنگیا کی شناخت کی پیائش کے طور پر برما کے عارضی شہریوں کے طور پر تسلیم کریں۔

ایک اندازے کے مطابق ۲۰۱۵ء میں برما میں ۳۰ ملین افراد ووٹ ڈالنے کے اہل ہیں۔ میانمار کی پارلیمان ۶۶۴ نشستوں پر مشتمل ہے جس میں ۹۰ جماعتوں سے تعلق رکھنے والے ۶،۰۰۰ سے زائد امیدوار حصہ لے رہے ہیں۔ ان انتخابات کے لیے پارلیمان کی ۲۵ فیصد نشستیں فوج کے نمائندوں کے لیے مختص ہوں گی۔[2]

اس طرح روہنگیا مسلمانوں کو اس مخصوص حکمت عملی سے سیاست میں عارضی شہری کے طور پر متعارف کیا گیا۔ جو کہ ان کے سیاسی حقوق غصب کرنے کے مترادف ہے۔ حق رائے دہی کے ساتھ ساتھ شہریوں کو ایک خاص عمر کے بعد حق نمائندگی بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ ملکی انتخابات میں بحیثیت امیدوار حصہ لینے کے مجاز ہوتے

---

[1] *Human Rights Abuses And Discrimination On Rohingyas*, 42.
[2] https://www.bbc.com/urdu/world/2015/11/151107_myanmar_elections_rwa (Accessed 23-12- 2018)

ہیں۔ لیکن روہنگیا کو یہ حق حاصل نہیں۔اور وہ صرف ووٹ توڈال سکتے ہیں لیکن نمائندگی کا حق حاصل نہیں ہے۔اور اس طرح وہ ایک بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنی جماعت کی نمائندگی سے محروم ہیں۔

سیاسی جماعتیں بنانے کا حق:

معاشرتی حقوق کے سلسلے میں حق اجتماع کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس حق کا استعمال شہریوں کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی عمل میں آتا ہے۔ جمہوری نظام میں سیاسی جماعتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ وہ کسی ملک کی سیاسی زندگی کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اور وسیع پیمانے پر شہریوں کی سیاسی تربیت کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے کوئی ریاست اس وقت تک صحیح طور پر جمہوری ریاست نہیں کہلا سکتی جب تک کہ اس کے شہریوں کو سیاسی مقاصد کی خاطر منظم ہونے اور سیاسی جماعتیں تشکیل کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔

جنگ عظیم دوم کے بعد برما کو آزادی دینے کا فیصلہ ہوا اور آزادانہ الیکشن کرائے گئے تو جنرل آنگ سان کی راہ نمائی میں ملک کا دستور مرتب کیا گیا مگر اس دستور میں مسلمانوں کے حقوق کا کسی حوالہ سے بھی کوئی ذکر نہیں ہوا۔ حالانکہ مسلمان برما میں خاصی تعداد میں موجود تھے، اراکان صوبہ میں ان کی اکثریت ہے اور انہوں نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حتیٰ کہ الیکشن میں اراکان سے پارلیمنٹ کے دو مسلم ممبر جناب سلطان احمد بی اے اور مسٹر عبد الغفار بی اے منتخب ہوئے مگر انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے اجلاس میں شریک ہی نہیں ہونے دیا گیا اور اس دوران مسلمانوں نے دستور سازی کے سلسلہ میں جو مطالبات پیش کیے تھے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔

۲۰۱۵ء سے اگرچہ برما میں جمہوری حکومت قائم ہو چکی ہے لیکن فوجیوں کا اقتدار آج بھی برقرار ہے۔ کیونکہ دفاع داخلہ اور سرحدی امور کی وزارتیں فوجیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ فوجی قائدین کی مرضی کے بغیر سیاسی رہنما کسی بھی قسم کے فیصلے نہیں لے سکتے۔ ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء سے برمی فوجیوں نے روہنگیا مسلمانوں پر بیانک مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ ۱۴ ستمبر تک ۱۰ ہزار مسلمان انتہائی بے دردی سے مارے جا چکے ہیں۔[1]

> In fact Rohingyas were not only permitted to vote, but also allowed to form political parties according to 1989 General Election Law. The Rohingyas formed their own political parties as well as they joint their brethren Rakhine to form political parties. Rohingyas political parties are (i) National Democratic Party for Human Rights (NDPH), (ii) Mayu Development Student Youth Organization (Arakan), (iii) National Ethnic Reformation Party (iv) National Ethnic United Party. [2]

ترجمہ: حقیقت میں روہنگیا کو صرف ووٹ دینے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ ۱۹۸۹ء میں جنرل الیکشن کمیشن کے مطابق سیاسی جماعتیں تشکیل دینے کی بھی اجازت تھی۔ روہنگیا نے اپنے سیاسی جماعتوں کو تشکیل دیا اور ساتھ ہی وہ اپنے

---

[1] ندوی، سید عنایت اللہ، روہنگیا مسلمان دنیا کی مظلوم ترین اقلیت، (لکھنؤ: ندوۃ العلماء ٹیگور مارگ، ۲۵ ستمبر ۲۰۱۷ء)، ۱۵

[2] *Human Rights Abuses And Discrimination On Rohingyas*, 52.

بھائیوں کے درمیان شریک سیاسی جماعتوں کو تشکیل دینے کے لئے مشترکہ روہنگیا سیاسی جماعتیں بنائی۔جیسا کہ(i) نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی برائے انسانی حقوق(این ڈی پی ایچ)،(ii)مایوڈویلپمنٹ نوجوان طلبا تنظیم (اراکان)، (iii)قومی نسلی اصلاحات پارٹی(iv)قومی نسلی متحدہ پارٹی۔

اراکان لیگ برائے جمہوریت ALD کو ۲۷ستمبر ۱۹۸۹ء کو ینگون میں قائم کیا گیا۔ اور اسے ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو انتخابی کمیشن کے ساتھ رجسٹرڈ کیا گیا۔ اس پارٹی نے ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں ۲۵ نشستوں پر انتخاب لڑا۔ اور راکھائن ریاست میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ قومی سطح پر اس نے ۲.۱ فیصد ووٹ حاصل کیے۔ گیارہ نشستیں جیت کر ملک کی تیسری بڑی جماعت بنی۔[1] تاہم ۶ مارچ ۱۹۹۲ء کو فوجی حکومت کی جانب سے ALDپر پابندی لگادی گئی تھی۔[2]

۶ اپریل ۲۰۱۲ء کو الیکشن کمیشن کی طرف سے ایک سیاسی جماعت کے طور پر دوبارہ قائم کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کا اطلاق انتخابی کمیشن کے قانون و قواعد کے مطابق تھا۔ نومبر میں ALD کے ارکان نے دعوی کیا کہ مقامی حکام نے ان پر الزام لگایا ہے کہ وہ پارٹی رکنیت مہم میں دھوکہ دہی کے باعث ان کو دھمکایا ہے کہ وہ پارٹی ختم کریں۔ ۱۷جون ۲۰۱۳ءراکھائن نیشنلٹیز ڈیویلپمنٹ پارٹی آر این ڈی پی اور ALDنے ایک معاہدہ کے تحت مل کر ایک نئی پارٹی اراکان نیشنل پارٹی ANPکے نام سے بنائی۔ نئی پارٹی کے قیام کے ساتھ ALDسرکاری طور پر ۶ مارچ ۲۰۱۴ کو ختم ہوگئی۔

۸ جنوری ۲۰۱۷ء کو ALDکے سابق رہنماوں نے اعلان کیا کہ وہ ANPسے الگ ہو رہے ہیں اور ۲۰۲۰ء انتخابات کے لیے یونین الیکشن کمیشن کے ساتھ دوبارہ رجسٹرڈ ہو رہی ہے ۔اندرونی معاملات اور ANP میں RNDPکے غلبہ کی وجوہات پر الگ ہو رہی ہے۔ برما عام انتخابات کے دوران ۱۹۹۰ء میں روہنگیا کی قیادت میں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی نے ملک بھر میں پارلیمانی انتخابات میں چار نشستیں جیت لیں۔ چار روہنگیا ایم پیز شمس الانوار الحق، چٹ لون ابراہیم، فضل احمد اور نور احمد شامل تھے۔ آنگ سان سوچی کی قیادت میں جمہوریت کے قومی نیشنل لیگ نے انتخابات جیت لیے۔ جن کو گھر میں نظر بند کیااور وزیر اعظم بننے سے روک دیا گیا۔ فوجی جنتا نے ۱۹۹۲ء میں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی برائے انسانی حقوق پر پابندی لگادی۔ اس کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے تشدد کیا گیااور روہنگیا سیاستدانوں کو انتخابات میں حصہ لینے سے روکنے کیلئے جیل میں ڈال دیا۔ ۲۰۰۵ء میں شمس الانوار الحق کو متنازعہ شہریتی قانون ۱۹۸۲ء کے سیکشن ۱۸ کے تحت گرفتار کر کے ۴۷ سال کی سزا سنائی گئی۔ ۲۰۱۷ء تک برما میں ایک بھی روہنگیا ایم پی نہیں ہے۔

---

[1] Dieter Nohlen, Florian Grotz & Christof Hartmann, 2001 Elections in Asia:, Vol-I, 615.
[2] Han,Khin Kyaw,*1990 multi-party democracy general elections,* (Burma: Democratic Voice of Burma,2000), 19.

حق منصب و عہدہ:

سب شہری یکساں طور پر بلالحاظ رنگ و نسل سرکاری عہدے اور ملازمت حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بشرط یہ کہ وہ اس عہدے یا ملازمت کے مستحق ہوں اور مطلوبہ قابلیت کے حامل ہوں۔ لیکن برما میں فوج آمر نے تمام روہنگیا مسلمانوں سے تمام سرکاری عہدوں سے الگ کیا۔ فوج سے بھی تمام روہنگیا مسلمانوں کو ہٹا دیا گیا اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حق چھین کر روہنگیا کسی بھی سرکاری عہدے کے لئے درخواست نہیں دے سکتے۔

> The lack of citizenship also prevents the Rohingya from joining the civil service or from participating formally in local government.[1]

ترجمہ: شہریت سے محرومی بھی روہنگیا کو سول سروس میں شامل ہونے یا مقامی حکومت میں حصہ لینے سے روکتا ہے۔ لیکن برما میں روہنگیا کے ساتھ انتہائی ظالمانہ رویہ اپنایا جاتا ہے۔ اور ان کے تمام حقوق کو نہ صرف ختم کیا گیا ہے بلکہ ان کو کسی بھی سرکاری عہدے یا منصب حاصل کرنے کا حق نہیں ہے۔

تنقید کرنے اور اپنی آرا پیش کرنے کے حق:

ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملکی معاملات کے بارے میں بذریعہ تحریر و تقریر اپنی رائے پیش کرے اور حکومت کے ایسے اقدامات پر دلائل کے ساتھ تنقید کر سکے جو اس کے خیال میں ملکی مفاد کے خلاف ہوں یا قومی مقاصد کو پورا کرنے کے اہل نہ ہوں۔ اس غرض کے لیے پریس، ریڈیو، میڈیا اور جلسے جلوس وغیرہ کے ذریعے اظہارِ خیال کی مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ لیکن شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس حق کو صرف تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ ملک کے اندر رائے عامہ اتنی چوکس اور بیدار ہونی چاہئے کہ کوئی شخص اس حق کو تخریبی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مگر اس کے برعکس روہنگیا کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ کوئی بھی تنقید یا اپنی کوئی رائے دینے کے قابل ہوں۔ ان پر اتنی پابندیاں عائد ہو چکی ہیں کہ کسی بھی قسم کی تنقید کرنے کے قابل نہیں۔ اور وہ کوئی بھی آراء حکومت، ادارہ یا کسی شخص کے خلاف پیش نہیں کر سکتا۔ اور اس حق کو کسی کے بھی خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔

قانونی تحفظ اور حق عرضداشت:

ہر معاشرہ شہریوں کو یہ تحفظ بھی دیتا ہے کہ محض شک و شبہ کی بنا پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ کاروائی کسی ٹھوس ثبوت کے فراہم ہونے پر ہی قانون کے مطابق کی جا سکے گی۔ لیکن روہنگیا باشندوں کو یہ

---

[1] Simbulan, Karen Pimentel "*A Legal and Structural Analysis of the Violence in Rakhine State against the Rohingya Muslims of Myanmar*" (2013). Available from: http://www.academia.edu/6101564/Legal_and_Structural_Analysis_of_Violence_in_Rakhine_State_against_the_Rohingya_Muslims_of_Myanmar (Accessed Decmber 25,2018)

حق حاصل نہیں ہے۔ ان پر غیر قانونی قیود اور جرمانے لگائے جاتے ہیں۔ جن کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔ اور بلا وجہ ان کو گرفتار کرکے ان سے بھاری رقوم طلب کئے جاتے ہیں۔ اور ان کو کوئی بھی قانونی تحفظ حاصل نہیں۔

حق عرضداشت (Right to petition) کا مطلب کہ ہر شہری کو حکومت یا مجلس قانون ساز کے نام شکایتی عرضی بھیجنے کا حق حاصل ہے تاکہ وہ حکومت کو اپنی حق تلفی کی طرف متوجہ کر سکے اور اپنی جائز شکایات کا ازالہ کرا سکے۔

> The right to petition the committees is a conventional mechanism for the protection of human rights.[1]

ترجمہ: کمیٹیوں کو درخواست دینے کا حق انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے ایک روایتی طریقہ کار ہے۔

ہر انسان انصاف، امن، محبت اور خوشحالی کا طلب گار ہے۔ ناانصافی، بدامنی، نفرت اور غربت کو برا سمجھتا ہے۔ معاشرے میں تمام قانون اور ضابطے اسی لیے بنائے جاتے ہیں کہ انسانوں کو انصاف، امن اور خوشحالی مل سکے اور بدامنی، ناانصافی اور محرومی کا راستہ روکا جا سکے۔

شمالی اراکان کے علاقے منگڈاؤ کی خاتون نے بتایا کہ:

اس نے جولائی کے اوائل میں پولیس اسٹیشن میں ۱۲ / سال تک کے بچوں پر تشدد ہوتے دیکھا ہے۔ پولیس نے جلاؤ گھیراؤ کے واقعات سے متعلق پوچھ گچھ کے بعد روہنگیا مسلم لڑکوں کو پولیس اسٹیشن میں موجود اراکانی نوجوانوں کے حوالے کر دیا جنھوں نے اُن پر بہیمانہ تشدد کیا۔ بوڑھے روہنگیا مسلمانوں کے جسم کو سگریٹ سے داغا گیا اور نوجوانوں کو لوہے کی سلاخوں سے نشانہ بنایا گیا۔ سرکاری طور پر بتایا گیا ہے کہ اراکان میں فسادات سے ۷۸ افراد ہلاک ہوئے۔ جبکہ بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مرنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔[2]

لیکن ان تمام تر ظلم و ستم کے باوجود روہنگیا کو کسی بھی قسم کی حق عرضداشت حاصل نہیں نہ تو وہ کسی قسم کی رپورٹ درج کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے مسائل کا کوئی قانونی حل نکالا جاتا ہے۔ روہنگیا اگر اپنے گاؤں میں ہو یا داخلی بے گھر افراد میں ہو ان کو یہ حق نہیں دیا جاتا کہ وہ کوئی عرضداشت درج کر سکیں۔

روہنگیا مسلمانوں کے تمام حقوق کو سلب کیا گیا ہے۔ اور وہ انتہائی ناقص صورت حال میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اور جو بیرونی امداد بھی ان کو ملتی ہے اس میں بھی مقامی حکام آٹے میں نمک جتنا ان کو مہیا کرتے ہیں۔ روہنگیا کو علاج کی بھی سہولیات میسر نہیں۔ فوری علاج کے لئے بھی وہ بہت سے مشکلات کا شکار ہیں۔ اور علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر یا نرس مشکل سے ملتے ہیں۔ اور اس کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ ہر وقت یہ سہولت بھی میسر نہیں ہے۔

---

[1] https://sur.conectas.org/en/right-petition-individuals-within-global-human-rights-protection-system/#:~:text=The%20right%20to%20petition%20the%20committees%20is%20a%20conventional%20mechanism,Party%20or%20any%20other%20entity. (Accessed Decmber 09,2018)

[2] http://irak.pk/rohingya-muslims-face-starvation/ (Accessed Decmber 26, 2018)

دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے انسان کو امن و سلامتی کی طرف راغب کیا جس کے لیے ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کا وجود عمل میں آیا۔ دنیا میں قیام امن کے لیے عملی پیشرفت کرتے ہوئے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا گیا۔ یہ منشور ۳۰ دفعات پر مشتمل ہے جو بلا امتیاز انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی طور پر تمام حقوق کا دفاع کرتی ہیں جن میں جینے کا حق، برابری کا حق، اظہار رائے کی آزادی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق، تعلیم، صحت، حق خود ارادیت اور دیگر حقوق شامل ہیں۔ انسانی حقوق کے عالمی منشور میں چند قابل ذکر دفعات حکومتوں کے لئے بھی قابل ترجیح ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور دفعہ ۱ کے مطابق تمام افراد عزت اور حقوق میں برابر ہیں۔ دفعہ ۴ میں غلامی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے جبکہ دفعہ ۵ کے تحت کسی بھی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ سلوک کی سزا نہیں دی جائے گی۔ دفعہ ۷ کے مطابق قانون سب کے لیے برابر ہے اور دفعہ ۱۲ کے مطابق کسی شخص کی نجی زندگی میں مداخلت نہیں کی جاسکتی۔ دفعہ ۱۸ اور ۱۹ انسان کو آزادی فکر، آزادی مذہب اور آزادی رائے کا حق دیتی ہیں جبکہ دفعہ ۲۶ کے مطابق تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔

برما کی روہنگیا مسلم اقلیت کو انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیوں کے ساتھ انہیں مختلف قسم کے استحصال کا بھی سامنا ہے۔ میانمار میں حکومت اور عوام روہنگیا مسلم اقلیت کو کوئی مقامی نسلی گروپ تسلیم نہیں کرتے اور انہیں بنگالی قرار دیا جاتا ہے اور ان کا تعلق بنگلہ دیش سے جوڑا جاتا ہے۔ میانمار سیکورٹی فورسز قتل عام اور اجتماعی زیادتیوں میں ملوث ہیں۔ میانمار کی فوج نے مسلم اکثریتی علاقے راکھائن کے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف بین الاقوامی قانون کے مطابق جرائم کا ارتکاب کیا، یہ اقدامات جنگی جرائم اور نسل کشی کے زمرے میں آتے ہیں جبکہ برما کی فوج کے پاس خواتین اور بچوں کے استحصال اور دیہات جلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگست ۲۰۱۷ء کے بعد ۷ لاکھ ۲۳ ہزار روہنگیا مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر بنگلہ دیش کی جانب ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ شمالی راکھائن اور سٹوے میں روہنگیا اور راخائن کے لوگوں بنیادی سہولیات کی کمیابی سمیت متعدد مسائل سے دوچار ہیں۔ روہنگیا برادری کی تعلیم اور زندگی کی دیگر بنیادی سہولیات تک رسائی بہت مشکل ہے۔ یہ لوگ خوراک اور طبی سہولیات کے لیے ہنگامی انسانی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ روہنگیا برادری کی نقل و حرکت پر بھی کڑی پابندیاں عائد ہیں جو کہ جمہوریت اور انسانی حقوق کے عالمگیر بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

فصل سوم

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے عصرِ حاضر میں اہم مسائل:

برما کی فوجی حکومت نے ۱۹۸۲ء کے قانون شہریت کے تحت میانمار میں روہنگیا مسلمانوں اور دیگر لاکھوں چینی و بنگالی مسلمانوں کو اپنا شہری تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے انہیں اپنے علاقوں سے باہر جانے کی اجازت دینے سے بھی منع کر دیا۔ اس قانون کے تحت یہاں کی شہریت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی نسلی گروپ کو یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ وہ ۱۸۲۳ء کے قبل سے میانمار کا باشندہ ہے۔ برمی بودھوں کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ مسلمان یہاں غیر قانونی مہاجر ہیں اس لئے انہیں ملک کا شہری کہلانے کا حق حاصل نہیں۔ حالانکہ برطانیہ سے برما کی آزادی کے بعد بھی شہریت کا کوئی تنازعہ نہیں تھا اور برما میں مسلمان اور بودھ ایک ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ مگر جب جنرل نیون نے ۱۹۶۲ء میں اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لیے برمی قومیت کے جذبات ابھار دیئے تو اس کے نتیجے میں پہلے شان صوبے کی اقلیتیں تعصب کا نشانہ بنیں، مگر اس نے اپنے تحفظ میں ہتھیار اٹھا لئے، اس طرح وہاں تشدد کا آغاز ہو گیا۔ اسی درمیان ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں جاری خانہ جنگی سے تنگ چٹاگانگ کے پہاڑی بنگالیوں کی ایک تعداد نے جب برما میں سر چھپانے کی کوشش کی تو راکھائنی نسل کی مقامی بودھ آبادی میں بے چینی پھیلنی شروع ہو گئی۔

موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوجی آمر نے صدیوں سے آباد روہنگیوں کو بھی عارضی مہاجر بنگالیوں کے ساتھ منسوب کر دیا۔

The 1982 Citizenship Law deprives the Rohingya of citizenship in Myanmar.[1]

ترجمہ: ۱۹۸۲ء میں شہریت کے قانون سے روہنگیا کو میانمار میں شہریت سے محروم کر دیا گیا۔

جنرل نیون کی حکومت نے بنگلہ دیش کی مجیب الرحمٰن حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ بنگالی پناہ گزینوں کو واپس بلا لے۔ اس کا اصرار تھا کہ ان سب کو بنگلہ دیش قبول کرے جو نسلاً برمی نہیں ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں تقریباً دو لاکھ افراد کو بنگلہ دیش کے حدود میں دھکیل دیا گیا جن کے بارے میں حکومتِ بنگلہ دیش کی دلیل تھی کہ ان کی نوے فیصد آبادی اراکان کے روہنگیا مسلمان ہیں اس لیے برما انھیں واپس لے۔ اقوامِ متحدہ کی کوششوں سے برما انہیں واپس لینے پر آمادہ تو ہوا، لیکن ۱۹۸۲ء میں شہریت کے قانون میں تبدیلی کر کے ملک میں آباد ۱۳۵ نسلی گروہوں کی فہرست سے ان مسلمانوں کو خارج کر دیا۔ شہریت چھننے کے بعد وہ غیر ملکی قرار دے دیئے گئے اور ان سے رہائش، صحت، تعلیم اور روزگار سمیت بنیادی سہولتوں کا حق بھی چھین لیا گیا۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ وہ سرکاری اجازت کے بغیر

---

[1] A Briefing by Burmese Rohingya Organization UK,*Myanmar's 1982 Citizenship Law and Rohingya*, (London: Burmese Rohingya Organisation UK 627 Romford Road, Manor Park, December 2014), 3.

شادی تک نہیں کر سکتے اور نہ دو سے زائد بچے پیدا کر سکتے ہیں۔ اجازت نامے کے بغیر نہ املاک کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ایک سے دوسری جگہ آ جا سکتے ہیں۔اس پر ستم یہ کہ ۲۰۱۴ء میں ایک قانون کے تحت روہنگیا کی اصطلاح پر ہی پابندی لگا دی گئی ہے۔اب حالت یہ ہے کہ فوج کی سرپرستی میں روہنگیا خواتین کی گینگ ریپ، عورتوں، بچوں اور مردوں کا قتل عام، مساجد، سکول اور گھر تباہ کئے جا رہے ہیں۔ یہ مظالم شاید اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک سارے روہنگیا یا تو مر نہیں جاتے یا کسی اور ملک فرار نہیں ہو جاتے۔

مذہبی مسائل:

برما کی تاریخ اُٹھا کر دیکھا جائے تو مسلمانوں پر اس طرح کی قیامتیں ٹوٹنے کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ ۱۵۵۹ء میں مذہبی عقائد کی آڑ میں جانور ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ حتیٰ کہ عید الاضحی کے موقع پر بھی کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی جانور پر چھری چلا سکے۔ ۱۷۵۲ء میں بھی جانوروں کے ذبح پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۷۸۲ء میں تو بادشاہ "بودا پایہ" نے پورے علاقے کے مسلمان علماء کرام کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا اور انکار پر ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ برما کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس واقعے کے بعدے دن تک برما کی سرزمین پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ جس پر بادشاہ نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور معافی مانگی۔ لیکن پھر ظلم و ستم کی یہ داستان بڑھتے بڑھتے ۱۹۳۸ء تک جا پہنچتی ہے جب برمی بودھ برطانوی فوجوں کے خلاف جنگِ آزادی لڑنے میں مشغول تھے تو گولیوں سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کرتے۔

آزادی کے بعد کا زمانہ برمی مسلمانوں کے لیے شدید ترین آزمائش کا ایک کھٹن دور کہا جا سکتا ہے کیونکہ اِس دوران گاہے بہ گاہے وہاں کے مسلمانوں کو دیگر ممالک کی طرف نقل مکانی پر مجبور کیا گیا جو مسلمان ہونے کی بناء پر ہجرت نہ کر سکے۔اُن کی بستیوں کے محاصرے شروع کر دیئے گئے اور اسلام کی تبلیغ پر سرکاری پابندی عائد کر دی گئی۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ مسلمانوں کے اوقاف کو ان سے چھین کر چراگاہوں میں تبدیل کر دیا گیا۔
دوسری جانب میانمار کی فوج نے انتہائی بے رحمی سے نہ صرف مسجدوں کی بے حرمتی کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ مساجد اور مدرسوں کی تعمیر پر پابندی بھی لگا دی اور لاؤڈ اسپیکر سے اذان کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

> Muslims encountered increasing difficulty in building or even repairing houses of worship.[1]

ترجمہ: عبادت گاہوں کی تعمیر یا بلکہ یہاں تک کہ صرف مرمت کرنے پر مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ ہوا۔

مسلمانوں کو پسماندگی کی دلدل میں دھکیلنے کے لیے اُن کے بچوں کو سرکاری درسگاہوں میں داخلہ دینا بند کر دیا گیا جبکہ سرکاری و غیر سرکاری، دونوں طرح کی ملازمتوں کے لیے مسلمانوں کو صرف اُن کے عقیدے کی بنیاد پر

[1] Human Rights Watch, *Crackdown on Burmese Muslims*, (July 2002), 11.

نااہل قرار دے دیا گیا۔ان فسادات کا اگلا سلسلہ ۱۵ مئی سے ۱۲ جولائی ۲۰۰۱ء کے دوران اس وقت دیکھا گیا جب بدھوں نے ایک مسجد پر حملہ کرکے عبادت میں مصروف نمازیوں کو قتل کر دیا اور مسجد کو نقصان پہچایا۔ اور اس فساد کے نتیجے میں مزید ۱۱ مساجد شہید، ۴۰۰ سے زائد گھروں کو نذرِ آتش اور کم و بیش ۲۰۰ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اوراس کی وجہ سے ایک بار پھر فسادات کا ایک نیادور شروع ہو گیا۔

In 2001, mobs attacked at least 28 mosques and religious schools. State security not only did nothing to stop the attacks, but also participated in the destruction.[1]

ترجمہ: ۲۰۰۱ء میں، کم از کم ۲۸ مسجدوں اور مذہبی اسکولوں پر حملہ کیا گیا۔ ریاستی سیکورٹی نے نہ صرف حملوں کو روکنے کے لئے کچھ نہیں کیا بلکہ تباہی میں بھی حصہ لیا۔

اس طرح مسلمانوں کی عباد گاہوں کی نہ صرف بے حرمتی کی بلکہ ان کو تباہ کیا گیا۔ اور اس میں نہ صرف بدھ مت کے مقامی افراد شامل تھے بلکہ اس میں حکومتی اہلکاروں نے بھی حصہ لیا۔

In 2002, Human Rights Watch reported that the government issued military orders demanding that unauthorized mosques be destroyed.[2]

ترجمہ: ۲۰۰۲ء میں ہیومن رائٹ واچ نے رپورٹ دی کہ حکومت نے فوج کو یہ احکامات جاری کیے ہیں کہ جو غیر مجاز مساجد ہیں ان کو گرایا جائے۔

جس میں نہ صرف غیر قانونی مساجد و مدارس کو گرایا گیا بلکہ جو مساجد و مدارس رجسٹرڈ بھی تھے ان کو بھی بہت نقصان پہنچایا گیا۔ اور اس کے ساتھ ملحقہ اراضی کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ اور اس طرح اسلامی عباد گاہوں کو ایک منظم طریقے سے تباہ و برباد کیا گیا۔

The ethnic majority of Burma systematically destroyed the Islamic houses of worship and all the properties related.[3]

ترجمہ: برما کے نسلی اکثریت نے منظم طور پر اسلامی عبادت گاہوں اور اس کی تمام جائیداد کو تباہ کر دیا۔

ان احکامات سے نہ صرف عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا بلکہ جو عبادت گاہیں بچ گئیں تھیں ان کی مرمت سے بھی روک دیا گیا۔ ہر طرح سے ان کو تنگ کیا جانے لگا بلکہ یہاں تک کہ اپنے مردوں کو دفنانے سے روک دیا۔

On the contrary many people interviewed in 2012 witnessed that Myanmar authorities prevented Muslims to bury their dead relatives[4].

---

[1] Human Rights Watch, *Crackdown on Burmese Muslims*, (July 2002), 11. https://www.hrw.org/legacy/ backgrounder/asia/burmese_muslims.pdf (Accessed June 3, 2019).

[2] Human Rights Watch, Burma: *Rape, Forced Labor and Religious Persecution in Northern Arakan*, (1992), 17 http://www.hrw.org/reports/pdfs/b/burma/burma925.pdf(Accessed June 3, 2019).

[3] International Federation of Human Rights Leagues (FIDH), *Burma: Repression, Discrimination and Ethnic Cleansing in Arakan*, (Apr. 2000), 26. https://www.fidh.org/IMG/pdf/arakbirm.pdf(Accessed June 3, 2019).

[4] Human Rights Watch, *"The Government Could Have Stopped This- Sectarian Violence and Ensuing Abuses in Burma's Arakan State*",(2012), 31.

ترجمہ: اس کے علاوہ ۲۰۱۲ء میں بہت سے لوگوں نے انٹرویو دیا کہ میانمار کے حکام نے مسلمانوں کو اپنے مردہ رشتہ داروں کو دفن کرنے سے روک دیا۔

> A governmental ban in 2012 on gatherings of more than four people in Muslim-majority areas made it difficult for Rohingya to pray together.[1]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء میں سرکاری پابندی کے تحت مسلم اکثریتی علاقوں میں چار روہنگیا کا مل کر نماز پڑھنا مشکل بنادیا گیا۔

> Last week, a group of men destroyed a mosque in central Myanmar in a dispute over its construction.[2]

ترجمہ: گذشتہ ہفتے، مردوں کے ایک گروپ نے وسطی میانمار میں ایک مسجد کی تعمیر کے تنازعہ میں اسے تباہ کردیا تھا۔

برما میں مذہبی آزادی کی صورت حال انتہائی خراب ہے۔ ۲۰۱۷ء کے رمضان میں صوبہ اراکان میں تین سو مساجد نمازیوں کے لیے بند کردی گئیں۔ گھروں میں تراویح اور قرآن پاک سنانا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ برما میں مسلمانوں کو سخت مسائل کا سامنا ہے۔ متاثرہ علاقے کے باہر بھی سحری و افطاری کی ممانعت تھی۔ مرتد ہونے سے انکار کرنے پر یا تو مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑتی ہے، یا ملک بدری کا سامنا ہوتا ہے، یا جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ جو لوگ کسی مجبوری کے تحت گھر بار نہیں چھوڑتے انہیں قتل اور عورتوں کی آبرو ریزی جیسی وحشت ناک وارداتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بچوں اور ضعیفوں کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ برما میں ۲۰۱۷ء کے جون کے مہینے میں بیس ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ دس ہزار افراد لاپتا ہوگئے۔ پانچ ہزار مسلم خواتین کے ساتھ جنسی تشدد کیا گیا۔ مسلمانوں کے دیہات تباہ و برباد کر دیئے گئے، درجنوں مساجد شہید کی جاچکی ہیں۔ اور ان کی اراضی پر زبردستی قبضہ کرلیا گیا۔

برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ہر طرح سے مذہبی رسومات سے دور رکھنے اور ان کو ختم کرنے کی بھرپور کوششیں کیں گئیں۔ لیکن ان سب کے باوجود روہنگیا مسلمان اپنے دین سے نہیں پھرے، اور نہ ہی ان کے عقائد میں کوئی کمی بیشی ہوئی۔ یہ صرف مذہب کی بنا پر ہی ان کی زندگیوں کو مشکل بنادیا گیا ہے۔ کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر بدھ مت اختیار کرلے۔

نقل مکانی کے مسائل:

۱۷۸۴ء میں اراکان کے علاقہ پر ناجائز قبضہ کر کے بدھوں کی حکومت نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا حتی کہ اُن کی مساجد، مدارس اور اسلامی لائبریریوں کو بھی ختم کر دیا۔ اور بدھوں نے ہر اُس نشانی کو مٹا دیا جس کا ادنٰی سا تعلق بھی اسلام یا مسلمانوں سے تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں، انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے بدھ مذہب

---

[1] A review for staff in mental health and psychosocial support programs for Rohingya refugees UNHCR, 2018. All rights reserved UNHCR/Roger Arnold, 9 October, 2017, United Nations High Commissioner for Refugees (UNHCR), 16.

[2] https://www.bbc.com/news/world-asia-36693714(Accessed June 3, 2019).

کے مطابق عبادت گاہیں بنا کر مسلمانوں کو بدھ مذہب کے مطابق عبادت کرنے پر مجبور کیا۔ جس کی وجہ سے ہزاروں مسلمان اپنی جان و دین کی حفاظت کے لیے اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔

برطانیہ سے آزادی کے بعد مسلمانوں کا پہلا قتلِ عام ۱۹۶۲ء میں ہوا جب فوجی حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کو باغی قرار دے کر اُن کے خلاف آپریشن شروع کر دیا، جو وقفے وقفے سے ۱۹۸۲ء تک جاری رہا اور اس میں کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ اور اندازۃً ۲۰ لاکھ کے قریب مسلمان اس دور میں بنگلا دیش، بھارت اور پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے۔ برما کی فوجی حکومت نے ۱۹۸۲ء کے سیٹزن شپ قانون کے تحت روہنگیا نسل کے ۸ لاکھ افراد اور برما میں موجود دوسرے دس لاکھ چینی و بنگالی مسلمانوں کو شہری ماننے سے انکار کر دیا اور ان مسلمانوں کو اپنے علاقوں سے باہر جانے کی اجازت دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ جس میں خاص کر سفری پابندی، جبری مزدوری، وغیرہ شامل ہیں۔ اور ان پر ہر طرح کا ظلم ڈھایا گیا۔ جس وجہ سے وہاں رکنے والوں پر عرصہ حیات مزید تنگ ہو گیا۔

> In 1978, the military began Operation Naga Min, or "Dragon King," to find and take action against persons the military junta deemed to be illegal immigrants.[1]

ترجمہ: ۱۹۷۸ء میں فوج نے ناگا من "ڈریگن کنگ" کے نام سے ایک آپریشن شروع کیا جس کا مقصد غیر قانونی تارکین وطن کے خلاف کروائی کرنا تھا۔

روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کی ایک تاریخ ۱۹۹۷ء میں بھی رقم کی گئی جب ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو دن دیہاڑے بے لگام بودھ راکھائن صوبے کے شہر "مانڈلے" کے مسلم اکثریتی علاقوں میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھانے لگے۔ گھروں، مسجدوں اور مذہبی کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا، دکانوں کو لوٹ لیا گیا اور مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا گیا، جس کے بعد مسلمانوں نے دوسرے شہروں میں پناہ لی۔

> This operation targeted Rohingya in Rakhine State; the government claimed Rohingya were foreigners rather than an ethnic minority of Myanmar. The military abused, raped, and murdered many Rohingya.[2]

ترجمہ: اس آپریشن نے روہنگیا کو راکھائن ریاست میں نشانہ بنایا۔ اور حکومت نے دعویٰ کیا کہ روہنگیا میانمار کی نسلی اقلیت کی بجائے غیر ملکی تھے۔ اور فوج نے بہت سے روہنگیا کے ساتھ بدسلوکی، زیادتی اور قتل کیا۔

---

[1] On October 16, 1977, the Myanmar Ministry for Home and Religious Affairs stated that operation Naga Min (Dragon King) was designed to "scrutinize each individual living in the State, designating citizens and foreigners in accordance with the law and taking actions against foreigners who have filtered into the country illegally." Human Rights Watch, Burma: The Rohingya Muslims: Ending a Cycle of Exodus?, (Sept. 1996), 12.

[2] Smith, Martin, *Burma: Insurgency and the Politics of Ethnicity*, (London: Maryland press. 1999), 241.

اس آپریشن سے بہت زیادہ روہنگیا متاثر ہوئے، اور اس کی وجہ سے روہنگیا نے نہ صرف ملک کے اندر بہت سے شہروں کی طرف ہجرت کی بلکہ سرحد پار ہمسایہ ممالک میں بھی بہت سے لوگوں نے ہجرت کی۔

As a result, more than 200,000 Rohingya fled across the border into Bangladesh. [1]

ترجمہ: جس کے نتیجے میں ۲ لاکھ سے زائد روہنگیا نے سرحد پار بنگلہ دیش ہجرت کی۔

روہنگیا برادری نے ہجرت تو شروع کر دی لیکن وہ جس طرف گئے وہاں بھی ان کا استقبال کچھ اچھا نہیں ہوا۔ بلکہ ان کی زندگی کی مصیبتوں میں مزید اضافہ ہوا۔ جب وہ انتہائی سخت سفر کر کے بنگلہ دیش کے بارڈر پر پہنچے تو وہاں پر سرحدی محافظوں نے ان کو بنگلہ دیش میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ اور ان پر گولیاں برسائی، بعض کو کہا گیا کہ آپ اس طرح ہمارے ملک میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ فلاں فلاں ضروری کاغذات لے آؤ۔ ان کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں تھی، کھانے کو کچھ نہیں تھا، پہننے کے لئے پھٹے پرانے نیم بدن پر کپڑا تھا اور یہ کاغذات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے روہنگیا مسلمانوں پر بنگلہ دیش داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

> To deter Rohingya refugees from entering Bangladesh, the Bangladeshi government withheld food and humanitarian aid from the refugee camps. More than 12,000 refugees died of starvation. [2]

ترجمہ: روہنگیا پناہ گزینوں کو بنگلہ دیش میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ بنگلہ دیشی حکومت نے خوراک اور انسانی امداد کی کیمپوں تک رسائی روک دی۔ ۱۲،۰۰۰ سے زائد مہاجرین بھوک سے مر گئے۔

اس کے علاوہ بنگلہ دیشی حکومت نے عالمی برادری سے مطالبہ کر دیا کہ وہ برما پر دباؤ ڈالے کہ وہ روہنگیا برادری کو واپس اپنے وطن بلالے۔ اس پر عالمی برادری میں بہت غم و غصے کا اظہار ہوا۔ اور عالمی دباؤ کی وجہ سے جنرل نیون نے بہت سے روہنگیا کو واپس وطن بلالیا۔ مگر ان کے آنے سے ان کی پریشانیاں ختم ہونے کی بجائے مزید بڑھی۔

> Following international condemnation, Myanmar's General Ne Win repatriated many of these refugees, but they continued to face persecution within Myanmar. [3]

ترجمہ: بین الاقوامی مذمت کے بعد، میانمار کے جنرل نی ون نے بہت سے مہاجرین کو واپس وطن لائے، لیکن انہیں میانمار کے اندر تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔

جس کی وجہ سے روہنگیا برادری نے واپس ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ اور برما پہنچتے ہی ان پر مختلف قسم کے عذابوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ دنیا میں جب کبھی کہیں بھی کسی نے اگر اسلام کے نام پر کوئی ظلم کیا تو اس کا شکار بے چارے

---

[1] Human Rights Watch, *"All You Can Do Is Pray"*: Crimes Against Humanity and Ethnic Cleansing of Rohingya Muslims in Burma's Arakan State (Apr. 22, 2013), 139.

[2] Ibid.

[3] Irish Centre for Human Rights, Crimes Against Humanity in Western Burma: The Situation of the Rohingyas, (2010), 6.
http://burmaactionireland.org/images/uploads/ICHR_Rohingya_Report_2010.pdf,
(Accessed June 4, 2019).

روہنگیا مسلمان ہوئے۔ حتیٰ کہ جب طالبان کی طرف سے بامیان کے مجسموں کو نشانہ بنایا گیا تو اس وقت بھی روہنگیا مسلمانوں پر حملوں کی خبریں سامنے آتی رہیں اور بودھ بھکشوؤں کی جانب سے مسلسل یہی مطالبہ کیا جاتا رہا کہ برمی حکومت کو انتقاماً برما میں موجود تمام مسجدوں کو ڈھا دینا چاہیے۔ ۱۹۶۲ء سے میانمار فوجی حکومت کے زیر اثر تھا۔ ۲۰۱۰ء میں الیکشن ہوئے جس کے نتیجے میں طویل آمریت کا یہ سورج ۲۰۱۱ء میں غروب ہوا اور ملک میں ایک جمہوری حکومت تشکیل دی گئی۔ اس دوران روہنگیا نے بھی اپنے بنیادی انسانی حقوق اور شہریت کا مطالبہ دہرایا لیکن بڑی سختی کے ساتھ یہ آواز دبا دی گئی۔

> Rohingya refugees continued to flood into Bangladesh over the next twenty years, with periodic attempts by the Bangladeshi governmentt to expel them forcibly, including as recently as 2010. [1]

ترجمہ: روہنگیا مہاجرین نے اگلے ۲۰ سال بنگلہ دیش میں ہجرت جاری رکھی، بنگلہ دیشی حکومت نے ان کو بے دخل کرنے کی کوششیں جاری رکھی، جس میں بشمول ۲۰۱۰ء کی کوشش شامل ہے۔

مسلم کش فسادات کا ایک اور سلسلہ مئی ۲۰۱۲ء میں بھی جاری ہوا جب ایک بودھ لڑکی نے اسلام قبول کر لیا جس پر بودھ بہت رنجیدہ ہوئے اور لڑکی کو گھر بدر کر دیا، لڑکی نے مسلم آبادی میں پناہ لے لی۔ چند دن بعد اس لڑکی کی لاش ملی جسے زیادتی کے بعد قتل کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے الزام لگایا کہ بودھوں نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے اسے قتل کیا ہے جب کہ بودھوں نے تین مسلمان نوجوانوں کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دے دیا۔

> A crowd attacked a bus in Rakhine province after blaming some of the passengers for the gang rape and murder of a Buddhist woman.[2]

ترجمہ: ایک ہجوم نے راکھائن صوبہ میں ایک بس پر حملہ کیا جس کے مسافروں پر الزام تھا کہ انہوں نے ایک بدھ عورت کو زیادتی کے بعد قتل کیا تھا۔

۳ جون ۲۰۱۲ء کو بدھ بھکشوؤں نے زائرین کی ایک بس روکی جو عمرہ کی ادائیگی کر کے واپس آئے اس میں ۱۰ مسلمان علماء کو باہر نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور بس جلا دی۔ جس کی وجہ سے علاقے کے حالات کافی کشیدہ ہو گئے۔

> On June 8, thousands of Rohingya rioted in Maungdaw town after Friday prayers, destroying Arakan property and killing an unknown number of Arakan residents.[3]

ترجمہ: ۸ جون کو، ہزاروں روہنگیا افراد جمعہ کی نماز کے بعد منگڈاؤ کے شہر میں ظلم کا شکار ہوئے، اراکان کے باشندوں کی جائیداد کو تباہ کر کے اراکان کے رہائشیوں کی نامعلوم تعداد کو قتل کر دیا گیا۔

---

[1] NGO Physicians for Human Rights report, (Mar. 2010), 9-11. https://s3.amazonaws.com/PHR_Reports/stateless-and-starving.pdf. (Accessed June 5, 2019).
[2] https://www.bbc.com/news/world-asia-18324614 (Accessed June 5, 2019).
[3] https://www.hrw.org/report/2012/07/31/government-could-have-stopped/sectarian-violence-and-ensuing-abuses-burmas-arakan (Accessed June 5, 2019).

اس کے ساتھ ہی ساتھ بودھوں کی جانب سے مسلم اکثریتی علاقوں پر بھی دھاوا بول دیا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی اس قتلِ عام پر بہت واویلا کیا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ پہلے پہل تو مقامی حکومت کی جانب سے اسے صاف جھٹلا کر حیلے بہانے کیے جاتے رہے اور متاثرہ علاقوں میں کرفیو لگادیا اور فوج بھیج کر صحافیوں کو فساد زدہ علاقوں سے نکال دیا گیا۔ مگر اگست ۲۰۱۲ء میں برطانوی ٹی وی چینل "چینل فور" نے ایک دستاویزی رپورٹ نشر کی جس میں دکھایا گیا کہ کس طرح مسلمان، کیمپوں میں جانوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ رپورٹ میں قریباً ۱۰ ہزار مکانات کا ملبہ بھی دکھایا گیا جس کے بعد اقوامِ متحدہ کے ادارۂ برائے پناہ گزین نے اپنی رپورٹ جاری کی جس کے مطابق تشدد کی اس لہر میں کم از کم ۸۰ ہزار مسلمان اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اقوامِ متحدہ کی ایک اعلیٰ عہدیدار 'نوی پلے' نے انتظامیہ کے سلوک وروبے کے حوالے سے بھی ایک رپورٹ دی کہ مقامی پولیس اور بے امنی پر قابو پانے کے لیے بھیجے جانے والی فوج بھی بے گناہ مسلمانوں کو ہی نشانہ بنا رہی ہے۔[1]

پھر جولائی ۲۰۱۲ء میں برطانوی نشریاتی ادارے نے بنگلا دیش کے کیمپوں میں مقیم روہنگیا مسلمانوں پر ایک رپورٹ شائع کی جس میں اکثر نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو میانمار کی فوج نے قتل کیا۔ اور ان کے املاک کو تباہ کر کے ان کو اپنے گھروں سے زبردستی بے دخل کیا۔

اکتوبر ۲۰۱۲ء میں جب مسلم ممالک کی تنظیم او آئی سی نے مسلمانوں کی مدد کے لیے میانمار میں دفتر کھولنے کی اجازت طلب کی تو میانمار کے صدر نے نہ صرف اجازت دینے سے انکار کر دیا بلکہ یہ بھی کہا کہ اس طرح کے دفاتر "لوگوں کی خواہشات" سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ہیومن رائٹس واچ نے بارہا عالمی برادری کے سامنے بے شمار ٹھوس دستاویزی اور تصویری ثبوت پیش بھی کیے اور اس ضمن میں اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون سے بھی اپیل کی کہ وہ تشدد روکنے میں اپنا کردار ادا کریں لیکن ساری کوششیں بے سود رہیں۔ میانمار کی حکومت اور اس کا موقف کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میانمار کے صدر نے تو جولائی ۲۰۱۲ء میں میڈیا سے بات چیت کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اس سارے مسئلے کا حل صرف یہی ہے کہ یا تو مسلمانوں کو ملک بدر کیا جائے یا پھر انہیں مہاجر کیمپوں میں منتقل کیا جائے۔

> They have no rights in the country and their movement is restricted: they cannot go to markets, schools, or hospitals.[2]

ترجمہ: ان کا ملک پر کوئی حق نہیں، ان کی نقل وحرکت پر پابندی ہے، نہ ہی یہ بازار، سکول یا ہسپتالوں میں جاسکتے ہیں۔

---

[1] https://www.bbc.com/news/world-asia-19263926 (Accessed June 7, 2019).

[2] Nicholas Kristof, *"Myanmar's Appalling Apartheid,"* **The New York Times**, May 28, 2014, http://www.nytimes.com/2014/05/29/opinion/kristof-myanmarsappalling-apartheid.html?smid=fb-share&_r=1# (Accessed June 8, 2019).

ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس واچ اور اقوامِ متحدہ سمیت کئی عالمی اداروں نے حکومت سے غیر جانبدارانہ تحقیقات کا بارہا مطالبہ کیا ہے مگر ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیا جاتا رہا۔ ان عالمی اداروں کی کاوشوں سے فسادات کی تحقیقات کے لیے ۲۰۱۲ء میں مسلمانوں، بودھ، بین الاقوامی اور مقامی لوگوں پر مشتمل ایک کمیشن بھی تشکیل دیا گیا مگر عین وقت پر میانمار کی حکومت نے اقوامِ متحدہ کی قیادت میں کمیشن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

In June 2012, sectarian violence erupted.[1] ترجمہ: جون ۲۰۱۲ء میں فرقہ ورانہ فسادات ختم ہو گئے۔

ان فسادات کا سلسلہ جون ۲۰۱۲ء میں کچھ وقت کے لیے رک گیا۔ لیکن پھر ۲۰۱۲ء میں عید الاضحی کے موقع پر جانوروں کو ذبح کرنے پر پابندی لگا دی گئی جس کے نتیجہ میں عید کے روز ہونے والے فساد میں ۵۰ مسلمان جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ویسے بھی جہاں انسانوں کا گلا کاٹا جا رہا ہو وہاں سنتِ ابراہیمی کی یاد میں جانور نہ کاٹنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

> Violence in Rakhine State which began on 25th August 2017 has driven an estimated 626,000 Rohingya across the border into Cox’s Bazar, Bangladesh.[2]

ترجمہ: راکھائن ریاست میں ۲۵ اگست ۲۰۱۷ سے شروع ہونے والے فسادات سے تقریباً ۶۲۶،۰۰۰ روہنگیا کو کاکس بازار بنگلہ دیش منتقل ہونا پڑا۔

ان فسادات کے ساتھ نقل مکانی کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ نہ تو ان کے مسائل حل ہو رہے ہیں اور نہ ہی ان کو جینے کا کوئی بھی بنیادی حق دیا جا رہا ہے۔ اور اسی طرح بے سروسامانی کے عالم میں یہ دنیا کی سب بڑی برادری بے وطن دنیا میں رہ رہی ہے۔

سیاسی مسائل:

جب برما میں نام نہاد سرمایہ دارانہ جمہوریت نہیں تھی اس وقت فوجی جنتا کے دور میں یورپی اور امریکی سامراج برما کے تمام مسائل کا حل جمہوریت کو قرار دے رہے تھے اور یہ کہا جا رہا تھا کہ آنگ سان سوچی برما کو تمام مسائل سے چھٹکارا دلا دے گی اور ۲۰۱۵ء کے الیکشن میں سوچی کی جیت پر سامراجی ممالک میں جشن منایا گیا اور سوچی کو مختلف ممالک میں دورے کی دعوتیں دی گئیں جن میں ایک دورہ پاکستان کا بھی تھا، جس میں آصف علی زرداری (اس وقت کے صدرِ پاکستان) کی جانب سے ’بے نظیر ایوارڈ فار ڈیموکریسی‘ دیا گیا۔ اسی طرح برما کے عوام میں بھی یہ تاثر پھیلایا گیا کہ سوچی تمام مسائل کا خاتمہ کر دے گی اور جمہوریت کے فروغ کیساتھ برما ترقی کرے گا۔ سوچی نے

---

[1] Human Rights Watch, supra note 24; see also Burma: Medical Crisis Looms in Rakhine, Radio Free Asia (Feb. 7, 2013), http://www.refworld.org/docid/511ce462c.html (Accessed June 8, 2019).
[2] Inter Sector Coordination Group. Situation Report: Rohingya Refugee Crisis, 19 November 2017. https://reliefweb.int/sites/reliefweb.int/files/resources/171119_weekly_iscg_sitrep_final_0.pdf (Accessed June 8, 2019)

حکومت میں آنے کے بعد اب تک برمی عوام کا کوئی بنیادی مسئلہ حل نہیں کیا۔ خاص طور پر روہنگیا مسئلے پر تو سوچ بات کرنے تک کو تیار نہیں کیونکہ وہ برما کے حکمران طبقے کی حمایت نہیں کھونا چاہتی۔ فوج کیساتھ مفاہمت کی پالیسی کے تحت برما میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو حکمران طبقہ چاہتا ہے۔

> The Myanmar government has a long history of inciting and encouraging violence against Muslims in order to distract the public's attention away from economic and political issues.[1]

ترجمہ: میانمار حکومت کا مسلمانوں کے خلاف تشدد پر عوام کو اکسانا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی ایک طویل تاریخ ہے تاکہ عوام کا اقتصادی اور سیاسی مسائل سے توجہ ہٹایا جاسکے۔

مقامی راکھائی رہنما روہنگیا کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنے معاشرے کی ناکامیوں کو چھپانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور قومی سیاست دان روہنگیا کے خلاف نفرت کو بیان کرکے ووٹ حاصل کرتے ہیں۔

> In 2014, politicians are still using ethnic cleansing policies against the unpopular Muslim Rohingya as a tactic to gain Buddhist votes.[2]

ترجمہ: ۲۰۱۴ء میں اب بھی سیاست دان غیر مشہور روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نسلی تطہیر کی پالیسی کو بودھ کے ووٹ کو حاصل کرنے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

بدھوں کی نفرت اور ان کی ہٹ دھرمی کو آج بھی وہاں کے سیاسی رہنماء اپنے ووٹ بینک کو بڑھانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ ان سیاسی رہنماؤں کے منشور کا حصہ ہوتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں مظلوم روہنگیا برادری کے لیے نفرت کم نہیں ہوتی۔ اور یہ روہنگیا نہ صرف ملک میں بلکہ اپنے گاؤں اپنے گھر کے اندر تک محفوظ نہیں ہے۔

> Even Aung San Suu Kyi, leader of the National League for Democracy (NLD), the prodemocracy opposition party against military rule, has refuted claims that the humanitarian situation for the Rohingya is dire. Instead, she has chosen to act like any other politician seeking favor with the majority of voters who support the ethnic cleansing policies.[3]

ترجمہ: نیشنل لیگ ڈیموکریٹک (این ایل ڈی) کی رہنما آنگ سان سوچی، اپوزیشن پارٹی نے فوجی حکومت کے خلاف دعویٰ کیا ہے کہ روہنگیا کے لیے انسانی صورتحال انتہائی خراب ہے۔ اس کے بجائے اس نے دوسرے سیاست دان کی طرح کام کرنے کا انتخاب کیا جو نسلی تطہیر کی پالیسی کی حمایت کرنے والے اکثریتی ووٹرز کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو۔

---

[1] Habib Siddiqui, the Forgotten Rohingya: Their Struggle for Human Rights in Burma, E-Book (No Additional Publication Information Available, 2008).

[2] Nicholas Kristof, *"Myanmar's Appalling Apartheid,"* **The New York Times,** May 28, 2014, http://www.nytimes.com/2014/05/29/opinion/kristof-myanmarsappalling-apartheid.html?smid=fb-share&_r=1# (Accessed June 10, 2019).

[3]11 Emanuel Stoakes, "*Aung San Suu Kyi is Turning a Blind Eye to Human Rights in the Name of Politics,"* **The Guardian,** November 26, 2013, http://www.theguardian.com/commentisfree/2013/nov/27/aung-san-suu-kyi-is-turninga-blind-eye-to-human-rights-in-the-name-of-politics (Accessed June 11, 2019)

جبکہ میانمار حکومت اپنے ملک کے اقلیتی گروہوں کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے میں ناکام رہے جن میں کیرن، کاچن، چن اور روہنگیا اقلیتی برادری شامل ہے۔ ۲۰۱۲ء میں میانمار حکومت نے سرکاری بدعنوانی کے خاتمے پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ حکومتی اصلاحات پر بھی توجہ دی۔

برما کی آنگ سان سوچی کا اپنے ہی ملک میں ایک سیاسی جلاوطن کے طور پر سفر اس وقت اختتام کو پہنچا جب وہ ۲۰۱۵ء میں کثیر جماعتی انتخابات کے بعد برما کی لیڈر بن گئیں۔ اس کے بعد انھوں نے بہت سے ملکوں کے دورے کیے ہیں۔ ملکاؤں، رانیوں اور صدور کے ساتھ کھانے کھائے ہیں، یادگار تقریریں کی ہیں اور اعزازات وصول کیے ہیں۔ وہ برسوں سے جس سفاک فوج کی مخالفت کرتی چلی آرہی تھیں، انھوں نے جانتے بوجھتے ہوئے اس کے ساتھ مصافحہ کرلیا اور حکومت بنالی۔

آنگ سان سوچی اس وقت اپنا تمام وقار کھو بیٹھیں، جب ان کی حکومت، پولیس اور فوج نے روہنگیا مسلمانوں کی نسلی تطہیر شروع کردی۔ ان کی بڑے منظم انداز میں نسل کشی کی جانے لگی۔ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف تشدد آمیز کارروائیاں برمی فوج، پولیس اور ملک کی قوم پرست بدھ مت اکثریت مشترکہ طور پر کررہی ہے۔ آنگ سان سوچی میں تو اتنا بھی اخلاقی حوصلہ نہیں ہے کہ وہ متاثرین سے ہمدردی کے دو بول بول سکیں۔ جن پر عرصہ دراز سے زندگی کی بنیادی حقوق تک پابندی لگی ہے۔ اور بنیادی حقوق تک رسائی نہیں ہے۔ جس پر عالمی برادری نے بارہا برمی حکومت کو متنبہ کیا گیا ہے۔ لیکن آج تک ان کے مسائل کو حل نہیں کیا گیا۔

معاشرتی مسائل:

روہنگیا ایک اقلیتی گروہ ہے جو ایک لمبے عرصے سے میانمار کی ریاست راکھائن (اراکان) میں رہ رہا ہے۔ اس گروہ میں اکثریتی مسلمان ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً بارہ لاکھ کے قریب ہے جن میں سے تقریباً آدھی آبادی راکھائن ریاست چھوڑ کر دوسرے ہسایہ ممالک ہجرت کرگئی ہے یا پھر حراستی مراکز (Concentration Camps) میں ہے۔ روہنگیا آبادی کو ۱۹۸۲ء کے برمی شہریت کے قانون کے تحت برما کی شہریت نہیں دی گئی جس کی وجہ سے ان کو نہ تو حکومتی نوکری مل سکتی ہے، نہ ہی وہ آزادانہ برما میں گھوم سکتے ہیں اور نہ ہی سرکاری اداروں میں تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔ یونیورسٹی لیول تک بہت کم ہی طلبا پہنچ پاتے ہیں۔ اور ان پر بھی پابندیاں عائد ہیں یا کچھ مخصوص مضامین میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ جبکہ ان کے خلاف نفرت انگیز فضاء قائم ہے۔ اس معاملے پر حکومتی مؤقف یہ رہا ہے کہ برطانوی دور میں برما کو ہندوستان کے صوبے کے طور پر چلایا جاتا تھا اور اس دور میں بہت سارے مزدور برما میں داخل ہوئے اور اسی طرح برصغیر کی تقسیم کے وقت بھی بہت سارے لوگ برما (خاص طور پر راکھائن) میں داخل ہوئے جو سب بنگالی تھے۔ اب چونکہ وہ ہمیشہ سے برما کے شہری نہیں تھے لہٰذا انہیں برمی حکومت شہریت نہیں دے گی۔ جبکہ

اس کے جواب میں روہنگیا آبادی کی طرف سے یہ کہنا ہے کہ وہ ۱۲ویں صدی (کئی رپورٹوں کے مطابق ۸ویں، ۵ویں صدی اور کچھ کے مطابق ایک بہت لمبے عرصے سے) سے اس علاقے میں رہ رہے ہیں۔

شہریت نہ دینے کی وجہ سے انہیں بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کیا گیا ہے۔ اور ان کو کسی طرح کا بھی کوئی بنیادی حق حاصل نہیں۔

> In Myanmar/Burma, the Rohingya have very limited access to basic services and viable livelihood opportunities due to strict movement restrictions.[1]

ترجمہ: برما میں روہنگیا کو بہت محدود بنیادی سہولیات، روزگار کے مواقع تک رسائی حاصل ہے۔ جس کی وجہ ان کی نقل و حرکت پر پابندی ہے۔

صحت کے شعبے کی حالت بھی انتہائی ناقص ہے۔ میانمار میں ڈاکٹروں کی تعداد انتہائی کم ہے۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک لاکھ لوگوں کیلئے صرف ۶۱ ڈاکٹر دستیاب ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صحت کے شعبے پر انتہائی کم خرچ کرنا ہے۔ اسی طرح سرکاری ہسپتالوں کی صورت حال بھی بہت بری ہے۔ ۲۰۱۴ء تک میانمار میں سرکاری ہسپتالوں کی تعداد ۱۰۵۶ تھی جن میں کل ۵۶،۷۴۸ بیڈ موجود تھے۔ شہری سرکاری ہسپتالوں میں بیڈز کی تعداد دیہاتی سرکاری ہسپتالوں سے نسبتاً زیادہ ہے مگر ان ہسپتالوں میں جدید مشینری کا شدید فقدان ہے۔ جبکہ برما کے مالدار لوگوں کیلئے جدید پرائیویٹ ہسپتال بھی موجود ہیں جن میں ہر قسم کے علاج کی سہولت موجود ہے۔ پرائیویٹ ہسپتالوں کی تعداد ۱۹۳ ہے۔ برمی حکمران طبقہ تعلیم اور صحت پر انتہائی کم خرچ کرتا ہے۔ مثلاً

برمی دفاعی اخراجات تعلیم اور صحت دونوں کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ ہیں۔

> Access and utilization of health services is made difficult for Rohingya because of their statelessness and severe restrictions in their movements.[2]

ترجمہ: روہنگیا کی شہریت نہ ہونے اور نقل حرکت پر سخت پابندی کی وجہ سے صحت کی سہولیات تک رسائی اور استعمال ان کے لیے بہت مشکل ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ راکھائن ریاست میں بنیادی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں جس میں صحت کا شعبہ سر فہرست ہے۔ راکھائن ریاست میں کل ۴۱ مراکزِ صحت ہیں جن میں صرف ۱۶ ہسپتال ہیں اور اسکے علاوہ چھوٹے موٹے کلینک وغیرہ ہیں۔ ان ہسپتالوں میں محض ۵۵۳ بیڈ ہیں یعنی کہ ۳۱ لاکھ کی آبادی کیلئے صرف ۱۶ ہسپتال اور ۵۵۳ بیڈ۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ راکھائن ریاست میں رہنے والوں کی زندگی کیسی ہوگی اور خاص طور پر اگر

[1] 18 European commission, *European Civil protection and humanitarian Aid Operations Echo factsheet.*(2017) 25.

[2] Mahmood, S.S., *The Rohingya people of Myanmar: health, human rights, and identity*, (London: The Lancet, 2017), 1841–1850.

روہنگیا آبادی کی بات کی جائے جس کے ساتھ ایک لمبے عرصے سے برمی حکمران طبقہ شدت پسند بدھ پیشواؤں کے ذریعے ایک عبرت ناک سلوک کر رہا ہے تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ تباہ حال راکھائن ریاست کی سب سے زیادہ متنازع اور جبر کا شکار اقلیت کی زندگی کیسی ہوگی۔ عام بیماریوں کے علاج معالجہ کے سرکاری ہسپتال کے سہولیات تک رسائی بھی انتہائی مشکل ہے۔ پہلے تو ان کا گھر سے نکلنا مشکل ہے اور اگر وہ علاج کے سرکاری ہسپتال جاتے بھی ہیں تو ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔

> Restricted access to formal health services including public hospitals and government clinics as a result of long-standing discrimination and travel restrictions may account for the poor health outcomes observed among Rohingya refugees.[1]

ترجمہ: رسمی صحت کی دیکھ بھال کے لیے عوامی یا سرکاری ہسپتالوں تک رسائی محدود ہے جس کے نتیجے کے طور پر طویل عرصے سے امتیازی سلوک اور سفر کی پابندیوں سے روہنگیا پناہ گزینوں کی ناقص صحت کا سبب بنا ہے۔

صحت کے حوالے سے روہنگیا برادری انتہائی مشکلات سے دوچار ہے۔ ایک تو ان کے پاس روزگار کے مواقع بہت کم ہیں دوسرے وہ سرکاری ہسپتال کی سہولیات سے مستفید نہیں ہو سکتے جس کے نتیجے کے میں ان کی صحت ناقص ہوتی ہے۔ اور پرائیویٹ ہسپتال کو استعمال کرنے کے لیے ان کے پاس مطلوبہ رقم نہیں ہوتی۔ اور اگر کبھی ان کو دوسرے شہر میں علاج کرنے کے لیے جانا ہو تو اور ان پر بے شمار سفری پابندیاں بھی عائد ہیں۔ جن کی اجازت ناموں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر دی گئیں ہیں۔ اور اگر ان کو اجازت مل بھی جائے تو وہ ایک مخصوص دورانیہ کے لیے ہوتی ہے۔ جس میں ضروری نہیں کہ اس عرصہ میں ان کا علاج بھی مکمل ہو سکے گا یا نہیں۔

> Many Rohingya are reported to have been physically and mentally traumatized by the violence.[2]

ترجمہ: بہت سے روہنگیا کو تشدد کے ذریعہ جسمانی اور ذہنی طور پر صدمے پہنچائے گئے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں ملنے والی نام نہاد آزادی کے بعد برمی حکومت نے ایک قانون "یونین سٹیزن شپ ایکٹ" پاس کیا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کون کونسی نسلی گروہوں کو تسلیم کیا جائے گا۔ ایک رپورٹ کے مطابق ان میں روہنگیا کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

The list did not include Rohingya.[3]

ترجمہ: اس اندراج میں روہنگیا شامل نہیں ہے۔

---

[1] Cousins, S. *Myanmar grapples with its high tuberculosis burden.* (London:The Lancet, 2017), 491.
[2] Reliefweb.int [Internet]. Rohingya Refugees in Bangladesh: Health Sector Bulletin No.1, Period: 01 October - 15 November 2017. 2017 Nov 15 [cited 2018 Feb 21]. Available from: https://reliefweb.int/report/bangladesh/rohingya-ref ugees-bangladesh-health-sector-bulletin-no1-period -01-october-15. (Accessed June 16, 2019)
[3] Constitution of the Union of Burma, Chapter II, para. 11(i) (1947).

البتہ یہ اجازت دی گئی کہ وہ لوگ جو کم از کم دو نسلوں سے برما میں آباد ہیں وہ اپنے شناختی کارڈ بنوا سکتے ہیں۔ آغاز میں روہنگیا آبادی کو کارڈ دیئے بھی گئے اور ان میں سے کچھ لوگ پارلیمنٹ کا بھی حصہ رہے۔ مگر پھر ۱۹۶۲ء کے بعد سب کچھ بدل گیا۔ تمام شہریوں کو قومی رجسٹریشن کارڈ بنوانے کا کہا گیا۔ البتہ روہنگیا کو محض بیرونی (غیر ملکی) شناختی کارڈ ہی دیئے گئے۔ برما میں ۱۹۶۲ء کے مارشل لاء کے بعد کچھ اصلاحات نافذ کی گئیں، جن میں تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والی اقوام کی رجسٹریشن لازمی قرار دی گئی، جن میں نسلی گروہوں کی بھی رجسٹریشن کی گئی، مسلمانوں کو چھوڑ کے بقیہ تمام نسلی گروہوں کو کچھ عرصہ بعد شناختی کارڈ بھی جاری کیے گئے، برما کے قانون کے مطابق جس شخص کے پاس برمی شناختی کارڈ موجود ہے، وہ برما میں کسی بھی جگہ سفر کر سکتا ہے، یا برما سے باہر جانے کے لیے پاسپورٹ بنوا سکتا ہے، جس کے پاس شناختی کارڈ موجود نہیں، وہ شخص دن کی روشنی میں صرف اپنے شہر میں گھوم پھر بھی سکتا ہے، محنت مزدوری یا چھوٹا موٹا کاروبار بھی کر سکتا ہے، لیکن رات کو صرف اپنے ہی گھر میں سو سکتا ہے، اپنے ہی شہر میں کسی بھی قریب ترین عزیز چاہے وہ بیٹا/ بیٹی ہو یا ماں باپ کے گھر میں رات کو قیام کرنے سے قبل اسے پولیس کو اطلاع کر کے ان سے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص بلا اجازت نامے اپنے کسی عزیز کے گھر میں ٹھہرتا ہے، تو شکایت ہونے پہ اسے کم از کم ایک ماہ کے لیے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے، میزبان پہ علیحدہ اور مہمان پہ علیحدہ مالی جرمانہ حکام کی صوابدید پہ ہے، جتنا مرضی کر لیں۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد ۱۹۸۲ء کے سٹیزن شپ لاء کے تحت روہنگیا کو برما میں موجود ایک نسلی گروہ کو ماننے سے ہی انکار کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک روہنگیا پر فوج کی جانب سے کئی بار حملے کئے جا چکے ہیں جس کی وجہ سے ۱۹۷۰ء سے لے کر ۲۰۱۷ء تک تقریباً دس لاکھ سے زیادہ روہنگیا برما چھوڑ کر دوسرے ممالک جا چکے ہیں۔ جبکہ تقریباً ایک لاکھ ۴۰ ہزار کے قریب راکھائن ریاست کے اندر ہی آئی ڈی پیز (IDPs) کی شکل میں موجود ہیں۔ ہجرت کے دوران ان کو بے تحاشا مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتہائی خطرناک سفر طے کرنے کے دوران کئی لوگ مارے جاتے ہیں اور کئی دنوں کے طویل اور خطرناک سفر طے کرنے کے بعد جو لوگ کسی سرحد پر پہنچتے بھی ہیں تو آگے انہیں ہاتھوں میں بندوق اٹھائے سپاہی نظر آتے ہیں جو انہیں یہ کہتے ہیں کہ زمین کے اس خطے میں داخلہ ممنوع ہے۔ اگر داخل ہونا ہے تو یہاں سے نہیں بلکہ فلاں فلاں کاغذ اور اتنے پیسے جمع کروا کر دوسرے راستے سے آؤ جسے وہ قانونی طریقہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی سرحد پر سپاہی نہیں بھی ہوں تو ان کی جگہ انسانی سمگلر انہیں مل جاتے ہیں جو انکی خواتین کو جبری یا دھوکے سے بیچنے کیلئے لے جاتے ہیں اور اگر ان سے بھی بچ نکلے کوئی تو وہ پھر اپنی انتہائی سستی لیبر بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

برمی مسلمانوں کو صرف قتلِ عام ہی کا سامنا نہیں ہے بلکہ انہیں سماجی مقاطعہ کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے لیے بازاروں سے اشیاء خریدنا ناممکن ہو گیا ہے۔ ایک لاکھ دس ہزار کے قریب افراد ان فسادات کی وجہ سے بے گھر ہو کر امدادی کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جن میں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے۔

The Rohingyas in Myanmar have very limited access to basic services and viable livelihood opportunities.[1]

ترجمہ: میانمار میں روہنگیا بنیادی سہولیات اور محدود معیشت کے مواقع تک بہت کم رسائی رکھتے ہیں۔

حکومت نے برما کے مسلمانوں کی آبادی کم کرنے کے لیے مختلف حربے اپنائے ہیں۔ ان میں سے ایک شادی پر پابندی بھی ہے۔ روہنگیا مسلمان اپنی مرضی سے شادی نہیں کر سکتے۔ دولہا دلہن کو شادی کے لیے حکومت سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ اس کا عمل سخت ہے، اور اس کے لیے حکام کو بھاری رشوت دینا پڑتی ہے۔ اس لیے بہت سے غریب والدین اپنے بچوں کی شادیاں نہیں کر پاتے۔ سخت تشدد کی وجہ سے مسلم لڑکے برما چھوڑ چکے ہیں، اس وجہ سے شادیوں میں دشواری ہوتی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ کے مطابق برما کے مغربی صوبہ اراکان میں مسلمانوں کی آبادی پر حملوں کے دوران سنگین جنگی جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسی نے بدھ دہشت گردوں (بدھ بھکشوؤں) کو مسلمانوں کی محصور بستیوں پر حملے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ ان حملوں میں ہزاروں مرد، خواتین، بچے اور بوڑھے شہید کر دیئے گئے۔ ایمنسٹی نے اس قتل عام کے لیے برما حکومت کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اراکان میں سینکڑوں مسلمانوں کو حراست میں لیا گیا ہے اور یہ نہیں معلوم کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں مزید کہا کہ بودھ قبائل ایک منظم مہم کے تحت مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہوئے ان کی بستیوں کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اور انتظامیہ ان افراد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر رہی ہے۔

راکھائن کے دارالحکومت سٹوے سے معروف برطانوی صحافی پیٹر اوبورن نے تازہ صورت حال کو رپورٹ کیا ہے۔ وہ ڈیلی میل میں ۴ ستمبر کو شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"پانچ سال قبل شہر کی ایک لاکھ اسّی ہزار کے لگ بھگ آبادی میں پچاس ہزار روہنگیا مسلم اقلیتی گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے لیکن آج شہر میں ان کی تعداد تین ہزار سے بھی کم رہ گئی ہے۔ وہ آزادانہ شہر میں گھوم پھر نہیں سکتے ہیں۔ وہ آہنی تاروں میں محصور ایک چھوٹی سی بستی میں الگ تھلگ رہ رہے ہیں۔ مسلح محافظ ان تک کسی کو پہنچنے نہیں دیتے اور روہنگیا مسلمانوں کو بھی اس بستی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے"۔[2]

---

[1]European Commission. The Rohingya Crisis. (2017, May). (Accessed June 17, 2019) http://ec.europa.eu/echo/files/aid/countries/factsheets/rohingya_en.pdf.

[2] https://www.yenisafak.com/en/world/uk-human-rights-group-discusses-rohingya-crisis-3440200 (Accessed June 18, 2019).

ہیومن رائٹس واچ نے برما کی حکومت سے اراکان میں تشدد روکنے کی مزید کوششیں کرنے کے لیے کہا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ نے برما کے مغربی علاقوں میں نسلی فسادات میں ہونے والی تباہی کے مبینہ تصویری اور فلمائی ثبوت پیش کیے ہیں۔ اس کے مطابق سیٹلائٹ سے لی گئی تصاویر میں "کیاک پیو" نامی ساحلی قصبے میں پینتیس ایکڑ کے علاقے کو جلا کر تباہ کر دیا گیا اور تمام املاک کو نقصان پہنچایا۔ اس تازہ تشدد کے دوران آٹھ سو سے زائد مکانات اور ہاؤس بوٹس نذرِ آتش کی گئی ہیں۔ اور ان کی کھڑی فصلوں کو تباہ کیا گیا۔ اس علاقے میں زیادہ تر روہنگیا مسلمان آباد تھے جو کہ بودھ آبادی کے حملوں کا نشانہ بنے۔ ہیومن رائٹس واچ نے سرکاری سیکورٹی فورسز پر روہنگیا مسلمانوں پر فائرنگ کرنے اور ان پر حملے کرنے والے مسلح جنگجوؤں کا ساتھ دینے کا الزام عائد کیا ہے اور کہا ہے کہ برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو تحفظ مہیا کرنے کے بجائے انھیں قتل اور بے گھر کرنے والوں کا ساتھ دے رہی ہے۔ اگست ۲۰۱۷ء میں حکومت نے بدھوں اور مسلمانوں کے درمیان تشدد کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن قائم کیا تھا۔ برمی حکومت نے اس سلسلے میں اقوام متحدہ کی قیادت میں تحقیقات کرانے سے انکار کر دیا تھا تاکہ بدھوں کا سفاک چہرہ باضابطہ طور پر عالمی برادری کے سامنے نہ آسکے۔

نسلی تشدد کا سامنا:

میانمار کے اکثریتی بدھ مت افراد اور اس ملک کی سیکورٹی فورسز پر روہنگیا مسلمانوں کو نسلی تشدد کا نشانہ بنانے کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ روہنگیا لوگوں کو کوئی بھی حقوق یا اختیار حاصل نہیں ہیں۔

> During the 2012 violence, the Myanmar Army, Myanmar Police Force, NaSaKa, and Rakhine citizens killed several hundred Rohingya men, women, and children in targeted attacks, according to U.N. data.[1]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء کے تشدد کے دوران، میانمار کی فوج، میانمار پولیس فورس، ناساکا اور راکھائن شہریوں نے مبینہ حملوں میں کئی سو روہنگیا مردوں، خواتین اور بچوں کو ہلاک کر دیا۔

اقوام متحدہ کے مطابق یہ دنیا کی وہ اقلیت ہے، جسے اس وقت سب سے زیادہ نسلی تشدد کا سامنا ہے۔

سفری پابندیاں:

یہ لوگ نہ تو اپنی مرضی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر جا سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی مرضی سے کام کر سکتے ہیں۔ جن گھروں میں یہ رہتے ہیں انہیں کبھی بھی کسی بھی وقت خالی کرنے کو کہا جاتا ہے۔ میانمار میں ان لوگوں کی کہیں بھی سُنوائی نہیں ہوتی۔

> The government of Myanmar imposes strict restrictions on the freedom of movement of Rohingya.[2]

---

[1] Internal Unpublished U.N. Report (April 2013) (on file with Fortify Rights).
[2] Fortify Rights, Interview #05, *Kuala Lumpur, Malaysia* (Aug. 2014)

ترجمہ: میانمار کی حکومت نے روہنگیا کی نقل و حرکت کی آزادی پر سخت پابندیاں عائد کی ہیں۔

دشوار سفر:

اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۲ء میں مذہبی تشدد کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد سے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار روہنگیا مسلمان راکھائن چھوڑ چکے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ سمندر میں کشتیاں ڈوبنے سے ہلاک بھی ہوئے۔

In 2010, Thailand towed the boats of Rohingya refugees back to sea, reportedly leaving hundreds of people, including entire families, to die.[1]

ترجمہ: ۲۰۱۰ء میں، تھائی لینڈ نے روہنگیا پناہ گزینوں کی کشتیوں کو سمندر کی طرف واپس کیا، مبینہ طور پر مرنے کے لئے پورے خاندان سمیت سینکڑوں افراد کو چھوڑ دیا۔

انسانی اسمگلنگ:

روہنگیا اقلیت کی مجبوری کا فائدہ انسانوں کی اسمگلنگ کرنے والے گروہ اٹھا رہے ہیں۔ یہ مجبور لوگ اپنی جمع پونجی انہیں سونپ کر کسی محفوظ مقام کے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

Exploitative human traffickers facilitate these journeys.[2]

ترجمہ: غیر ملکی انسانی اسمگلر ان سفروں میں سہولت فراہم کرتے ہیں۔

یہ انسانی اسمگلر ان کو دھوکے یا پھر جبری طور ان کی عورتوں کو بیچتے ہیں اور ان کے مردوں اور بچوں کو جبری مزدوری والوں پر فروخت کر دیتے ہیں۔

بنگلہ دیش کی طرف نقل مکانی:

میانمار سے ملحق بنگلہ دیش کے جنوبی حصے میں تقریباً تین لاکھ روہنگیا باشندے رہتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں، جو میانمار سے جان بچا کر وہاں پہنچے ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں آپریشن کی وجہ سے بنگلہ دیش کی طرف نقل مکانی کی۔ اور یہ نقل مکانی ابھی تک ہو رہی ہے۔ جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اور یہ روہنگیا جن کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں وہاں بنیادی انسانی حقوق کی بھی قلت پائی جاتی ہے۔

More than 200,000 Rohingya fled across the border into Bangladesh.[3]

ترجمہ: دو لاکھ سے زیادہ روہنگیا افراد نے سرحد پار بنگلہ دیش ہجرت کی۔

---

[1] Human Rights Watch, *Perilous Plight: Burma's Rohingya Take to the Seas*, (May 26, 2009), 8 https://www.hrw.org/report/2009/05/26/perilous-plight/burmas-rohingya-take-seas. (Accessed June 18, 2019)

[2] United States Senate Committee on Foreign Relations, Trafficking and Extortion of Burmese Migrants in Malaysia and Southern Thailand, S. (Apr. 3, 2009). Prt-111-118.

[3] Human Rights Watch, *All You Can Do Is Pray*, 139.

بنگلہ دیش میں لاکھوں کی تعداد میں روہنگیا مہاجرین بے بسی اور مجبوری کی حالت میں اپنی زندگی انتہائی ابتر حالات میں بسر کر رہے ہیں۔

پناہ حاصل کرنا:

ایسے روہنگیا کم ہی ہیں، جنہیں بنگلہ دیشی حکومت مہاجرین کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ یہ کشتیوں کے ذریعے بنگلہ دیش میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بنگلہ دیشی سکیورٹی فورسز انہیں زبردستی واپس میانمار کی طرف بھیج دیتی ہیں۔ اور اسی طرح باقی ہمسایہ ممالک کا بھی حال ان سے زیادہ مختلف نہیں، ماسوائے ملائشیا میں ان کی زندگی قدرے بہتر ہے۔ اور وہاں یہ چھوٹا موٹا کاروبار کر کے اپنی زندگی کی ضروریات پورا کرتے ہیں۔ اور ان کاروباروں کو مستحکم کرنے میں ان کے رشتہ دار، ہمسایہ اور دوست احباب مدد کرتے ہیں۔ بنگلادیش کے علاوہ روہنگیا لوگ بھارت، تھائی لینڈ، ملائیشیا اور چین جیسے ممالک کا بھی رخ کر رہے ہیں۔ یہ سبھی ممالک میانمار سے قریب ہیں۔

امن کے لیے خطرہ:

میانمار کی سکیورٹی فورسز کے مطابق چیک پوسٹوں پر ہونے والے حالیہ چند حملوں میں روہنگیا نسل کے باغی ملوث تھے۔ اس کے جواب میں روہنگیا باشندوں کے کئی دیہات کو جلا دیا گیا تھا۔ سکیورٹی فورسز کے مطابق یہ 'امن کے لیے خطرہ' ہیں۔

میانمار میں گزشتہ کئی برسوں سے مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے بلکہ وہاں بے دریغ مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ ابھی حالیہ دنوں میں مسلمانوں کے کئی علاقوں میں مساجد اور مکانات کو بدھ راہبوں نے پولیس اور فوج کی سرپرستی میں جلایا ہے۔

> In some parts of Rakhine State, authorities cordoned off mosques and forbade Muslims to worship in them.[1]

ترجمہ: ریاست راکھین کے کچھ حصوں میں، حکام نے مساجد کو گھیرے میں لیا اور مسلمانوں کو ان میں عبادت کرنے سے منع کیا۔

اور اس قتل عام میں بچے، بوڑھے، جوان اور عورتوں کو قتل کیا گیا تھا۔ ان کے گھروں کو جلایا گیا اور ان کے تمام املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ اور جو بچ گئے بے وسامانی کی حالت میں نقل مکانی پر مجبور کیا گیا تھا۔ ان تمام فسادات میں نہ صرف مقامی بدھ بھکشو بلکہ حکومت بھی ملوث تھی۔ عورتوں کے ساتھ زیادتیاں، گھروں اور املاک کو جلانا اور بہت سارے افراد کو قتل کرنا شامل ہے۔

---

[1] United States Department of State, *2010 Report on International Religious Freedom - Burma,* (17 November 2010), 3.

شہریت کے مسائل:

اقوامِ متحدہ نے اپنی ایک رپورٹ میں راکھائن کے روہنگیا مسلمانوں کو "روئے عالم کی مظلوم ترین اقلیت" قرار دے رکھا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق تو دور کی بات انہیں تو خود کو ملک کا شہری کہلانے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ میانمار غالباً دنیا کا واحد ملک ہے جو صرف مذہبی دشمنی کی وجہ سے اپنے شہریوں کو شہری تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ برمی بودھوں کا خیال ہے کہ چونکہ مسلمان یہاں غیر قانونی طور پر ہجرت کر کے آئے ہیں اس وجہ سے انہیں خود کو ملک کا شہری کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں، اس لیے بار بار مسلمانوں کے خلاف میدان جنگ بنایا جاتا ہے تا کہ مسلمان یہاں سے واپس ہجرت کر کے اپنے ملکوں میں چلے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد یہاں سے ہجرت کر کے بنگلا دیش کے ساحلی علاقوں پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئی ہے۔

شہریت قانون کی وجہ سے روہنگیا برادری دنیا کی سب بڑی بے ریاستی عوام میں شمار ہوتی ہے۔ تقریباً ۸ لاکھ بے گھر روہنگیا برما کے سرحدوں پر واقع پڑوسی ممالک میں رہتی ہیں۔ جن بنگلہ دیش، ملائشیا اور تھائی لینڈ شامل ہیں۔

> Without citizenship, the Rohingya cannot work legally, travel, or use public services.[1]

ترجمہ: روہنگیا قانونی طور پر کوئی کام، سفر یا عوامی سہولیات استعمال نہیں کر سکتے۔

برما میں روہنگیا ایک اقلیتی گروہ ہے جو صدیوں سے میانمار کی ریاست راکھائن (اراکان) میں آباد ہیں۔ اس برادری میں زیادہ تر مسلمان ہیں۔ ان کی تقریباً آدھی آبادی راکھائن ریاست چھوڑ کر دوسرے ہمسایہ ممالک میں پناہ لی ہے یا پھر آئی ڈی پیز کیمپوں میں انتہائی ناقص زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ روہنگیا مسلمانوں کو ۱۹۸۲ء کے برمی شہریت کے قانون کے تحت برما کی شہریت نہیں دی گئی جس کی وجہ سے ان کو کوئی بھی سرکاری حق حاصل نہیں، بلکہ ان کی بلا اجازت نقل و حرکت پر بھی پابندی ہے۔ اور نہ وہ سرکاری تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، اور نہ ہی کو سرکاری نوکری حاصل کرنے کا حق ہے۔ روہنگیا کے شہریت کے بارے میں سرکاری بیان یہ ہے کہ آزدی سے پہلے برما کو ہندوستان کے صوبے کی حیثیت حاصل تھی اور اس دور میں بہت سارے مزدور برما میں مزدوری کے لیے آئے ہوئے تھے اور اسی طرح برصغیر کی تقسیم کے وقت بھی بہت سارے افراد برما خاص طور پر ریاست اراکان میں داخل ہوئے جو سب چٹاگانگ بنگالی تھے۔ اس لیے وہ تمام بنگالی جو ہمیشہ سے برما کے باشندے نہیں تھے لہٰذا انہیں برمی حکومت اپنی شہریت نہیں دے سکتی، بلکہ ان افراد کو برما سے جانا ہو گا۔

---

[1] "*Nowhere to Call Home: The Changing Face of the World's Non-citizens*" **The Economist**, May 17, 2014,http://www.economist.com/news/international/21602251-changing-face-worlds-noncitizens-nowhere-call-home (Accessed June 22, 2019).

Myanmar's Minister for Foreign Affairs Ohn Gyaw stated in 1992, "Historically, there has never been a 'Rohingya' race in Myanmar." He described the Rohingya as "illegal immigrants.[1]

ترجمہ: میانمار کے وزیر خارجہ اوہن گیوا نے ۱۹۹۲ء میں بیان دیا، کہ "تاریخی طور پر، میانمار میں روہنگیا کی نسل کبھی نہیں رہی۔" انہوں نے روہنگیا کو "غیر قانونی تارکین وطن" قرار دیا۔ انسانی حقوق کے لیے قومیت کا حق بہت اہم ہے، کیونکہ اس سے ریاست علاقوں کے اندر شہریوں کو سیاسی، اقتصادی اور سماجی حقوق کو مکمل طور پر استعمال کرنے کا حق فراہم کرتی ہے۔ اور ملک کے اندر رہ کر وہ ان تمام حقوق سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

Nationality also enables an individual to receive protection by their nation both domestically and internationally.[2]

ترجمہ: قومیت کا حق کسی بھی شہری کو اپنے ملک میں قومی اور بین الاقوامی طور پر تحفظ فراہم کرتی ہے۔

روہنگیا کو بغیر شہریت کے برما کے اندر یا بیرون ملک کوئی تحفظ حاصل نہیں۔ نہ تو وہ برما کے اندر کسی بھی طرح محفوظ ہیں اور نہ ہی ملک سے باہر کوئی تحفظ حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے روہنگیا کو بے پناہ مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ برمی حکام نے روہنگیا سے تمام انسانی تحفظ دینے کے قوانین کو ہٹا دیا ہے۔ میانمار میں روہنگیا افراد کو ایک نسلی گروپ کے طور پر تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ اس کی ایک وجہ ۱۹۸۲ء کا وہ قانون ہے، جس کے مطابق شہریت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی نسلی گروپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ ۱۸۲۳ء سے قبل بھی میانمار میں ہی تھا۔

تازہ واقعات کے سلسلے میں روہنگیا افراد پر الزام ہے کہ انہوں نے پولیس چوکیوں پر حملے کر کے متعدد پولیس اہلکاروں کو ہلاک کیا ہے۔ اس کے بعد میانمار کی فوج نے ان کے خلاف آپریشن شروع کر دیا ہے۔ اس کے بارے میں اقوامِ متحدہ کا کہنا ہے کہ ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کے بعد سے روہنگیا پناہ گزینوں کی بنگلہ دیش ہجرت میں تیزی آئی ہے اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ روہنگیا اراکان میں جاری تشدد کی وجہ سے بھاگنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ جہاں وہ پناہ گزین کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو کر بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ ان تمام حالات کے باوجود روہنگیا مسلمان خود کو برما کا مستقل باشندہ کہتے ہیں اور وہ تحفظ کی ضمانت پر واپس اپنے ملک جانے کے لیے تیار ہیں۔

By law, the Myanmar government owns all land in the country, and only citizens have the right to use and enjoy their land.[3]

ترجمہ: قانون کے مطابق، میانمار کی حکومت ملک میں تمام زمین کا مالک ہے، اور صرف شہریوں کو اپنی زمین کا استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتی ہے۔

---

[1] Human Rights Watch, Burma: *The Rohingya Muslims: Ending a Cycle of Exodus?*, (Sept. 1996), 9 http://www.hrw.org/reports/pdfs/b/burma/burma969.pdf. (Accessed June 22, 2019).

[2] Weiss Brodt, Collins, *"The Human Rights of Stateless Persons"* 247 – 248.

[3] International Federation of Human Rights Leagues (FIDH), Burma: Repression, Discrimination and Ethnic Cleansing in Arakan, (Apr. 2000), 25. https://www.fidh.org/IMG/pdf/arakbirm.pdf. (Accessed June 23, 2019).

مگر برما کے سابق صدر تھین سین نے اپنے نسلی ایجنڈے کا اظہار کرتے ہوئے ایک بیان جاری کر کے برمی مسلمانوں کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا ہے کہ ان مسلمانوں کو کسی تیسرے ملک میں آباد کر دینا چاہئے۔ اسی درمیان برما میں حکام نے گذشتہ تین دہائیوں میں پہلی بار مردم شماری کا کام شروع کر دیا ہے لیکن اراکانی مسلمانوں کو روہنگیا کے طور پر اندراج کرانے سے منع کر دیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ روہنگیا برادری کو کسی بھی قسم کا کوئی بھی حق حاصل نہیں۔ ملک کے اندر رہنے کے لیے اور ملکی سہولیات سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے شہریت کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ بغیر شہریت کے اپنے ملک میں ہی بنیادی انسانی حقوق کا فقدان بھی اسی وجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برمی حکام روہنگیا کو کوئی بھی دینے کو تیار نہیں۔ کیونکہ جب تک روہنگیا کے پاس شہریت نہیں ہو گی ان کو کوئی بھی سہولت نہیں ملی گی۔ بلکہ یہاں تک کہ جو حقوق و سہولیات غیر ملکی تارکین وطن کو ملتی ہے روہنگیا برادری ان سے بھی محروم ہے۔

تعلیم اور صحت کے مسائل:

میانمار کی کل آبادی تقریباً چھ کروڑ کے قریب ہے جس میں سے ۳۵ فی صد آبادی شہروں میں رہتی ہے جبکہ ۶۵ فی صد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے۔ شہروں کی نسبت دیہاتوں کی حالت انتہائی خراب ہے اور بہت سے علاقوں میں بجلی اور ٹرانسپورٹ کی سہولت تک مہیا نہیں۔

> Among Rohingya refugees who arrived in Bangladesh in 2017, 76% of those above 15 years of age had received no education.[1]

ترجمہ: روہنگیا مہاجرین جو ۲۰۱۷ء میں بنگلہ دیش ہجرت کر چکے ہیں۔ ان میں ۷۶ فیصد ایسے افراد ہیں جن کی عمریں ۱۵ سال سے زیادہ ہیں اور ان کو کوئی تعلیم نہیں ملی۔

تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کا حال بھی بہت ناقص ہے۔ ۱۹۹۷-۹۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق میانمار میں ۳۰۵،۳۹ پرائمری سکول، ۳۸۷۱ مڈل سکول، ۲۳۷۷ ہائی سکول اور ۱۵۱ یونیورسٹیاں اور کالج ہیں۔ برمی حکومت کی جانب سے یونیورسٹی تعلیم کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ انہی یونیورسٹیوں سے ہمیشہ بغاوتوں نے جنم لیا ہے اور اب بھی ان یونیورسٹیوں میں برمی حکمران طبقے کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے۔

> More than 73% of Rohingya in Rakhine State self-identify as illiterate today.[2]

ترجمہ: راکھائن ریاست میں ۷۳٪ سے زائد افراد خود کو ناخواندہ شمار کرتے ہیں۔

---

[1] Qadri, Flora, Nair, G. B. & Clemens, J. D., *Emergency deployment of oral cholera vaccine for the Rohingya in Bangladesh.* (Lancet, 2018), 1877–1879.

[2] https://burmacampaign.org.uk/rohingya-denied-access-to-education-in-myanmar-and-bangladesh/ (Accessed June 24, 2019)

اسی طرح ایک اندازے کے مطابق ۲۰۱۱ء تک میانمار کی تقریباً چھ کروڑ آبادی میں صرف ۵۲ لاکھ بچے پرائمری سکول جاتے ہیں یعنی کہ کل آبادی کا محض ۸ فیصد۔ یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے میانمار میں تعلیم کی کیا صورت حال ہو گی۔ مگر یہ مسائل برمی محنت کش طبقے کیلئے ہیں حکمران طبقے کے بچوں کی تعلیم تو یورپ کی جدید اور مشہور یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہوتی ہے۔

اسی طرح صحت کے شعبے کی حالت ہے۔ میانمار میں ڈاکٹروں کی تعداد انتہائی کم ہے۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک لاکھ لوگوں کیلئے صرف ۶۱ ڈاکٹر دستیاب ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صحت کے شعبے پر انتہائی کم خرچ کرنا ہے۔ اسی طرح سرکاری ہسپتالوں کی صورت حال ہے۔ ۲۰۱۴ء تک میانمار میں سرکاری ہسپتالوں کی تعداد ۱۰۵۶ تھی جن میں کل ۵۶،۷۴۸ بیڈ موجود تھے۔ شہری سرکاری ہسپتالوں میں بیڈز کی تعداد دیہاتی سرکاری ہسپتالوں سے نسبتاً زیادہ مگر ان ہسپتالوں میں جدید مشینری کا شدید فقدان ہے۔ جبکہ برما کے مالدار لوگوں کیلئے جدید پرائیویٹ ہسپتال بھی موجود ہیں جن میں ہر قسم کے علاج کی سہولت موجود ہے۔ پرائیویٹ ہسپتالوں کی تعداد ۱۹۳ ہے۔ برمی حکمران طبقہ تعلیم اور صحت پر انتہائی کم خرچ کرتا ہے۔ مثلاً برمی دفاعی اخراجات تعلیم اور صحت دونوں کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ ہیں۔

معاشی مسائل:

۴ جنوری ۱۹۴۸ء میں برطانیہ کے نکل جانے کے بعد برما ایک آزاد جمہوریہ بن گیا جس کا نام "یونین آف برما" رکھا گیا اور اس کے بعد برما میں ۱۹۵۱-۵۲ء، ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۰ء میں ملٹی پارٹی الیکشن بھی کروائے گئے۔ مگر اس نام نہاد آزادی سے عام لوگوں (خاص طور پر برما میں موجود نسلی اقلیتوں) کی زندگیوں میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا اور برما ایک پسماندہ ملک ہی رہا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ برطانیہ کا برما کی ترقی میں کسی قسم کا بھی کوئی کردار ادا نہ کر پانا تھا۔

> In 1974, Myanmar began requiring all citizens to obtain National Registration Cards but allowed Rohingya to obtain only Foreign Registration Cards. Because many schools and employers did not recognize these cards, Rohingya faced limited educational and job opportunities.[1]

ترجمہ: ۱۹۷۴ء میں، میانمار نے تمام شہریوں کو قومی رجسٹریشن کارڈ حاصل کرنے کو کہا لیکن روہنگیا کو صرف غیر ملکی رجسٹریشن کارڈ حاصل کرنے کی اجازت دی۔ چونکہ بہت سے اسکولوں اور ملازمین نے ان کارڈوں کو تسلیم نہیں کیا، روہنگیا کو محدود تعلیمی اور روزگار کے مواقع میسر آئے۔

---

[1] Human Rights Watch, *Burma: The Rohingya Muslims: Ending a Cycle of Exodus?*, (Sept. 1996), 29. http://www.hrw.org/reports/pdfs/b/burma/burma969.pdf. (Accessed June 24, 2019).

۱۹۴۸ء سے اب تک لاکھوں افراد بے گھر ہوگئے ہیں۔ ہزاروں افراد کو شہید کر دیا گیا ہے، ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور بے شمار بچوں کو یتیم بنا دیا گیا ہے، اُن کو ملازمت کرنے کی عام اجازت نہیں ہے۔ عمومی طور پر اُن کا روز گار کھیتی باڑی پر منحصر ہے، اس پر بھی بے شمار پابندیاں ہیں۔ اپنا گھر بنانے حتی کہ اس کی مرمت کرانے کے لیے متعدد قدغن لگی ہوئی ہیں۔ انہیں ووٹ ڈالنے کا حق بھی نہیں ہے۔

In 2008, the U.N. Special Rapporteur reported allegations that Rohingya had been killed for refusal to perform forced labor.[1]

ترجمہ: ۲۰۰۸ء میں یو این کے خصوصی رپورٹر نے رپورٹ دی کہ روہنگیا کو جبری مزدوری سے انکار پر قتل کیا گیا۔

اس کا مطلب ہے کہ ان کو اپنے ہی ملک میں جبری غلام بنایا گیا ہے اور انکار پر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں اتنا ظلم اپنے ہی شہریوں پر نہیں ہوتا ہوگا جتنا اراکان میں روہنگیا برادری پر ہوتا ہے۔ ان کی نقل و حرکت کی پابندی نے ان کے روز گار کے مواقع تقریباً ختم کر دیئے ہیں۔ ان کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں جس کی وجہ سے یہ کوئی سرکاری نوکری حاصل نہیں کر سکتے۔

روہنگیا مسلمانوں کی معاشی حالت انتہائی ناقص ہے۔ جس ملک میں وہ رہ رہے ہیں وہ ملک اس کو غیر قانونی تارکین وطن کہتا ہے۔ ان کو بنیادی انسانی حقوق حاصل نہیں تو روز گار اور کاروبار تو بہت دور کی بات ہے۔ ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر اندرونی بے داخلی کیمپوں یعنی آئی ڈی پیز کیمپوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اور جو بیرونی ملک سے کچھ امدادی سامان ان کے لیے آتا ہے وہ بھی ان کو آٹے میں نمک جتنا ملتا ہے۔

عمومی طور پر روہنگیا باشندوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور چھوٹا موٹا کاروبار ہوتا تھا۔ جن کو بھی مقامی بدھ مت کے پیروکاروں، بدھ بھکشوؤں اور حکومتی اہلکاروں نے نیست و نابود کر دیا۔ روہنگیا مسلمانوں میں تعلیم کی بہت کمی ہے۔ یونیورسٹیوں میں مسلمان طلباء داخلہ نہیں لے سکتے۔ اور اگر ان کو اجازت بھی ملی ہے تو محض چند مخصوص مضامین میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ اور جن مسلمانوں نے تعلیم حاصل کی ہے وہ بھی کوئی سرکاری نوکری نہیں حاصل کر سکتے، کیونکہ اس پر حکومت کی طرف سے پابندیاں عائد ہیں۔ جس کی وجہ روہنگیا برادری کی معاشی حالت بہت بری ہے۔ اور وہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

[1] U.N. Human Rights Council, Report of the Special Rapporteur on the Situation of Human Rights in Myanmar, Paulo Sérgio Pinheiro, U.N. Doc. A/HRC/7/18 (2008), para. 60.

باب سوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل اور اس کے اسباب و اثرات

فصل اول: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مذہبی مصائب اور اس کے عوامل و اثرات

فصل دوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی مشکلات اور اس کے اسباب و نتائج

فصل سوم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشرتی مسائل اور اس کے وجوہات و اثرات

فصل چہارم: برما میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشی رکاوٹیں اور اس کے محرکات و عواقب

فصل اول

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مذہبی مصائب اور اس کے عوامل واثرات:

بدھ مت اگرچہ الہامی مذہب نہیں لیکن بدھ مت کی مذہبی و نظری تعلیمات امن وامان اور عفو ودرگزر کی داعی ہیں۔اس کے علاوہ ہمدردی، غمگساری، دوسروں پر رحم کرنے جیسی اخلاقی صفات کا غلبہ ہے، اس کے برعکس ظلم وجور، قتل وغارت، سنگدلی وبے رحمی اور کسی بھی جاندار کو اذیت میں مبتلا کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

> Whatsoever Bhikshu shall deliberately deprive any living thing of life,that is a Pakittiya. [1]

ترجمہ: جو بھکشو کسی جاندار کو عمداً قتل کرے وہ تو وہ پکتیہ (بڑے گناہ) کا مرتکب ہو گا۔

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق جنگ کرنا تو درکنار میدان جنگ کا نظارہ کرنا یا ان سپاہیوں تک کو دیکھنے میں بھی قباحت سمجھی گئی ہے جو جنگ کے لئے مستعد کھڑے ہوں، جبکہ ان کے مذہبی تعلیمات کے برعکس بدھ مت کے حاملین نے جس طرح عصر حاضر میں روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں کو جس بہیت وسفاکیت کا نشانہ بنایا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بدھ بھکشوؤں نے گوتم بدھ کی تعلیمات پر کہاں تک عمل کیا ہے؟ برما کی آزدی کے ساتھ ہی بدھ بھکشوؤں نے مسلمانوں کو بدھ مت کے خطرہ قرار دیتے ہوئے ان کی نسل کشی شروع کردی، اس کے علاوہ انہوں نے گھروں کو مسمار کرنے، مسلم خواتین کی عصمت دری کرنے اور یہاں کی مسلم آبادی کو بے جا ہراساں کرنا شروع کیا، جس کے باعث ہزاروں مسلمان اپنا گھربار چھوڑ کر نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔

مذہبی مسائل:

اراکان برما کے چودہ صوبوں میں سے ایک ہے جہاں صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اسلام کا سکہ چلتا رہا۔ ۱۴۳۱ء سے ۴۸ مسلم حکمران گزرے ہیں۔ ۱۷۸۴ء میں بدھ برمی راجہ بوداپایہ نے اس سرسبز وشاداب گلشن اسلام پر ڈاکہ ڈال کر مسلمانوں کی نسل کشی شروع کردی تھی، شعائر اسلام کو مٹانا اور مساجد ومدارس کو منہدم کرنا اپنا نصیب العین بنالیا تھا۔ تمام شعائر اسلام پر پابندیاں عائد کیں۔ مثلاً حج، قربانی، اجتماعی نماز، جمعہ وعیدین نیز تبلیغی دوروں پر مکمل پابندی لگادی۔ پھر آزدی کے بعد سرکاری ملازمت، پرمٹ کے بغیر ایک بستی سے دوسری بستی میں جانے، وعظ وتبلیغ کی مجالس، مساجد ومدارس کی نئی تعمیر، اجازت نامہ کے بغیر مسلمان لڑکیوں کی شادی اور بچوں کے اسلامی نام رکھنے تک کی ممانعت ہوگئی۔ ۱۹۷۸ء سے "مسلم ہٹاؤ پالیسی" کے تحت گنجان مسلم آبادیوں کا انخلاء حکومت کا محبوب مشغلہ بن گیا۔

---

[1] Rhys Davids & Hermann Oldenberg(tr), *Vinaya Texts*, (Oxford: The Clarendon Press,1881), Vol.1, 46.

روہنگیا مسلمانوں کو کئی صدیوں سے مذہبی مسائل کا سامنا ہے۔ اور ہر نئے آنے والے دن ان کے مسائل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کو اپنے مذہب پر چلنا اور مذہبی احکامات ادا کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ ان مذہبی احکامات میں چاہے وہ اجتماعی نماز ہو، اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین ہو یا اپنے دوسرے مذہبی احکامات ہو ان تمام کا ادا کرنا روہنگیا مسلمانوں کے ناممکن حد تک مشکل ہو گیا ہے۔ ان میں سے جو بڑے بڑے مسائل ہیں ان کا ذکر درجہ ذیل کرتے ہیں۔

عقیدے کی آزادی:

دنیا کی تمام مہذب اور جدید معاشروں میں تمام انسانوں کو اپنے مذہب کے مطابق عقائد رکھنے کی اجازت ہے۔ اور خصوصاً جہاں پر اقلیتوں میں عوام رہتے ہوں وہاں پر ان کو خصوصی قوانین کے تحت اپنے عقیدے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مگر برما میں روہنگیا مسلمان کو اپنے عقیدے کی آزادی حاصل نہیں۔ ان کے مدارس اور تعلیمی ادارے بند کر دیے گئے، اس طرح ان کے لیے تعلیم کے دروازے مکمل طور پر بند ہو گئے۔

ان پر مسجدوں میں باجماعت نمازیں پڑھنے کی پابندی لگادی گئی اور مساجد پر تالے ڈال دیے گئے۔ مسلمانوں پر حج کرنے کی اور اس کے لیے سفر کی پابندی عائد کر دی گئی۔ قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ [1]

روہنگیا مسلمان کو ان کے مساجد سے روکا جا رہا ہے۔ وہ نماز باجماعت ادا نہیں کر سکتے، ان کے مدارس و مساجد کو یا تو مسمار کر دیا گیا ہے یا ان کو تالے لگا دیئے گئے ہیں۔ وہ عیدین کی نماز بھی بہت ڈر اور خوف میں بہت تھوڑے اجتماع میں ادا کرتے ہیں۔ وہ جانوروں کی قربانی نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ حج پر جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان پر سفری پابندیاں عائد ہیں۔

مساجد و دینی اداروں اور مقابر کی مسماری:

برما میں روہنگیا مسلمانوں کی دینی تشخص کو ختم کرنے کے لیے بدھ پیروکاروں اور حکومتی اہلکاروں نے مساجد و مدارس اور قبرستانوں کو تباہ کرنا شروع کیا ہے۔ اور مختلف حیلوں بہانوں سے ان گرا کر ان پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اراکان میں مسلمان اپنا نام عربی یا اسلامی نام مثلاً عبد اللہ، عبد الرحمن وغیرہ نہیں رکھ سکتے۔ [2]

> According to an eyewitness, the mob that destroyed the mosque had brought with them tools, including a hand saw, in order to dismantle the structure.[3]

---

[1] خان، نور محمد، روہنگیا مسلمانوں کا المیہ۔۔۔ حل کیا ہے؟ تاریخی پس منظر، مسائل اور حل کا جائزہ، (لاہور: ای پیپر ٹیم، ۲۰۱۷ء)، ۱،

[2] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، چشم بیدار، جلد ۶، شمارہ ۹، (ستمبر ۲۰۱۲ء)، ۱۴

[3] Kyaw Win- BHRN Report, *PERSECUTION OF MUSLIMS IN BURMA*, (Burma: Human Rights Network, 2017), 24.

ترجمہ: ایک عینی شاہد کے مطابق، ہجوم جس نے مسجد کو تباہ کیا تھا وہ اس ڈھانچے کو ختم کرنے کے لئے اپنے ساتھ ایک دستی آری سمیت اوزار لے کر آیا تھا۔

پورے برما میں پچیس سو مساجد ہیں۔ اتنی ہی مساجد صرف برما کی ریاست راکھائن میں ہیں۔ ایسے ہی اسلامی مدارس بھی بہت ہیں ان میں شعبہ عالمیت اور فضیلت کی تعلیم اردو زبان میں رکھی گئی ہے۔ اس لیے ۹۹ فیصد فضلاء مدارس اردو بآسانی لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ برمی مسلمانوں کے مابین اراکانی خواتین کی پردہ نشینی کی مثال دی جاتی تھی یہ تمام چیزیں برما کے مسلمانوں کی دینی بیداری کا واضح ثبوت تھی۔

وسط دسمبر ۱۹۸۹ء کی ایک صبح اکیاب شہر کی سب سے بڑی اور قدیم تاریخی مسلم بستی چاکی پاڑہ پر ہلہ بول دیا اور پھاوڑوں، کدالوں اور بلڈوزروں کی مدد سے مسلمانوں کے رہائشی مکانوں، دکانوں اور مدارس و مساجد کو مسمار کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں ۲۷ دسمبر ۱۹۸۹ء تک دو ہزار سے زیادہ قدیم عمارتیں زمین بوس کی گئیں، اور ۱۰ سے زائد مساجد اور دینی مدارس بھی اس کارروائی کی زد میں تھے۔ موسم کی سرد ترین ایام میں لوگ بے سروسامانی کے عالم میں کھلے آسمان تلے ٹھٹھرتے رہے اور بہت سے افراد سردی کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔[1]

۲۷ دسمبر ۱۹۸۹ء کو ۱۱ مساجد ایک مدرسہ اور کئی دینی مکاتب تباہ کئے۔ اکیاب کی جامع مسجد کو تباہ کر دیا گیا۔[2] مسلمانوں کے ساتھ مذہبی امتیاز اتنا شدید برتا جاتا کہ ناقابل بیاں ہے۔ اکیاب کی جامع مسجد کے لئے وقف وسیع و عریض گراؤنڈ پر قبضہ کرکے اسے بدھوں کے حوالے کر دیا گیا تھا کہ بدھ اپنے مخصوص مذہبی تہواروں اور ناچ گانوں پر مبنی پروگرام کے لئے ہال تعمیر کر سکیں۔ اس منصوبے پر کام شروع ہو چکا تھا۔[3]

ایک کاروائی ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء کو کی گئی تھی اس دن منگڈاؤ کی "جامع مسجد مرکز تبلیغی" کو فوجی قبضہ میں لے لیا گیا تھا۔ جب عصر کے وقت لوگ نماز کیلئے مسجد آئے تو امام سمیت انہیں گرفتار کر کے مزے کرنے کے احکامات جاری کر دیے گئے گئے۔ [4]

تھائی سرحد پر پہنچنے والوں نے بتایا کہ برمی فوج نے دو امام پکڑے اور مبینہ طور پر ان پر تشدد کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب دونوں اماموں نے مہاتما گوتم بدھ کے مجسمے کے سامنے جھکنے سے انکار کیا تو ان کی داڑھی اور مونچھیں مونڈ دی گئیں۔ اور اس کے برعکس ایک برمی بدھ بھکشو ایک انٹرویو دیتے ہو کہتا ہے۔

---

[1] عطاء الرحمٰن، مسئلہ اراکان، **دوماہی انصاف**، جنوری-فروری ۱۹۹۰ء

[2] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۱۴۵

[3] عزیز، محمد، روہنگیا مسلم، **دوماہی انصاف**، جولائی-اگست ۱۹۹۰ء

[4] عثمانی، خالد، روہنگیا مظالم، سہ روزہ، **دعوت**، **دہلی**، اگست ۱۹۹۱ء

"We do not think of [the Rohingya] as Muslims but as invaders. They want to take our land and rape our women."[1]

ترجمہ: ہم روہنگیا کو مسلم نہیں بلکہ حملہ آوروں کی طرح سوچتے ہیں۔ یہ ہماری زمین لینا اور ہماری عورتوں کی عزت لوٹنا چاہتے ہیں۔

اراکان کے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برمی حکام برمی مسلمانوں کو بھی اذیت کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔ برمی حکام نے ینگون کے تمام قبرستانوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۹۱ء میں ہی وزارت دفاع کے سامنے واقع قبرستان کو پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا۔

"قبرستان کو ختم کرنے کے بعد اس جگہ کو فوجی حکام کے لئے استعمال کئے جانے کا منصوبہ بنایا گیا۔"[2]

A mosque located in the Muslim section of a Mandalay cemetery was burned during communal violence. Several other structures were burned as well.[3]

ترجمہ: مانڈلے قبرستان کے مسلم حصے میں واقع ایک مسجد کو تشدد کے دوران جلا دیا گیا تھا۔ کئی دیگر عمارات کو بھی جلا دیا گیا۔

اگرچہ ان کے اپنے آئین میں یہ درج ہے۔

Every citizen is equally entitled to freedom of conscience and the right to freely profess and practice religion subject to public order, morality or health and to the other provisions of this Constitution.[4]

ترجمہ: ہر شہری آزادی ضمیر اور آزادانہ طور پر مذہب کا نظم و نسق، عوامی نظم، اخلاقیات یا صحت سے متعلق اور اس آئین کی دوسری شقوں کے پابند ہونے کا بھی حقدار ہے۔

اراکان میں صدیوں پرانی مساجد و مدارس کو مسمار کر دیا گیا اور ان کے ساتھ ملحقہ زمین پر کہیں سرکاری عمارتیں تو کہیں بدھوں کے لئے پگوڈے بنائے گئے۔ اور اس پر یہ ظلم کہ یہ بیگار بھی مسلمانوں سے لیا گیا۔ اور ان سے جبری مزدوری کروا کر یہ عمارتیں اور پگوڈے بنائے گئے۔ مسلمانوں سے ان کے دینی ورثہ کو چھین لیا گیا۔ ان کے دین کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ یہ سلوک روہنگیا کے ساتھ اب سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے۔

"۱۹۴۷-۴۸ء میں برمی افواج نے ۳۰۰ مسلمان دیہاتوں، ۴۴ مساجد اور مدرسوں کو مسمار کر دیا۔"[5]

---

[1] U.S. Commission on International Religious Freedom, *Burma: Religious Freedom and Related Human Rights Violations are Hindering Broader Reforms*, (USA:732 North Capitol Street, NW, November 2014), 5.

[2] *For eastern economic review*, November 14, 1991, 5.

[3] Ibid 6.

[4] Constitution of the Republic of the Union of Myanmar, (Constitution, 34, Printing & Publishing Enterprise, Ministry of Information,2008), 9. http://www.burmalibrary.org/docs5/Myanmar_Constitution-2008-en.pdf(Accessed August 10,2019)

[5] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، ۲۰

اور اسی طرح مختلف حیلوں بہانوں سے مسلمانوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں اور ان کے مساجد و مدارس کو شہید کیا جارہا ہے۔ کبھی کوئی شرارت سے فساد برپا کر کے تو کبھی کوئی فوجی آپریشن کا نام دے کر روہنگیا کو تباہ کیا جارہا ہے۔

"۱۹۷۸ء میں ناگامن آپریشن کے دوران میں صرف اکیاب میں ۲۰ مذہبی رہنماؤں کو زندہ دفن کیا گیا۔ایک مسجد سے ۱۲۰ عورتوں کی لاشیں ملیں۔ ۵ اپریل ۱۹۹۲ء کو ایک مسجد پر فائرنگ کر کے ۲۰۰ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔"[1]

بڑی تعداد میں مساجد، مدارس اور مقابر یا نذر آتش یا پھر ان پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۰۰ سے زیادہ مساجد پر قبضہ کر کے ملٹری کیمپس اور اصطبل بنا دیے گئے ہیں۔مذہبی اداروں کے ساتھ وقف زمینوں کو سوروں کی چراہ گاہوں یا پھر کیلے کے فارموں میں تبدیل کر دیا گیا یا پھر شہروں میں ایسی جگہوں پر عوامی بیت الخلاء بنائے گئے ہیں۔بنگلہ دیشی میگزین کے مطابق ۱۹۹۷-۹۸ء تک صرف وقف والی زمین جس پر حکومت نے قبضہ کیا ۶۰۰۰ ایکڑ تھی۔ روہنگیا سالڈیریٹی آرگنائزیشن کہ مرحوم امیر شیخ دین محمد کے ایک مضمون کے مطابق:

"مئی ۲۰۰۰ء میں بوسیڈنگ کے علاقے میں ۱۶۸۰ ایکڑ زمین پر زبردستی قبضہ کیا گیا۔ اسی مہینے میں منگڈاؤ اور رنگون میں سات مسجدوں کو شہید اور ایک بڑے قبرستان پر قبضہ کیا گیا۔"[2]

۲۰۰۲ء میں مقامی حکام نے ۴۰ مساجد اور اسلامی مراکز کو مسمار کرنے کا شیڈول بنایا اور UNHCR کی اپیل تک ۱۳ مسجدوں کو مسمار کر دیا۔ان مساجد کی جگہ بودھ خانقاہیں اور سرکاری عمارتیں تعمیر کر لیں۔

"علماء کے ایسے دشمن ہیں کہ وہ کرتا پہن کر اِدھر سے اُدھر آجا نہیں سکتے، چنانچہ ایسے موقع پر وہ صرف بنیان اور لنگی پہن کر چلنے پھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے قبرستانوں کو ان کے آباو اجداد کے آثار مٹا ڈالنے کی غرض سے تھانوں اور کچہریوں میں تبدیل کر رہے ہیں۔"[3]

برمنائزیشن پالیسی کے تحت بوتھیڈانگ کے قبرستان پر قبضہ کر لیا گیا اور بعد ازاں اسے ہموار کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس امر کا علم اس وقت ہوا جب وہ ایک میت کو دفنانے کے لیے قبرستان گئے۔ قبرستان پر قابض فوجیوں نے میت کو دفنانے سے بزور روک دیا اور ایک فوجی افسر نے میت کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو دھمکی آمیز لہجے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

---

[1] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، ۲۰

[2] محمد، شیخ دین، اراکانی مساجد کی حالت زار، ۲۲

[3] خان، نور محمد، روہنگیا مسلمانوں کا المیہ۔۔۔ حل کیا ہے؟ تاریخی پسِ منظر، مسائل اور حل کا جائزہ، ۲

"اگر مسلمان برما میں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے طور طریقوں اور مذہب کو خیر باد کہنا ہو گا اور بدھ اکثریت کی طرح اپنے مردوں کو دفن کرنے کی بجائے نذر آتش کرنا ہو گا۔"[1]

برمیوں کے بقول مردوں کو دفنانے کی وجہ سے بہت سی قیمتی زمین ضائع ہو جاتی ہے جو کہ قومی دولت کا زیاں ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

"برما میں لاکھوں ایکڑ زمین بغیر کاشت کے بنجر پڑی ہے اور مردوں کو جلاتے وقت ٹنوں کے حساب سے قیمتی ایندھن ضائع ہو تا ہے۔"[2]

جون ۲۰۱۲ء کے بعد انتہا پسند بدھ اور مسلمانوں کے درمیان تشدد کے دوران، ملک بھر میں ایک بڑی تعداد میں مساجد کو یا تو نقصان پہنچایا تباہ کر دیا گیا تھا۔ مداخلت کے وقت میں، متعدد رپورٹوں نے حکام کے سامنے انکشاف کیا ہے کہ مسلمانوں کو مسجدوں کی مرمت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ مساجد و مدارس گرا کر اس کی جگہ پر یا تو سرکاری دفاتر بنا دیئے گئے یا بدھوں کے لئے پگوڈے بنائے گئے۔ اور مدارس کے ساتھ ملحقہ وقف اراضی کو حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

It was in Rakhine State alone that 32 mosques and 22 monasteries were destroyed in 2012. [3]

ترجمہ: یہ صرف راکھائن ریاست میں تھا کہ ۲۰۱۲ء میں ۳۲مساجد اور ۲۲ خانقاہیں تباہ ہو گئے۔

برمی فوج اور بدھ بھکشو روہنگیا کے ایسے دشمن ہیں کہ ان کو ہر طرح سے ان کے مذہب سے دور کرنے اور مذہبی احکامات ادا کرنے سے روکنے میں سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ اور ان پر ہر طرح سے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ اور ان تمام مظالم میں سختی اور تیزی جنرل نیون کے دورِ اقتدار سے شروع ہوئی ہے۔

نیون کا اشتراکی دور اور مسلمان:

اشتراکی نظام میں سب سے پہلے مذہب کی بیخ کنی کے لئے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ اور بنیادی دینی رسومات، تہواروں اور عبادات سے روکنے اور اس میں خلل ڈالنے کے لئے مختلف حیلے بہانے آزمائے گئے۔ برمی حکمرانوں نے مسلم دشمنی کے پیش نظر بدھوں کو اس مہم سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور مسلمان اس پالیسی کی زد میں آ گئے۔ اس کے چند چیدہ نکات درج ذیل ہیں۔

---

[1] عطاء الرحمٰن، مسئلہ اراکان، **دوماہی انصاف**، جنوری-فروری ۱۹۹۰ء

[2] انصاری، **محمد الیاس**، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۱۴۵

[3] Inquiry Commission on Sectarian Violence in Rakhine State, Final Report of Inquiry Commission on Sectarian Violence in Rakhine State (Nay Pyi Taw: Inquiry Commission on Sectarian Violence in Rakhine State, 2013), 21.

قربانی پر پابندی:

اگرچہ قربانی پر پابندی کا آغاز اونو کے دور میں ہندوستانی وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے اشارے پر ہوا تھا۔ اس معاملے میں بہت زیادہ سختی جرنل نیون کے دور میں برتی گئی۔ استدلال یہ پیش کیا گیا کہ جانور اور مویشی ملک کی دولت ہیں۔ قربانی کے ایام میں چونکہ بہت زیادہ تعداد میں مویشی ذبح کیے جاتے ہیں۔ اس لیے ملک میں جانوروں کی قلت پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا قربانی نہ کی جائے۔ مذہبی آزادی کا مظاہرہ ثابت کرنے کے لیے حکومت نے چند بڑے شہروں کی حد تک بہت ہی محدود پیمانے پر قربانی کے لیے پرمٹ جاری کرنے کا اعلان کیا۔ دیگر ممالک کی طرح برما میں بھیڑ بکریوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ لوگ شوقیہ پالتے ہیں۔ گائے پر گاؤکشی والا قانون لاگو کر دیا گیا۔ گویا گائے ذبح کرنا ممنوع ٹھہرا۔

"٦ جولائی ١٩٩٠ء کو مسلمانوں کے قربانی کے ہزاروں جانور ضبط کر لیے گئے کچھ افراد سے بھاری رشوت لے کر ان کے جانور چھوڑ دیے گئے۔" [1]

حاصل کردہ اجازت ناموں کے حامل افراد میں سے دس فیصد لوگوں کو بمشکل اجازت ملی۔ اس اجازت کے لیے بھی رشوت دینا پڑتی اب جو افراد اس میں کامیاب ہو جاتے انہیں پولیس تنگ کرتی۔ پولیس والوں کے خلاف عدالت میں فریاد لے کر جانے والوں کو یہ جواب ملتا کہ ہمارا جو کام تھا ہم نے کر دیا۔ اب تم پولیس والوں کو راضی کر کے قربانی کر لو۔

حج پر جانے کی ممانعت:

جنرل نیون کے دورِ حکومت سے پہلے بھی برمی مسلمانوں کی تعداد حج پر جانے کی کم تھی، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ تعداد میں برمی مسلمان حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کر لیتے۔

"اس انقلاب سے قبل ہر سال ٥٠٠ مسلمان حج پر جاتے تھے۔"[2]

جنرل نیون کے اقتدار میں مسلمانوں کو حج پر جانے سے رک دیا بلکہ ١٩٦٥ء میں عید کے موقع پر ایک مذہبی تنظیم کے لیڈر غازی محمد ہاشم نے ریڈیو سے حج کی فضیلت پر تقریر کرنے کی اجازت چاہی تو حکومت نے اس شرط پر اجازت دی کہ وہ حج کی فضیلت پر ایک لفظ بھی نہیں کہیں گے ورنہ انہیں جیل بھجوا دیا جائے گا۔ انقلاب آنے کے بعد حکومت نے حج پر پابندی لگا دی اور عذر یہ پیش کیا کہ اس سے زرِ مبادلہ ضائع ہوتا ہے۔ سعودی حکومت حاجیوں کے ہر سال اعداد و شمار جاری کرتی ہے۔ ١٩٦٢ء سے ١٩٨٠ء تک ان اعداد و شمار کے مطابق برما سے کوئی حج پر نہیں گیا۔

---

[1] خرم، کاشف، مسلمان کا لہو، **دوماہی انصاف**، شمارہ ستمبر-اکتوبر ١٩٩٠ء

[2] صولت، ثروت، دنیا میں مسلم اقلیتیں، ١/٥٣

اسلامی لٹریچر اور قرآن کی اشاعت پر پابندی:

ایک عرصہ تک اسلامی لیٹریچر کے شائع کرنے اور بیرون ملک سے منگوانے پر پابندی عائد رہی۔ تاہم کچھ عرصہ قبل بیرونی دنیا کے دباؤ کے نتیجے میں برمی زبان میں ترجمہ کے ساتھ کچھ قرآن مجید شائع ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد مقامی آبادی سے بے حد کم ہے۔ مذہبی کتابوں کی اشاعت کے لئے پہلے اجازت لینا پڑتی ہے۔ بعد ازاں اس کی رجسٹریشن کروانی پڑتی ہے۔ باہر سے مذہبی کتابوں کے لانے پر پابندی عائد ہے ۔مولانا مودودی کی کتاب "دینیات" کا ترجمہ بھرپور کوشش کے بعد شائع کیا گیا ہے۔

عبادت گاہوں کی تعمیر کی آزادی:

عالم جدید میں تمام انسانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی عبادت کریں۔ اور اس کے لئے ان کو اس کی اجازت ہوتی ہے کہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے لئے عبادت گاہیں تعمیر کریں۔ اور ان عبادت گاہوں میں اپنے مذہب کے مطابق اپنے مذہبی احکام ور سوم ادا کریں۔ لیکن اس کے برعکس برما میں روہنگیا مسلمانوں کو اپنے مذہبی احکامات کو ادا کرنے کے لئے عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت نہیں۔ بلکہ تعمیر کی اجازت تو دور جو عبادت گاہیں تعمیر ہیں ان کی چھوٹی موٹی مرمت کی بھی اجازت نہیں، اور بہت سارے مدارس و مساجد کو بند کر دیا گیا ہے۔

"روہنگیا مسلمانوں کو نئی مساجد بنانے کی قطعاً اجازت نہیں۔ پرانی مساجد کی مرمت وغیرہ کی اجازت بھی بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ دوسرے ممالک سے اسلامی کتب بھی منگوانے کی ممانعت ہے۔"[1]

نمازوں میں مداخلت:

مسلمانوں کی دینی زندگی پر یلغار جاری رکھی گئی پانچوں وقت نماز پڑھنے والا شخص حکومت کی نظروں میں سب سے بڑا مجرم ہوتا ہے۔ مسلمان سرکاری ملازم جمعہ کی نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ عام لوگوں کو بھی گوناگوں ہتھکنڈوں سے روکا جاتا۔ نماز جمعہ کے وقت علاقہ مجسٹریٹ جامع مسجد کے احاطے میں اپنا دربار لگالیتا اور مختلف مقدمات کی سماعت شروع کر دیتا۔ اگر کوئی شخص دربار سے اٹھ کر نماز پڑھنے چلا جاتا تو مجسٹریٹ پوچھتا کہ نماز زیادہ ضروری ہے یا ہمارا دربار؟ جواب میں اگر وہ نماز کو ترجیح دیتا تو اسے مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ سکولوں اور کالجوں کے نصاب سے اسلامی تعلیمات خارج کر دی گئیں۔ مدارس بند کر دیئے گئے اور مساجد کو آگ لگانے اور منہدم کرنے کے واقعات جاری ہیں۔ ریڈیو پر اسلام سے متعلق کسی بھی قسم کی نشریات پر قطعی پابندی لگادی گئی۔

---

[1] سرور، ملک احمد، روہنگیا مسلمانوں پر برمی حکومت اور بدھوں کے مظالم، ۱۸

وقف جائیدادیں ضبط کرلی گئیں۔اس طرح ہزاروں مدارس اور مساجد جن کی ضروریات یہ اوقاف فراہم کرتے تھے ویران ہوگئے جو سرکاری ملازم اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے انہیں یا تو برطرف کردیا جاتا یا ان کی تنزلی کردی جاتی۔

تبلیغ کی ممانعت:

مسلمانوں کو تبلیغ کے لیے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ جانے کی اجازت کے بجائے پابندی عائد کردی۔ وقف املاک اور قبرستانوں کو ضبط کرکے غیر مسلموں کے حوالے کردیا گیا، علماء کی بے عزتی کی جاتی، انہیں گالیاں دی جاتیں۔مارا پیٹا جاتا اور لیبر کیمپ میں کام کیلئے مجبور کیا جاتا۔

سپاہی اکثر وبیشتر مساجد میں داخل ہو جاتے۔وہاں بیٹھ کر شراب پیتے اور سور کو مسجد میں لاکر رکھا جاتا۔کوڑا کرکٹ اور پتھر مسجد میں پھینکے جاتے۔لاوڈ اسپیکر پر اذان دینے پر پابندی لگادی گئی۔مسلمانوں کے مدارس کے انتظامی کام میں مداخلت کرتے اور مساجد کو اپنے حکم کے مطابق چلاتے۔[1]

اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ روہنگیا مسلمان اپنے دین کا پرچار نہیں کرسکتے۔روہنگیا پر پابندی ہے کہ وہ تبلیغ نہیں کرسکتے۔اور علماء سے حکومتی اہلکاروں کی شدید نفرت ہے۔وہ کرتا پگڑی میں نہیں گھوم سکتے۔

NRC کا کھیل:

NRC یعنی National registration certificate کا سسٹم جاری کرکے مسلم پردہ نشین خواتین کے نصف بدن کھلواکر تصویریں اتاری جاتی اور بندر گاہوں میں آمدورفت کے موقع پر برقع اور بدن کے کپڑے کھلواکر شناختی کارڈ میں درج نشان دیکھنے کے بہانے سے انہیں برہنہ کیا جاتا۔غیرت مند حساس عورت اگر پولیس والوں کی فرمائش کی تعمیل میں پس وپیش کرتی تو اسمگلنگ کرنے کے الزام میں زبردستی کپڑے اور برقع خود پولیس والے اتار لیتے۔

امیگریشن والے مسلم آبادی میں داخل ہوجاتے اور ہلچل مچا دیتے۔رات کو مسلم بستیوں کا محاصرہ کیا جاتا۔جو باہر نکلتا ٹرک میں بھر لیا جاتا۔ مسلح پہرے داروں کی نگرانی میں ان کو اس بستی کے چھاپہ مارنے کے اختتام تک بٹھا کر رکھا جاتا۔اب یہ درندے بستی میں گھس جاتے جو گھر سے نکلتا بند کرلیا جاتا۔کوئی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جارہا ہوتا تھا۔کوئی رفع حاجت کے لئے گھر سے کچھ دور جنگل میں جارہا ہوتا تھا، کوئی اپنی کسی اور ضرورت کہتے ہیں نکلتا، عرض کسی کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا۔

---

[1] احمد، سلطان، بے بس روہنگیا، **دوماہی انصاف**، جولائی-اگست ۱۹۸۸ء

پیشاب پاخانے کو روکنے کے باعث لوگوں کا برا حال ہو جاتا، ادھر مسلح پہرے داران کا مذاق اڑاتے، کسی کو اپنی جگہ سے ایک قدم آگے پیچھے ہٹنے کی اجازت تک نہ دی جاتی۔ اگر کوئی حرکت کرتا تو لاٹھی اور بندوقوں کے بٹوں کی ضرب سے اس پر سخت تشدد کیا جاتا۔ ایک عالم دین کی صرف اس لئے پٹائی کی گئی کہ انھوں نے لائن سے چلتے ہوئے ذرا سا انحراف کیا تھا۔

"جس بستی کی شامت آجاتی تو اس بستی کے جوانوں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور حتیٰ کے بیماروں تک کو نہ بخشا جاتا۔ ان سب کو حوالات میں گائیوں بھینسوں کی طرح ٹھونس دیا جاتا۔ یہ حوالات کم اور گھوڑوں کا اصطبل زیادہ ہوتے تھے۔"[1]

مسلم خواتین کو اجنبی مردوں کے ساتھ رکھا جاتا۔ پردہ نشیں خواتین کی بے پردگی کی جاتی، ان تکالیف میں بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے کراہنے سے قیامت کا سماں پیدا ہو جاتا۔ مقدمہ قائم کیے بغیر برس ہا برس تک لوگوں کو جیل میں محبوس رکھنے کا سلسلہ تو ابھی تک جاری ہے۔

جو خواتین حاملہ ہوتیں ان کا وضع حمل انہی جیلوں میں ہوتا۔ رمضان کے مہینے میں مسلمانوں کو سحری و افطاری کی ایک گھونٹ پانی تک نہ دیا جاتا۔ حوالات میں بے وقت پیشاب یا پاخانے کی اجازت مانگنے پر پولیس لاتوں، مکوں اور ڈنڈوں سے خبر لیتی۔ لوگوں کو جہازوں میں ٹھونس کر مشرقی پاکستان کی سرحد پر پٹخ دیا جاتا۔

قانون فسخ نکاح:

مارچ ۱۹۵۳ء میں "قانون فسخ نکاح مسلمانان برما" منظور ہوا جس کی رو سے مسلمان عورتوں کو بدھ عورتوں کے مساوی حقوق مل گئے یعنی اپنے خاوندوں کو طلاق دینے کا مساوی موقع اور فسخ نکاح کے بعد شادی کا جہیز اپنی ملکیت میں رکھنے کا حق۔ یہ مسلمانوں کے اندرونی معاملات میں کھلم کھلا مداخلت تھی لیکن قوم پرست مسلمانوں کی ایک تنظیم برما مسلم کانگریس نے اسے قبول کر لیا۔

برما مسلم کانگریس ۱۹۴۵ء میں قائم کی گئی تھی جس کا تعلق سرکاری مخلوق جماعت انٹی فاشسٹ پیپلز فریڈم لیگ سے تھا۔ اس تنظیم میں زیادہ تر برمی نژاد مسلمان تھے جن کی قیادت قوم پرست کر رہے تھے۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں ملک میں ایک سیاسی بحران پیدا ہو گیا جس کا سبب سرکاری مدارس میں اسلامیات کی تعلیم کے خلاف بھکشوؤں کا احتجاج تھا۔

۱۹۵۶ء میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کیا گیا۔ اور اس سال ۳۰ ہزار مسلمان نکالے گئے۔[2]

---

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۶۴

[2] شفیع، محمد وارا کین، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۴/ ۴۵۰-۴۵۲

بوتھیڈانگ کی کیمپوں میں ہزاروں مسلمانوں کو قیدی بنا کر رکھا گیا ہے، جہاں کھلے مقامات پر عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے اور برمی فوجیوں کے ان مظالم کا شکار ہو کر لاتعداد معصوم لڑکیاں جاں بحق ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ برمی فوجی خوبصورت لڑکیوں کو پکڑ کر بحری جہازوں کے ذریعے رنگون بھیج دیتے۔ مدرسہ اشرف العلوم نوراللہ پاڑہ کے مولانا اسعد اللہ اور مولانا نجم الدین کو گرفتار کر لیا گیا اور کئی مسجدوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ جیلوں میں خوراک میں زہر ملا کر مسلمانوں کو ہلاک کیا جا رہا ہے۔ کم سن بچوں کو ان کی ماؤں کی گود سے جنگل میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں۔

> The constitution also prohibits discrimination based on religion: The Union shall not discriminate any citizen of the Republic of the Union of Myanmar, based on race, birth, religion, official position, status, culture, sex and wealth. [1]

ترجمہ: آئین بھی مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی ممانعت کرتا ہے: یونین جمہوریہ میانمار کے کسی بھی شہری کو نسل، پیدائش، مذہب، سرکاری مقام، حیثیت، ثقافت، جنس اور دولت کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرے گا۔

برما میں اسلام ایک اقلیتی مذہب ہے۔ برما کے سرکاری اعداد و شمار کے لحاظ سے برما میں مسلمان آبادی صرف چار فیصد ہے، جو کہ سراسر جھوٹ ہے۔ ایک امریکی محکمہ خارجہ کی ترتیب دی گئی ۲۰۰۶ء کی رپورٹ کے مطابق جو کہ بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کی مختلف ممالک میں تعداد بتاتی ہے وہ یہ ہے کہ برما میں "بدھ مت" کے علاوہ جو آبادی ہے وہ تیس فیصد ہے اور اس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ فیصد ہے۔

ہزاروں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے شادی نہیں کر پاتے اور شادی کی منظوری کے لیے ہزاروں روپے رشوت دینا پڑتی ہے۔

جبکہ دوسری طرف اراکان میں نکاح شادی کے حوالہ سے جو نئے قوانین نافذ کیے گئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

1. نکاح سے قبل باقاعدہ درخواست دے کر منظوری لینا پڑتی ہے جس کی فیس دس ہزار روپے ہے۔
2. شادی کے لیے کم از کم عمر لڑکی کے لیے اٹھارہ برس ہے جبکہ اراکانی مسلمان اپنی بچیوں کو عصمت دری سے بچانے کے لیے بالغ ہونے کے فوراً بعد ان کی شادی کر دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔
3. عقد نکاح کے فرائض حکومتی ذمہ دار انجام دیتے ہیں اور وہاں عام طور پر دو مسلمان گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں سمجھی جاتی جس سے نکاح کی شرعی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔

---

[1] Constitution of the Republic of the Union of Myanmar, Constitution, (348, Printing & Publishing Enterprise, Ministry of Information,2008), 149.
http://www.burmalibrary.org/docs5/Myanmar_Constitution-2008-en.pdf (Accessed August 22, 2019)

4. نکاح سے قبل لڑکے اور لڑکی کا وہاں جانا ضروری ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اور کوئی نہیں جا سکتا۔ جبکہ لڑکی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پردے میں نہ ہو بلکہ ننگے سر ہو۔
5. کسی مجبوری کے تحت بھی مسلمان کو دوسری شادی کی اجازت نہیں ملتی۔
6. بیوی فوت ہو جانے پر ایک سال تک دوسری شادی کرنے کی ممانعت ہے۔

مقامی مدرسے کے ۵٦ سالہ سربراہ کا کہنا ہے کہ ان کے مدرسے کو مقامی حکام نے ایک برس قبل بند کر دیا تھا۔ مدرسے کی بندش قریب ایک سو مشتعل بودھ قوم پرستوں کے مظاہرے کے بعد ہوئی۔ ان مشتعل مظاہرین کے مطابق یہ عمارت تعلیم گاہ کی بجائے بہ طور مسجد استعمال کی جارہی تھی۔

ٹِن شوے کے مطابق مسلمانوں کے پاس کہیں اور جانے کی جگہ نہیں تھی، اس لیے وہ مدرسے کے باہر گلی میں نماز ادا کرنے پر مجبور ہوئے۔ ٹن شوے کے بیٹے اور چھ دیگر افراد کو ملکی قانون کے تحت تین ماہ کے لیے جیل بھیج دیا گیا تھا۔

میانمار کے وارڈ اینڈ ویلیج ٹریکٹ ایڈمنسٹریشن قانون کے مطابق اجازت لیے بغیر ایسا کوئی بھی اجتماع غیر قانونی اور قابل دست اندازی پولیس ہے۔ ٹِن شوے کے مطابق اب انہیں نماز کی ادائیگی کے لیے قریبی مسجد تک پہنچنے کے لیے آدھ گھنٹہ پیدل چلنا پڑتا ہے اور روزے کی حالت میں ان کے بقول:

"یہ نہایت مشکل ہے۔"[1]

اگر روہنگیائی مسلمانوں کے بیچ سے علیحدگی پسندی کی صدائیں آرہی تھی تو ان صداؤں کے لگانے والوں کو گرفتار کر کے کھلی عدالت کے ذریعے سزا دی جانی چاہئے تھی جیسا کہ ہر مہذب ملک کرتا ہے یا اس ایک بہانے کے نام پر پوری قوم کی نسل کشی شروع کر دینی چاہیے تھی۔ روہنگیائی مسلمانوں کی زبانی ان کی اصل داستان سنیئے۔

برما کے مسلمانوں سے ایک ملاقات:

مسلمانوں پر برما کی فوجی حکومت اور بدھسٹوں کے دل دہلا دینے والے مظالم اور انکی نسل کشی کے دوران وارداتوں نے ان کی زندگیوں کو مسلسل عذاب سے دوچار کر رکھا ہے، جون ۲۰۱۲ء سے تاحال پچاس ہزار مسلمانوں کے مقتل کا گواہ بنی ارکان کی زمین دنیا بھر کے عدل گستروں اور انسانی حقوق کے محافظوں پر طمانچے رسید کر رہی ہے، اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے ظالمو! خون مسلم کی ارزانی کا تماشہ دیکھنا ہو تو آکے دیکھ لو۔ مایوسیت کے سائے میں جی رہے برما کے مسلمانوں کو کوئی کمک، رسد و مدد نہیں پہنچی، حالات ہر دن ابتر ہو رہے ہیں، ظالم بودھسٹوں سے نپٹنے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں، ان کی زندگی کا پہیہ کرب وآہ میں جام ہو کر رہ گیا ہے، آیئے آپ کو وہاں کے احوال سناتے

[1] https://www.dw.com/ur/رمضان-آ-گیا-میانمار-کے-مسلمان-کیسے-منا-پائیں-گے/a-43750086
(Accessed August 28, 2019)

ہیں انہی کی زبانی، سعودی فرمانروا خادم الحرمین الشریفین شاہ عبد اللہ کی دعوت پر حج کی سعادت حاصل کرنے والے برما کے بعض ائمہ مساجد اور دعاۃ سے منیٰ (مکہ مکرمہ) میں گفتگو کا موقع ملا، پیش ہے گفتگو کے بعض نکات :

س: آپ چونکہ منبر و محراب اور درس و تدریس سے وابستہ ہیں اس لئے میرا پہلا سوال ہے کہ برما میں مدارس و مساجد کی صورتحال کیا ہے؟

ج: اس وقت پورے ملک میں بشمول ارکان سو سے زائد ایسے مدرسے ہیں جہاں درس نظامی کا نصاب رائج ہے اور فارغ التحصیل طلبہ کو عالم و فاضل کی ڈگریاں دی جاتی ہیں راجدھانی رنگون میں دس مدرسے اس طرح کا کورس چلا رہے ہیں، مگر سرکاری یونیورسٹیاں اس کورس کو تسلیم نہیں کرتیں، جہاں تک مساجد کی بات ہے تو اکثر مدرسے مسجد اور اس سے ملحقہ کمروں میں ہی چلائے جارہے ہیں، علیٰحدہ بلڈنگ بنانے کی اجازت نہیں ہے، خطہ ارکان سمیت پورے دیش میں ۲۰۰۰ سے زائد مساجد ہیں، لیکن صد افسوس ان میں اضافہ کی بجائے لگاتار کمی واقع ہو رہی ہے، بودھ مت کے سرکاری دہشت گرد اراکان میں ۱۵۰، اور راجدھانی رنگون میں ۱۱، مسجدیں جبراً و قہراً ڈھا چکے ہیں، دوسرے شہروں کے اعداد و شمار ناگفتہ بہ ہیں۔

س: کیا حکومت منہدم کی گئی مسجدوں کی از سر نو تعمیر کرتی ہے یا اسکے دوبارہ تعمیر کی اجازت دیتی ہے؟

ج: ہرگز نہیں، سرکاری ظلم کا اندازہ صرف اس بات سے لگا لیں کہ جب ہمیں اپنی آباد مسجدوں کی معمولی مرمت کی حاجت ہوتی ہے تو اس کی اجازت کے لئے سرکاری اداروں کو رشوت دینی پڑتی ہے، فوجی حکومت پورے طور پہ ہماری جڑیں اکھاڑنے کے درپے ہے، ہمارا وجود انہیں برداشت نہیں۔

س: مدارس اسلامیہ کو سرکار سے کبھی کسی طرح کی کوئی مدد؟

ج: برما میں رہتے ہوئے ہم سوچ بھی نہیں سکتے، ہاں! ہمیں مدارس کے قیام اجازت دی گئی، لیکن اب نئے مدرسوں کے قیام کی اجازت نہیں مل رہی ہے، طلبہ کو کوئی وظیفہ نہیں ملتا، بس اللہ کے فضل اور اصحاب خیر کے تعاون سے دینی تعلیم کا فروغ جاری ہے۔

س: ماشاء اللہ آپ حضرات اُردو بہت روانی سے بولتے ہیں، کیا اس کی وجہ آپ لوگوں کا بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش میں تعلیم کا نتیجہ ہے؟

ج: ایک سبب ہو سکتا ہے کہ ہمارے اکثر علماء نے برصغیر میں تعلیم و تربیت پائی، لیکن ہمارے نصاب تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے اُردو، جسے برمی اور عربی کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے، اس لئے برما میں اہل اُردو کو کبھی اجنبیت کا احساس نہیں ہو گا۔

س: برما میں مسلمانوں کی تعداد اور اہم شہر جہاں ان کی آبادی کسی حد تک ٹھیک ٹھاک ہے؟

ج: برما میں مسلمان ۱۲ ؍ فیصد (یعنی ۷۵ ؍ لاکھ آبادی) ہیں جب کہ ۷۰ فیصدی بودھ مت کے پیروکار ہیں، ملک کی مجموعی آبادی ساڑھے چھ کروڑ ہے، اہم شہر جیسے: رنگون، نیبرو، منڈلے، مالمین، اکیاب (Sittway) ، بوٹیپڈانگ، ماؤنڈو، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

س: خبر ملی ہے کہ اس بار بقر عید کے موقع پر پورے دیش میں کہیں قربانی نہیں کی گئی، آخر کیا وجہ رہی؟

ج: عید الاضحیٰ سے قبل بودھ مت کی مذہبی جماعتوں نے مسلمانوں کو وارننگ دی تھی کہ اگر ہم جانور ذبح کریں گے تو وہ ہمیں ذبح کر دیں گے (شاید بودھسٹوں کا نیا مذہبی اصول یہی ہے کہ جانوروں کے بدلے انسانوں کا خون بہانے میں کوئی گناہ نہیں)، ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کی دھمکیاں حقیقت کا روپ دھار لیتی ہیں، ہم حکومت سے ہمیشہ سیکورٹی کی اپیل کرتے ہیں، مگر نہ وہ سیکورٹی فراہم کرتے ہیں اور نہ دہشت پسند جماعتوں پر کوئی قدغن لگاتے ہیں، بلکہ ان کی پشت پناہی کرتے ہیں، اسی خوف کے سبب تمام مسلمانوں نے قربانی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

س: بنگلہ دیش کی سرحد سے متصل صوبہ ارکان میں مسلمانوں کی کیا حالت ہے؟

ج: ارکان میں بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت روہنگیا نسل سے ہے، اس صوبہ میں ۹۰ ؍ فیصد مسلمان ہیں جب کہ ۱۰ ؍ فیصد مونک نسل کے بودھسٹ ہیں، وہاں کے دیہات اور شہروں میں فوجی آمریت کے بوٹے دندناتے ہیں، ۱۰ ؍ فیصدی مونک پورے طور پہ مجبور و مقہور مسلمانوں پر حاوی ہیں، حالانکہ یہ مونک بھی برمی حکومت کے مخالف ہیں، لیکن فوج انہیں ہتھیار فراہم کر کے مسلمانوں کے خلاف اکساتی ہے تاکہ مسلمان برما چھوڑ کر بھاگ جائیں، اس طرح یہ مونک مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑتے ہیں، جون ۲۰۱۲ء سے تا حال تقریبا پچاس ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا گیا، ۷۰۰ ؍ سے زائد مسلم بستیوں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا، مگر ارباب اقتدار پر جوں بھی نہیں رینگی، اور نہ ہی مونک دہشت گردوں کا کچھ بگڑا، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، اس قیامت خیز مقتل سے گھبرا کر مسلمانوں نے ہجرت کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن اب انہوں نے عزم مصمم کیا ہے کہ ہم ہجرت نہیں کریں گے بلکہ یہیں لڑ کر دفن ہو جائیں گے، فوجی جوانوں کے مسلسل چھاپوں سے مسلمان بہت عاجز ہیں، جب کہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے، اس صوبے کا قانون ہی الگ ہے، کوئی بھی اراکان سے برما کے دوسرے صوبوں کا سفر نہیں کر سکتا، ستم بالائے ستم یہ کہ بیٹی کو باپ کے گھر (مائیکہ) جانے کے لئے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے، مسلمانوں کو نہ تو شہریت دی گئی ہے اور نہ ہی ان کے حقوق، مسلمانوں کی آبادی پر کنٹرول کے لئے قانون بنایا گیا ہے کہ شادی کے لئے لڑکی کی عمر ۲۵ ؍ سے اوپر اور لڑکے کی عمر ۳۰ ؍ سے اوپر ہونی چاہئے، نیز شادی کے لئے سرکاری پرمٹ ضروری ہے جس کے حصول میں سال بھر لگ جاتا ہے، روہنگیا مسلمان ایک دو نہیں سیکڑوں مصیبتوں کے شکار ہیں، بس اللہ ان پر رحم فرمائے۔

س: راجدھانی رنگون میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہے؟

ج: الحمد للہ مسلم ممالک کے سفارتخانوں کے سبب یہاں کے مسلمان بہت حد تک محفوظ ہیں اور اپنے سارے کام آسانی کے ساتھ کرتے ہیں، جب کہ دوسرے شہروں میں حالات اچھے نہیں ہیں۔

س: کیا آپ ارکان کے مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں؟

ج: جی! اگر کوئی چھپ چھپا کر رنگون پہنچ جاتا ہے تو ہم اس کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں، لیکن ارکان جاکر ان کی مدد کرنے سے ہم معذور ہیں، حکومت کی نگاہیں ہم پر بہت تیز ہیں، ہاں! وہاں کے حالات مسلم ممالک کے سفارتخانوں تک پہنچاتے ہیں اور وہ کبھی کبھار ان کی غذائی و طبی امداد کرتے ہیں، اس ضمن میں سعودی عرب اور ترکی نے اپنا دست تعاون خوب دراز کیا ہے۔

س: اسلامی شعائر کے اظہار وادائیگی میں کوئی پریشانی؟

ج: الحمد للہ ارکان کو چھوڑ کر دوسرے شہروں میں مسلمان اپنی شناخت اور شعار اپنانے میں آزاد ہیں، خواتین مکمل نقاب کا استعمال کرتی ہیں، بعض اسکارف پہنتی ہیں، مگر کوئی اعتراض نہیں کرتا، اسی طرح مائک پر اذان دینے کی آزادی ہے، اور اس قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

س: تعلیم وملازمت کے میدان میں کیا مسلمانوں کو تعصب کا شکار ہونا پڑتا ہے؟

ج: بہت زیادہ، مسلمان اگر اپنی صلاحیت کے بل بوتے کوئی انٹرویو، مقابلہ یا امتحان پاس کرتے ہیں اور رینک میں ان سے نیچے کوئی برمی نسل کا بدھسٹ ہے، تو اس کو آگے بڑھا دیا جائے گا، اور مسلمان اپنی کنفرم سیٹ سے محروم ہو جائیں گے، بھلے برمی بدھسٹوں کے نمبرات کم ہوں مگر انہیں ترجیحی بنیاد پر سیٹ اور ملازمت دی جائے گی، جب سیٹیں بچ جائیں گی تو مسلمانوں کو ملیں گی۔

س: سیاسی میدان میں مسلمانوں کی پیش رفت؟

ج: بہت پیچھے ہیں، پارلیمنٹ کی ۴۰۰ر نشستوں میں صرف ۴ر ممبر پارلیمنٹ ہیں، اور وہ بھی لبرل مائنڈ کے، مسلمان آنگ سانگ سوچی کی حمایت کرتے ہیں، لیکن اس نے کبھی بھی مسلمانوں کے حق میں آواز بلند نہیں کی، ہم پر طرح طرح کے مظالم ہوتے رہے مگر اس نے مذمتی الفاظ بھی نہیں کہے، شاید اُسے بدھسٹ ووٹ بینک کا خوف ستا رہا ہے۔

س: دعوتی میدان میں علماء و دعاۃ کا کردار؟

ج: نہایت محدود ہے، مسلمانوں کے درمیان وعظ و نصیحت کا پروگرام ہوتا رہتا ہے، مگر غیر مسلموں کے درمیان اسلام کی دعوت بالکل صفر ہے، سرکاری طور پر ممنوع ہے، کئی علاقوں میں دینی بیداری اور شعور نہ پائے جانے کی وجہ سے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں بودھسٹوں سے شادی کی خاطر مرتد ہو گئیں، اور حکومت نے انہیں گلے لگایا، لیکن اگر

کوئی بودھسٹ لڑکی مسلمان لڑکے سے محبت کر بیٹھی ہے تو اُسے مسلمان سے شادی اور تبدیلئ مذہب کی اجازت ہر گز نہیں ہوتی، یہ برمی سماج کا نہایت افسوسناک پہلو ہے۔

س: کیا برما میں مسلمان صحافتی اور میڈیائی بے اعتنائی کا شکار ہیں ؟

ج: جس طرح پوری دنیا میں مسلمانوں کو میڈیا میں کوئی حیثیت نہیں دی جاتی، برما میں بھی اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے ساتھ سوتیلا سلوک کرتے ہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ ارکان میں بدھسٹوں کے ذریعے انجام دی گئی بھیانک خونریزی کی خبریں نہ تو عالمی میڈیا نے نشر کیں اور نہ ہی برما کے ذرائع ابلاغ نے، اللہ بھلا کرے سوشل میڈیا کا، خصوصا فیس بک اور ٹیوٹر نے ہمارے لرزہ خیز حالات کی جم کر نمائندگی کی، کروڑوں مسلمانوں کے مظاہروں اور دعاؤں نے ہماری مدد کی، ہمیں جینے کا حوصلہ بخشا، ہم ان سب کے بے حد شکر گزار ہیں، ہمارے ملک میں مسلمانوں کا کوئی اخبار نہیں ہے، البتہ تین مشہور ماہنامے نکلتے ہیں جن میں سیاسی مواد یا خبریں بالکل نہیں ہوتیں، برمی زبان میں ''المیزان'' انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، ماہنامہ ''المفتی''(برمی زبان)اور ماہنامہ ''سعادت'' (اردو)۔

س: آپ کے دیش کو کبھی برما اور کبھی میانمار کہا اور لکھا جاتا ہے، ایسا کیوں ؟

ج: چونکہ ہمارے یہاں مختلف نسلی گروپ آباد ہیں، اور ان میں برمی نسل کے لوگ سب سے زیادہ ہیں، وہی حکومت کرتے ہیں، اس لئے اس دیش کو برما کہا جاتا ہے، میانمار کا مطلب ہے: بہت ساری نسلوں اور طبقات کا دیش، یہ نام نیا ہے، لیکن برمی لوگوں کو پسند نہیں، اس لئے ابھی حال میں پھر ملک کا نام ''برما'' کر دیا گیا ہے، ہمارے یہاں برمی نسل کے ۶۸٪، شان نسل کے ۹٪، کارین نسل کے ۷٪، راکھینے (روہنگیا) نسل کے ۵٪، چینی نسل کے ۳٪، ہندی نسل کے ۲٪، فیصد لوگ آباد ہیں۔

س: ارکان میں مسلمانوں پر حالیہ دلدوز مظالم کے بعد تنظیم برائے اسلامی کانفرنس (O.I.C)نے وہاں اپنا دفتر کھولنے کی بات کہی تھی، کیا حکومت نے انہیں اجازت دی ؟

ج: جی! انہیں حکومت نے اجازت دیدی ہے، لیکن دوسری طرف بدھسٹوں کو مشتعل کر رکھا ہے، تاکہ وہ اپنا دفتر نہ کھول پائیں، حکومت کی اجازت کے بعد دہشت پسند بدھسٹوں کا آفس کے قیام کے خلاف احتجاج جاری ہے، جس کی وجہ سے فی الحال ممکن نہیں ہو پا رہا ہے۔

س: آخر میں یہ جاننا چاہوں گا کہ برما کا جو پیش منظر ہے اس کے متعلق آپ کے خدشات ؟

ج: ہمیں مٹانے کی ہر دن کوشش ہو رہی ہے، ہم اللہ کی ذات سے مایوس ہر گز نہیں، لیکن نجانے کیوں لگتا ہے کہ حالات مزید ابتر ہو جائیں گے، اور ہمیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑے گا یا دوسرا آپشن بے سروسامانی کی حالت میں جہاد۔۔۔(اتنا کہہ کر سب رو پڑے) کچھ دیر کے بعد میں نے انہیں دلاسہ دیا کہ کوئی آپ کی مدد کرے نہ کرے، اللہ

ضرور آپ کی مدد کرے گا۔ان سے جدا ہوتے وقت انہی کی زبان میں انکا شکریہ ادا کیا: "چیزو تیمباٹے" انہوں نے جواباً خوش آمدید اپنی زبان میں کہا: " مینگلابہ"، میں ان سے مصافحہ کرتے ہوئے رخصت ہو رہا تھا اور میری زبان پر ان کے لئے صبر وثبات کی دعائیں جاری تھیں۔۔۔۔۔۔

برما کے پریشاں حال مسلمان حجاج جو اس گفتگو میں شریک تھے، مصلحتاً ان کی تفصیل نہ دے کر صرف نام پر اکتفاء کیا جارہاہے:

مولانا محمد اسحاق، مولانا رحمت اللہ، مولانا عبد القادر، مولانا عبد الجبار، مولانا محمد عارف، مولانا امیر حسین صاحبان حفظہم اللہ[1]

گذشتہ ہفتے برما کے بدھ بھکشوؤں کی طرف سے مسلمان روہنگیا اقلیت کے خلاف مظاہروں پر بہت سے مبصرین کو حیرت ہوئی ہے۔ تجزیہ کار کہتے ہیں کہ ملک کی بدھسٹ آبادی کی طرف سے حب الوطنی کا یہ جارحانہ مظاہرہ، برما کے حکام کی قومی تشخص کو اجاگر کرنے کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس تشویش کا اظہار بھی کیا جارہاہے کہ یہ کوششیں قابو سے باہر ہو سکتی ہیں۔

برما میں فوجی حکومت کے خلاف ۲۰۰۷ء کی تحریک کے بعد، گذشتہ ہفتے بدھ بھکشوؤں نے پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں احتجاجی مظاہرے کیے۔ لیکن سنہ ۲۰۰۷ء کی تحریک اوران مظاہروں کے درمیان ایک نمایاں فرق تھا۔ ۲۰۰۷ء کی تحریک میں جسے Saffron Revolution کا نام دیا گیاہے، محبت اور جمہوریت کا پیغام دیا گیا تھا، لیکن گذشتہ ہفتے مانڈلے میں مارچ کرنے والے سینکڑوں بھکشوؤں نے روہنگیا کو ملک سے نکالنے کا مطالبہ کیا۔ روہنگیا کا شمار دنیا کی مظلوم ترین اقلیتوں میں ہوتا ہے۔

"یہ بھکشو صدر تھائین سیئن کی اس تجویز کی حمایت کر رہے تھے کہ اس مسلمان اقلیت کو جس کی تعداد تقریباً دس لاکھ ہے، عام آبادی سے الگ کر دیا جائے اور ملک بدر کر دیا جائے۔"[2]

انتہا پسندی پر مبنی یہ مطالبے مغربی ریاست راکھائن میں بدھوں اور روہنگیا کے درمیان گرمیوں میں پر تشدد جھڑپوں کے بعد کیے گئے ہیں۔ ان جھڑپوں میں ۹۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ فرقہ وارانہ کشیدگی اتنی زیادہ ہے کہ یہ بات بھی نظر انداز کر دی گئی ہے کہ ۲۰۰۷ء میں جب فوجی حکومت نے بدھ بھکشوؤں کے خلاف پُر تشدد کارروائی کی تھی، اس وقت صدر تائین سیئن برما کے وزیرِ اعظم تھے۔

---

[1] An Interview with Burmese Muslims Interview by: Abdus Saboor Nadvi http://newageislam.com/urdu-section/rohingya-musalman--%D8%B1%D9%88%DB%81%D9%86%DA%AF%DB%8C%D8%A7-%D9%85%D8%B3%D9%84%D9%85%D8%A7%D9%86/d/112643 – (Accessed September 08, 2019).

[2] https://www.urduvoa.com/a/burma-muslims-09sep2012/1504553.html (Accessed September 15, 2019)

یولی آہن شوبر 'ایریزونا اسٹیٹ یونیورسٹی' میں برما کے بدھوں کی روایات پر تحقیق کر رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ اس نکتے پر زبردست بحث ہو رہی ہے کہ برما کے لوگوں کی اصل شناخت کیا ہے۔ یہ کہاوت کہ برما کا باشندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بدھ مت کے ماننے والے ہیں، سب سے پہلے ۱۹۱۰ء کی دہائی کے شروع میں سامنے آئی تھی جب برما میں آزادی کی ابتدائی تحریکیں شروع ہوئیں۔ یہ برطانیہ کی نو آبادیاتی حکومت کے خلاف اپنی پہچان منوانے کا طریقہ تھا۔

آزادی کے بعد برما کے پہلے وزیرِ اعظم یو نو راسخ العقیدہ بدھسٹ تھے۔ انھوں نے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا جس کے تحت ۱۹۶۱ء میں بدھ مت کو برما کا سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا۔ برما کی آبادی میں ۹۰ فیصد لوگ بدھ مت کے ماننے والے ہیں اور نسلی طور پر برمی ہیں، لیکن بقیہ آبادی ۱۰۰ سے زیادہ مختلف نسلی اور مذہبی اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ بیشتر مسلح باغی سرحدی علاقوں میں آباد نسلی گروپوں پر مشتمل ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں خود مختاری چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں بعض لوگ اقلیتوں کی وفاداری پر شک و شبہے کا اظہار کرنے لگے ہیں۔

Vahu Development Institute کی آنگ تھو نائین (*Aung* Thu Nyein)[1] کہتا ہے کہ حکام ایک طویل عرصے سے برمی اکثریت کے خیالات کو پوری آبادی پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں تاکہ اقلیتوں کو اقتدار سے باہر رکھا جا سکے۔ ان کے الفاظ میں، تحریری شکل میں تو ایسے قوانین اور ضابطے موجود نہیں ہیں، لیکن عملاً، اگر آپ عیسائی ہیں، یا مسلمان ہیں، تو آپ کو فوج میں کسی بڑے عہدے پر ترقی نہیں دی جائے گی۔ انسانی حقوق کے کارکنوں کو تشویش ہے کہ برما ایسے جنون کو فروغ دے رہا ہے جس کو اگر روکا نہ گیا تو وہ قابو سے باہر ہو سکتا ہے۔

Phil Robertson ہیومن رائٹس واچ میں ایشیا کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مزید لوگوں نے آواز بلند نہ کی، تو برما کی بدھ آبادی میں، سری لنکا کے سنہالیوں کی طرح، دوسرے مذہب کے لوگوں سے خوف کا جنون پیدا ہو جائے گا۔ ان کے بقول، برما میں جو حالات ہیں وہ تشویشناک ہیں۔ ہمیں تشویش یہ ہے کہ اگر برما کے بھکشوؤں نے روہنگیا کے خلاف دباؤ اسی طرح جاری رکھا، تو سری لنکا جیسے حالات پیدا ہو جائیں گے اور پورے برما کے بدھسٹ روہنگیا کے خلاف ظلم و زیادتی شروع کر دیں گے۔[2]

برما میں فرقہ ورانہ فسادات:

برما فرقہ ورانہ تشدد کی لپیٹ میں ہے اور اس کی حالیہ مثال رنگون کے شمال میں سینکڑوں دیہاتوں میں پھیلی دکھائی دی، جہاں فتنہ و فساد میں دو افراد ہلاک جبکہ ۱۰۰ سے زائد گھر، دکانیں اور مساجد تباہ کر دیے گئے۔

---

[1] https://www.ispmyanmar.com/author/aung-thu-nyein/ (Accessed September 15, 2019)
[2] https://www.hrw.org/news/2019/08/28/two-years-no-home-rohingya (Accessed September 15, 2019)

مقامی افراد کا کہنا ہے کہ اوکن کے علاقے میں فرقہ ورانہ فسادات اُس وقت بھڑک اٹھے جب سائیکل پر سوار ایک مسلمان بچی بدھ مت کے ایک نو آموز مذہبی پیشوا سے ٹکرا گئی۔ ٹکر کے نتیجے میں مذہبی پیشوا کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹ کر گرا اور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ارد گرد کے گاؤں میں بسنے والے لوگوں نے مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔

ماہرین کہتے ہیں کہ:

" اوکن میں ہونے والے مذہبی فسادات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان ہونے والے معمولی تنازعات بھی فسادات کی چنگاری بھڑکا سکتے ہیں۔"[1]

منگل کے روز تباہ ہونے والی املاک میں ایک اسلامی سکول بھی شامل ہے۔ پیچ مین اس سکول میں ٹیچر تھے اور جس وقت مقامی گاؤں کے لوگ اپنی کھیتی باڑی کے اوزار لے کر سکول میں داخل ہو کر اسے تباہ کرنا شروع کیا، اس وقت پیچ مین ایک قریبی جگہ پر چھپ گئے تھے۔ اُن کے الفاظ، 'ہم نے سُنا کہ میکتیلا میں کیا ہوا۔ لہذا، ہم لڑنے سے گریز کرتے ہیں۔ ہمارے مذہبی راہنماؤں نے ہمیں تنبیہہ کی ہے کہ ہم اُن لوگوں سے نہ لڑیں جو ہماری املاک کو تباہ کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ بس اپنی زندگیاں بچائیں۔

میکتیلا میں ہونے والے فسادات کی وجہ سے ۱۰،۰۰۰ سے زائد مسلمانوں کو اپنے گھربار چھوڑ کر عارضی کیمپوں میں پناہ لینی پڑی تھی۔ انہیں یہ عارضی کیمپ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور حکومت کا کہنا ہے کہ ایسا ان مسلمانوں کی حفاظت کے پیشِ نظر کیا گیا ہے۔ میکتیلا میں ابھی تک فرقہ ورانہ فسادات کے نشانات باقی ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ میکتیلا میں ہلاک ہونے والے مسلمانوں میں ایک اسلامی سکول کے ۲۰ بچے بھی شامل تھے۔

نیویارک میں 'ہیومن رائیٹس واچ' نے حال ہی میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بدھ مت کے پیروکاروں کی جانب سے کیے جانے والے فسادات سے فرقہ ورانہ تشدد کو ہوا ملی ہے۔

فل روبرٹسن، ہیومن رائٹس واچ میں ایشیا کے لیے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ اُن کے الفاظ میں، 'ایسا لگتا ہے کہ یہ آج کی حقیقت یہی ہے کہ برما میں فرقہ ورانہ تشدد ہو رہا ہے، پولیس وہیں ہوتی ہے مگر اسے روکنے کے لیے کوئی کوشش یا اقدام نہیں اٹھاتی۔ بالآخر، کچھ عرصے بعد فوج کو آنا پڑتا ہے اور پھر کسی کا بھی مواخذہ نہیں ہوتا۔ یہی مسئلہ ہم نے اراکان کی ریاست میں دیکھا۔ اب یہی مسئلہ وسطی برما میں بھی دکھائی دے رہا ہے۔

دنیا میں تمام مسائل کے کچھ عوامل ہوتے ہیں اور اسی طرح روہنگیا مسلمانوں کے مذہبی مسائل کے بھی کچھ عوامل ہیں جن کا ذکر مندرجہ ذیل کیا جاتا ہے۔

[1] https://www.urduvoa.com/a/religious-violence-spread-in-burma/1654257.html (Accessed September 20, 2019)

عوامل:

دنیا میں جب بھی کوئی مسئلہ جنم لیتا ہے تو اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ ایسی ہی برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مذہبی مسائل کے بھی کچھ عوامل ہیں جن کی وجہ سے روہنگیا مسلمانوں کو مذہبی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کردار آشین وراتھو کا ہے۔ جو بدھوں کا ایک مذہبی رہنماء ہے۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

آشین وراتھو اور اس کی حقیقت:

بدھ مت مذہب اپنے امن پسند عقائد کی وجہ سے جانا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بدھ مت کے پیروکاروں کو سختی سے ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ چلتے ہوئے اپنے پاؤں بھی زمین پر زور سے نہ رکھیں تاکہ زمینی کیڑے مکوڑے کچلے نہ جائیں۔ خود اس مذہب کے بانی گوتم بدھ نے دنیا میں ناانصافی، بے رحمی اور ظلم ہوتا دیکھ کر ایک طویل عرصہ تک سکون اور امن کی تلاش میں ویرانوں اور جنگلوں میں ریاضت کی اور اپنی تعلیمات میں بھی امن پسندی کا پرچار کیا۔ لیکن میانمار میں بدھ بھکشوؤں کے موجود مذہبی رہنما کے طور پر شہرت رکھنے والے آشین وراتھو کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور ان کے خلاف بدھوں کی دل و دماغ میں بھی نفرت کے بیج بوتا ہے۔ آشین وراتھو کی تعلیمات اپنے مذہب کے بانی رہنما گوتم بدھ کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہیں۔ اس کا اور اس کی تنظیم ۹۶۹ کا جس میں اس نے ۲۰۰۱ء میں شمولیت اختیار کی ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان جہاں دیکھو اسے مار دو اور صرف مارنا ہی نہیں بلکہ پُر تشدد طریقے سے مارنا ہے۔

۱۰ جولائی ۱۹۸۸ء کو مانڈلے کے قریب "کیاوسکے" کے علاقے میں پیدا ہونے والے آشین وراتھو کو لوگ عرف عام میں "ویراسو یا ویراتھو" کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ ایک قوم پرست برمی بدھ بھکشو اور برما میں مسلم مخالف تحریک کا رہنما ہے۔ [1]

چودہ سال کی عمر میں اس نے اسکول کو چھوڑ دیا اور بھکشو بننے کا فیصلہ کیا۔ ۲۰۰۱ء میں اس نے تحریک ۹۶۹ میں شمولیت اختیار کرلی۔ ۹۶۹ ان کے مذہب بدھ مت کے بانی رہنما گوتم بدھ کا دیا ہوا عدد ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ۲۱ ویں صدی میں بدھ مت کا خاتمہ ہو جائے گا اور چونکہ ۷۸۶ کا عدد ۲۱ بنتا ہے لہٰذا مسلمان ۷۸۶ کا عدد اس لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ ۲۱ ویں صدی میں بدھ مت کو ختم کیا جاسکے۔ تحریک ۹۶۹ میں شمولیت کے بعد اس نے متنازع تقاریر سے شہرت حاصل کی۔ لیکن اس کی تقاریر اور بیانات کو تنقید کا سامنا بھی رہا۔ ۲۰۰۳ء میں اس کی تقریروں کی بنیاد پر ۲۵ سال کی

---

[1] عزمی، محمد فاروق، مسلمانوں کی قتل گاہ۔ برما، (لاہور: قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل یثرب کالونی والٹن روڈ، مئی ۲۰۱۹ء)، ۱۲۳

قید ہوئی۔ مگر ۲۰۱۲ء میں صرف ۹ سال بعد ہی اسے جیل سے رہا کر دیا گیا۔ ۲۰۱۱ء میں حکومت کی متعارف کردہ اصلاحات کے بعد آشین وراتھو سوشل یوٹیوب پر بہت متحرک ہو گیا۔

۲۰۰۰ء کے بعد سے بدھو کی انتہاپسندی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ اس مذہب کے پیروکاروں نے اس تیزی کے ساتھ انتہاپسندی کا مظاہرہ کیا کہ امن و آشتی کا پیکر سمجھا جانے والا یہ مذہب اب تنقید کی زد میں آنے لگا۔

"بن لادن کے نام سے شہرت رکھنے والا آشین وراتھو اور اس کی ۹۶۹ نامی تنظیم بدھ انتہاپسندی کو تربیت دینے میں خاصی بدنام ہے۔ آشین وراتھو اس کے پیروکاروں کو بدھسٹ کہنے کی بجائے مسلمان اقلیت کا دشمن کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔"[1]

آشین وراتھو کا کہنا ہے کہ میانمار کے مسلمان میانمار کے ذخائر اور وسائل پر اپنا قبضہ بڑھا رہے ہیں۔ اور اپنی قوت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے طاقت میں آنے کا مطلب میانمار میں بدھ پیروکاروں کا ہے صفایا ہے۔ اس بیان کے بعد وراتھو نے بدھ پیروکاروں کو مسلمانوں کے قتل عام کا حکم دیا۔ جس پر میانمار کی حکومت اور جمہوریت پسند رہنما آنگ سان سوچی نے چپ سادھے رکھی۔ گویا وہ دبے انداز میں اس بربریت اور سفاکیت کے حمایتی ہیں۔ میانمار کے معروف بنیاد پرست مذہبی رہنماء آشین ویراتھو نے مسلمانوں کی نسل کشی اور ملک بدری میں بنیادی کردار ادا کیا، اس نے اپنی نفرت آمیز تقاریر میں ملک کی اقلیتوں خصوصاً روہنگیا مسلمانوں کیخلاف زہر افشانی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ ویراتھو نے برمی مسلمانوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آپ (برما کے بدھسٹ) احسان اور محبت سے بھرپور ہوسکتے ہیں، لیکن آپ پاگل کتے (برمی مسلمان) کے پہلو میں نہیں سوسکتے۔ (اس کام میں) اگر ہم نے کسی بھی قسم کی کمزوری دکھائی تو ہماری سرزمین پوری کی پوری مسلم ہو جائے گی۔

نفرتیں بانٹنے اور اشتعال انگیزی کو ہوا دینے میں مذکورہ راہب نے ایسی بدنامی پائی ہے کہ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ٹائم میگزین نے جولائی ۲۰۱۳ء میں اپنے سرورق پر اس کی ایک تصویر شائع کی اور اس پر یہ سرخی جمادی۔ The face of Buddhist terror[2] "بدھ مت میں دہشتگردی کا چہرہ" آشین وراتھو ایسی کی ریلیوں کی سربراہی بھی کر چکا ہے جن کا مطالبہ یہ تھا کہ روہنگیا مسلمانوں کو کسی دوسرے ملک بھیج دیا جائے۔

یہی وہ شخص ہے کہ جس نے مذہبی عصبیت کی راکھ میں چھپی ہوئی چنگاری کو شعلہ ور کیا اور ان کے شعلوں سے ہزاروں ہرے بھرے گھروں کو ان کے مکینوں کے سمیت جلا کر راکھ میں تبدیل کر دیا۔ برما کی دبی کچلی مسلم

[1] http://content.time.com/time/magazine/article/0,9171,2146000,00.html
(Accessed September 25, 2019)
[2] Hannah Beech , Meikhtila, Burma, And Pattani, Thailand Monday, July 01, 2013, http://content.time.com/time/covers/asia/0,16641,20130701,00.html
(Accessed September 25, 2019)

اقلیت کے حقِ حیات کا احترام تو دُور، اس نے برما میں اقوام متحدہ کی خصوصی خاتون نمائندہ "یا گی لی" کو طوائف اور کتیا کہہ کر اس کی تذلیل کی۔ مسلمانوں کے متعلق اس نے ایک مذہبی تقریب کے دوران کہا تھا کہ "میں انہیں (مسلمانوں کو) تخریب کار کہتا ہوں، کیونکہ وہ واقعتاً تخریب کار ہیں اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں ایک بنیاد پرست بدھسٹ ہوں۔"

یقیناً ایک مذہبی رہنما نسلی اور مذہبی فسادات کو بھڑکانے یا انہیں روکنے میں ایک کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔ یہ اب اس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ خون ریزی کو شعار بنائے یا انسانی خون کی قدر و قیمت سے اپنی قوم کو روشناس کرائے۔ برما کے آشین وراتھو بدھ مت کی تعلیمات کے عین برعکس مذہبی منافرت پھیلانے میں کافی سرگرم ہیں۔

"۹۶۹ کے نام سے موسوم ایک مذہبی انتہا پسند تنظیم قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھے ہوئی ہے۔"[1]

یہ تنظیم مذہبی منافرت، نسلی تعصب، عدمِ رواداری اور انتہا پسندی کی ایک علامت بن گئی ہے۔ ظاہر سی بات ہے جو عدمِ تشدد کی تعلیمات کو عام کرنے کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں، وہی جب تشدد کو فروغ دینے اور متشدد عناصر کو منظم کرنے کا بیڑا اٹھائیں تو پھر وہاں پر کس سے امن و امان کی توقع ہو سکتی ہے۔

مذہبی تعصب:

برما میں بدھ بھکشو کے موجودہ روحانی رہنما آشین وراتھو جو ایک ۹۶۹ موومنٹ حامی تنظیم کا رہنما بھی ہے۔ اس کا اور اس کی تنظیم کا عقیدہ ہے مسلمان جہاں دیکھو اسے مارو اور صرف مارو نہیں بلکہ پُرتشدد طریقے سے مارو۔ اس ضمن میں وہ اپنی تنظیم کو مختلف غیر انسانی اور اذیت ناک نت نئے طریقے بھی سکھاتا ہے، جان لینے کے یہ طریقے انسانیت سے اس قدر گرے ہوئے ہیں کہ سوچ کر ہی روح کانپ اٹھتی ہے اور خیال آتا ہے انسان اس قدر وحشی اور درندہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہو سکتا ہے تو پھر اس کا نام "آشین وراتھو" ہی ہو سکتا ہے۔ میانمار میں اس تنظیم کو بنیاد پرست تصور کیا جاتا ہے۔ بدھ بھکشوؤں کے رہنما کے طور پر مشہور آشین وراتھو کے بارے میں عام خیال ہے کہ:

"یہ مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور ان کے خلاف بدھوں کے دل و دماغ میں نفرت کاشت کرتا ہے۔ میانمار حکومت اس کے مسلمان دشمن عزائم جاننے کے باوجود اس کی سرپرستی کرتی رہتی ہے اور اس کی نفرت انگیز اور تشدد پر ابھارنے والی تقریر باقاعدہ نشر ہوتی رہی ہیں۔"[2]

دوسری طرف حکمران پارٹی کی رہنما اور امن کا نوبل انعام جیتنے والی برما کی صدر آنگ سان سوچی جو اس وقت دنیا کی سب سے متنازعہ شخصیت کا روپ دھار چکی ہے کی پراسرار اور معنی خیز خاموشی اس بات کی گواہی ہے کہ

---

[1] عزمی، محمد فاروق، مسلمانوں کی قتل گاہ۔ برما، ۱۲۵

[2] ایضاً: ۱۲۷

وہ روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو چھپ کر بڑھاوا دے رہی ہے۔ اور اسے بے گناہ جانوں کے ضیاع پر قطعاً کوئی افسوس ہے اور نہ پچھتاوا۔

جب کسی ملک میں اکثریت کو حکومت کی حمایت حاصل ہو اور مذہبی رہنما یہ حکم بھی دیں کہ "اقلیت" میں موجود انسانوں کو بے رحمانہ طریقے سے قتل کر دو اور نہ صرف قتل کر دو بلکہ پُر تشدد طریقے سے قتل کرو، زندہ جلاؤ، ان کے بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، ان کی خواتین کی بے حرمتی کرو، ان کے گھر بار جلاؤ، تو یہ سب مذہبی لحاظ سے جائز اور صحیح ہے اور اس "کارنامے" پر تم کسی کو جوابدہ بھی نہیں ٹھہرائے جاؤ گے بلکہ حکومت کی شاباشیں اور لٹے پٹے گھروں سے مال غنیمت کے حقدار بھی ہوں گے تو پھر سفاکیت اور بربریت کی وہی صورت سامنے آئے گی جو برما کے روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔ آشین وراتھو کی تنظیم ۹۶۹ موومنٹ کا یہ دعوی ہے کہ بدھ بھکشوؤں کے عقیدے کے مطابق اسی صدی میں اس مذہب کو ختم کر دیا جائے گا۔ مسلمان ۷۸۶ کا ہندسہ استعمال کرتے ہیں جس کا مجموعہ ۲۱ بنتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ۲۱ ویں صدی میں بدھ مت کے خاتمے کا سبب بنیں گے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہی ختم کر دیا جائے۔ اتنی مضحکہ خیز توجیہ پر عمل کرتے ہوئے دس پندرہ لاکھ لوگوں کی زندگیاں برباد کر دینا بہت بڑی جہالت کی بات ہے۔

۹۶۹ تحریک:

۹۶۹ تحریک انگریزی میں ۹۶۹ موومنٹ (Movement 969) کے نام سے متحرک ایک برمی قوم پرست تحریک ہے۔ جو بنیادی طور پر برما میں اسلام کی اشاعت کے خلاف ہے۔ برما کا اکثریتی مذہب بدھ مت ہے۔ اس تحریک کے نام کے یہ تین عدد ۹۶۹ بدھ کے فضائل، بدھ مت رسومات اور بدھ برادری کی علامات ہیں۔ اس وقت اس تحریک کا قائد آشین ویراتھو ہے۔ اس تنظیم کا سیاسی نظریہ اسلام کی اشاعت و ترقی روکنا اور بدھ مت کا احیاء ہے۔ پہلا ہندسہ ۹ گوتم بدھ کی نو خصوصی صفات کی علامت ہے، اور ہندسہ ۶ اس کے دھرم کی چھ خصوصی صفات یا بدھ مت کی تعلیمات اور آخری ہندسہ ۹ بدھ سنگھ (راہب برادری) کے نو خصوصی اوصاف کی نمائندگی کرتا ہے۔

"کئی تنظیموں اور مختلف ذرائع ابلاغ نے اس تنظیم (۹۶۹ تحریک) کو "اسلاموفوبیا" یا مسلم مخالف قرار دیا ہے۔"[1]

لیکن تحریک کے میانماری بدھ مت حامی اس سے انکار کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ بھکشو آشین ویراتھو کی تحریک راکھائن (اراکان) کے بدھ مت کے پیروکاروں کو بنگالیوں کی دہشت گردی سے محفوظ رکھنے کی تحریک ہے۔ جو کہ سراسر جھوٹ ہے۔ جبکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ اسلام مخالف ایجنڈے پر مبنی

---

[1] عزمی، محمد فاروق، مسلمانوں کی قتل گاہ۔ برما، ۱۳۳

تحریک ہے اور اس کے رکن اس ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ جس کا عملی مظاہرہ مسلمانوں کے قتل عام، تشدد، جلاؤ گھیراؤ اور خواتین کی عصمت دری کی صورت میں آج دنیا کے سامنے ہے۔ باقی کسی مقصد کا اظہار محض پروپیگنڈا ہے۔

ہر چند کہ ظالم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر تاریخِ انسانیت میں جس قدر ظلم مذہب کے نام پر ہوا ہے، شاید ہی کسی اور نام پر اتنا ظلم ہوا ہو۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کے جو پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں، اس کے پیچھے بھی یہی مذہبی عصبیت کار فرما ہے۔ مذہبی عصبیت کا جو مکروہ چہرہ برما میں ظاہر ہوا، اس کو دیکھنے کی تاب لانا کسی بھی صاحبِ دل انسان کے لئے محال ہے۔ ظلم کے متحرک اور غیر متحرک مناظر نے شوشل میڈیا کو آج کل ماتم کدہ بنا دیا ہے۔ کسی بھی شوشل سائٹ کو کھولتے ہی ایک ناظر محسوس کرتا ہے کہ وہ ظالموں کی ایسی کالی دنیا میں جا پہنچا ہے کہ جہاں ہزاروں آدم خور ظالم چند ایک اولادِ آدم پر ٹوٹ پڑے ہیں اور ایذا رسانیوں کے ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں کہ جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میانمار میں جبر و تشدد کی ایک ناقابلِ بیان داستان ہے، جو ان انسان نما درندوں کے ہاتھوں رقم ہو رہی ہے۔ برما میں روہنگیائی مسلمان سالہا سال سے گونا گوں مظالم جھیل رہے ہیں۔ روہنگیا مسلمان مجبور و مقہور ترین اقوام میں سے ایک قوم ہے کہ جو ایک مدت سے موت سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ عرصہ دراز سے برما کی ریاست راکھائن میں بود و باش کے باوجود انہیں ابھی تک شہری حقوق کیا، بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ یہ کم نصیب حکومتی عتاب کا ہمیشہ ہی ایک نرم ہدف رہے ہیں، وقتاً فوقتاً اکثریتی طبقہ نے انہیں نسلی اور مذہبی عصبیت کی بنیاد پر ظلم کا شکار بنایا۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں ان کے نام فارن کارڈ اجراء کر کے انہیں یہ احساس دلایا گیا کہ وہ سالہا سال سے برما کی سر زمین پر رہتے ہوئے بھی غریب الوطن ہیں۔

۱۹۸۲ء میں غیر ملکی قرار دے کر روہنگیائی مسلمانوں کو تمام تر شہری حقوق سے مکمل طور پر بے دخل کیا گیا۔ وہ تعلیم تجارت اور صحتِ عامہ جیسی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں۔ وہ آزادانہ طور پر گھوم پھر نہیں سکتے۔ الغرض بودھ اکثریت انہیں حیوانوں سے بدتر سمجھتی ہے۔[1]

حالیہ چند برسوں میں ان مظلوموں کے خلاف سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر جاری عتاب میں انتہائی شدت دیکھنے کو ملی ہے۔ شوشل میڈیا پر یہ دردناک اور دلدوز مناظر دکھائے جا رہے ہیں۔ بستیوں کی بستیاں آگ میں بھسم ہو رہی ہیں۔ شیر خوار بچوں کی سر بریدہ لاشیں کہیں پانی میں تیر رہی ہیں تو کہیں مارے گئے۔ خواتین کی عصمت و عفت کو نہ صرف تار تار کیا جا رہا ہے بلکہ انہیں موت کے گھاٹ اتار کر لاشوں کے ساتھ بھی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ انسانی اعضاء چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں۔ یہ سب کسی ایسی جگہ ہو رہا ہے، جہاں دنیا کو اہنسا یعنی عدم تشدد کا درس دینے والے مہاتما بدھ کے بہت سے بت نصب کئے ہوئے ہیں۔ بودھ دہشت گردوں کی مار دھاڑ سے جان بچا کر

[1] انصاری، یامین، "روہنگیائی مسلمان دنیا کی مظلوم ترین قوم"، پیام عرفات، جلد ا، شمارہ ۳، (اکتوبر ۲۰۱۷ء)، ص ۱۵

بھاگنے والوں کی دہشت زدہ آنکھوں میں ایسے خوفناک مناظر موجود ہیں کہ جنہیں دیکھنے کے لئے چشمِ بصیرت کے ساتھ ساتھ آہنی کلیجہ بھی چاہیے۔ ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کرنے والوں میں سے ہر فرد کے پاس ایک داستانِ الم ہے، جسے وہ من وعن بیان کرنے سے قاصر ہے۔

لندن سے شائع ہونے والے اخبار دی انڈیپنڈنٹ(The Independent) نے انہی مظلوموں میں سے ایک مظلوم کی درد بھری روداد کچھ یوں نقل کی ہے:

"عبدالرحمان نامی اس روہنگیائی مسلمان کا کہنا ہے کہ چٹ پیئن (Chut Pyin) گاؤں میں بہت سے روہنگیائی مسلمانوں کو بانس سے بنی کٹیا میں بند کر دیا گیا اور پھر اسے آگ لگائی گئی۔ میرے بھائی کو دوسرے افراد کے ساتھ اجتماعی طور زندہ جلایا گیا۔ میں نے دیگر اہلِ خانہ کو کھیتوں میں مقتول پایا جن کے جسموں پر گولیوں اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگے گہرے گھاؤ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ میرے دو بھتیجوں کے سر کاٹے گئے تھے ان میں سے ایک کی عمر محض چھے سال کی تھی اور دوسرے کی نو سال۔ میری سالی کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا۔"[1]

نسل کشی کے دوران جو سفاک حربے استعمال ہو رہے ہیں۔ ان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ کام ان مجرمانہ نفسیات اور مسخ شدہ انسانی فطرت رکھنے والے قاتلوں کے ہاتھوں انجام دیا جا رہا ہے، جنہیں سفاکیت، درندگی اور سنگ دلی کی باضابطہ تربیت دی گئی ہے۔ نسل کشی تو ظلمِ عظیم ہے ہی مگر جو ظالمانہ حربے معصوم لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں، وہ نہایت ہی خوفناک ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لئے پتھر کا دل اور بے نم آنکھ چاہئے۔ یہ سوچ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ کس طرح ان مظلوموں نے اپنے پیاروں پر ہونے والے اس قدر ظلم وزیادتی دیکھی ہوگی اور ان مظلوموں نے یہ کربناک اور دلدوز مظالم سہے ہوں گے۔

اثرات:

ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ سکون واطمینان کی زندگی گزارے۔ اس کے باوجود ہر دور میں اور ہر مقام پر سماج میں اپنے لئے ناسور موجود ہیں جو انسانوں کی فطری خواہشات کے خلاف سرگرم رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو متشدد افکار و نظریات ہیں تو دوسری وجہ اقتدار کی ہوس ہے۔ لہٰذا وہ کسی نہ کسی بہانے امن وامان غارت کرتے رہتے ہیں۔ سکون و اطمینان انسانوں کو میسر آئے اس کے خلاف سرگرم رہتے ہیں، ساتھ ہی اپنے پسندیدہ عمل کو انجام دینے کے لیے جھوٹ وفریب اور ظلم وزیادتیوں کا سہارا لیتے ہیں۔ دنیا میں زمان و مکان کی قیود سے باہر اس طرح کے مناظر تاریخ کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔

---

[1] https://www.independent.co.uk/news/world/asia/burma-massacre-rohingya-latest-rakhine-state-security-forces-buddhist-130-chut-pyin-a7923451.html (Accessed October 03,2019)

موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان دنیا کے دہشت گرد بڑی سرعت کے ساتھ مسائل پیش کرتے رہتے ہیں۔اس کی ایک وجہ تو یہی سمجھ آتی ہے کہ مسائل کا اتنا بڑا انبار لگا دیا جائے کہ وہ اسی میں الجھے رہیں اور کچھ اور سوچنے، سمجھنے اور کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔تو دوسری وجہ جو سامنے آتی ہے وہ مسلمانوں کو ہر سطح پر کمزور کرنے کی منظم منصوبہ بند سازش ہے۔متذکرہ دو حالات میں مسلمانوں کا ایک طبقہ مسائل سے براہ راست دوچار ہو گا کچھ بلاواسطہ متاثر ہوں گے۔کچھ نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہوں گے تو بڑا طبقہ خوف کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گا۔نتیجہ میں وہ اہداف حاصل ہو جائیں گے جو مطلوب ہیں۔آج اور کل اس ماہ اور گزشتہ چند سالوں میں ان مسائل میں اضافہ ہو تا رہا ہے۔مذہبی نوعیت کے پر تشدد واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔امن و محبت اور روحانیت کا پیغام دینے کے بجائے بہت سے مذہبی رہنما اب نفرتوں کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

میانمار میں مسلمانوں کو نئی مساجد کی تعمیر پر پابندی کا بھی سامنا ہے اور اس پابندی کو کئی دہائیاں گزر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ دھمکیاں، خوف، تفریق، شہریت نہ دینے اور مذہبی آزادی سلب کرنے جیسے اقدامات بھی میانمار کے مسلمانوں کی زندگیوں میں کئی طرح کی مشکلات کا باعث ہیں۔ اس صورت حال میں اگست ۲۰۱۷ء میں راکھائن ریاست میں روہنگیا کے خلاف شروع کیے گئے عسکری آپریشن سے مزید خرابی پیدا ہوئی ہے۔واضح رہے کہ اگست ۲۰۱۷ء کے آخر میں راکھائن ریاست میں شروع ہونے والے عسکری آپریشن کے تناظر میں چھ لاکھ سے زائد روہنگیا باشندے ہجرت کر کے بنگلہ دیش پہنچے، جو وہاں مہاجر بستیوں میں انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

آزادی کے بعد حکومت نے زمینیں سرکاری تحویل میں لینے کی آڑ میں سینکڑوں دینی مدارس اور مساجد کی وقف زمینیں ضبط کر لیں جن میں منگڈو جامع مسجد کی بہت بڑی زمین بھی شامل ہے۔اس کے نتیجے میں اکثر مسجدیں ویران اور مدارس بند ہو گئے۔ جنوبی منگڈو میں جامعہ اشرف العلوم کے نام سے ایک بڑا دینی ادارہ تھا جس سے فارغ التحصیل ہونے والے ہزاروں حفاظ و علماء اور مبلغین دینی خدمات میں مصروف تھے، اسے نذر آتش کر دیا گیا اور جامعہ کی بلڈنگ کے ساتھ کروڑوں روپے کی مالیت کا عظیم الشان کتب خانہ بھی جل کر راکھ ہو گیا۔

"مسلمانوں کی گنجان آبادیوں کے درمیان طے شدہ پروگرام کے تحت غیر مسلموں کو بسایا گیا اور مسلمانوں سے زمینیں چھین کر ان میں تقسیم کی گئیں جس سے بہت سے علاقوں کے مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح مسلمانوں کی اجتماعیت کو جان بوجھ کر بکھیر دیا گیا۔"[1]

۱۹۹۰ء میں منگڈو اؤٹاون میں مسلمانوں کی سینکڑوں دکانیں چھین لی گئی اور مساجد و تبلیغی مراکز بند کرا دیئے گئے، مسلمان اس تمام عرصہ میں ظلم و ستم کی چکی میں پس ہی رہے تھے کہ اچانک ۱۶ مارچ ۱۹۹۷ء کو دن دیہاڑے بے

[1] http://zahidrashdi.org/1234(Accessed October 07,2019)

لگام شدت پسند بودھ صوبہ راکھائن کے مسلم اکثریتی علاقے مانڈلے میں داخل ہوگئے اور قتل و غارت گری شروع کردی جس کے نتیجے میں متعدد مسلمان شہید، سینکڑوں گھر و مساجد مسمار اور ہزاروں کتب کو نذر آتش کردیا گیا، ۱۲جولائی ۲۰۰۱ءایک مرتبہ پھر شدت پسند بدھوں نے ایک مسجد کے معصوم نمازیوں پر حملہ کرکے فسادات کو ہوا دی،ان فسادات کے نتیجے میں گیارہ مساجد شہید،چار سو گھر نذر آتش اور سات سو مسلمان شہید کردیئے گئے۔

میانمار میں سات مسلمانوں کو گلی میں نماز ادا کرنے کے جواز میں تین ماہ کی سزائے قید سنائی گئی ہے۔

"ایشین کوریسپانڈنٹ"اخبار نے برمی حقوق انسانی کے نیٹ ورک کے حوالے سے اپنی خبر میں لکھاہے کہ:

"گزشتہ برس یانگون شہر سے منسلک تھرکیٹہ قصبے میں گھر سے باہر با جماعت نماز ادا کرنے پر جرم وار قبول کیے جانے والے مسلمان شہریوں کو سزائے قید صادر کی گئی ہے۔"[1]

اسی خبر کے مطابق قصبے میں گزشتہ برس ماہ اپریل میں انتہا پسند بدھ متوں نے مسلمان اسکولوں میں باجماعت نماز کی ادائیگی پر اسکولوں پر دھاوابول دیا تھا جس پر ان اسکولوں پر مہر لگادی گئی تھی۔

"بنیادی انسانی حقوق میں شامل عبادت کرنے کی آزادی پر پابندی عائد کیے جانے والے علاقے میں موزوں مقام پر باجماعت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو عبادت گاہوں کی تعمیر کرنا بھی منع ہے۔"[2]

برمی حقوق انسانی کے نیٹ ورک کے ایک افسر کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر قصدی طور پر پابندی عائد کی گئی ہے اور ان افراد کو کسی بھی مقام پر عبادت ادا کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

میانمار میں افسردہ ماحول میں عید منائی جارہی ہے:

راکھائن کے سیٹوے شہر میں حکومت کی سخت نگرانی میں مسلمانوں نے جامع مسجد میں نمازِ عید ادا کی۔

راکھائن میں محصور زندگی بسر کرنے پر مجبور مسلمان بڑے افسردہ ماحول میں عید کے مقدس تہوار کو منا رہے ہیں۔

"نماز کے بعد راکھائن سمیت بدھ مت جھتوں کی جانب سے قتل کیے جانے والے مسلمانوں اور دنیا کے دیگر ملکوں میں مظالم تلے زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔"[3]

برما کے وسطی علاقہ میں دس مسلمانوں کے ظالمانہ قتل کے خلاف جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو برما کی پولیس نے مسلمانوں پر اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے براہ راست مظاہرین کے سروں کے نشانے لیے۔ جس سے

---

[1] https://asiancorrespondent.com/2018/05/burma-muslims-jailed-for-praying-in-the-street/ (Accessed October 07, 2019)

[2] https://www.trt.net.tr/urdu/jnwby-yshy/2018/05/04/mynmr-myn-bdh-khy-pyrwkhr-mslmnwn-khy-mdhhby-azdy-khy-khlf-bhy-srgrm-964157 (Accessed October 07, 2019)

[3] https://www.trt.net.tr/urdu/mshrqi-wsty/2018/08/22/mynmr-myn-fsrdh-mhwl-myn-yd-mny-y-jrhy-hy-1036283(Accessed October 07, 2019)

بہت سے مظاہرین موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے اور بے شمار زخمی ہوئے ۔یہ معاملہ اس وقت شروع ہوا جب "ٹونگوپ" نامی شہر میں ۳ جون ۲۰۱۲ء کو مسلمانوں کی بس پر بدھوں نے حملہ کیاجو نماز پڑھ کر واپس آرہے تھے، اور اس حملے میں بعض اطلاعات کے مطابق بدھوں نے پرانا کوئی حساب چکانے کے لیے مذہبی عصبیت کی بنیاد پر بس کے مسافروں کو اس بے دردی سے زدوکوب کیا جس سے دس مسلمان شہید ہوگئے۔

ایک اندازے کے مطابق اب تک نوے ہزار مسلمان لاپتہ ہیں اور تعداد میں اضافہ بھی متوقع ہے۔حالات کے مارے لٹے پٹے مسلمانوں نے جب ہزاروں کی تعداد میں بنگلہ دیش کی طرف رخ کیاتو وہاں کی "سیکولر" قیادت نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ سیکولرازم صرف ان کو انسان مانتاہے جو مغربی تہذیب کی گنگا جمنا میں نہائے ہوئے ہوں، فرزندان توحید، عاشقان مصطفی، غلامان اہل بیت اور داڑھی، ٹوپی، پگڑی اور مقامی لباسوں میں ملبوس تو سیکولرازم کے نزدیک توانسان نہیں ہیں بلکہ یہ تو ان کے جانوروں کے برابر بھی انسانی حقوق نہیں رکھتے۔

"پس اب تک وہاں مہاجرین کے خیموں کی لمبی لمبی بستیاں قائم ہوچکی ہیں جنہیں کوئی ریاست قبول کرنے کے لیے تیار نہیں صرف اس لیے کہ وہ کلمہ گو ہیں۔"[1]

اراکان میں نسلی فسادات کی ایک لہر فروری ۲۰۰۱ء میں پھوٹ پڑی۔یہ فسادات اراکان کے صوبائی صدر مقام اکیاب میں ہوئے، بدھ مت کے پیروکاروں نے برمی پولیس فورس اور فوج کی پشت پناہی میں تین بڑے مسلم اکثریتی علاقوں اوہ منگلہ، ناظرپاڑااور مولوی پاڑہ کو آگ لگادی، جس میں ایک طرف املاک اور اثاثوں کو نقصان پہنچا تو دوسری طرف ڈیڑھ ہزار مسلمان مارے گئے۔

"راکھائن میں "۹۶۹" نامی بدھ تنظیم روہنگیا مسلمانوں کے خلاف پر تشدد کارروائیوں میں مصروف ہے۔ بوجوہ میانمار کی حکومت اور فوج اس تنظیم کی دہشت گرد کارروائیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا وہاں رہنا ناممکن بنادیا گیا ہے۔"[2]

صرف ۱۹۹۱ء میں پانچ لاکھ اراکانی مسلمانوں نے بنگلہ دیش کی طرف ہجرت کی جن میں سے اب بھی تین لاکھ روہنگیا اراکانی مہاجرین محسنی کیمپ اور کتوپلنگ کیمپ وغیرہ میں انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ۳ جون ۲۰۱۲ء میں برمی حکومت نے پھر روہنگیا مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا جو تاحال وقتاً فوقتاً اندرونی طور پر جاری ہے۔ اس دوران کم وبیش ایک لاکھ اراکانی مسلمان شہید ہوئے، تین لاکھ بے گھر ہوئے اور پندرہ لاکھ اراکانی مسلمان متاثر

---

[1] http://mazameen.com/world.برما-میانمار-میں-مسلمانوں-کا-قتل-عام/html (Accessed October 09,2019)
[2] http://irak.pk/rohingya-muslim-of-arakan/ (Accessed October 07,2019)

ہوئے۔ بنگلہ دیش کے کیمپوں میں مقیم و محبوس لاکھوں روہنگیا مہاجرین اور اندرون اراکان موجودہ روہنگیا مسلمان کیسی غلامانہ و مظلومانہ زندگی گزار رہے ہیں، اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

اس لیے بعض مبصرین نے لکھا ہے کہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ ستائی ہوئی قوم اراکانی روہنگیا مسلمان ہیں۔ اراکانی مسلمانوں کی یہ سلگتی بستیاں، کٹتی لاشیں، مسلم عورتوں کی لٹتی عزتیں، انگاروں پر تڑپتے شیر خوار بچوں کے نازک جسم، نوجوانوں کو چن چن کر مارنے کے ہولناک طریقے، بے یار و مددگار بیچ سمندر میں پڑے مسلمان جن کی صدائیں اپنے ان مسلمان بھائیوں کے نام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آزادی جیسی نعمت سے نوازا۔

اس کے علاوہ وہاں کے علماء کرام اور دینی رہنماؤں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے اس کا اندازہ اس رپورٹ سے کیا جاسکتا ہے کہ دو سال قبل برما واپس جانے والے چند جید علماء اور قد آور حضرات کو حکومت نے جولائی ۲۰۰۰ء میں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ ان گرفتاریوں کا آغاز مولوی علی احمد کی گرفتاری سے ہوا جو اب سے سات ماہ قبل بنگلہ دیش کے کتوپلنگ کیمپ سے واپس گئے تھے، انہیں مجاہد اور دہشت گرد قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا، زدوکوب کرنے کے علاوہ پلاسٹک جلا کر ان کے بدن پر ڈالا جاتا تھا اور لکڑی کے تختوں پر میخیں گاڑ کر انہیں ان پر کھڑا کیا جاتا رہا۔ ان کے علاوہ چالیس علماء کرام گرفتار ہوئے جن میں مولوی محبوب عالم، نو مسلم مولوی سعید عالم، مولوی زکریا، مولوی شمس العالم اور مولوی عبد الشکور بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے مولوی علی احمد سمیت تین علماء غائب ہیں جن کا تذکرہ کرنا اور سرکاری اداروں سے ان کے بارے میں دریافت کرنا بھی جرم ہے، اس لیے عام طور پر سمجھا جارہا ہے کہ وہ تینوں علماء شہید کر دیے گئے ہیں۔ ان علماء کرام کے علاوہ خالد حسین، فرقان، ولی محمد اور صدیق احمد نامی سرکاری اہل کاروں کو بھی اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے کہ انہوں نے ان علماء کی وطن واپسی کی رپورٹ کیوں نہیں کی تھی۔

اراکان کے مداس عربیہ کے لیے یہ قانون جاری کیا گیا ہے کہ روزانہ دو مرتبہ طلبہ اور علماء کی فہرست اور رپورٹ فوج کو پہنچائی جائے، جو غیر حاضر ہوتا ہے اس پر دہشت گرد یا باغی کا الزام لگ جاتا ہے، دوبارہ اس کا داخلہ مشکل ہو جاتا ہے۔ علماء و مشائخ کے مواعظ پر پابندی لگادی گئی ہے۔ "الرباط" کے اسی شمارہ میں مولانا بشیر احمد صادق آف اراکان کے مضمون میں یہ دلخراش واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ جولائی ۲۰۰۰ء کے دوران حکومت کے کارندے حسب معمول شمالی منگڈاؤ کی مشہور بستی والی دونگ کے گشت میں تھے کہ اچانک ایک حاملہ خاتون نظر آئی، حکومتی کارندوں نے اس سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ نو ماہ قبل اس کی شادی ہوئی تھی، اس پر کارندوں نے اپنی فائل سے فہرست نکال کر چیک کی اس میں اس خاتون کا نام نہیں تھا۔ خاتون نے دوسرے استفسار پر جواب دیا کہ اس کی شادی

شریعت کے مطابق ہوئی تھی جس پر اسے گرفتار کر کے تھانے لے جایا گیا اور وہاں اس قدر تشدد کیا گیا کہ حمل گر گیا اور خاتون کی موت واقع ہو گئی۔

ایک اور رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایک علاقائی کونسلر صدیق احمد کو اس جرم میں گرفتار کر لیا گیا کہ اس نے اپنے علاقے میں علماء کرام کی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی، بعد میں اس کونسلر کے بیٹے نے بتایا کہ ہمیں قطعاً معلوم نہیں کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے، ہم نے حکومت سے کہا ہم دو لاکھ روپیہ دینے کے لیے تیار ہیں ہمیں صرف ایک دفعہ اپنے والد کی شکل دکھا دیں لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔ بعد میں جب ایک وفد بڑی مشکل سے قیدیوں سے ملنے گیا تو وہاں یہ ہولناک منظر دیکھا کہ بعض علماء کی لاشیں بکھری ہوئی ہیں، بعض کو برہنہ کر کے رسیوں سے دوسرے مادر زاد برہنہ قیدیوں کے ساتھ باندھا گیا ہے، بعض قیدی درختوں کے ساتھ الٹے لٹکائے ہوئے ہیں۔

روہنگیا مسلمان ایسے حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، جہاں دنیا کا کوئی بھی مہذب انسان زندگی نہیں گزار سکتا۔ روہنگیا مسلمانوں کی زندگی انتہائی اذیت میں گزر رہی ہے۔ جہاں روہنگیا مسلمان اپنے دین پر چلنے سے بھی قاصر ہیں۔ جہاں وہ اسلام کی بنیادی احکامات بھی ناممکن حد تک مشکل میں ادا کر رہے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ ایک خاص مذہب کی ایک مخصوص خطۂ زمین پر بالا دستی قائم کرنے کے لئے ہری بھری انسانی بستیاں تہہ و بالا کی جا رہی ہیں اور اس مذہب کے نام نہاد وکیلوں کا یہی نظریہ ہے کہ یہ بالا دستی ایک نسل اور ایک دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا وجود مٹانے پر منحصر ہے۔ عالمی برادری اس بات کے مد نظر نہایت ہی سکون کے ساتھ اس قتلِ عام کو دیکھ کر اف تک نہیں کر رہی ہے کہ یہ ظلم و جور ان لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے کہ جن کے ساتھ انہیں نسلی، مذہبی، اعتقادی، قومی اور لسانی اعتبار سے کوئی لین دین ہی نہیں۔

جہاں تک میانمار کی بات ہے تو اس کے پاس انتہا پسند فوج کے ساتھ ساتھ بنیاد پرست مذہبی عناصر پر مبنی عسکریت پسندوں کی بھی ایک فوج ظفر موج ہے۔ یہ سب مل کر روہنگیا مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑے ہیں جیسے بھوکے بھیڑے شکار پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور بدھ بھکشوؤں کی نفرت بھی روہنگیا سے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے لیے ان کا دین ان کے لئے عذاب بنا دیا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے لیے دین کی بنیادی احکامات ادا کرنا بہت مشکل بنا دیا ہے۔ چاہے وہ نماز باجماعت ہو، جمعہ و عیدین کا اجتماع ہو، قربانی یا حج ہو، یا دینی مدارس کا قیام یہ تمام دین سے متعلقہ کام انتہائی مشکل بنا دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اپنے دین پر ممکن حد تک عمل پیرا ہو تو وہ حکومت کی نظر میں مجرم ٹھہرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مساجد، مدارس اور مقابر کو نیست و نابود کر رہے ہیں۔ اور ان مقامات پر حکومت اور بدھ مت کے پیروکار قابض ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں کسی کے لیے بھی اپنے دین پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہے۔

فصل دوم

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی مشکلات اور اس کے اسباب و اثرات:

برما میں مسلم آبادی صدیوں سے رہ رہی ہے۔ مگر بیسویں صدی کے وسط میں تقسیم ہند کے وقت پاکستان میں شامل ہونے کے لیے جدوجہد، پھر خود مختار الگ ریاست بنانے کی تحریک کے باعث روہنگیا کے بارے میں برما میں شک اور بداعتمادی کے احساسات بڑھتے گئے۔ مختلف اوقات میں مختلف سطح کے فسادات ہوتے رہے مگر اپنی آزادی سے لے کر ۱۹۸۲ء تک روہنگیا بھی برما کے شہری شمار ہوتے تھے۔ البتہ ایک ریفرنڈم کے ذریعے ۱۹۸۲ء کے قانون شہریت کے تحت برما کے ۱۳۵ نسلی گروہوں کو برمی شہریت دی گئی مگر روہنگیا نسلی گروہ کو شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ اگلے سال یعنی ۱۹۸۳ء میں ہونے والی مردم شماری میں ان کو شمار ہی نہیں کیا گیا۔ میانمار حکومت کا کہنا ہے کہ تاریخی و نسلی طور پر یہ لوگ بنگالی یا عرب ہیں۔ چونکہ روہنگیا برما کے تسلیم شدہ ۱۳۵ نسلی گروہوں میں شامل نہیں ہیں، اس لیے یہ برما کے باقاعدہ شہری نہیں ہیں بلکہ قانونی اعتبار سے یہ بنگال کے غیر قانونی تارکین وطن ہیں جو برما کی راخائن ریاست میں برما کے احسان تلے رہائش پذیر ہیں۔ بنگلہ دیش کا کہنا ہے کہ یہ تاریخی لحاظ سے کبھی بنگلہ دیش کے شہری نہیں رہے، یہ برما کے لوگ ہیں، اس لیے وہ بھی انہیں اپنے ہاں آنے نہیں دیتا۔

گزشتہ ۳۵ سالوں سے قانونی تفریق، سماجی تحقیر اور مذہبی منافرت کے شکار روہنگیا برادری اپنے ہی ملک میں روز بروز اجنبی تر ہوتی گئی۔ قانونی دستاویزات کی بنیاد پر حاصل ہونے والے زندگی کے تمام تر حقوق و مراعات سے وہ محروم ہے۔ بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہونے کے باعث سماجی جرائم میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ یہ اضافہ ان کے بارے میں پہلے سے قائم متعصب مفروضات کو تقویت بخشتا گیا۔ یوں لاوا پکتا رہا، گلی محلے میں پیش آنے والی لڑائیوں سے لے کر گروہی جھگڑوں تک ہر گزرتے واقعے نے اس آتش فشاں کو گرمایا۔ اگرچہ ماضی میں ان کی برادری کے لوگ وزیر مشیر اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ حکومت میں اہم منصب پر معمور رہے۔ مگر تمام تر حقوق چھین جانے کے ساتھ ساتھ ووٹ اور سیاسی جماعتوں سے بھی محروم ہو گئے۔

۱۹۴۷ء کے انتخابات کے لئے اندراج اور اراکان کے مسلمان:

۱۹۴۵ء برما کے مسلمانوں نے اپنے تحفظ کیلئے (بی ایم سی) برما مسلم کانگریس کے نام سے ایک سیاسی تنظیم بنائی۔ اس کے پہلے سربراہ "یورزاق" تھے، وہ برما کی آئینی کونسل کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ یورزاق کو بعد ازاں قتل کر دیا گیا اور بی ایم سی پر پابندی لگا دی گئی۔

Razak was subsequently appointed Minister of Education and Planning in Aung San's government, a post he held until he was assassinated alongside San.[1]

[1] Moshe yegar, *"The Muslims of Burma"*, A study of a minority Group, 75.

ترجمہ: رزاق کو بعد میں آنگ سان کی حکومت میں وزیر تعلیم اور منصوبہ بندی کا وزیر مقرر کیا گیا، وہ اس عہدے پر فائز رہے جب تک کہ سان کے ساتھ مل کر اسے قتل نہیں کیا گیا۔

۱۹۴۷ء میں ملک بھر میں پہلے عام انتخابات کیلئے اندراجات کیے گئے تاکہ دستور ساز مجلس منتخب کی جائے۔ برمی حکام میں بطور خاص اراکان کے مسلمان علاقوں کو مشکوک شہری ہونے کا جھوٹا الزام لگا کر اندراج کے حق سے دیدہ و دانستہ محروم رکھا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد برما کو آزادی دینے کا فیصلہ ہوا اور آزادانہ الیکشن کرائے گئے تو جنرل اونگ سان کی راہ نمائی میں ملک کا دستور مرتب کیا گیا مگر اس دستور میں مسلمانوں کے حقوق کا کسی حوالہ سے بھی کوئی ذکر نہیں ہوا۔ حالانکہ مسلمان برما میں خاصی تعداد میں موجود تھے، اراکان صوبہ میں ان کی اکثریت تھی اور انہوں نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حتیٰ کہ اس الیکشن میں اراکان سے پارلیمنٹ کے دو مسلم ممبر جناب سلطان احمد بی اے اور مسٹر عبد الغفار بی اے منتخب ہوئے مگر انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے اجلاس میں شریک ہی نہیں ہونے دیا گیا اور اس دوران مسلمانوں نے دستور سازی کے سلسلہ میں جو مطالبات پیش کیے تھے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔

آزادی کے بعد حکومت نے زمینیں سرکاری تحویل میں لینے کی آڑ میں سینکڑوں دینی مدارس اور مساجد کی وقف زمینیں ضبط کر لیں جن میں منگڈو جامع مسجد کی بہت بڑی زمین بھی شامل تھی۔ اس کے نتیجے میں اکثر مسجدیں ویران اور مدارس بند ہو گئے۔ جنوبی منگڈو میں جامعہ اشرف العلوم کے نام سے ایک بڑا دینی ادارہ تھا جس سے فارغ التحصیل ہونے والے ہزاروں حفاظ و علماء اور مبلغین دینی خدمات میں مصروف تھے، اسے نذر آتش کر دیا گیا اور جامعہ کی بلڈنگ کے ساتھ کروڑوں روپے کی مالیت کا عظیم الشان کتب خانہ بھی جل کر راکھ ہو گیا۔

برما کے دیگر حصوں میں آباد روہنگیا مسلمانوں کے بارے میں یہ پراپیگنڈا شروع کیا گیا کہ یہ برما کے اصل باشندے نہیں ہیں اس لیے انہیں برما سے چلے جانا چاہیے۔ اور اس کے بعد مسلسل ایسی پالیسیاں اختیار کی جاتی رہیں جن کے باعث روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئی اور مختلف مسلمان ملکوں میں پناہ گزین ہوئی۔[1]

جن میں بڑی تعداد بنگلہ دیش، پاکستان اور سعودی عرب میں رہائش پذیر ہوئیں۔ اور ایک بڑی تعداد میں پناہ گزین کیمپوں میں اب بھی انتہائی ناخوشگوار حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جہاں ان کے لئے بنیادی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور روہنگیا پناہ گزین برادری بہت ناگفتہ بہ حالات میں زندگی بسر گزارنے پر مجبور ہیں۔

---

[1] عبد الشکور، برمی جمہوریت اپنے مظالم کے آئینے میں، (کراچی: غنی بک ڈپو برمی کالونی ۳۶ جی لانڈھی، سن اشاعت ندارد)، ۲۳

برما کی آزادی:

۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہو گیا شمالی اراکان کے برطانوی ایڈمنسٹریٹر نے جنگ عظیم دوم میں کامیابی کے بعد اور برصغیر کی آزادی کے آرام سے قبل شمالی اراکان کے بعض اہل علم اور سیاسی شخصیات کو یہ پیشکش کی تھی کہ وہ اگر برطانوی حکومت کو شمالی اراکان کی علیحد گی کے درخواست کرے تو ان کی یہ درخواست قبول کر لی جائے گی، لیکن اراکان کے مسلمانوں نے ایسا کوئی باقاعدہ مطالبہ نہیں کیا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ:

"۱۹۴۷ء میں برما کے حوالے سے ایک قومی کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں یہ طے پایا تھا کہ برما کا آزاد وفاق یونین آف برما قائم کیا جائے گا۔ برما کے سارے صوبے اور ریاستیں اس میں شامل ہو گی البتہ دس سال گزرنے کے بعد ان صوبوں اور ریاستوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ چاہیں تو آزاد وفاق یونین آف برما میں شامل رہیں اور چاہیں تو علیحدہ ہو جائیں۔"[1]

۱۹۴۸ء میں جب برما آزاد ہوا تو برمی حکومت کو کسی اور صوبے یا ریاست سے علیحد گی کا خطرہ نہیں تھا لیکن انہیں اراکان خصوصاً شمالی اراکان سے جہاں مسلمان غالب اکثریت میں تھے اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں دس سال بعد یہ برما سے الگ نہ ہو جائے جیسا کہ قومی کانفرنس میں طے ہوا تھا۔ لہٰذا برما کی حکومت نے منصوبہ بندی کے تحت اراکان میں مسلمانوں کا تناسب کم کرنے کے لیے دو کام کئے:

۱۔ برما کے دوسرے علاقوں سے امیر اور بااثر بدھوں کو اراکان میں زمین دے کر انہیں آباد کرنا شروع کیا۔

۲۔ ان تمام باشندوں کو جو بنگال اور ہندوستان سے آکر آباد ہو گئے تھے برما کی شہریت دینے سے انکار کر دیا اور انہیں جبراً ملک بدر کیا جانے لگا۔ لہٰذا آزادی کے ابتدائی چند سالوں میں ہی تیس ہزار مسلمان مشرقی پاکستان موجودہ بنگلہ دیش میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

"بدھ اکثریت کے اس ملک میں روہنگیا کے اندر اس وقت بے چینی پیدا ہو جاتی جب کوئی ایسا قانون بنایا گیا، ایسی اصلاحات نافذ کی گئی جو مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف تھیں۔ مثلاً ستمبر ۱۹۵۴ء میں ملک میں ایک سیاسی بحران پیدا ہو گیا جس کا باعث سرکاری مدارس میں اسلامیات کی تعلیم کے خلاف بھکشوؤں کا احتجاج تھا۔"[2]

جس کی وجہ سے روہنگیا برادری کے افراد میں بہت پریشانی پیدا ہوئی۔ اور یہ تمام منصوبے برما میں اسلام و مسلمان کو ختم کرنے کے لئے کئے جاتے تھے۔ روہنگیا کے لوگ جو پہلے ہی سے کمزور اور بے بس تھے ان کو ہر طریقے سے ختم کرنے کی بھرپور کوششیں جاری رکھیں جو تاحال جاری ہیں۔ اور ان معاملات کی وجہ سے بہت سارے روہنگیا

---

[1] شفیع، محمد، واراکین، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۴/ ۴۵۱

[2] ایضاً: ۴/ ۴۵۲

ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور جو برما میں موجود ہیں ان کو پناہ گزین کیمپوں میں ایسے رکھا گیا ہے کہ ان کو زندگی کی بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔ اور وہ وہاں پر انتہائی ابتر حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

برما کی آزادی اور اراکان کا معاملہ:

اراکان جو کہ ماضی میں ہر لحاظ سے ایک علیحدہ ریاست رہی تھی اور مختلف ادوار میں اس پر برمیوں منگولوں مغلوں انگریزوں اور جاپانیوں نے حملے کی اور انگریز قابض ہوئے۔ آزادی سے قبل پنگ لونگ[1] معاہدے کے ذریعے مختلف قومیتوں کی برما میں شامل ہونے کے حوالے سے رائے لی گئی تھی۔ اراکان سے بدھوں کو نمائندگی دی گئی جبکہ مسلمانوں کو جو کہ اس خطے کے اصل و قدیم باشندے تھے دیدہ و دانستہ محروم رکھا گیا۔ کشمیر کی طرح یہاں کے باشندوں سے بھی زیادتی کی گئی اور انگریزوں نے پنگ لونگ کانفرنس میں مسلمانوں کو نمائندگی نہ دیے جانے پر اونگ سان سے کوئی احتجاج نہ کیا۔

جاپانیوں کے قبضے کے دوران اراکان میں ایک اسلامی جمہوریہ قائم کی گئی تھی جس کے بارے میں انگریز بھی لاعلم نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اراکان پر دوبارہ قبضے کے بعد اس جمہوریہ کی مجلس شوریٰ کے بعض افراد کو انتظامی کونسل میں بھی شریک کیا تھا۔ لیکن انگریزوں نے روایتی کردار ادا کیا اور اراکان کو برما کے حوالے کر کے مسلمانوں کے لئے مصیبتوں کا پھندہ ان کے گلے میں ڈال دیا گیا جو ہنوز قائم ہے۔

وزیر اعظم اونو کا دور حکومت:

جب اونو وزیر اعظم بنا تو اس نے مسلمانوں کو مساوی حقوق دینے کا وعدہ کیا۔ اراکانی مسلمانوں کو ملکی باشندہ تسلیم کیا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی۔

"اونو کے دور میں برمی حکام کے ظلم و ستم سے تنگ آکر وسط جنوری ۱۹۵۰ء میں تقریباً تیس ہزار افراد ہجرت کر کے مشرقی پاکستان چلے گئے۔"[2]

برمی حکومت اور بدھ انتہا پسندوں سے روہنگیا مسلمان تنگ آکر اور اپنی بقا کی خاطر ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اور روہنگیا مسلمانوں کی یہ ہجرت ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے کے لئے تھی، جن میں پاکستان، ملائشیا، انڈیا اور سعودی عرب تک چلے گئے۔

---

[1] معاہدہ پین لونگ: معاہدہ پین لونگ کے ذریعے تمام قومیتوں کو ان کی تہذیب و ثقافت اور تمدن کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی گئی تھی۔ اور اس امر کی گنجائش رکھی گئی تھی کہ اگر کوئی ریاست آزادی کے دس سال کے بعد متحدہ برما سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو اسے علیحدگی کا مکمل اختیار ہو گا۔

[2] حفیظ الرحمٰن، محمد، پاکستان اور اس کے ہمسایہ ممالک، ۱۰۳

مجاہد تحریک اور الحاق پاکستان کی خواہش:

اپنی بقا کو سخت خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر روہنگیا مسلمان حکمران ٹولے کے جبر و استبداد کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ حکمرانوں کے ساتھ ساتھ مقامی بدھوں نے بھی مسلمانوں کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ آئے دن لوٹ مار، قتل و غارت اور دہشتگردی کے ستائے ہوئے روہنگیا مسلمانوں میں سے کچھ جرأت مند لوگوں نے مجاہد نامی تحریک کا آغاز کر دیا اور حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔

شمالی اراکان کے ۸۰ فیصد علاقے آزاد کرا لئے گئے۔ شمالی اراکان میں مجاہدوں کی بغاوت کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے کا الحاق پاکستان سے ہو جائے۔ اس بغاوت کا قائد قاسم نامی ایک ماہی گیر تھا۔ اس تحریک نے اپنے مراکز اراکان سے متصل مشرقی پاکستان میں قائم کیے۔ اس تحریک نے اراکان میں بسائے جانے والے بدھ باشندوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنائے رکھا کیونکہ حکومت اور مقامی بدھ مسلمانوں کی نسل کشی چاہتے تھے لہٰذا ان علاقوں کو ان بدھوں سے خالی کرانے کے لیے تحریک نے ان کو تشدد کا نشانہ بنائے رکھا۔ نتیجتاً بودھوں کو یہ علاقہ خالی کرنا پڑا۔

۱۹۵۰ء اراکان کے مسلمانوں کی ایک تعداد نے ایک مزاحمتی تحریک شروع کی، یہ لوگ اپنے آپ کو مجاھد کہتے تھے۔ انہوں نے اپنے حقوق اور سرزمین کے دفاع کیلئے ہتھیار اٹھائے اور مسلح جدوجہد شروع کی تاہم وقت گزرنے کے ساتھ یہ تحریک دم توڑ گئی۔

"۱۹۵۸ء میں حکومت نے اس تحریک کو کچلنے کیلئے اپنا پورا زور لگایا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس دوران میں ہجرت کر کے پاکستان چلی گئی۔ پاکستان نے مجاہدین کی کوئی مدد نہ کی اور مجاہدین کے قائد قاسم کو مشرقی پاکستان میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس گرفتاری کے باعث تحریک بہت کمزور پڑ گئی۔"[1]

حکمرانوں نے اپنے طریقہ کار کو بدل ڈالا، روہنگیا عوام کا جوش و خروش ٹھنڈا کرنے کے لئے ان کو حکومت میں اعلیٰ عہدوں کی پیشکش کی گئی۔ روہنگیا کو برما کا قدیم ترین اصل اور مقامی نسلی گروہ تسلیم کرنے کا اعلان کر دیا گیا اور ان کی مادری زبان "روہنگیا" کے پروگرام برما براڈکاسٹنگ سروس سے ہفتہ میں دو بار ریڈیو پر باقاعدہ نشر کیے جانے لگے۔

روہنگیا مسلمانوں کی نمائندگی پارلیمنٹ اور دیگر اداروں میں بحال کر دی گئی۔ عین اس وقت جب حکمران ٹولہ ایک ہاتھ میں وعدوں کا جہاں آباد کیے ہوئے مجاہدین کو پیش کر رہا تھا تو دوسری جانب ان پر شدید فوجی دباؤ بھی ڈال رہا تھا۔ اس طرح بالآخر ۱۹۶۱ء میں نسل پرست حکومت نے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر کے مجاہدین کو غیر مسلح کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ مجاہدین کے ہتھیار ڈالنے کے فوراً بعد حکمران ٹولہ اپنے وعدوں سے پھر گیا۔

---

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۴۹

برما مسلم کانگریس کا خاتمہ اور اسلامی مذہبی امور کی کونسل کا قیام:

برما کے سات ملین مسلمان متفرق نسلی اور مختلف تاریخی پس منظر رکھنے والے ہیں۔ کل مسلم آبادی سات ملین کے آدھے سے زیادہ جو اراکان سے تعلق رکھتے ہیں روہنگیا کہلاتے ہیں۔ وہ ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے سے اراکان میں بسے ہوئے ہیں اور آج تک ایک علیحدہ، متحد اور مضبوط قوم کے طور پر اپنی امتیاز ثقافت اور تمدن کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ باقی مسلمان برما کے مختلف حصوں میں مخلوط معاشروں کے اندر منتشر اور پراگندہ حالت میں آباد ہیں۔ برمنائزیشن کو یقینی بنانے کے لئے برما کے نسل پرست حکمرانوں کا اصل ہدف اسلام کو ختم کرنا ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کے راستے سے دور کرنے کے لیے ان کے خلاف شدید اقدامات کیے گئے۔ اپنے آپ کو مقدمات، مصائب اور تذلیل سے بچانے کے لئے بہت سے مسلمان اپنی اسلامی روایات کو ترک کرکے برمی تہذیب کو اپنانے پر مجبور ہوگئے۔ نتیجتاً برما میں آج مسلمان مردوں اور عورتوں کی ایک تعداد بدھ تہذیب پر عمل پیرا بھی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کچھ نے باقاعدہ بدھ مت بھی قبول کر لیا ہے۔ مگر اراکان میں برمنائزیشن کی یہ پالیسی کلیۃً ناکام ہوگئی۔ ایک بھی مسلمان کو بدھ مت قبول نہ کرایا جاسکا۔

برما کی تحریک آزادی میں برما میں مسلمانوں کی ایک تنظیم برما مسلم کانگریس میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں یہ تنظیم وزیر اعظم برما مسٹر اونو کے فرمان پر حکماً توڑ دی گئی۔ اس کی جگہ ۵ دسمبر ۱۹۵۴ء "اسلامی مذہبی امور کونسل"[1] کے نام سے ایک نیم سیاسی مذہبی تنظیم قائم کر دی گئی۔ جس کے صدر اس وقت کے وزیر عدل مسٹر عبد اللطیف اوکھن مونگ لا مرحوم تھے۔

برما میں علماء کی واحد تنظیم جمیعت علماء برما جو بیسویں صدی کے آغاز سے برما میں دینی اور اصلاحی کام کرتی ہے، اس نے بھی اس تنظیم کے ساتھ مل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا اور جمیعت علماء کے اس وقت کے صدر مولانا ابراہیم احمد مظاہری مرحوم جو برما میں اسلامی صحافت کے بانی اور اردو روزنامہ "دور جدید" رنگون کے مدیر مسئول بھی تھے، نے اس تنظیم کے نائب صدر کا عہدہ قبول کر لیا۔

در حقیقت اس تنظیم پر قوم پرست عناصر کا غلبہ تھا۔ برما خاص کے مسلمان چونکہ بدھ اکثریت میں رہ رہے تھے لہٰذا ان کی ثقافت اور انداز میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس کونسل میں موجود قوم پرست عناصر نے مسلمانوں کی نئی نسل کو قوم پرستی کی راہ پر ڈالنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کو ان کے اسلاف کی راہ سے ہٹا کر محض برائے نام مسلمان بنا دیا جائے۔

[1] https://iracmyanmar.org/ (Accessed January 10, 2020)

"۱۹۵۶ء میں علماء پر یہ مکمل طور پر واضح ہو گیا کہ اس تنظیم کے ساتھ چلنا قطعی ناممکن ہے۔"[1]

بڑھتے ہوئے سیاسی بحران میں انہوں نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ نمایاں اختلافات کو حل کرنے کے لئے ایک وفاقی سمینار طلب کرے۔ یہ باور کراتے ہوئے کہ اونو حکومت کا مختلف قومیتوں کے مطالبات کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ جنرل نیون (اس وقت کے برمی فوجی سربراہ) نے جو برمی اقتدار اعلیٰ کی قیمت پر ایسی کسی چیز کا وجود پسند نہیں کرتا تھا۔ ۲مارچ ۱۹۶۲ء کو وفاقی سمینار کے اختتام سے ذرا پہلے ایک غیر خونی بغاوت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ نیون نے ۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا آئین معطل کر کے پارلیمنٹ توڑ دی۔ برمی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ برما کی آزادی کے بعد پہلا فوجی مارشل لاء تھا۔

برما میں فوجی حکومت:

۲مارچ ۱۹۶۲ء کو جنرل نیون نے حکومت کا تختہ الٹ کر انقلابی حکومت قائم کی اور صدر کا عہدہ سنبھال لیا۔ سرکاری ذرائع نے اسے پرامن انقلاب کہا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس انقلاب کے خلاف شدید عوامی ردعمل سامنے آیا۔ رنگون یونیورسٹی میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ یہ ہنگامہ جولائی ۱۹۶۲ء میں شروع ہوئے تو امن وامان بحال کرنے کے لیے وہاں فوجی دستے روانہ کر دیئے گئے۔ انہوں نے مظاہرین طلباء پر فائرنگ کی اور طلبہ یونین کی عمارت کو تباہ کر دیا۔ ان ہنگاموں کے بعد رنگون یونیورسٹی سمیت ملک کی تمام یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں جو دو سال بعد ستمبر ۱۹۶۴ء میں دوبارہ کھولی گئیں۔

جنرل نیون نے واضح طور پر کہا کہ پارلیمانی طرز حکومت برما کے لیے موزوں نہیں ہے۔ انقلابی حکومت نے ملک کا آئین منسوخ کر دیا۔ انقلاب کے بعد پانچ منٹ کی ریڈیو تقریر میں جنرل نیون نے یہ بھی کہا۔

> If these disturbance were made to challenge us, have to declare that we will fight sword with sword and spear with spear.[2]

ترجمہ: اگر یہ بگاڑ ہمیں للکارنے کے لئے کیا گیا ہے تو ہمیں یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ ہم تلوار سے تلوار اور نیزہ نیزے سے لڑیں گے۔

جنرل نیون برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی بی ایس پی پی کا بانی تھا۔ ۱۹۶۴ء میں اس جماعت کو برما کی واحد جماعت قرار دیا گیا اور دیگر تمام سیاسی جماعتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جنرل نیون نے ۱۹۸۱ء میں صدارت چھوڑ دی تھی، لیکن ۱۹۸۱ء تک وہ ملک کی طاقتور شخصیت اور پارٹی رہنما کے طور پر سیاسی فیصلوں پر اثرانداز ہوتا رہا۔

---

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۵۳

[2] The Burmese phrase is "dah go dah gyin, hlan go hlan gyin". Two different English translations of the speech can be read on the front page of the Rangoon *Nation* and the Rangoon *Guardian* of 9 July 1962. Part of *The Nation*'s headline of 9 July 1962 read 'General Ne Win States Give Us Time to Work: Obstructionists are warned: Will Fight Sword with Sword').

جنرل نیون کے دور (۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۱ء) میں کچھ اچھے فیصلے بھی ہوئے۔ لیکن بحیثیت مجموعی آمریت کا یہ دور خوفناک ثابت ہوا، بدھ عوام کے لیے بھی اور تمام اقلیتوں کے لیے بھی۔ اس آمرانہ دور میں اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کو خاص نشانہ بنایا گیا۔ حج اور قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی، قرآن مجید اور کسی بھی مذہبی لٹریچر کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ باجماعت نماز کی ادائیگی پر سزا دی جاتی تھی، نصاب سے اسلامی تعلیمات خارج کر دی گئیں۔ اردو کے تمام اخبارات و جرائد کی اشاعت روک دی گئی۔ ۱۹۸۲ء کا قانون شہریت تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

حقوق انسانی کی اس کھلی خلاف ورزی پر اراکان کے مسلمانوں میں شدید رد عمل پیدا ہوا۔ روہنگیا مسلمانوں کی چند مقامی تنظیمیں تھیں جو ان کی فلاح و بہبود اور حقوق کی پاسبانی کے لیے کام کر رہی تھی۔ مثلاً روہنگیا سالیڈیٹری آرگنائزیشن RSO اس کا قیام نو آبادیاتی دور میں ۱۹۱۲ء میں ہوا تھا۔ یہ کوئی فرقہ وارانہ جماعت نہیں تھی بلکہ قومی حقوق کے حصول اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں۔ ۲۰۰۱ء میں اس کے سربراہ ڈاکٹر محمد یونس تھے ان کا ترجمان ماہنامہ "انصاف" تھا۔ دوسری تنظیم حرکت الجہاد الاسلامی اراکان ہے۔ ۲۰۰۱ء میں اس کے سربراہ عبدالقدوس تھے۔ اس پارٹی کا ترجمان ماہنامہ "آباد" تھا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ عسکری تنظیم ہے۔ ایک اور عسکری تنظیم ARSA ہے جس کے بارے میں برما کے سفارتخانے نے یہ اطلاع دی کہ انہوں نے ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کو ۳۰ پولیس چوکیوں اور شمالی اراکان کے علاقے منگڈاؤ میں ایک فوجی اڈے پر حملے کئے، جس کے نتیجے میں ۱۰ پولیس والے، ایک آفیسر اور ایک فوجی مارے گئے۔ اس سے قبل ۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ارسا کے حملے میں ۴ فوجی اور ۹ باڈی گارڈ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور اس کے سبب برمی افواج نے روہنگیا مسلمانوں پر زندگی تنگ کر دی۔

> During the last week in August 2017 at the Myanmar/Bangladesh boarder in no-man's land along the Naf River, 20 Rohingya bodies were retrieved, 12 were children. The United Nations observers estimated that about 50,000 crossed in that same area in about one weeks' time.[1]

ترجمہ: اگست ۲۰۱۷ء کے آخری ہفتے میں میانمار اور بنگلہ دیش کی سرحد پر دریائے ناف کے ساتھ ساتھ کوئی بھی انسان موجود نہیں تھا، ۲۰ روہنگیا برادری کی لاشیں ملی جن میں ۱۲ بچے تھے۔ اقوام متحدہ نے مشاہدہ کیا کہ ۵۰،۰۰۰ افراد نے ایک ہفتہ میں یہ علاقہ عبور کیا۔

اراکان روہنگیا سالویشن آرمی پہلے امام المجاہدین کے نام سے بھی جانی جاتی تھیں اس وقت برمی مسلمانوں کی یہ تنظیم سب سے زیادہ فعال ہے۔

---

[1] R. Wright & E. McKirdy, Bodies of 20 Rohingya Muslims Pulled from River on Bangladesh Border. CNN World (31 August 2017), http://www.cnn.com/2017/08/31/asia/myanmar-bangladeshrohingya-bodies/index.html (Accessed January 12, 2020)

برما کی فوجی حکومت کے پاس یہ جواز کافی تھا کہ اراکان روہنگیا مسلمانوں نے حکومتی قوانین کو قبول کرنے کے بجائے احتجاج شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ فوجی حکومت کے اقدامات انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی تھے۔ بہر حال ۱۹۷۸ء میں آپریشن ناگا من کی آڑ میں ایک لاکھ روہنگیا مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا جو ہجرت کر سکتے تھے وہ بنگلہ دیش چلے گئے۔ وسیع پیمانے پر مسلمانوں کی املاک کو جلایا گیا اور باقی رہ جانے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں جو قانونِ شہریت منظور کیا گیا اس میں روہنگیا مسلمانوں کو حقِ شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت سارے دیگر بنیادی حقوق سے بھی محروم ہو گئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہیں برما میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھی بغیر اجازت نامے کے جانے کی آزادی نہیں۔ یہ پابندیاں صرف اراکان کے مسلمانوں پر تھی یہاں کے عیسائی، ہندو اور بدھسٹ ان پابندیوں سے مستثنیٰ تھے۔ روہنگیا مسلمانوں پر دوسری شادی کی ممانعت ہے، دو سے زیادہ بچے پیدا نہیں کر سکتے، اسکولوں میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے، ووٹ دینے کے حق سے محروم ہیں اور سرکاری نوکریوں کی اجازت نہیں۔ ۱۹۸۸ء میں برما میں دوبارہ فوجی حکومت آگئی۔ کسی زمانے میں برما ایشیا کا امیر ترین ملک تھا لیکن مسلسل فوجی مداخلتوں اور اندرونی خلفشار نے ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا وسائل ہوتے ہوئے بھی غربت کے اعتبار سے برما کا ایشیا میں اول اور دنیا میں اکتالیس واں نمبر ہے۔

سیاسی جماعتوں کی بندش اور سوشلسٹ تنظیموں کا قیام:

جنرل نیون نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد ہی تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ کیونکہ سوشلسٹ نظام میں سیاسی جماعتوں اور کثیر جماعتی نظام کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ حکومت نے ملک کے آئین میں اپنی اغراض کے لئے ترمیم کر کے برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کو قانونی حیثیت دی اور زندگی کے ہر شعبہ میں سوشلسٹ نظام اور نظریات کے فروغ کی غرض سے کئی ذیلی تنظیمیں بنائی تاکہ مرکزی کنٹرول کو مضبوط بنایا جا سکے اور سوشلزم کا فروغ ہو۔

۱۔ بچوں کے لئے یوتھ لیگ بنائی گئی۔ جب اس لیگ کا کارکن بچہ ۱۸ سال کی عمر کو پہنچ جاتا تو قانون کی رو سے وہ از خود بی ایس پی پی کا ممبر بن جاتا۔

۲۔ کسانوں کو اشتراکی نظام میں نعروں اور نظریات کی حد تک بہت اہم اور لازمی فرد تصور کیا جاتا ہے۔ سو اسی غرض سے ان کے لئے ایک علیحدہ تنظیم بنائی گئی۔

۳۔ مزدوروں کی بھی علیحدہ تنظیم بنائی گئی لیکن ان تنظیموں کو یونین سازی کا حق حاصل نہ تھا۔

۴۔ برما کے بدھ معاشرے کو کنٹرول کرنے کے لیے بھکشوؤں کو استعمال کیا گیا۔ بھکشو اس سے پہلے جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کر چکے تھے۔ لہٰذا درباری ملاؤں کی مانند درباری بھکشوؤں کے ذریعے بھکشوؤں کی تنظیم کی داغ بیل ڈالی گئی۔

۵۔ مارشل لاء کے بعد سے عملاً فوج کے ہاتھوں میں ہی ملک کا کنٹرول تھا اور سول انتظامیہ کی ۷۰ فیصد تعداد فوج پر ہی مشتمل تھی۔[1]

لہٰذا فوج میں بھی اشتراکی نظریات کی ترویج کے لیے تنظیم قائم کی گئی اور فوج میں تنظیم کی رکنیت ۶۵ فیصد تک پہنچا دی گئی۔ اور نیون کے اشتراکی نظام میں سب سے پہلے مذہب کی بیخ کنی کے لئے اقدامات کئے گئے۔ برمی حکمرانوں نے مسلم دشمنی کے پیشِ نظر بدھوں کو اس مہم سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور بیچارے مسلمان اس پالیسی کی زد میں آ گئے۔ اور مسلمانوں کے خلاف مظالم بڑھتے ہی چلے گئے، مسلم کشی اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا شوق جنرل نیون نے جاری رکھا۔ ۱۱ فروری ۱۹۷۷ء کو برما کی فوج اور بحریہ پولیس نے متحدہ طور پر بیک وقت مسلمانوں کو نکالنے اور ہلاک کرنے کے آپریشن کا آغاز کیا۔ حکومت مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاتی رہی۔

The retired twenty military senior officials became the civilian officers of the Burmese Socialist Program Party (BSPP) state.[2]

ترجمہ: ریٹائرڈ بیس فوجی سینئر افسران برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی (بی ایس پی) ریاست کے سویلین افسر بن گئے۔

مئی ۱۹۸۱ء میں مسلمانوں کے خلاف فسادات ہوئے۔ بہت سے افراد جان بچانے کے لیے ملائشیا کی طرف جا رہے تھے کہ برمی بحری کشتیوں نے انھیں جا لیا اور تین سو افراد کو ہلاک کر دیا۔

"ان افراد کو رنگون سے ۱۱۲ کلو میٹر بوک بوکسین (Bok Boxin) میں ہلاک کیا گیا۔"[3]

لوٹ مار، جائیدادوں کی تباہی، مساجد و مدارس کو منہدم کرنا، جبری مشقت، کاروبار میں مشکلات پیدا کرنا اور خواتین کی عصمت دری حکمرانوں کا روز مرہ کا معمول بن گیا۔ دوسری جانب پوری ریاست اراکان میں میڈیکل کالج یا انجینئرنگ کالج تو کجا کوئی ڈگری کالج یا یونیورسٹی تک نہیں ہے۔ برمی بنانے کی پالیسی کے تحت برمی حکام اراکان میں بسنے والے روہنگیا مسلمانوں کی ثقافت اور روایات بدل ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اس کے لئے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ جنرل نیون کی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے ملکی معیشت کی حالت انتہائی ابتر ہو گئی تو رنگون سمیت بہت بڑے بڑے شہروں کی سڑکیں عوام، بالخصوص طلباء کے احتجاجی نعروں سے گونج اٹھیں اور حکومت کے خلاف

---

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۵۹

[2] Huang, R. L. "Re-thinking Myanmar's political regime: military rule in Myanmar and implications for current reforms." (*Contemporary Politics*, 2013), 1-15.

[3] محبوب الرحمٰن، مظلوم روہنگیائی مسلمان، **جسارت**، کراچی، ۱۳ نومبر ۱۹۷۸ء

مظاہرے شروع ہوگئے۔ جب نیون نے دیکھا کہ طلباء اور عوام میں اس کے خلاف مستحکم اتحاد بنالیا ہے تو اس نے توجہ ہٹانے کیلئے برما میں مسلم فتنہ اٹھادیا، اور اپنے پالے ہوئے غنڈوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا۔ سارے ہنگاموں کے دوران میں سرکاری فورسز نے مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا۔ ان ہنگاموں میں کم و بیش ۲۰۰۰ تو صرف مسلمان مارے گئے اور بہت سے لاپتہ ہوگئے۔ امن و امان کی حالت جب قابو سے قطعی باہر ہوگئی تو جنرل نیون نے ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء کو پارٹی کی جنرل کونسل کا اجلاس بلایا اور استعفیٰ دے دیا۔ تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد استعفیٰ منظور کر لیا گیا اور اس کی جگہ جنرل سین لوئین کو صدر مملکت اور پارٹی کا چیئر مین بنادیا گیا۔

سین لوئین کا دور حکومت اور تحریک جمہوریت:

سین لوئین کی شہرت اچھی نہ تھی۔ اس نے مارچ اور مئی ۱۹۸۸ء کے ہنگاموں کو دبایا تھا اسی کے حکم سے گولی چلی تھی اور اندھادھند گرفتاریاں عمل میں لائی گئی تھیں۔ سین لوئین کی بطور صدر تقرری کے فوراً بعد احتجاجی مظاہروں نے اور زور پکڑ لیا۔ اور اس کے ساتھ سین لوئین نے اپنی پر تشدد کارروائی بے جاری رکھیں۔ ۳ اگست ۱۹۸۸ء کو برما کے سرکاری ریڈیو نے حکومت کی جانب سے دارالحکومت میں مارشل لاء لگائے جانے کے فیصلے کا اعلان کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ملک گیر مظاہروں میں لاکھوں افراد نے حصہ لیا۔ ان حالات میں سین لوئین کی راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ اور سین لوئین کو اقتدار کے محض سترہویں دن ہی نیون کے کہنے پر استعفی دینا پڑا۔

On August 12, Sein Lwin, who had replaced long-time dictator Ne Win as president, resigned after 17 days in power.[1]

ترجمہ: ۱۲ اگست کو، سین لوئین، جنہوں نے طویل عرصے سے ڈکٹیٹر نیون کی جگہ صدر بنا تھا، نے ۱۷ دن اقتدار میں رہنے کے بعد استعفیٰ دے دیا۔

اس استعفیٰ کے بعد پارلیمنٹ اجلاس میں ڈاکٹر مونگ مونگ کو جو کہ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھا برما کا نیا صدر منتخب ہوا۔

"۱۹ اگست ۱۹۸۸ء کو برما کی یک جماعتی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا جس میں ڈاکٹر مونگ مونگ کو برما کا نیا صدر منتخب کر لیا گیا۔"[2]

نئے صدر نے ملک میں اصلاحات کا اعلان کیا اور عوام سے مصالحت کی اپیل بھی کی۔ لیکن عوام کچھ سننے پر تیار نہ ہوئے اور حکومت کے خلاف مظاہرے جاری رہے۔ ۲۶ اگست کو ایک بہت بڑا سانحہ ہوا کہ رنگون کے شمال میں مشرقی علاقہ میں واقع "این سین" نامی جیل میں سکیورٹی افواج نے اندھادھند فائرنگ کر کے تقریباً ایک ہزار

[1] https://www.hrw.org/news/2013/08/06/burma-justice-1988-massacres
(Accessed January 15, 2020)

[2] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۱۲۴

قیدیوں کو ہلاک کر دیا۔ ۲۶ اگست کو ملک بھر میں برما کی تاریخ کے سب سے بڑے مظاہرے ہوئے جن میں حکومت کے خلاف لاکھوں افراد نے حصہ لیا۔ پُر تشدد اور ملک گیر ہنگاموں کے بعد ۱۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کو فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا لیکن ہنگامے جاری رہے اور ۱۸ ستمبر کو پر تشدد واقعات میں بیسیوں افراد ہلاک ہوئے۔ اسمبلی اور دیگر مملکتی اداروں کو توڑ دیا گیا تمام اختیارات فوج نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ملک کا کنٹرول وزیر دفاع اور فوج کے چیف آف اسٹاف 'جنرل سا مونگ' نے سنبھال لیا۔ نئے سربراہ نے ملک میں اقتصادی اصلاحات کا اعلان کیا۔ کثیر جماعتی بنیادوں پر ملک میں انتخابات کرانے، عوام کے معیار زندگی کو بہتر بنانے اور ملک میں نظم و نسق بحال کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ لیکن روزمرہ کی زندگی مفلوج ہو گئی حتیٰ کہ طیاروں اور ریلوے کی آمدورفت بھی بند ہو گئی۔ تعلیمی اور تجارتی ادارے، بینک اور سرکاری دفاتر بند رہے۔ شہر کے مرکز کے باہر تقریباً پانچ لاکھ افراد نے ایک مظاہرے میں حصہ لیا۔ اس اہم مظاہرے سے آنگ سان سوئی نے بھی خطاب کیا۔

آنگ سان سوچی:[1]

برما کی آزادی کے ہیرو جنرل آنگ سان کی بیٹی، برما میں آمریت کے خلاف سب سے بڑی آواز بلند کرنے والے، آنگ سان سوچی ۱۹ جون ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئیں۔[2]

ابتدائی زندگی:

آنگ سان سوچی کے والد نے برما کی آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر ۱۹۴۷ء میں ملک کو اقتدار اعلیٰ کی منتقلی کے دوران قتل کر دیا گیا۔ باپ کے قتل کے وقت آنگ سان سوچی کی عمر صرف دو برس تھی۔ آنگ سان سوچی ۱۹۶۰ء میں پہلی بار بھارت گئیں جہاں ان کی ماں کھن سوچی کو برما کا سفیر مقرر کیا گیا۔

In 1960 she went to India with her mother Daw Khin Kyi, who had been appointed Myanmar's ambassador in Delhi.[3]

ترجمہ: ۱۹۶۰ء میں وہ اپنی والدہ ڈو کھن سوچی کے ساتھ ہندوستان چلی گئیں، جنھیں دہلی میں میانمار کی سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

۱۹۶۴ء میں آنگ سان سوچی آکسفورڈ یونیورسٹی پہنچی جہاں انہوں نے فلسفے، سیاست اور اکنامکس کی تعلیم حاصل کی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران ہی آنگ سان سوچی کی اپنے شوہر مائیکل ایرس سے ملاقات ہوئی۔

---

[1] For complete details please visit: https://www.wikidata.org/wiki/Q36740 (Accessed January 18, 2020)

[2] عزمی، محمد فاروق، مسلمانوں کی قتل گاہ۔ برما، ۱۲۶

[3] https://www.bbc.com/news/world-asia-pacific-11685977 (Accessed January 18, 2020)

Four years later she went to Oxford University in the UK, where she studied philosophy, politics and economics. There she met her future husband, academic Michael Aris.[1]

ترجمہ: چار سال بعد وہ برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی چلی گئیں، جہاں انہوں نے فلسفہ، سیاست اور معاشیات کی تعلیم حاصل کی۔ وہیں اس نے اپنے مستقبل کے شوہر مائیکل ایرس سے ملاقات کی۔

کچھ عرصہ تک جاپان اور بھوٹان میں رہنے کے بعد آنگ سان سوچی نے برطانیہ میں مستقل سکونت کا فیصلہ اور ایک گھریلو ماں کی طرح اپنے دو بچوں، الیگزینڈر اور کم کی پرورش شروع کی۔

برما واپسی:

برطانیہ میں رہائش کے دوران آنگ سان سوچی برما کو اپنے خیالات سے نہ نکال سکیں اور ۱۹۸۸ء میں اپنی علیل ماں کی تیمارداری کے لیے واپس برما پہنچ گئیں۔ انہوں نے برما میں پہنچ کر تقریر کے دوران کہا کہ برما میں جو کچھ ہو رہا ہے میں اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتی۔

جدوجہد:

برما واپس پہنچنے کے بعد آنگ سان سوچی نے ملک میں جمہوریت کے لیے کوششیں شروع کیں۔ آنگ سان سوچی نے مارٹن لوتھر اور مہاتما گاندھی کے عدم تشدد کے فلسفے پر عمل کرتے ہوئے ملک بھر میں پُرامن ریلیوں کا انعقاد کیا اور ملک میں جمہوریت کی کوششیں جاری رکھیں، لیکن فوجی حکمرانوں نے طاقت کے بے دریغ استعمال سے ان کی پُرامن جدوجہد کو کچل کر رکھ دیا۔ ۱۹۹۰ء میں ہونے والے انتخابات میں آنگ سان سوچی کو نااہل قرار دیے جانے اور حراست کے باوجود ان کی سیاسی جماعت نے انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

گرفتاری:

برما کے فوجی حکمرانوں نے ۱۹۹۱ء میں ان کی جماعت نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی کی کامیابی کو ماننے سے انکار کر دیا اور آنگ سان سوچی کو حراست میں لے لیا۔ دوران حراست ہی آنگ سان سوچی کو امن کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

Ms Suu Kyi remained under house arrest in Rangoon for six years, until she was released in July 1995.[2]

ترجمہ: مس سوچی چھ سال تک رنگون میں نظربند رہی، جب تک کہ انہیں جولائی ۱۹۹۵ میں رہا نہیں کیا گیا تھا۔

دو عشروں میں پہلی بار انتخابات میں آنگ سان سوچی کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آج بھی وہ برما کے لوگوں کے لیے امید کی نشانی ہیں۔ آنگ سان سوچی کو ۱۹۹۵ء میں رہا کر دیا گیا لیکن

[1] https://www.bbc.com/news/world-asia-pacific-11685977 (Accessed January 18, 2020)
[2] Ibid

ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں برقرار رکھی گئیں۔۲۰۰۹ء میں آنگ سان سوچی کو حراست کی خلاف ورزی کے الزام میں اٹھارہ ماہ کی سزا سنادی گئی۔

رہائی:

۲۰ جولائی ۱۹۸۹ء سے ۱۳ نومبر ۲۰۱۰ء تک آنگ سان سوچی مقید رہی۔ پھر تقریباً ۲۱ سال بعد رہائی ملی۔

نومبر ۲۰۱۰ء میں برما کی فوجی حکومت نے ان کی رہائی کا اعلان کیا جس کا پوری دنیا میں خیر مقدم کیا گیا۔[1]

آنگ سانگ سوچی اور روہنگیا مسلمانوں کی اُمیدیں:

برما کی حکومت کے کام پر بات کی جائے تو ایک بات واضح ہے کہ کوئی خاص پیش رفت روہنگیا کے عوام کے لیے دیکھنے میں نہیں آئی۔ مغرب نے نئے ہونے والے انتخابات کو بڑی مسرت کے ساتھ دیکھا تھا جس میں نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (NLD) کی سربراہی آنگ سانگ سوچی نے کی تھی۔ مگر مغربی ریاست اراکان کے مسلمانوں کے لیے جنھیں اقوام متحدہ نے "دنیا کی سب سے زیادہ ظلم کا شکار اقلیت" کہا ہے، برما کا نیا دورمایوس کن حالات سے دوچار جس میں کچھ نیا نہیں ہے، جس کے مزید بدتر ہونے کے قوی امکانات ہیں۔

روہنگیا کے مسلمانوں نے برسوں سے تشدد، اخلاقی اقدار کی پامالی کو برداشت کیا ہے جو کہ برما کی سابقہ فوجی حکومتوں کے ہاتھوں کی گئی۔ سب جانتے ہیں کہ میانمار کی نئی راہنما بھی ان کی حالت زار کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دے رہی۔ اس نے تو ان کو اپنے ناموں سے پکارنے سے بھی انکار کر دیا، اس ڈر سے کہ کہیں اسلام مخالف بدھ مت اکثریت جو کہ آخری انتخابات میں ایک بڑی طاقت تھی، ناراض نہ ہو جائے۔ مگر یقیناً یہ ۱۹۶۰ء کے بعد سے برما کی پہلی عوامی حکومت ضرور ہے، جو کہ خونی اور جابر جرنیلوں سے بہتر ہے۔

"مئی ۲۰۱۶ء میں ایک خبر آئی تھی کہ برما کی آنگ سوچی نے امریکا کے قونصل خانے سے درخواست کی تھی کہ روہنگیا کی اصطلاح استعمال نہ کی جائے کیونکہ یہ ایک متنازعہ معاملہ ہے اور ایسے الفاظ کا استعمال ریاستِ اراکان کے مسئلے کو مزید الجھادے گا۔"[2]

امریکا نے اس درخواست کو رد کر دیا کیونکہ یہ درخواست ناقابل قبول تھی۔ اراکان کے لوگ روہنگیا کو "بنگالی" کہنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں، اس طرح وہ انہیں غیر قانونی بنگالی مہاجرین قرار دیتے ہیں۔ اسی طریقے سے انہیں میانمار کے مرکزی دھارے سے باہر رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ روہنگیا مسلمانوں کو امن مذاکرات سے نکال دیا جائے گا کیونکہ نئی حکومت ملک کی دیگر نسلی اقلیتوں کو ساتھ کر لے کر چلے گی، جس میں

---

[1] https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%A2%D9%86%DA%AF_%D8%B3%D8%A7%D9%86_%D8%B3%D9%88_%DA%86%DB%8C (Accessed January 20, 2020).

[2] https://www.nytimes.com/2016/05/07/world/asia/myanmar-rohingya-aung-san-suu-kyi.html (Accessed January 22, 2020)

کاچن، چن، کیرن اور شان ریاستیں شامل ہیں۔ یہ طریقہ کار سابقہ حکومت کے صدر تھان سین سے لیا گیا اور اس کا مقصد تھا کہ دیرپا امن وسکون کو قائم کیا جاسکے جو کہ برطانیہ سے ۱۹۴۸ء میں آزادی کے بعد حاصل کیا تھا۔

سوچی نے ایک اور pang-long طرز کی امن کانفرنس کا کہا ہے، اس بات کو دوبارہ اجاگر کرنے کے لیے جو ان کے والد جنرل آنگ سان نے ۱۹۴۷ء میں اپنے قتل سے پہلے فسادات کرنے والے چند گروہوں سے کی تھی۔ حالیہ امن مذاکرات میں صرف ان گروہوں کو شریک کیا جارہا ہے جو ۱۹۸۲ء کے متنازعہ فوجی ایکٹ کی روشنی میں مقامی افراد کہلاتے ہیں، روہنگیا اس ایکٹ کے تحت مقامی شہری نہیں ہیں، اس لیے ان کو اس امن عمل سے باہر رکھا جائے گا۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ حکومت صرف روہنگیا کے مسئلے کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے۔

برما کے نئے صدر "ہیٹان کیاؤ" نے اراکان ریاست میں امن و امان اور ترقی کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہے، جس کا نام "مرکزی کمیٹی برائے امن و ترقی، ریاستِ اراکان" (Government forms a Central Committee for the Implementation of Peace and Development in Rakhine State)[1] ہے، جو کہ ۲۷ ارکان پر مشتمل ہے جس میں بیوروکریسی اور ریاستِ اراکان کے نمائندے بھی شامل ہوں گے، اس کی سربراہی آنگ سوچی خود کریں گی۔ لیکن روہنگیا مسلمانوں کو اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ صرف بیوروکریسی کی ایک چال ہے تاکہ کوئی مؤثر فیصلہ نہ کیا جاسکے، اور انہیں ڈر ہے کہ ان کے معاملات کو زیرِ غور لایا ہی نہیں جائے گا۔ دوسری طرف حکومت اس بات کے لیے بھی کوشاں ہے کہ وفاقی طرز کا آئین مرتب کیا جائے جو کہ دیگر نسلی اقلیتوں کو مطمئن کرسکے۔ حکومتی جماعت NLD میں اقلیتوں کے لیے نرم گوشہ تو موجود ہے جو کہ صرف کاچن اور کیرن کے لیے تو مفید ہے مگر روہنگیا کے لیے ان کے ہاں ہمدردی کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ NLD میں روہنگیا کی کوئی ترجمانی بھی نہیں ہے۔ بلکہ پچھلے کئی سالوں میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ انتخابات کے بعد سے اب تک ملک میں کوئی ایک بھی مسلم قانون ساز موجود نہیں، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد برما میں ۳ ملین سے بھی زیادہ ہے۔ آنگ سانگ سوچی جانتی ہیں کہ برما میں کوئی سیاسی حلقہ روہنگیا کی مدد کے لیے نہیں آئے گا اور ان کا کوئی مؤثر مسلح گروہ بھی نہیں ہے۔ خدشہ اس بات کا ہے کہ اس موضوع کو دبانے کا بھاری نقصان ہوسکتا ہے کیونکہ حالات ویسے ہی نازک ہیں۔ آبادی سے جدا کرکے انہیں ویسے ہی پناہ گزین کیمپ میں محدود کردیا گیا ہے۔

برما کی اہم سیاسی جماعتوں پر ایک نظر:

برما کے انتخابات میں شریک ملک کی اہم سیاسی جماعتوں کا تعارف ذیل میں درج ہے:

[1] https://www.president-office.gov.mm/en/?q=issues/rakhine-state-peace-and-stability/id-6391 (Accessed January 25, 2020)

نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی:

اس جماعت کی سربراہ امن کے نوبل انعام کی حامل خاتون سیاست دان آنگ سان سوچی ہیں جنہوں نے اس کی داغ بیل ۱۹۸۸ء کی مقبول عوامی بغاوت کے بعد ڈالی تھی۔

4 October 1988, the National League for Democracy (NLD) was cofounded by Aung San Suu Kyi, U Tin Oo and Aung Gyi.[1]

ترجمہ: ۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو آنگ سان سوچی، یو ٹم او اور آنگ گیا نے نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی کی بنیاد رکھی۔

نیشنل لیگ نے ۱۹۹۰ء میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات بھاری اکثریت سے جیت لیے تھے، لیکن ملک کی فوجی جنتا نے جماعت کے رہنماؤں کو اقتدار سونپنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیشنل لیگ نے ۲۰۱۰ء میں ہونے والے عام انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا، جس کی بنیاد پر اسے کالعدم قرار دے دیا گیا تھا۔

"این ایل ڈی نے ۲۰۱۰ء کے الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا۔ ۲۰۱۲ء میں صرف ۴ سیٹ جیتی تھیں۔ اور اپوزیشن میں تھی۔ ۲۰۱۵ء کے الیکشن میں ۲۲۴ سیٹوں میں ۱۳۵ قومی سیٹ جیتی تھیں۔ اور حکومت بنائی تھی۔"[2]

نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی نے ۸۶ فیصد ووٹ حاصل کر کے اکثریت سے انتخابات جیتے تھے۔ اور برما میں اپنی حکومت بنائی تھی۔ لیکن فوج نے پھر بھی ۲۵ فیصد وزارتیں اپنے پاس رکھیں۔

یونین سالڈیریٹی اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی:

یہ برما کی موجودہ حکمران جماعت ہے جس کی بنیاد موجودہ صدر تائین سین اور برما کی فوجی جنتا کے دیگر اراکین نے ڈالی تھی۔ اس جماعت نے ۲۰۱۰ء کے عام انتخابات میں اکثریت حاصل کر کے حکومت بنائی تھی۔ اس جماعت نے ضمنی انتخاب میں ۴۵ نشستوں پہ اپنے امیدوار نامزد کیے ہیں۔ انتخابی نتائج کچھ بھی ہوں، پارلیمان میں اس جماعت کی اکثریت برقرار رہے گی۔

نیشنل ڈیموکریٹک فورس:

یہ جماعت سوچی کی 'نیشنل لیگ' سے علیحدہ ہونے والے رہنماؤں نے قائم کی تھی، نیشنل ڈیموکریٹک فورس پارٹی ۹ جولائی ۲۰۱۰ء کو بنی۔ اور ۲۰۱۰ء کے انتخابات میں کئی نشستیں جیتنے میں کامیاب رہے تھے۔

"یہ جماعت ۲۰۱۰ء میں ملک بھر میں مقابلہ کرنے والی تین میں سے ایک تھی، جس نے یونین پارلیمنٹ اور علاقائی مقننہ میں ۱۶۱ نشستوں پر کامیابی حاصل کی تھی۔"[3]

---

[1] Resource Information Center, *Myanmar, Chronology of Burmese Major Opposition Groups* (Washington DC: Resource Information Center, 17 August 2000), 29

[2] https://en.wikipedia.org/wiki/National_League_for_Democracy(Accessed January 28, 2020)

[3] https://www.irrawaddy.com/election/party/national-democratic-force-ndf (Accessed January 28, 2020)

شان نیشنلیٹیز لیگ فار ڈیموکریسی:

"شان نیشنلیٹیز لیگ فار ڈیموکریسی ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو پارٹی قائم ہوئی۔اور ۲۰۱۵ء کے الیکشن میں شان ریاست کی سب سے بڑی پارٹی کے طور پر سامنے آئی۔"[1]

۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں یہ دوسری بڑی سیاسی جماعت بن کر ابھری تھی لیکن اس نے ۲۰۱۰ء کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا۔یہ جماعت ماضی میں کئی بار سوچی کی 'نیشنل لیگ' کی اتحادی رہی ہے۔

شان نیشنلیٹیز ڈیموکریٹک پارٹی:

یہ جماعت 'وائٹ ٹائیگر پارٹی' کے نام سے معروف ہے اور ۲۰۱۰ء کے عام انتخابات میں اس جماعت کے ۵۷ امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ ضمنی انتخابات میں اس نے محض چند نشستوں پر اپنے امیدوار نامزد کیے ہیں۔

"شان نیشنلیٹیز ڈیموکریٹک پارٹی اپریل ۲۰۱۰ء کو رجسٹرڈ ہوئی۔اور ۲۰۱۰ء کے الیکشن میں ۲ رکن شان ریاست میں مذہبی امور کے وزیر بنے۔"[2]

> The Shan Nationalities Democratic Party ran for more than 100 seats in Burma's 2010 general election and won 57.[3]

ترجمہ: شان نیشنلیٹیز ڈیموکریٹک پارٹی نے برما کے ۲۰۱۰ء کے عام انتخابات میں ۱۰۰ سے زیادہ نشستوں پر حصہ لیا اور ۵۷ سیٹوں پر کامیابی حاصل کی تھی۔

اراکان نیشنل پارٹی:

"اراکان نیشنل پارٹی برما کی ایک سیاسی جماعت ہے جو ۱۳ جنوری ۲۰۱۴ء کو قائم ہوئی۔اور ۶ مارچ ۲۰۱۴ء کو رجسٹرڈ ہوئی۔"[4]

نیشنل یونٹی پارٹی:

یہ جماعت برما کی فوجی جنتا اور برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی نامی سیاسی جماعت کے سابق رہنماؤں نے قائم کی تھی، لیکن ۱۹۹۰ء میں اسے نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی کے ہاتھوں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔۲۰۱۰ء کے عام

---

[1] https://www.irrawaddy.com/election/news/thats-a-wrap-uec-finally-calls-last-11-election-races (Accessed January 28, 2020)

[2] https://en.wikipedia.org/wiki/Shan_Nationalities_Democratic_Party (Accessed January 29, 2020)

[3] https://www.irrawaddy.com/election/party/shan-nationalities-democratic-party-sndp (Accessed January 29, 2020)

[4] https://web.archive.org/web/20140415231404/http:/www.moi.gov.mm/Moi:Eg/announcement/7/03/2014/id-1159 (Accessed January 29, 2020)

انتخابات میں اس جماعت نے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ امیدواران کھڑے کیے تھے لیکن ایک بار پھر اسے بدترین شکست ہوئی تھی۔

> In the 2015 general elections, all 763 candidates of the NUP lost, except for one in Kachin State.[1]

ترجمہ: ۲۰۱۵ء کے عام انتخابات میں، کاچن ریاست میں سوائے ایک سیٹ کے باقی تمام ۷۶۳ امیدوار ہار گئے۔

انتخابات ۱۹۹۰ء:

بین الاقوامی دباؤ اور حالات کو منظر رکھتے ہوئے فوجی حکام نے ۲۷ مئی ۱۹۹۰ کو انتخابات کرانے کا جو وعدہ کیا تھا اس کی پاسداری کا دن بہر حال آ ہی گیا۔ ان انتخابات کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

لوگوں کو پریشان اور خصوصاً این ایل ڈی کے حامی افراد کو تنگ کرنے کی غرض سے ۸۹ء میں ۳۰۰ مکانات ڈھا دیے گئے جس سے تین ہزار افراد متاثر ہوئے۔ مجبوراً ان افراد کو رنگون کے شمال میں بانسوں کے مکانات میں منتقل ہونا پڑا۔ اس منتقلی کے دوران میں بہت سے ضعیف افراد ہلاک ہوگئے۔ رنگون کے علاقہ باہان ٹاؤن شپ میں سے جہاں سے سوئی انتخابات کیلئے امیدوار تھیں سینکڑوں خاندانوں کو دھکیل دیا گیا اس سے قبل اس علاقے کے پانچ سو مکانات تباہ کیے گئے تھے۔ اوائل ۱۹۹۰ء میں ہی تمام نمایاں اپوزیشن رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ ہزاروں سیاسی کارکنوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا اور ایک منصوبے کے تحت پہلے ہی مجرموں کو رہا کر کے جیلیں ان سیاسی قیدیوں کے لیے خالی کرائی گئیں۔ وہ تمام رہنما جو ایک سال قبل حکومت کے خلاف مظاہروں میں مقبول ہوئے ایک ایک کر کے عوام کے درمیان میں سے غائب کر دیئے گئے۔

بین الاقوامی سطح پر ان پابندیوں کی مذمت کی جارہی تھی۔ امریکہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے ۲۹ پارلیمنٹرین نے ۱۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو جنرل ساموئنگ کو ایک خط بھیجا جس میں آنگ سان سوئی پر سے تمام پابندیاں اٹھانے اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[2]

لیکن حکمرانوں نے اس مطالبے کو رد کر دیا ایک صاحب نے رنگون میں اس جیل کا دورہ کر لے کہا کہ جیل میں ۱۰۰۰ قیدی ہیں جن میں سے بیشتر ڈاکٹرز، وکلاء، انجینئر اور مصنف ہیں اور یہ سب NLD سے تعلق رکھتے ہیں۔

> There reportedly remain over 1,100 political prisoners in Myanmar, including monks, lawyers, teachers, journalists, farmers, politicians, student leaders, writers and poets.[3]

---

[1] https://www.mmtimes.com/news/national-unity-party-sets-local-chapters-2020-race.html (Accessed January 29, 2020)

[2] https://parlinfo.aph.gov.au/parlInfo/download/media/pressrel/UNS10/upload_binary/UNS10.pdf;fileType=application%2Fpdf#search=%22media/pressrel/UNS10%22(Accessed February 1, 2020)

[3] http://www.nbcnews.com/id/9522002/ns/world_news-south_and_central_asia/t/report-myanmar-has-political-prisoners/#.Xm3fe6gzbIU (Accessed February 1, 2020)

ترجمہ: اطلاعات کے مطابق میانمار میں ۱۱۰۰ سے زائد راہبوں، وکلاء، اساتذہ، صحافیوں، کسانوں، سیاستدانوں، طلباء رہنماؤں، ادیبوں اور شاعروں سمیت سیاسی قیدیوں پر مشتمل ہیں۔

۱۹۹۰ء کے انتخابات میں سو (۱۰۰) کے قریب علاقائی جماعتوں نے اپنے نمائندے کھڑے کیے۔ اس سے قبل دو سو کے لگ بھگ سیاسی جماعتوں نے اپنے آپ کو رجسٹر کرا لیا تھا۔ برما کی پارلیمنٹ کی ۴۹۲ نشستوں میں سے ۴۸۵ پر انتخاب ہوا بقیہ سات ۷ نشستوں پر انتخابات ملتوی کر دیا گیا۔ ان سیاسی جماعتوں میں نمایاں جماعت نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی تھی۔ ۲۱ جماعتوں کے ایک اتحاد کا نام یونائیٹڈ نیشنلٹیز لیگ فار ڈیموکریسی تھا۔ ان کے علاوہ مزید پانچ سیاسی جماعتوں نے کل نشستوں پر امیدوار کھڑے کیے جبکہ بیس حلقوں میں سو ۱۰۰ کے قریب علاقائی جماعتوں نے بھی اپنے نمائندے کھڑے کئے۔[1]

برما کی سابق سرکاری پارٹی بی ایس پی پی کا نام جنرل سا مانگ نے بدل کر نیشنل یونٹی پارٹی رکھ دیا تھا۔ اس پارٹی نے بھی ایک چھوٹے سے اتحاد کا سہارا لے کر الیکشن جیتنے کی ناکام کوشش کی۔ اس پارٹی کو مکمل سرکاری سرپرستی حاصل رہی لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اپنے اتحادیوں سمیت پندرہ فیصد ووٹ حاصل کر سکیں اور بمشکل دس نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ جبکہ این ایل ڈی نے ۴۸۵ میں سے ۴۰۰ نشست جیت لی۔

> However, the military government did not acknowledge the result of the 1990 elections and refused to transfer power to the winning opposition party, the National League for Democracy (NLD).[2]

ترجمہ: تاہم، فوجی حکومت نے ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے نتیجے کو تسلیم نہیں کیا اور فاتح حزب اختلاف کی پارٹی، نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (این ایل ڈی) کو اقتدار منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔

انتخابات میں عوام کا مینڈیٹ کھل کر سامنے آگیا لیکن حکمران اقتدار منتقل کرنے کے بجائے مختلف مطالبات کرنے لگے۔ انتخابات کے بعد SLORC (State Law and Order Restoration Council)[3] کے ذمہ داران کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں انہوں نے طے کیا کہ اختیارات نئی حکومت کو اس وقت تک منتقل نہیں کیے جائیں گے جب تک وہ ان معاملات کی یقین دہانی نہ کرا دے کہ:

۱۔ نئی حکومت مسلح افواج کے ڈھانچے میں تبدیلی نہیں کرے گی اور نہ ہی کسی افسر کا تبادلہ کیا جائے گا۔

۲۔ تمام بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی کی جائے گی جو کہ اس دوران میں حکومت نے کیے ہیں۔

۳۔ این ایل ڈی کی سیکرٹری جنرل آنگ سان سوچی برمی سیاست میں کردار ادا کرنے کی بجائے علیحدہ ہو جائیں۔

---

[1] سومرو، نصیر احمد، روہنگیا کی حالت زار، **جنگ** کراچی، ۱۳ مئی ۱۹۸۹ء

[2] The State in Myanmar, Taylor, R. Honolulu. (Hawaii University Press. 2010), 409

[3] https://en.wikipedia.org/wiki/State_Peace_and_Development_Council (Accessed February 5, 2020)

حکمران آنگ سان سوئی پر جو الزامات عائد کرتے ہیں اس کی توجیہ کے لئے وہ ۱۹۴۷ء کے آئین کی شق ۴۷ (I) (i) کا سہارا لیتے ہیں۔[1]

آنگ سان سوچی کی جماعت این ایل ڈی کے ۱۰۰۰ سے زائد اراکین کو جیلوں میں بند کیا گیا۔ اور خود آنگ سان سوئی کی نظر بندی کی مدت میں اضافہ کیا گیا۔ نظر بندی میں سوچی کو اپنے خاندان سے کسی قسم کا تعلق رکھنے کی اجازت نہیں، اور نہ ہی کوئی خط و کتابت۔ سوچی کے شوہر کی آخری ملاقات یکم جنوری ۱۹۹۰ء کو ہوئی تھی۔ حکمران جماعت نے انہیں رنگون میں واقع ان کے گھر میں قید کر رکھا، ان پر کئی طرح کی پابندیاں بھی لگائی، عام لوگوں سے ان کو ملنے کی اجازت نہیں۔ سوچی کے عظیم جمہوری خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں نوبل پرائز دینے کا اعلان کیا گیا۔ اور دسمبر ۱۹۹۱ء میں سوچی کے ۱۸ سالہ بیٹے الیگزینڈر نے اپنی ماں کی جانب سے امن کا نوبل پرائز وصول کیا۔

> Because of this event numerous senior leaders of NLD were arrested, including 2000 civilians and democrats throughout May to December 1990. In 1991 more than 25 parliamentarians was arrested and imprisoned falsely accused of threatening Myanmar national security.[2]

ترجمہ: اس واقعہ کی وجہ سے، این ایل ڈی کے متعدد سینئر قائدین کو گرفتار کیا گیا، جن میں مئی سے دسمبر ۱۹۹۰ء کے دوران ۲۰۰۰ عام شہری اور جمہوریت پسند شامل تھے۔ ۱۹۹۱ء میں ۲۵ سے زیادہ پارلیمنٹیرین کو میانمار کی قومی سلامتی کو خطرہ بننے کے جھوٹے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور انہیں قید کر دیا گیا تھا۔

حکمرانوں نے مختلف سیاسی جماعتوں کو غیر قانونی قرار دینے کا عمل جاری رکھا اور مزید ۹ سیاسی جماعتوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ جس سے ۱۹۹۱ء میں رجسٹرڈ ۲۳۵ پارٹیوں کی تعداد گھٹ کر اوائل ۹۲ء میں محض ۵۹ رہ گئی۔ ساتھ ہی این ایل ڈی کے کامیاب امیدواروں کو آئندہ انتخابات کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔ ان میں سے چار کو تاحیات اور دیگر کو پانچ سال کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

انتخابات اور مسلمان:

۲۷ مئی ۱۹۹۰ء کو انتخابات کے سلسلہ میں تیار کردہ ووٹر لسٹوں سے بڑی تعداد میں اراکان کے مسلمانوں کو باہر رکھا گیا۔ اُن کے مقابلے میں غیر مسلموں کی تعداد کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ منگڈاؤ اور بوتھیڈانگ میں غیر مسلموں کی تعداد تین فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ان کو ووٹر لسٹوں میں ۲۰ فیصد ظاہر کیا گیا حتی کہ بنگلہ دیش

---

[1] reprinted from asia week ,as *"the people want freedom"* in aris, ed, free from fear , 233 https://www.ilo.org/dyn/natlex/docs/ELECTRONIC/79573/85699/F1436085708/MMR79573.pdf (Accessed February 5, 2020)

[2] Chee Soon J., To Be Free: Stories From Asia: *Decolonization, Nationalism And Separatism.* (London: I.B Tourris Publishers, 1998), 23.

کے بدھوں کا اندراج بھی انہیں لسٹوں میں ہوا۔ اس کے بر خلاف اراکان کے اصل باشندے روہنگیا مسلمانوں کے ناموں کو مختلف بہانوں سے خارج کر دیا گیا۔ کسی پر غیر ملکی ہونے کا الزام لگایا، کسی پر باغیوں سے سازباز کرنے اور کسی پر شناختی کارڈ نہ ہونے کا الزام لگایا۔ اسی بنا پر ۹۷ فیصد مسلمان ووٹروں کو گھٹا کر محض ۸۰ فیصد کر دیا گیا۔ اسی طرح نشستوں کی تقسیم میں بھی امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔ مسلم اکثریتی علاقوں کو بہت ہی کم سیٹیں دی گئیں۔ جبکہ بدھ اقلیتی علاقوں کے لیے زیادہ نشستیں مخصوص کی گئیں۔

اراکان کیلئے کل ۲۶ نشستیں مخصوص کی گئی جن میں سے منگڈاؤ اور بو تھیڈانگ کے لئے جہاں مسلمانوں کی آبادی ۹۷ فیصد ہیں صرف چار نشستیں کی گئیں۔ ان علاقوں میں ہر ایک نشست کیلئے تین سے چار لاکھ ووٹرز تھے جبکہ دیگر علاقوں کے لیے فی حلقہ ایک لاکھ سے زائد ووٹرز نہیں۔

برما کی نئی قومی اسمبلی کے لئے پورے برما بشمول اراکان ۲۳ مسلمان منتخب ہوئے۔ اراکان سے چار مسلمان منتخب ہوئے۔ ان میں سے تین کا تعلق (NDPH) نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹس سے ہے جبکہ بقیہ ایک کا تعلق اراکان میں آباد کمان مسلمانوں کی تنظیم (KNLM) کمان نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی سے ہے۔ مذکورہ بالا دونوں تنظیموں نے ملک کی سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی این ایل ڈی کے تعاون سے انتخاب جیتا تھا۔

> The NDPH participated in 1990 Burmese general election and won 4 MP seats with the majority Rohingyas votes. [1]

ترجمہ: این ڈی پی ایچ نے ۱۹۹۰ء کے برمی عام انتخابات میں حصہ لیا اور روہنگیا اکثریتی ووٹوں کے ساتھ ۴ ایم پی نشستیں حاصل کیں۔

برما خاص سے ڈاکٹر تھان آنگ این ایل ڈی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور بقیہ ۱۸ امیدوار برما کے دیگر حصوں سے کامیاب ہوئے جن کا تعلق مون اور شان کی ریاستوں سے تھا۔ نیون، سین لوئین، ڈاکٹر مونگ مونگ، جنرل سامونگ، تھان سین، ہٹان کیاؤ اوراب وین مائینٹ کا دور اراکانی مسلمانوں کے مصائب میں کمی کے بجائے اضافے کا باعث ہی بنا اور ہر لحاظ سے مسلمانوں کو کچلنے کی کوشش کی گئی ہے۔

برما میں جمہوری حکومت کا آغاز:

۲۰۱۰ء میں انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں طویل آمریت کی جگہ جمہوری حکومت تشکیل دی گئی لیکن جمہوریت میں بھی مسلمانوں کا بھلا نہ ہوا۔ ۲۰۱۲ء روہنگیا مسلمانوں کے لئے ۱۹۴۲ء کے بعد سخت ترین سال ثابت ہوا۔ ہزاروں لوگ شہید کیے گئے لاکھوں ملک بدر ہوئے لاتعداد خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ اس بربریت پر عالمی پریس بھی چپ نہ رہ سکا۔ جون ۲۰۱۲ء کے فسادات کا آغاز یوں ہوا کہ بدھ بھکشوانے زائرین کی ایک بس روانہ کی اور

---

[1] https://www.crwflags.com/fotw/flags/mm%7D.html (Accessed February 7, 2020)

اس میں سے عمرہ کی ادائیگی کر کے واپس آنے والے دس مسلمان علماء کو باہر نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا، بس کو آگ لگا دی گئی۔ حکومت نے متاثرہ علاقوں میں فوج بھیج کر کرفیو لگا دیا اور صحافیوں کو فساد زدہ علاقوں سے باہر نکال دیا۔

اراکان میں ۹۶۹ نامی بدھ تنظیم روہنگیا مسلمانوں کے خلاف پر تشدد کارروائیوں میں مصروف ہے۔ موجودہ عمل میں حکومت اور فوج اس تنظیم کی دہشت گرد کارروائیوں کی پشت پناہی کر رہی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا وہاں رہنا ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ برما کی موجودہ حکمران آنگ سان سوچی ایک مقبول سیاستدان ہیں۔ انہوں نے اور ان کے والد نے فوجی حکومتوں کے خلاف طویل جدوجہد کی، وہ طویل عرصہ نظر بند بھی رہیں۔ ان کے برسر اقتدار آنے پر یہ امید کی جا رہی تھی کہ وہ رجسٹریشن کے معاملے کو سیاسی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں گی لیکن فوج اور بدھ انتہا پسندوں کے دباؤ کی وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوا۔[1]

دراصل آنگ سان سوچی بدھ برادری کے درمیان اپنا ووٹ بینک کم یا ختم نہیں کرنا چاہتی جس کی وجہ سے وہ روہنگیا برادری کے مظلوموں کے حق میں کچھ بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

برما کے سیاسی انقلابات:

روہنگیا کے مسلمانوں کے مسائل اور موجودہ صورتحال برما کے سیاسی انقلابات سے کافی جڑی ہوئی ہے۔ اس لیے ایک نظر برما کے سیاسی کے انقلابات پر ڈالی جائے، برطانوی سامراجیت نے جب ہندوستان پر اپنا تسلطانہ پنجہ گاڑ چکی، تو اس وقت برما بھی ان کی سامراجیت کا شکار ہوا۔ برطانیہ نے ۱۹۳۷ء میں مستقل برطانوی استعماریت تشکیل دینے کی غرض سے برما کو ہندوستان کی اپنی برطانوی حکومت سے الگ کر دیا، لیکن برمی بشمول روہنگیا لوگ برطانوی حکومت سے برسرپیکار رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہو کر برمی حکومت کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔

پہلا سیاسی انقلاب:

برطانوی حکومت نے جنرل آنگ سان کو حکومت سونپنے کے لئے ایک شرط رکھی کہ اگر تمام ریاستوں کے لوگ تحریری طور پر آپ کو حکمران تسلیم کر لیں تو ہم اس ملک کو آپ کے حوالے کر دیں گے، جنرل آنگ سان نے تمام اسٹیٹ والوں کو ملانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا اور مایوس ہو کر اگلے روز دوسرے ملک روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے، جنرل آنگ سان کے مشیر وقار علی نے انہیں ترک وطن سے روکا اور اس بات پر قائل کیا کہ وہ تمام اسٹیٹ والوں کو ملانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لئے وقار علی نے ایک دن کی مہلت مانگی، بہرحال اس اتحادی مہم میں وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اور پہلا حکمران جنرل آنگ سان تسلیم کر لیا گیا اس دور حکومت کے مشیر کار وقار

[1] ظہیر، نگار سجاد، میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کا المیہ، **میثاق**، جلد ۷، شمارہ ۲، (نومبر ۲۰۱۷ء)، ص ۷۱-۸۴

علی اور عبد الرزاق جو وزیر تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے بڑے فعال تھے۔ اور ان کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس دور میں روہنگیا مسلمانوں کی شہریت مسلم تھی اور ان کے بنیادی حقوق بھی محفوظ تھے۔

دوسرا سیاسی انقلاب:

چند ماہ گزرے ہونگے کہ جنرل آنگ سان اپنے مشیر ان پارلیمنٹ کی ایک بیٹھک میں شریک تھے، اچانک حملہ آوروں کے شدید حملے میں لقمہ اجل بن گئے۔ اس کے بعد برما کے دوسرے وزیر اعظم اونو بنائے گئے اس کے مشیر کار عبد الرشید اور اوکھن مولا تھے۔ ان لوگوں نے نئی حکومت کو پارلیمانی ڈیموکریسی کا نام دیا۔

تیسرا سیاسی انقلاب ملٹری حکومت نیون:

حکومت بالا کی مدت ابھی دس سال ہی گزری تھی کہ ملٹری والوں نے وزیر اعظم اونو کا تختہ پلٹ دیا اور اقتدار کی بھاگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ملٹری حکومت نے چند قوانین وضع کئے جن میں نظام شہریت، قانون تبدیلی نظام، پارلیمانی ممبران اور نظام منصب صدر سر فہرست ہیں۔

کسی قانون کو تبدیل کرنے کے لئے ۷۵ فیصد سے زائد پارلیمانی ممبران کی حمایت حاصل ہو، نظام پارلیمانی ممبران بغیر انتخابات کے ۲۵ فیصد پارلیمانی نشستیں ملٹری کے لئے متعین ہو گی، نظام منصب صدر غیر ملکی شوہر یا بیوی سے منسلک برمی شخص صدر کے منصب پر فائز نہ ہو گا۔

مسلمانوں کی انتخابی طاقتیں سیاسی انقلاب کیلئے خطرہ:

اگر مسلمانوں کی تعداد اور ان کے معاشی حالات میں اضافہ ہو تا رہا تو الیکشن مہم اقتدار حکومت کا ریموٹ مسلمانوں کے ہاتھ میں آسکتا ہے وہ لوگ جس کو چاہیں گے اپنا سیاسی نمائندہ بنالیں گے۔

چوتھا سیاسی انقلاب ملٹری وہ انتخابی حکمران:

وزیر اعظم اونو کے بعد ملٹری حکومت کا آغاز نیون سے ہوا اور ایک مدت تک صرف ملٹری حکومت زوروں پر تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ڈیموکریسی حکومت کا مطالبہ چلتا رہا۔ ۱۹۸۸ء میں آنگ سان سوچی کی قیادت میں بڑے پیمانے پر احتجاج کیا گیا جس میں ملک کے سرکاری و غیر سرکاری تمام افراد شامل تھے۔ لیکن یہ احتجاج ناکام رہا۔

"۱۹۹۹۰ء میں الیکشن کرایا گیا جس میں آنگ سان سوچی بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئی خاص طور سے صوبہ اراکان کی روہنگیائی مسلمانوں نے آنگ سان سوچی کی الیکشن مہم میں زبردست حمایت کی اور اسے روہنگیا مسلمانوں کا سو فیصد ووٹ ملا۔"[1]

---

[1] قاسمی، عبد الستار، برما کے سیاسی حالات اور روہنگیا کے مسائل، نقوش اسلام، شمارہ ۹، جلد ۱۳، (نومبر ۲۰۱۸ء)، ص ۲۸

لیکن ملٹری حکومت اقتدار سونپنے کے بجائے نئے قانون سازی کا حیلہ بہانہ ڈھونڈ کر آنگ سان سوچی کو حکومت سے بے دخل کرتے رہے دوسری طرف آنگ سان سوچی کیلئے روہنگیائی مسلمانوں کا اتحادانہ تعاون اور سیاسی حمایت، ملٹری حکومت کے لئے خطرہ بن گیا اس لیے موجود حکومت نے ایک نئی برمی ڈائری جاری کی، اس میں ۱۳۵ قوموں کو برمی عوام میں شامل کیا اور اس فہرست سے روہنگیا قوم کو خارج کر کے روہنگیائی مسلمانوں کو شہر بدر کرنے کی بے جا کوشش کرنے لگے، نیز ان کے اور بدھ پرست قوم کے مابین نفرت کا بیج بویا جانے لگا۔

"۲۰۱۵ء میں نئے انتخابات کرائے گئے اس میں بھی آنگ سان سوچی کو بھاری اکثریت ملی لیکن ملٹری والوں نے خود ساختہ قانون عہدہ صدر کے تحت منصب صدارت سے محروم کرتے رہے یہاں تک کہ برما کے ماہر وکیل عبدالغنی نے حکومتی ادارے میں ایک ایسا عہدہ تلاش کر لیا جس کے وہ قانوناً حقدار تھی اور اسے اسٹیٹ کونسلر کا عہدہ دیا گیا۔"[1]

انتخابات ۲۰۱۵ء:

آنگ سان سوچی برسر اقتدار آنے کے بعد تا حال برمی عوام کا کوئی بنیادی مسئلہ حل نہیں کر سکی۔ جس میں خصوصی طور پر روہنگیا مسئلے پر آنگ سان سوچی بات کو ٹال دیتی ہے یا پھر روہنگیا پر ہی الزام عائد کر دیتی ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ برما کے فوجی طبقے کی تائید نہیں کھونا چاہتی۔ فوج کیساتھ مفاہمت کی پالیسی کی وجہ سے برما میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو فوج چاہتی ہے۔

> Four months later, on 8 November 2015, Myanmar held its first openly contested election in 25 years. The NLD won a landslide victory.[2]

ترجمہ: چار ماہ بعد، ۸ نومبر ۲۰۱۵ کو، میانمار نے ۲۵ سالوں میں اپنا پہلا کھلا مقابلہ لڑا۔ این ایل ڈی نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔

مقامی بدھ راکھائی رہنماء روہنگیا مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور قومی سیاست دان مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز بیان کر دے کر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔

> In 2014, politicians are still using ethnic cleansing policies against the unpopular Muslim Rohingya as a tactic to gain Buddhist votes.[3]

---

[1] قاسمی، عبدالستار، برما کے سیاسی حالات اور روہنگیا کے مسائل، ۲۶-۳۰

[2] https://www.bbc.com/news/world-asia-pacific-11685977(Accessed February 15, 2020)

[3] Nicholas Kristof, *"Myanmar's Appalling Apartheid,"* **The New York Times**, May 28, 2014, http://www.nytimes.com/2014/05/29/opinion/kristof-myanmarsappalling-apartheid.html?smid=fb-share&_r=1# (Accessed February 15, 2020)

ترجمہ: ۲۰۱۴ء میں اب بھی سیاست دان غیر مشہور روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نسلی تطہیر کی پالیسی کو بدھ کے ووٹ کو حاصل کرنے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

بدھوں کی روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نفرت کو آج بھی راکھائن کے سیاسی رہنماء اپنے ووٹ بینک کو بڑھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ ان تمام سیاسی رہنماؤں کے منشور کا حصہ ہوتا ہے۔ اور بدھوں کے دلوں میں مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے لیے نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور روہنگیا مسلمانوں کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہیں۔

> Even Aung SanSuu Kyi, leader of the National League for Democracy (NLD), the prodemocracy opposition party against military rule, has refuted claims that the humanitarian situation for the Rohingya is dire. Instead, she has chosen to act like any other politician seeking favor with the majority of voters who support the ethnic cleansing policies.[1]

ترجمہ: نیشنل لیگ ڈیموکریٹک (این ایل ڈی) کی رہنما آنگ سان سوچی، اپوزیشن پارٹی نے فوجی حکومت کے خلاف دعویٰ کیا ہے کہ روہنگیا کے لیے انسانی صورتحال انتہائی خراب ہے۔ اس کے بجائے اس نے دوسرے سیاست دان کی طرح کام کرنے کا انتخاب کیا جو نسلی تطہیر کی پالیسی کی حمایت کرنے والے اکثریتی ووٹرز کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو۔

جس وقت سے برمانے اراکان پر قبضہ کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک مسلمانوں کے ساتھ اہل اقتدار اور بدھ اقوام کا جارحانہ رویہ مسلسل جاری رہا ہے۔ خاص طور سے روہنگیائی مسلمانوں سے وحشیانہ تشدد اور قتل وغارت گری کی یلغار اپنے حدود کو پار کر چکی ہے۔

سیاسی مسائل کے اسباب:

برما میں مسلمانوں کے خلاف مہم کی قیادت جو بدھسٹ مونک (مذہبی راہنما) کر رہا ہے، اس کا نام آشن ویراتھو ہے۔ اس تحریک کا نام ماباثا تحریک ہے۔ اس کا مطلب نسل اور مذہب کو بچاؤ ہے۔ ان کا ایک نعرہ یہ بھی ہے کہ "نسل اور مذہب دنیا کے خاتمے تک برقرار رہنی چاہیے" اسے علامتی طور پر ۹۶۹ بھی لکھا اور پکارا جاتا ہے، یہ مسلمانوں میں مشہور عدد ۷۸۶ کی طرح ۹۶۹ ویراتھو کی تحریک کے نزدیک علامتی اہمیت کی حامل ہے۔ مذکورہ سہ اعداد میں سے پہلا نو بدھا کی نو صفات کو بیان کرتا ہے، جبکہ چھ بدھ مت کی چھ بنیادی تعلیمات کو اور آخری نو بدھ مت کے خانقاہی نظام کو ظاہر کرتی ہے۔

ویراتھو کی ماسویان درسگاہ یا بدھ مت خانقاہ (موناسٹری) مانڈلے شہر میں موجود ہے جہاں وہ اپنے ہزاروں طلبہ اور مریدوں کو مسلمانوں کے بارے میں خطرات سے آگاہ رکھتے ہیں۔ ویراتھو خطابت کے دوران سامعین کو

---

[1]11 Emanuel Stoakes, "Aung San Suu Kyi is Turning a Blind Eye to Human Rights in the Name of Politics," The Guardian, November 26, 2013, http://www.theguardian.com/commentisfree/2013/nov/27/aung-san-suu-kyi-is-turninga-blind-eye-to-human-rights-in-the-name-of-politics (Accessed February 25, 2020)

دلگیر انداز میں اس خطرے کا بار بار یقین دلاتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا راستہ نہ روکا گیا، تو برما کی اکثریتی بدھ مت کمیونٹی اپنی نسل، تہذیب و ثقافت اور مذہب سمیت معدوم ہو جائے گی اور کئی عورتوں سے بیک وقت شادی کر کے یہاں روز بروز اپنی آبادی میں اضافہ کرنے والے مسلمانوں کا راج ہو گا۔ چونکہ ہر کمیونٹی میں اچھے بُرے ہر طرح کے لوگ موجود ہوتے ہیں اس لیے صرف اپنے مقصد کے حصول کے لیے مخالف کمیونٹی کے ان منفی پہلوؤں کو بہت اجاگر کیا جاتا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں فوج کے بر سر اقتدار آنے کے بعد مظالم کا جو وحشیانہ سلسلہ شروع ہوا اس نے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے اور معتبر ذرائع کے مطابق اب بھی تمام ظلم و ستم سرکاری سرپرستی میں جاری ہے۔ مسلمانوں کا بلاجواز قتل، انہیں نقل مکانی پر مجبور کرنا، ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنا، انہیں اپنی اسلامی ثقافت ترک کرنے پر مجبور کرنا اور اپنی سرزمین سے محروم کرنا فوج کے وہ عمومی ہتھکنڈے ہیں جن کا سالہا سال سے اراکانی مسلمان سامنا کر رہے ہیں۔

> The Myanmar government has a long history of inciting and encouraging violence against Muslims in order to distract the public's attention away from economic and political issues.[1]

ترجمہ: میانمار حکومت کا عوام کو مسلمانوں کے خلاف تشدد پر اکسانا اور ان کی ہمت افزائی کرنے کی ایک طویل تاریخ ہے تاکہ عوام کا اقتصادی اور سیاسی مسائل سے توجہ ہٹایا جا سکے۔

اور برمی حکومت کی یہ پالیسی کئی عشروں سے چلتی آرہی ہے۔ جس سے سب سے زیادہ نقصان روہنگیا مسلمانوں کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اور وہ شہریت سمیت زندگی کے بنیادی سہولیات سے محروم ہو چکے ہیں۔

> The Myanmar government deals with Islamic affairs through five Islamic Associations, namely: The Islamic Religious Affairs Council (HQ), Jamiat 'Ulama-al Islam (HQ), All Myanmar Maulawi Association, Myanmar Muslim Youth's Religious Organization, and Myanmar Muslim National League.[2]

ترجمہ: میانمار کی حکومت اسلامی امور کے لئے پانچ اسلامی انجمنوں کے ذریعے معاملات کرتی ہے، یعنی: اسلامی مذہبی امور کونسل (ہیڈ کوارٹر)، جمعیت علمائے اسلام (ہیڈ کوارٹر)، آل میانمار مولوی ایسوسی ایشن، میانمار مسلم یوتھ کی مذہبی تنظیم، اور میانمار مسلم نیشنل لیگ۔

> These five associations are collectively known as Myanmar Islamic Religious Organization, which sent formal letters to the authorities and the government whenever Islam and the Muslim communities in Myanmar were assaulted by the Buddhist nationalists.[3]

ترجمہ: یہ پانچ انجمنیں اجتماعی طور پر میانمار کی اسلامی مذہبی تنظیم کے نام سے مشہور ہیں، جنہوں نے بدھ قوم پرستوں کی طرف سے جب بھی اسلام اور میانمار میں مسلم برادریوں پر حملہ کیا گیا، حکام اور حکومت کو باضابطہ خط بھیجتے رہے۔

[1] Habib Siddiqui, *the Forgotten Rohingya: Their Struggle for Human Rights in Burma*, (E-Book (No Additional Publication Information, 2008),31 .

[2] Yegar, *The Muslim of Burma*, 108–10.

[3] "Islamic Associations in Myanmar call for peaceful settlement of Rakhine incident", http://news.xinhuanet.com/english/world/2012-08/20/c_131795787.htm , (Accessed March 5, 2020)

یہ وہ مشہور اور فعال تنظیمیں ہیں جو روہنگیا مسلمانوں اور برمی حکام کے درمیان ثلاثی کا کردار ادا کرتی ہیں۔ مگر حکومتی سطح پر ان کی کوئی خاص سنوائی نہیں ہوتی، اگرچہ یہ تنظیمیں اپنی طرف سے بھرپور کوششیں کرتی رہتی ہیں۔

> "Myanmar Islamic Religious Organization sends a formal demand letter to the President for proceedings against the Aung Jeyatu Journal that has committed Religious Offense"[1]

ترجمہ: میانمار کی اسلامی مذہبی تنظیم نے صدر کو انگ آ جیوتو جرنل کے خلاف کارروائی کے لئے باضابطہ مطالبہ خط ارسال کیا ہے جس نے مذہبی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

ان سب کے باوجود روہنگیا برادری اپنی زندگی کے بنیادی حقوق نہیں حاصل کر پا رہی ہے۔ اور ہر آنے والا دن ان کے لئے نئی مصیبتیں اپنے ساتھ لاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مذہب کے بنیادی تہوار بھی ادا نہیں کر پاتے۔

> Myo Latt, A senior leader of the Burmese Muslim Association said, "Our brothers and sisters are being murdered and their villages are being burned down in Arakan State. It is for this reason that we will not celebrate Eid."[2]

ترجمہ: برمی مسلم ایسوسی ایشن کے ایک سینئر رہنما میولاٹ نے کہا، "اراکان ریاست میں ہمارے بھائیوں اور بہنوں کو قتل کیا جارہا ہے اور ان کے گاؤں کو جلایا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم عید نہیں منائیں گے۔

اس کا اصل سبب یہ ہے کہ برمی حکومت اور بدھ برادری روہنگیا کے وجود کو ہی قبول کرنے کے قائل نہیں ہے۔ اور ہر طرح سے ان کو مٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

> The government and many Burmese people do not accept the existence of an ethnic group known as the Rohingya.[3]

ترجمہ: حکومت اور بہت سے برمی لوگ روہنگیا کے نام سے جانے والے نسلی گروہ کے وجود کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

ان اسباب کی وجہ سے روہنگیا مسلمانوں کو سیاسی حقوق کیا کہ کوئی بھی حق دینے کے لئے برمی حکومت تیار نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے روہنگیا برادری کے بارے میں اقوام متحدہ نے بھی دنیا کی مظلوم اقلیت قرار دیا ہے۔ اور ان حقوق کے نہ ملنے کی وجہ سے بھیانک اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

اثرات:

۱۹۴۸ء میں برطانوی استعمار نے آزادی کے وقت مسلمانوں کی شدید ناپسند اور احتجاج کے باوجود ان کی خواہش و مرضی اور مطالبہ کے برخلاف اراکان کی سابق آزاد حیثیت بحال کی نہ اسے پاکستان کا حصہ بنایا اور نہ اہل

---

[1] http://www.m-mediagroup.com/en/archives/8460, (Accessed March 10, 2020)
[2] Lawi Weng, *"Burmese Muslims cancel Eid Festivities"*, **Irrawaddy,** (24 Nov 2012), http://www.irrawaddy.com/conflict/burmese-muslims-cancel-eid-festivities.html , (Accessed March 10, 2020)
[3] Release of the Ministry of Foreign Affairs of the Union of Myanmar on 26 Feb 1992. 35.

اراکان کو حق خود ارادیت دیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ چونکہ مفاد اور معاملات مسلمانوں کے تھے اس لیے انگریز کی جمہوریت پسندی اور اکثریت نوازی کے اصول یہاں بالکل کام نہیں آئے۔ وہ اراکان کو برما کے حوالے کر کے چلے گئے جو کہ سراسر ناجائز، غیر قانونی اور صریح ظلم پر مبنی ایک غیر انسانی اقدام تھا۔ تب سے آج تک مسلمانان اراکان برما میں اشتراکی فوجی آمر حکومتوں کی جانب سے اپنے خلاف ڈھائے جانے والے طرح طرح کے مصائب، مشکلات مظالم، قید و بند، قتل و غارت، آتش زنی اور آبروریزی جیسے سلوک اور برتاؤ کا سامنا کرتے آرہے ہیں۔

اراکان میں مسلمانوں پر برمی حکومت کے مظالم کے روہنگیا پر اثرات:

مسلمانوں پر اندرون و بیرون نقل و حرکت پر پابندی ہے یہاں تک کہ وہ بلا اجازت نامہ کے ایک بستی سے دوسری بستی آجا نہیں سکتے۔ بے گناہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے خصوصاً نوجوانوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیلوں میں ڈال کر اکثر کو مار دیا جاتا ہے۔ بلا کسی اجرت اور معاوضہ کے مسلمانوں سے کھودائی، سڑکوں کی تعمیر اور فوجی ساز و سامان کی باربرداری جیسے کاموں کے لیے جبری بیگار لی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو جلاوطن کر کے ان کی زمینوں پر دور دراز سے بودھوں کو لا کر آباد کیا جارہا ہے۔ صدیوں پرانی مساجد مدارس اور اوقاف پر قبضہ، بے حرمتی اور انہدام معمول کی بات ہے۔ مسلمانوں سے نجی املاک چھین لی جاتی ہیں اور انھیں چھوٹا موٹا کاروبار کرنے کے لئے مجبور کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں پر ہر قسم کی سرکاری اور غیر سرکاری نوکریوں کے دروازے بند ہیں۔ مسلمانوں کے بچوں پر سرکاری تعلیمی اداروں کے دروازے بند ہیں انگریز دور میں قائم شدہ مسلم آبادیوں میں تمام تعلیمی ادارے برمی حکومت نے ختم کر دیے۔ اراکان میں مسلمان اپنا اسلامی نام مثلاً عبداللہ، عبدالرحمن وغیرہ نہیں رکھ سکتے۔

"اراکان کے مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لئے کوئی جماعت بنا سکیں نہ ہی اسلامی تنظیمیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اور نہ ہی رفاہی سرگرمیوں کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ کسی بھی عالمی اسلامی ادارے کو یہاں رفاہی خدمات سرانجام دینے کی اجازت نہیں۔"[1]

۱۹۸۲ء میں باقاعدہ قانون سازی کے ذریعہ اراکان کے اصل باشندوں کی شہریت ہی ختم کر دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ۲۵ سے ۳۰ لاکھ انسان اب اس دنیا میں کسی ملک کے شہری ہی نہیں رہے۔

موجودہ صورتحال:

اراکان کے روہنگیا مسلمان سال ۲۰۱۲ء مئی کے آخری ہفتے سے اپنے خلاف برپا ایک بہت بڑی قیامت کا سامنا کرتے رہیں۔ فوج اور پولیس کی معیت میں مسلح مگھ بودھ غنڈے نہتے روہنگیا کا بے دریغ قتل عام کرتے رہیں۔

---

1 http://www.alqalamonline.org/index.php/kalma-e-haq-maulana-mansoor-ahmad/8488-609-kalma-e-haq-barma-kuch-to-kerin (Accessed March 15, 2020)

بیسیوں مسلم بستیاں مکینوں سمیت نظر آتش کی جاچکی ہیں۔ درست اعداد و شمار جانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تاہم بعض غیر جانبدار ذرائع کا اندازہ ہے کہ مقتولین کی تعداد سینکڑوں، مجروحین ہزاروں اور بے گھر لاکھوں میں ہوں گے۔

پڑوسی مسلم ملک بنگلہ دیش نے ان پناہ گزینوں کے خوف سے اپنی سرحدیں بند کر لی ہیں۔ جو کسر تھی وہ رمضان کے مقدس مہینے میں شدید برسات نے پوری کر دی ہے۔

"کھلے آسمان تلے پڑے ہوئے غذا اور دوا سے محروم ان لاکھوں مجبوروں کا اللہ کے سوا کوئی حامی و ناصر نہیں ہے۔"[1]

ماباثا تحریک (Ma Ba Tha) کا معاملہ بھی شناخت کا بحران ہے۔ برمی سماج کی بدھسٹ شناخت کو کھونے کے خطرے کے احساس پر مبنی اس تحریک کو برما میں کسی حد تک عوامی پذیرائی بھی ملی ہے، چنانچہ ۲۰۱۵ء میں اس تحریک کے ایجنڈے اور سٹریٹ پریشر پر پارلیمنٹ میں چار قوانین پاس کیے گئے۔ ان میں آبادی کنٹرول کا قانون، بین المذاہب شادی کی پابندی، نسل اور مذہب کا تحفظ بل، مذہب کی تبدیلی پر پابندی کا بل شامل ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کا خیال ہے کہ ان قوانین کا بھی براہ راست نشانہ مسلم آبادی بنی اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔

اس تحریک کے رہنماؤں کا خیال ہے کہ روہنگیا میں کچھ دہشت گرد ہیں اور باقی ان کے حامی ہیں جن کا مقصد برما کو مسلم ریاست بنانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ اس تحریک کے سیکرٹری کے خیالات ہیں۔

> Sada Ma, 969 Movement's Secretary says:
> "They (the Rohingya) are trying to improve their lives in our country and our lands. So this symbol and campaign is intended to defend ourselves. I fear that some Bengali Muslims are terrorists and have a mission to Islamize our country."[2]

ترجمہ: تحریک ۹۶۹ کے سیکریٹری سدا ما کہتے ہیں:

"وہ (روہنگیا) ہمارے ملک اور ہماری زمینوں میں اپنی زندگی بہتر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ علامت (۹۶۹) اور اس مہم کا مقصد اپنے دفاع کے لئے ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کچھ بنگالی مسلمان دہشت گرد ہیں اور ہمارے ملک کو اسلامائز کرنے کا مشن رکھتے ہیں۔ اس سیاسی مسئلے کو مذہبی بنانے میں برمی حکومت کے لیے کئی فوائد ہیں۔"

اسے مذہبی رنگ دینے سے ایک تو اکثریتی آبادی کے مذہبی جذبات کو اپنے حق میں ابھارا جا سکتا ہے اور یوں کسی بھی بڑے "ہدف" کے لیے رائے عامہ لمحوں میں ہموار ہو جاتی ہے۔

---

[1] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، ۱۲-۱۵

[2] Galache, Carlos Sardina. *"Who Are the Monks behind Burma's '969' Campaign?"* **DVB Multimedia Group.** http://www.dvb.no/news/features-news/the-monks-behind-burma's-"969"movement-2/28079. (Accessed March 18, 2020)

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کسی بھی متبادل بیانیے کو فروغ دینے کی فکر رکھنے والو کو کچھ کرنے سے پہلے ہزار دفعہ سوچنا پڑتا ہے، یوں دوسرے کسی بڑے گروپ کی جانب سے ان کے حقوق کے لیے بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یوں ہوا کا رخ صرف ایک طرف ہی چلتا رہتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کسی بھی واقعے پر مفت میں "ایمانی حمیت" اور "نیک نیت" افرادی قوت دستیاب ہو جاتی ہے جسے کسی پالشی یعنی درباری مذہبی رہنما کے محض ایک نعرے یا فتوے پر "مقدمۃ الجیش" یعنی ہراول دستے کے طور پر غداروں اور وطن دشمنوں کی نسلوں تک کو سبق سکھانے کے لیے لانچ کیا جاسکتا ہے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ مسئلے کے مذہبی ہونے سے فسادات کی ذمہ داری کے معاملے میں پوری بدھسٹ کمیونٹی پر تنقید بڑھ جاتی ہے جس سے حکومتی مشینری پر آنے والا بیرونی و عالمی دباؤ تقسیم ہو کر کم ہو جاتا ہے۔

باقی برما میں بھی ایسے مذہبی پیشواوں کی کمی نہیں جو بوقت ضرورت ایسے واقعات کو "ردعمل" کہہ کر ریاستی قتل عام کی شرمناکی کو کم کر کے اسے مذہبی و سماجی قبولیت اور جواز بخشتے ہیں۔

> There is no desk for Islam or other religious minorities in the Religious Affairs Ministry. Nor is there budget allocation for them but the government contributes 100,000 Kyats (about $100) for the year of 2014.[1]

ترجمہ: وزارت مذہبی امور میں اسلام یا دیگر مذہبی اقلیتوں کے لئے کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔ نہ ہی ان کے لئے بجٹ مختص کیا جاتا ہے۔ لیکن حکومت سال ۲۰۱۴ء میں ۱۰۰،۰۰۰ کیات (تقریباً ۱۰۰$ڈالر) اس کے لئے مختص کی ہے۔ اس سے پہلے کبھی بھی اقلیتوں کے لئے کو رقم مخصوص نہیں کی گئی تھی۔ اور موجودہ رقم بھی آٹے میں نمک کے برابر نہیں ہے۔ اور اگر برمی مذہبی مسلمان رہنما ریاست راکھائن میں روہنگیا برادریوں میں جانا چاہیں تو نہیں جاسکتے ہیں۔ وہ صرف سرکاری تنظیموں میں اپنے دوستوں کی مدد کر سکتے ہیں تاکہ وہ وہاں کے مہاجرین کو انسانی امداد بھیج سکیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی پوری امداد ان تک نہیں پہنچ پاتی۔

> Rohingya businessmen from Yangon and central Myanmar collect things and send them to Rohingya refugees with the permission of Rakhine government yet not all these things reach to the refugee camps.[2]

ترجمہ: ینگون اور وسطی میانمار کے روہنگیا تاجر چیزیں اکٹھا کرتے ہیں اور انہیں راکھائن حکومت کی اجازت سے روہنگیا پناہ گزینوں کو بھیج دیتے ہیں پھر بھی یہ ساری چیزیں مہاجر کیمپوں تک نہیں پہنچ پاتی ہیں۔

---

[1] Interview with the Chairman of the Myanmar Islamic Religious Affairs Council (HQ), by Lily Kadoe (29 Sep 2014)

[2] http://rohingyaulamacouncil.webs.com/ (Accessed March 19, 2020)

برما کی آزادی کے بعد بدھوں نے مکمل سیاسی اختیارات کا مالک ہو کر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس کے چند اسباب یہ ہیں کہ بدھ مت کے پیروکار برما میں مسلمانوں کے غلبہ کے خوف کا شکار ہیں۔ دوسرا یہ کہ برمی بدھسٹ مسلمانوں کی سیاسی طاقت سے بھی ڈرے ہوئے ہیں کہ مسلمان اکھٹے ہو کر اپنے لئے آزاد ریاست کا مطالبہ نہ کرے۔ تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ بدھ اقوام کا اسلام قبول کرنے کے اندیشے سے مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ بدھ بھکشوؤں نے بدھ برادری کے دلوں میں یہ خوف پیدا کیا ہے کہ اکیسویں صدی میں روہنگیا مسلمان پورے برما میں اسلام نافذ کر دیں گے، جس کے لئے وہ مذہب اور قوم کو بچانے کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اور روہنگیا مسلمانوں کو ختم یا ملک بدر کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے لئے وہ تمام حربے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے جس کا عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔

ان سب اسباب کو ختم یا کم کرنے کے لئے ملک کی دیگر اقلیتوں کو بھی اس موقف کی حمایت کرنا چاہیے۔ کہ ان سب میں جغرافیائی اور سیاسی طور پر بہت دوریاں موجود ہیں، ان فاصلوں کو کم کرنا ہو گا۔ حالیہ سالوں میں روہنگیا کا معاملہ جس طرح پوری دنیا میں اٹھایا گیا ہے، اتنا شاید اپنے ملک میں بھی اجاگر نہیں کیا جا سکا۔ بجائے اس کے کہ روہنگیا مسلمان حالات کے بہتر ہونے کا انتظار کریں، انہیں چاہیے کہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ رابطہ استوار کریں تا کہ ان کا معاملہ مزید مضبوط موقف اور حمایت کے ساتھ ابھر سکے۔ جب تک برما کے اندرونی سیاسی معاملات صحیح نہیں ہوں گے، تب تک حالات کا تبدیل ہونا ممکن نہیں۔

فصل سوم

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشرتی مسائل اور اس کے وجوہات واثرات:

ہر انسان کی یہ فطری خواہش ہے کہ سکون و اطمینان کی زندگی گزارے۔ اس کے باوجود ہر دور میں اور ہر مقام پر سماج میں اپنے لئے ناسور موجود ہیں جو انسانوں کی فطری خواہشات کے خلاف سرگرم رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو متشدد افکار و نظریات ہیں تو دوسری وجہ اقتدار کی ہوس ہے۔ لہٰذا وہ کسی نہ کسی بہانے امن وامان غارت کرتے رہتے ہیں۔ سکون و اطمینان انسانوں کو میسر آئے اس کے خلاف سرگرم رہتے ہیں، ساتھ ہی وہ اپنے پسندیدہ عمل کو انجام دینے کیلئے جھوٹ وفریب اور ظلم وزیادتیوں کا سہارا لیتے ہیں۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان دنیا کے دہشت گرد بڑی سرعت کے ساتھ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہی سمجھ آتی ہے کہ مسلمانوں میں مسائل کا اتنا بڑا انبار لگا دیا جائے کہ وہ اسی میں الجھے رہیں اور کچھ سوچنے سمجھنے اور کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ تو دوسری وجہ جو سامنے آتی ہے وہ مسلمانوں کو ہر سطح پر کمزور کرنے کی منظم و منصوبہ بند سازش ہے۔

برمی حکومت نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کے لئے ایسے ایسے قوانین اور ضابطے مقرر کر رکھے ہیں جن کے بارے میں سن کر انسانیت کانپ جاتی ہے اور شرافت کا سر شرم سے جھکنے لگتا ہے۔ برمی مسلمان بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں، یہاں ہزارہا بچے کسمپرسی کے عالم میں مرجھائے ہوئے چہروں کے ساتھ یہاں وہاں پھرتے نظر آتے ہیں۔ ننگے پیر چلتے پھرتے ان کے قدم پھٹ جاتے ہیں، مستقبل کی تاریکی میں جھانکتے جھانکتے ان کی نگاہیں پھٹ جاتی ہیں۔ اور بدھوں کے مظالم کا سامنا کرتے کرتے یہ اپنے ہوش حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ یہاں کی فضاؤں میں ہر وقت مجبور ماؤں بہنوں کی آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ عفت مآب بیٹیاں اپنی عزت وآبرو بچانے کے لئے تگ و دو میں مصروف رہتی ہیں۔

بدھ مت کے بانی وگیانی، مہاتما بدھ کا قول ہے:

> Better than a thousand useless words is one useful word, hearing which one attains peace.[1]

ترجمہ: ہزارہا کھوکھلے الفاظ سے بہتر وہ ایک لفظ ہے جو امن لے آئے۔

صد افسوس کہ برما کے انتہا پسند بدھ بھکشوؤں نے مسلمانوں پہ ظلم و ستم ڈھا کر امن و محبت کی تلقین کرنے والے اپنے گرو کو دنیا بھر میں رسوا کر ڈالا۔ ان کی وحشیانہ کارروائیوں کی وجہ سے روہنگیا مسلمان آج دنیا کا مظلوم ترین

---

[1] https://nanda.online-dhamma.net/tipitaka/sutta/khuddaka/dhammapada/dhp-contrast-reading/dhp-contrast-reading-en-chap08/ (Accessed April 2, 2020)

انسانی گروہ بن چکے۔ برما میں مسلم دشمنی کا عجوبہ سیاسی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی بنیادیں رکھتا ہے۔ اس فصل میں روہنگیا کے معاشرتی مسائل پر بحث کی جائے گی۔

بیرونی دنیا سے رابطہ:

میانمار میں نہتے روہنگیا مسلم آبادی کو درپیش پریشانیوں میں سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ وہ بیرونی دنیا کے ساتھ بات چیت کرنے اور ان کے ساتھ ظلم وستم کے بارے میں بتانے سے وہ قاصر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت کسی کو بھی ان علاقوں میں داخل ہونے سے روکتی ہے اور بہت سے علاقے غیر ملکیوں کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں۔

> The government denied extensive evidence of atrocities, refused to allow independent investigators access to Rakhine State, and punished local journalists for reporting on military abuses.[1]

ترجمہ: حکومت نے مظالم کے وسیع شواہد کی تردید کی ہے، آزاد تفتیش کاروں کو راکھائن ریاست تک رسائی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، اور مقامی صحافیوں کو فوجی زیادتیوں کی اطلاع دینے پر سزا دی۔

میانمار کے مسلمانوں پر جو تکالیف گزر رہی ہیں اس کی تفصیلات اکٹھے کرنا سب سے مشکل کام ہے۔ اگر کوئی اراکان کے دیہاتوں یا کیمپوں میں جائے تو برمی حکام کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان مظلوم روہنگیا سے نہ ملے۔

مساجد و مدارس:

برما میں انتہا پسند بدھوں نے روہنگیا مسلمانوں کے مدرسے بند کرا دیئے۔ انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہیومن رائٹس واچ اور میانمار نامی گروپ نے برمی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مدرسے فوری طور پر کھولے اور مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کا موقع دیں۔ اطلاعات کے مطابق ۱۰۰ سے زائد انتہا پسند بدھوں نے ینگون کے مضافات میں واقع روہنگیا مسلمانوں کے دو مدرسوں پر دھاوا بولا اور دھمکی دی کہ اگر یہ مدرسے بند نہ کئے گئے تو انہیں آگ لگا دی جائے گی۔ جس کے بعد مقامی انتظامیہ نے کسی عدالتی حکم نامے کے بغیر فوری طور پر دونوں مدارس سیل کر دیئے۔ اس معتصبانہ کارروائی کے بعد مقامی مسلمان دونوں مدارس میں واقع مساجد میں نماز کی ادائیگی سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔

ہیومن رائٹس واچ کے مطابق:

"مدرسوں کی بندش سے مزید ثابت ہو گیا ہے کہ برمی حکومت مسلمانوں کو تحفظ نہیں دینا چاہتی۔ ایک مدرسے کے منتظم نے مغربی میڈیا کو بتایا کہ انتہا پسند بودھوں نے مدرسے جبری بند کرائے ہیں۔"[2]

---

[1] https://www.hrw.org/world-report/2019/country-chapters/burma(Accessed April 3, 2020)
[2] http://www.alqalamonline.org/index.php/alqalam-old-articles/news-imp/7855-594-miyanmar-inteha-pasand-bodhon (Accessed April 3, 2020)

ان مساجد ومدارس کو بند کر کے ان کی جگہ تفریحی مقامات اور بدھوں کے لئے پگوڈوں تیار ہو رہے ہیں۔ اس طرح سے وہ مسلمانوں کے دینی تشخص کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

> Mosques were turned into places of entertainment or Buddhist temples. Going on the pilgrimage (hajj), sacrificing animals, group prayer and other such forms of religious observance were all banned.[1]

ترجمہ: مساجد کو تفریحی مقامات یا بدھ پگوڈوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ حج پر جانے، جانوروں کی قربانی، اجتماعی نماز اور اس طرح کی مذہبی رسومات کی دوسری قسموں پر پابندی عائد ہے۔

میانمار میں حکومت نے مسلمانوں کے خلاف ایک مکمل پیمانے پر جنگ کا آغاز کیا ہے، خاص طور پر مساجد، مدارس، مذہبی رہنماؤں اور مذہبی عقائد کو نشانہ بنایا ہے۔ اور روہنگیا مسلمانوں کو ہر طرح سے اپنے مذہبی عقائد و رسومات سے روکنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

سماجی تناؤ:

کسی انسان کے دوسرے لوگوں اور سماجی ماحول سے اس کے عمومی تعلقات کی وجہ سے ابھرنے والا تناؤ ہے۔ انسانی معاشرے میں فکری انتشار اور سماجی تناؤ، رواداری اور بھائی چارے کے فقدان کے باعث بنتا ہے۔ اس کی انسدادی تدبیر اس بات میں ہے کہ جمہوری رویوں اور امن وآشتی کی فضا کو قائم رکھا جائے تاکہ معاشرے میں مزید استحکام اور باہمی اعتماد پیدا ہو سکے۔

۲۲ نومبر ۲۰۱۷ء کو امریکی وزیر خارجہ ٹلرسن نے بیان دیا:

"میں نے امریکہ کی جانب سے ۲۵ اگست کو برما کی سکیورٹی فورسز پر اراکان روہنگیا سالویشن آرمی کے حملوں کی زوردار مذمت کی۔ تاہم کوئی بھی اشتعال انگیزی ایسے ہولناک مظالم کا جواز نہیں بن سکتی جو وہاں رونما ہوئے۔ برمی فوج، سکیورٹی فورسز اور مقامی لوگوں کی جانب سے ایسی کارروائیوں کے نتیجے میں بے پایاں مصائب نے جنم لیا اور لاکھوں مرد، خواتین اور بچے برما میں اپنا گھر بار چھوڑ کر بنگلہ دیش میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ دستیاب حقائق کے محتاط اور مفصل تجزیے سے واضح ہو جاتا ہے کہ شمالی راکھائن ریاست کی صورتحال روہنگیا کی نسلی صفائی کے مترادف ہے۔"[2]

برمی معاشرہ خصوصاً اراکان میں بے تحاشا سماجی تناؤ موجود ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ برمی حکومت، افواج اور وہاں کے بدھ بھکشو ہیں۔ جو اراکان میں روہنگیا مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لئے ہر طریقہ آزمارہے ہیں۔ اور انہوں نے روہنگیا مسلمانوں کی زندگی کو اجیرن کر دیا ہے۔

---

[1] https://www.rohingya.org/myanmar-a-people-facing-buddhist-violence/(Accessed April 4, 2020)

[2]https://translations.state.gov/2017/11/22/برما-کی-ریاست-راخائن-کا-بحران-حل-کرنے-کی/
(Accessed April 2, 2020)

سماجی مسائل:

سماجی مسائل کسی بھی سماج کے تمام افراد یا کثیر افراد کو متاثر کرتے ہیں۔ کسی بھی سماج کا مسئلہ وہاں کے تمام لوگوں کا مشترک مسئلہ ہوتا ہے جس سے سب کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ اور سماج کے بہت سارے افراد اس کو حل کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ کسی ایک فرد کا مسئلہ نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی ایک فرد اس کو حل کر سکتا ہے۔ کیونکہ سماج میں کئی طرح کے لوگ رہتے ہیں اور کئی قسم کے نظریات اور تصورات جنم لیتے ہیں۔ جن سے اختلاف رائے واقع ہوتی ہے۔

اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کو ہر حربے اور ہر طریقے سے تنگ کیا جارہاہے۔ اور ان کو زندگی کے ہر شعبے میں انتہائی مشکل حالات میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جارہاہے۔ روہنگیا مسلمانوں کو بہت سارے سماجی مسائل کا سامنا ہے جن میں چند بڑے سماجی مسائل پر ذیل میں گفتگو کرتے ہیں:

انسانی حقوق کا استحصال:

مسلمان کی زندگی کا مقصد دوسروں کے کام آنا ہے۔ ہماری انفرادی زندگی کی کامیابی کا راز اجتماعی مفادات کے تحفظ میں ہے۔ خلوص ایسے عطر کی مانند ہے جسے جتنا دوسروں پر چھڑکیں اس سے کہیں زیادہ خوشبو ہمیں اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے۔ دُکھی انسانیت کی خدمت کرنا عین عبادت ہے۔ انسانی حقوق کا تحفظ معاشرتی استحکام کے لیے ضروری ہے۔ معاشرے کے کمزور اور پسے ہوئے طبقات، جن میں اقلیتیں، خواتین، بچے اور معذوری کے شکار افراد شامل ہیں کے حوالے سے انسانی حقوق کی صورت حال کو بہتر بنانے اور انہیں انسانی حقوق کے بین الاقوامی چارٹر کے مطابق ڈھالنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن اس کے باوجود مختلف ممالک میں انسانی حقوق کی خلاف وزریاں ہو رہی ہیں مگر اقوام متحدہ ایک خاموش تماشائی بنا یہ ظلم و ستم دیکھ رہاہے۔ اس وقت انسانی حقوق کا بین الاقوامی چارٹر کہاں چلا جاتا ہے جب نہتے روہنگیا مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ لاکھوں روہنگیا مسلمانوں کو شہید کر دیا گیاہے۔ سینکڑوں خواتین کی عصمتوں کو لوٹا جاتا ہے۔ اور لاتعداد معصوم بچوں کو شہید کر دیا جاتا ہے۔

> The Rohingya people have been persecuted and systematically oppressed by the Burmese military and government for years now. Residing in a western state of Myanmar, Rakhine, they have been denied citizenship and their existence as an ethnic group dismissed, their homes have been burnt, women have endured extreme suffering and rape, children have been made orphans.[1]

[1]https://www.amnesty.org.uk/blogs/childrens-human-rights-network-blog/violence-exploitation-sex-trafficking-rohingya-children (Accessed April 5, 2020)

ترجمہ: برمی فوج اور حکومت نے گذشتہ برسوں سے روہنگیا عوام پر ظلم و ستم کا مظاہرہ کیا ہے۔ میانمار کی مغربی ریاست راکھائن میں رہائش پذیر روہنگیا نسلی گروہ کے برخاست ہونے کی حیثیت سے ان کی شہریت اور ان کے وجود سے انکار کر دیا گیا ہے، ان کے گھروں کو جلایا گیا ہے، خواتین نے انتہائی اذیت اور عصمت برداشت کی ہے، بچوں کو یتیم کر دیا گیا ہے۔

ان حقوق میں بنیادی طور پر زندگی کا حق شامل ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ کسی فرد کو تشدد، غلامی، جبری مشقت، حبس بیجا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا یا اس کی نقل و حمل، اظہار اور انجمن سازی جیسی آزادیوں پر قدغن نہیں لگائی جائے گی۔ جبکہ برما کے ریاست اراکان میں یہ تمام ظلم اور ان کے انسانی بنیادی حقوق کی عدم ادائیگی ہو رہی ہے۔ کوئی بھی ایسا حق نہیں ہے جو روہنگیا برادری کو پورا دیا جا رہا ہو، چاہے وہ مذہبی حق ہو، سیاسی حق ہو یا معاشرتی حق ہو۔ بلکہ ان کو ہر لحاظ سے کمزور کیا جا رہا ہے۔ اور ان کے دینی تشخص کو ختم کرنے کے لئے ہر طریقہ آمایا جا رہا ہے۔

اکثریت و اقلیت کے مابین تعلقات:

برما میں بدھ اکثریت کے ساتھ روہنگیا مسلمانوں سمیت کئی دوسرے اقلیتیں رہ رہی ہیں۔ جن میں صرف مسلمان ہی ظلم و ستم کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور بدھ مت اور مسلمانوں کے آپس کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہیں۔ جس میں سب سے بڑی وجہ یہاں کے حکام اور بدھ بھکشو مذہبی رہنما ہیں۔ جو ہمیشہ بدھوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ نفرت انگیز کلام ایسے ابلاغ کو کہتے ہیں جو کسی شخص یا گروہ، کو نسل، رنگ، جنس سمیت قومیت یا مذہب کی بنا پر بدنام کرے۔ اور یہ کام برما کے دہشت گرد چہرے والا آشین وراتھو بہت زور و شور سے کر رہا ہے۔ برما میں وراتھو نے ۹۶۹ کی ملک گیر تحریک اٹھا کر مسلم اقلیت کو بدھ اکثریت کیلئے بڑا خطرہ قرار دینے کی سر توڑ کوششیں کیں۔ اور اپنی تمام تر تقریروں میں وہ کھل مسلم دشمنی بیان کرتا ہے۔ جس کے سبب اس کو ۲۵ سال قید ہوئی تھی۔

> In 2003, the military government arrested Wirathu on charges of inciting religious hatred, and sentenced him to 25 years in prison.[1]

ترجمہ: ۲۰۰۳ء میں، فوجی حکومت نے وراتھو کو مذہبی منافرت بھڑکانے کے الزام میں گرفتار کیا، اور اسے ۲۵ سال قید کی سزا سنائی۔

اس کی گرفتاری اس لئے ہوئی کہ فوجی حکومت ملک امن امان لائے۔ لیکن جب فوجی حکومت ختم ہوئی تو ۹ سال بعد وراتھو کو رہائی ملی۔ تب سے وراتھو نے اہم اتحادی بنائے ہیں، جن میں فوج کے کچھ ممبران بھی شامل ہیں جو ویراتھو کی حمایت کرتے ہیں اور ۹۶۹ میں بدھ قوم پرستی کو فروغ دیتے ہیں۔ برما میں راہبوں نے بودھوں کو مسلمانوں

---

[1] Marella Oppenheim, *"It only takes one terrorist': the Buddhist monk who reviles Myanmar's Muslims,"* **The Guardian**, May 12, 2017 https://www.theguardian.com/global-development/2017/may/12/only-takes-one-terrorist-buddhist-monk-revilesmyanmar-muslims-rohingya-refugees-ashin-wirathu. (Accessed April 6, 2020)

کے ساتھ قطع تعلقات کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے خطابات میں زہر افشانی کر کے پورے برما میں بدھ مسلم فسادات برپا کرنے کیلئے ہمہ تن کوشاں ہیں۔ آشین وراتھو کہتا ہے:

> I am proud, when they call me a radical Buddhist. If we are weak, our country will be Muslim.We must take care of our religion and our race. That is more important than Democracy.[1]

ترجمہ: مجھے فخر ہے، جب وہ مجھے ایک بنیاد پرست بدھسٹ کہتے ہیں۔ اگر ہم کمزور ہوئے تو ہمارا ملک مسلمان بن جائے گا۔ ہمیں اپنے مذہب اور اپنی نسل کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ جمہوریت سے زیادہ اہم ہے۔

وراتھو کا ذکر اجولائی ۲۰۱۳ء کو ٹائم میگزین کی کور اسٹوری پر "بدھ دہشت گردی کا چہرہ" کے نام سے ہوا ہے۔

> Ashin Wirathu has compared Muslims to “mad dogs,” labeled the Rohingya “the enemy”.[2]

ترجمہ: آشین وراتھو نے روہنگیا کو "دشمن"، کا لیبل لگاتے ہوئے، مسلمانوں کو "پاگل کتوں" سے تشبیہ دی ہے۔

آشین کے منظر عام پر آنے سے پہلے بھی روہنگیا مسلمانوں پر مظالم ہوتے تھے لیکن اس کے مذہبی خطبات اور شدت پسند تحریک نے روہنگیا مسلمانوں کے لئے برما کو بے حد خطرناک جگہ بنادیا ہے۔ جہاں وہ سرکاری تعلیم تو دور کی بات ہے وہ دینی تعلیم بھی بہت پابندیوں اور مشکلات میں حاصل کرتے ہیں۔

تعلیم:

روہنگیا برادری کا ایک نہایت اہم مسئلہ جدید علوم سے ناواقفیت ہے۔ جدید ترین علوم اور ٹیکنالوجی کے حصول کے بغیر کسی بھی معاشرے کے ترقی یافتہ ہونے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آج دنیا کی قیادت ان ممالک کے ہاتھ میں ہے جو جدید علوم وفنون پر دسترس رکھتے ہیں۔ اراکانی مسلمان نوجوانوں کو تعلیم اور درسگاہوں سے جبراً دور رکھا جاتا ہے اور جس نوجوان کے بارے میں پتہ چل جائے کہ وہ باہر کے کسی ادارے میں پڑھ کر آیا ہے۔ تو اسے قید وبند میں ڈال دیا جاتا ہے یا پھر اسے ابدی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ شہریت کے بغیر روہنگیا سرکاری اسکولوں میں ثانوی تعلیم تک رسائی نہیں رکھتے ہیں۔ راکھائن ریاست کے وہ مسلم طلبا جنہوں نے ہائی اسکول مکمل کیا، انہیں کالج یا یونیورسٹی میں جانے کے لئے ریاست سے باہر سفر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ برمی حکام یونیورسٹی کے ان مسلم طلباء کو گریجویشن کرنے سے منع کرتے ہیں جن کے پاس شہریت نہیں ہیں۔ ان طلباء کو کلاسوں میں جانے اور امتحانات میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔

---

[1] Society for Threatened Peoples, The Rohingya People in Burma, Published Society for Threatened Peoples, March 2014,P:14 http://cgsdu.org/wp-content/uploads/2019/03/Rohingy-Memorandum_ENGLISH.pdf (Accessed April 7, 2020)

[2] Thomas Fuller, “Extremism Rises Among Myanmar Buddhists,” New York Times, June 20, 2013. http://www.nytimes.com/2013/06/21/world/asia/extremism-rises-among-myanmar-buddhists-wary-of-muslim-minority.html. (Accessed April 7, 2020)

While according to the 2015-16 Demographic and Health Survey Rakhine State has the lowest participation in early childhood education programs in the country.[1]

جبکہ ۲۰۱۵-۱۶ کے مطابق ڈیموگرافک اینڈ ہیلتھ سروے کے مطابق راکھائن ریاست میں ابتدائی بچپن کے تعلیمی پروگراموں میں ملک میں سب سے کم حصہ لیتے ہیں۔

روہنگیا مسلمان اور راکھائی بدھ بچے ۲۰۱۲ء کے فسادات سے پہلے ایک ہی سکول میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لیکن اس کے بعد حکومتی احکامات کی وجہ سے ان کو الگ الگ سکولوں میں داخل کیا گیا۔ کیونکہ ان کو خدشہ تھا کہ اس سے تنازعات میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

Only informal education is available through temporary learning centres and religious schools or 'maktabs' which offer Arabic language and Quranic education.[2]

ترجمہ: صرف غیر رسمی تعلیم عارضی سیکھنے کے مراکز اور دینی مدارس یا 'مکتب' کے ذریعہ تعلیم موجود ہے جو عربی زبان اور قرآنی تعلیم پیش کرتے ہیں۔

روہنگیا برادری کے بچے صرف دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جس پر نہ تو کوئی خرچہ آتا ہے اور نہ کوئی فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔

روہنگیا کو نہ تو سرکاری تعلیم کی سہولت مل سکتی ہے نہ ہی سرکاری نوکری اور نہ ہی عام شہری کی طرح آزادانہ گھوم پھر سکتے ہیں۔[3]

Among Rohingya refugees who arrived in Bangladesh in 2017, 76% of those above 15 years of age had received no education. [4]

ترجمہ: ۲۰۱۷ء میں بنگلہ دیش پہنچنے والے روہنگیا پناہ گزینوں میں ۱۵ سال سے زیادہ عمر والوں میں سے ۷۶٪ بچوں نے تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔

روہنگیا برادری پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اس کی وجہ سے روہنگیا مسلمان نہ تو اعلیٰ سرکاری تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کو کوئی سرکاری نوکری مل سکتی ہے۔ ان میں اگر کوئی باہر سے بھی پڑھ کر آئے تو ان کے لئے بھی سو طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے روہنگیا برادری میں بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے۔

---

[1] Ministry of Health and Sports, Myanmar Demographic and Health Survey 2015-16, March 2017, 286. https://dhsprogram.com/pubs/pdf/FR324/FR324.pdf (Accessed April 8, 2020)

[2] https://www.aljazeera.com/indepth/features/formal-schools-jobs-young-rohingya-left-lurch-180413124136851.html (Accessed April 8, 2020)

[3] عزمی، محمد فاروق، مسلمانوں کی قتل گاہ، ص:۷۶

[4] Bhatia, A., Mahmud, A., Fuller, A., Shin, R., Morshed, K.., Rahman, M.,,Shatil, T., Sultana, M., Balsari, S., Leaning, J. , A rapid needs assessment among the Rohingya and host communities in Cox's Bazar, Bangladesh: a randomized survey. 2018: https://osf.io/nbr3f/ (Accessed April 8, 2020)

سرکاری نوکریاں:

اوّل تو کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمان سرکاری نوکریاں کم سے کم حاصل کر سکیں اور جو لوگ یہ نوکریاں حاصل کرلیں ان پر طرح طرح کی پابندیاں لگا دی جاتی ہیں۔ سرکاری ملازمت کرنے والے مسلمانوں کو داڑھی رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ انہیں اسلامی شکل و صورت اختیار کرنے کی بھی اجازت نہیں اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اس کی سزا میں انہیں ملازمت سے برخاست کیا جاسکتا ہے۔

بے روزگاری:

انٹرنیشنل لیبر آرگنائیزیشن کے مطابق، بے روزگاری انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جب اسے روزگار میسر نہ ہو اور وہ گزشتہ چار ہفتوں کے اندر فعال طور پر کام تلاش کر چکا ہو۔

نقل مکانی پر پابندی اور الگ تھلگ کی پالیسیاں روہنگیا اور دوسرے مسلمانوں کو صحت کی دیکھ بھال، تعلیم اور روزگار کے مواقع تک رسائی سے ممکن نہیں ہے۔ حکام کے ہاتھوں سے امتیازی سلوک سے مسلمانوں کو ان کے حقوق نہیں ملتے ہیں۔ روہنگیا برادری کی آمدنی کے اہم وسائل ماہی گیری اور زراعت ہے۔

> Rakhine has the highest unemployment rate (15-64 years) in Myanmar, accounting for 10.4% of the state population.[1]

ترجمہ: میانمار کے راکھائن ریاست میں سب سے زیادہ بے روزگاری کی شرح (۱۵-۶۴ سال) ہے، جو ملک کی آبادی کا ۴.۱۰ فیصد ہے۔

برما کے راکھائن ریاست میں مزدوری کی شرح پورے ملک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

> Around 58.8% of the population aged 15 years and older is economically active as compare to 67% at the national level.[2]

ترجمہ: ۱۵ برس اور اس سے زیادہ عمر کی آبادی کا تقریباً ۵۸.۸٪ معاشی طور پر متحرک ہے جو کہ قومی سطح پر ۶۷ فیصد ہے۔

روہنگیا برادری کے چھوٹے کاروباری حضرات کو بھی بڑے بڑے ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ معاشی طور پر بہت کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر افراد کاروبار میں نقصان کی وجہ سے بے روزگار ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں سے نجی املاک چھین کر انہیں چھوٹا موٹا کاروبار بھی نہیں کرنے دیا جارہا۔[3]

[1] The Republic of the Union of Myanmar. Department of Population, Ministry of Immigration and Population. "Rakhine State: Census Report Volume 3-K." (dop.gov.mm. May 2015), 2.
[2] Ibid, 29.

[3] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، ۱۴

ان مزدوروں میں زیادہ تر وہ لوگ بھی شامل ہیں جن سے برمی حکام جبری مزدوری لے رہے ہیں۔ جن میں زیادہ تر کھڈے کودنا، سڑکوں کی مرمت کرنا اور برمی حکومت کے تعمیراتی کاموں میں حصہ لینا اور فوجی ساز و سامان کی بار برداری کرنا شامل ہے۔ اور ان اکثر کو کوئی اجرت بھی نہیں ملتی یا جو اجرت ملتی ہے وہ بروقت اور پوری نہیں ملتی جس کی وجہ سے روہنگیا برادری کو معاشی بدحالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ نابالغ بچوں کو بھی محنت مزدوری پر لگانے میں مجبور ہو جاتے ہیں۔

بچوں پر جبری مزدوری:

دنیا بھر میں معصوم بچے جن کے ہاتھوں میں عمر کے حساب سے اسکول کا بیگ ہونا چاہیے تھا، جدید دور میں کئی مقامات پر عمارات کی تعمیر میں اینٹ اٹھا کر لے جا رہے ہیں، کوئی پنکچر کی دکان میں کام کر رہا ہے، کوئی ہوٹلوں میں جھوٹے برتن دھوتے ہوئے کئی معصوم ہر علاقے میں نظر آتے ہیں۔ اس کے پیچھے غربت اور خاندان کی معاشی بدحالی، خاندان سے دوری اور وقتیہ طور یہ ایک خواہش کے ساتھ محنت شاقہ ہوتی ہے کہ جب شام کو یہ بچے گھر یا اپنے ٹھکانے جائیں تو اپنی ماں کو اپنی کمائی حوالہ کرے اور ماں کا سہارا بنے یا پھر اپنی ہی روز مرہ کی ضرورتوں کی کفالت کرے۔

بلا کسی اجرت اور معاوضہ کے مسلمانوں سے خندقوں کی کھودائی، سڑکوں کی مرمت اور فوجی ساز و سامان کی بار برداری جیسے کاموں کے لیے جبری بیگار لی جاتی ہے۔[1]

اراکان ریاست میں میانمار کے سیکیورٹی فورسز شہریوں کو جبری مشقت کی ادائیگی کے لئے لے کے جاتے ہیں۔ روہنگیا مسلمانوں کی ہجرت کی بنیادی وجوہات میں سے ایک وجہ جبری مشقت اور مزدوری ہے۔ جبری مشقت، خواہ تنخواہ دی جائے یا اجرت نہ ہو، جبری یا لازمی مزدوری سے متعلق بین الاقوامی لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کے کنونشن کی خلاف ورزی ہے، جس پر میانمار حکومت نے ۱۹۵۵ء میں دستخط کیا تھا۔

جسم فروشی:

بنگلہ دیش میں مجبور روہنگیا مہاجرین کے کیمپوں میں جسم فروشی کا کاروبار بظاہر خفیہ اور رازداری میں کیا جا رہا ہے۔ لیکن روہنگیا خواتین کی طرف سے یہ انتہائی قدم اٹھانے کی وجہ معاشی مسائل، لاچاری اور تنہائی ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ ان کیمپوں میں جسم فروشی کے حوالے سے کوئی معلومات یا حتمی اعداد و شمار فراہم نہیں کیے جا سکے۔ اس تناظر میں کوئی ڈیٹا اب تک جمع نہیں کیا گیا کہ کس کیمپ میں کتنی تعداد میں سیکس ورکرز موجود ہیں۔

---

[1] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، ۱۴

روہنگیا خواتین معاشرتی جبر کی وجہ سے جسم فروشی پر مجبور ہوئی ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ خفیہ اور ڈھکے چھپے انداز میں یہ کام کرتی ہیں۔ کیونکہ کیمپوں میں افواہیں فوری طور پر پھیل جاتی ہیں۔ ان کیمپوں میں جسم فروشی کے کاروبار میں شامل عورتیں ٹین ایجر سے لیکر تیس برس سے زائد عمر کی ہیں۔ ہر ایک اپنی علیحدہ کہانی سناتی ہے اور سبھی دکھ بھری داستانیں بیان کرتی ہیں۔ جو نتیجتاً معاشی مسائل اور غربت کے گرد گھومتی ہیں۔ جبکہ دوسری جانب میانمار میں ریاستی مظالم سے بچنے کے لئے نقل مکانی کرنے والے روہنگیا خاندانوں میں خواتین کی بڑی تعداد کو میانمار کی فوج نے جنسی تشدد کا نشانہ بنایا۔

The rape and torture inflicted on Muslim women in Myanmar still appear in human rights reports every year.[1]

ترجمہ: میانمار میں مسلم خواتین پر عصمت دری اور تشدد کا نشانہ اب بھی ہر سال انسانی حقوق کی رپورٹوں میں آتا ہے۔

مسلم خواتین کی عصمت دری کا سلسلہ بہت پہلے سے چلا آرہا ہے جو ہنوز چل رہا ہے۔ کبھی یہ زور زبردستی کیا جاتا ہے کہ دفاعی افواج گھروں میں داخل ہو کر ان کی عزتیں لوٹ لیتے ہیں۔ اور کبھی ان کو کسی بہانے سے لے جایا جاتا ہے۔ جس کو حکام پیشہ وارانہ تربیت کا نام دے کر دھوکے سے لے جاتے ہیں۔

Muslim women were taken to camps, under the pretext of being given "professional training," and were then raped. Those who became pregnant were forced to marry members of the Buddhist security force.[2]

ترجمہ: مسلمان خواتین کو "پیشہ ورانہ تربیت" دیئے جانے کے بہانے، کیمپوں میں لے جایا گیا اور پھر ان کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ حاملہ ہونے والیوں کو بدھ کی سیکیورٹی فورس کے ممبروں سے شادی کرنے پر مجبور کیا گیا۔

اور اس طرح بہانوں سے کئی بار دفاعی افواج روہنگیا برادری کی خواتین کو لے کر گئے ہیں۔ جس کی تصدیق بین الاقوامی رپورٹوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

"اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ میانمار کی فوج جنسی تشدد کو نسل کشی کے ہتھیار کے طور پر استعمال کررہی ہے، معاملہ انٹرنیشنل کرمنل کورٹ میں اٹھایا جائے گا۔"[3]

یہ ظالمانہ اقدام بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔ اور یہ تمام مظالم روہنگیا کو تنگ کرنے اور ملک بدری کے لئے کئے جاتے ہیں۔ تاکہ روہنگیا مسلمان ان تمام مظالم سے تنگ آکر برما کو چھوڑ کر دوسرے ممالک میں ہجرت کر کے چلیں جائیں۔

---

[1] https://www.rohingya.org/myanmar-a-people-facing-buddhist-violence/(Accessed April 16, 2020)
[2]Ibid.
[3] https://rava.pk/ur/2017/11/15/92153-2/ (Accessed April 16, 2020)

بھتہ خوری اور من مانی ٹیکس:

شمالی راکھائن ریاست میں روہنگیا برادری پر برمی حکام کی طرف سے بھتہ خوری اور من مانی ٹیکس عائد کیے جاتے ہیں۔ یہ لکڑی اور بانس جمع کرنے پر ٹیکس سے لے کر خاندانی فہرستوں میں اموات اور پیدائشوں کی رجسٹریشن کے لئے فیس، مویشیوں اور پھل دار درختوں پر، اور یہاں تک کہ فٹ بال کے میچوں میں بھی مختلف من مانی ٹیکس لئے جاتے ہیں۔ ٹیکس کی قسم اور ان لوگوں کو جو رقوم ادا کرنا پڑتی ہیں ان کا اطلاق من مانی انداز میں ہوتا ہے، اور مقامی حکام پر انحصار کرتے ہوئے، ہر جگہ مختلف ہوتی ہیں۔ جس میں ٹیکس لگانے کی وہ شکل جو چاول کے دھان کے کاشتکاروں کے لئے سب سے زیادہ بوجھ رہا ہے۔

ریاست راکھائن میں حکومت کی طرف سے "چاول ٹیکس" تھا۔ اس نظام کے تحت کاشتکاروں کو اپنی فصل کا کچھ حصہ مقررہ قیمتوں پر ریاست میانمار زرعی مصنوعات تجارت(Myanmar Agricultural Products Trade)(ایم اے پی ٹی) کو فروخت کرنا پڑتا تھا۔ یہ قیمتیں مارکیٹ کی قیمت سے بہت زیادہ نیچے ہوتی ہیں، جو مارکیٹ کی قیمت سے ½ سے 1/8 تک ہوتی تھیں۔ میانمار میں چاول ٹیکس چاول کی کٹائی کی اصل پیداوار کی بجائے کسان کے کاشت کردہ رقبے کے لحاظ سے ادا کرنا پڑتی تھی۔ اگرچہ کبھی فصل اچھی ہوتی اور کبھی خراب موسمی صورت حال کی وجہ سے فصل اچھی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔

> Under a new policy of the Myanmar government, the rice tax was abolished in April 2003.[1]

ترجمہ: میانمار حکومت کی ایک نئی پالیسی کے تحت اپریل ۲۰۰۳ء میں چاولوں کے ٹیکس کو ختم کر دیا گیا تھا۔

برمی حکومت نے چاول ٹیکس ختم کرنے کے ساتھ دوسرے نئے ٹیکس لاگو کئے جو سابقہ ٹیکسوں سے زیادہ تھے۔ اور جن کو ادا کرنے میں روہنگیا برادری کے مشکلات میں مزید اضافہ ہوا۔ اس حوالے سے چند انٹرویوز پیش کی جاتی ہیں۔

جنوبی منگڈاؤ کے ایک ۵۵ سالہ روہنگیا شخص نے اپنے گاؤں میں ٹیکس وصول کرنے کے بارے میں بتایا۔

> Almost every month I have to pay such kind of taxes ranging from 500 to 1,000 kyat. Before the rice tax was abolished, the monthly amount only varied between 100 and 200 kyat, and afterwards it increased to 500 to 2,000 kyat.[2]

ترجمہ: چاول ٹیکس کے خاتمے سے پہلے مجھے ہر مہینے تقریباً ۵۰۰ سے لے کر ایک ہزار کیات تک کے ٹیکس ادا کرنا پڑتے تھے۔ جو ماہانہ رقم میں صرف ۱۰۰ اور ۲۰۰ کیات کے درمیان فرق ہوتا تھا، اور اس کے بعد یہ ۵۰۰ سے دو ہزار کیات تک بڑھ گیا ہے۔

---

[1] New Light of Myanmar, *the SPDC official newspaper*, 24 April 2003.
[2] Amnesty International(May 2004), 28.

اس سے صاف ظاہر ہے کہ چاول کا ٹیکس ختم کر کے اضافی ٹیکس لگا کر روہنگیا پر معاشی بوجھ مزید بڑھ گیا۔ اور ان کا معاشی استحصال میں اضافہ ہوا۔

> This year [2003], the rice tax has been abolished. But, last November, Chairman demanded money from us instead even those who have no paddy fields and only a yard around the house also had to pay 10,000 kyat. I am landless now but I still had to pay 8,000. These taxes were collected only from the Muslims, not from the 24 [Rakhine] villages around our village.[1]

ترجمہ: اس سال (۲۰۰۳ء) چاولوں کا ٹیکس ختم کر دیا گیا ہے۔ لیکن گذشتہ نومبر میں چیئرمین نے ہم سے رقم کا مطالبہ کیا یہاں تک کہ جن کے پاس دھان کا کھیت نہیں ہے اور صرف ایک صحن ہے جو گھر کے آس پاس ہے۔ میں اب بے زمین ہوں لیکن مجھے ابھی بھی ۸۰۰۰ کیات ادا کرنا پڑے۔ یہ ٹیکس ہمارے گاؤں (راکھائن ریاست میں) کے آس پاس کے ۲۴ گاؤں سے نہیں لئے گئے، بلکہ یہ ٹیکس صرف مسلمانوں سے جمع کیے گئے تھے۔

یہاں پر بھی صرف روہنگیا مسلمانوں کو ٹیکس ادا کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور باقی تمام افراد ان ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ راتھیڈانگ سے تعلق رکھنے والے ۴۵ سالہ روہنگیا شخص نے موت کے اندراج کے ٹیکس کے بارے میں بتایا:

> My mother died during the last Ramadan. When I went to the Immigration officer of the NaSaKa to register her death, they charged me 1,500 kyat.[2]

ترجمہ: گذشتہ رمضان میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ جب میں ناسا کا امیگریشن آفیسر کے پاس اس کی موت کا اندراج کروانے گیا تو انہوں نے مجھ سے ۱۵۰۰ کیات فیس وصول کی۔

روہنگیا مسلمانوں پر پیدائش اور موت کا اندراج کروانے پر ظالمانہ ٹیکس لاگو کر دیئے ہیں۔

وسطی منگڈاؤ کے ایک ۲۷ سالہ روہنگیا شخص نے اپنے خاندان کے بچوں کے اندراج کے ٹیکس کے بارے میں بتایا:

> I have three children. I registered their names in my family list and each time I had to pay 6,000 kyat.[3]

ترجمہ: میرے تین بچے ہیں۔ میں نے ان کے نام اپنی خاندانی فہرست میں درج کروائے اور ہر بار مجھے ۶۰۰۰ کیات دینے پڑے۔

ریاستیں صرف اس حد تک اور اس انداز میں ٹیکس عائد کر سکتی ہیں جس کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ بنیادی انسانی حقوق ایمنسٹی انٹرنیشنل کو خدشہ ہے کہ روہنگیا آبادی پر ٹیکس عائد کرنا، مناسب معیار زندگی کے حق کی خلاف

---

[1] Amnesty International(May 2004),29.
[2] Ibid.
[3] Ibid.

ورزی کرتے ہوئے ٹیکس لگانا، بسا اوقات ضرورت سے زیادہ لوگوں کو بدحالی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور یہ ظالمانہ ٹیکس ان کی معاشی استحصال کرنے کے مترادف ہے۔

شادی کے مسائل:

مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے بھی برمی حکام انتہائی خوفناک اقدامات کر رہی ہیں۔ ایک قانون کے تحت کوئی مسلمان دوشیزہ ۲۵ سال سے کم عمر میں اور کوئی نوجوان مرد ۳۰ سال سے کم عمر میں شادی نہیں کر سکتا۔ اور پھر اس شادی کے لئے بھی انہیں حکام سے ایک تحریری اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا ہے، جو بغیر بھاری رشوت ادا کیے نہیں مل سکتا۔ رشوت کی یہ رقم اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ہر شخص یہ ادا نہیں کر پاتا۔

> In general, most Rohingya couples must pay a substantial amount of money to the NaSaKa, varying from 50,000 to 300,000 kyat.[1]

ترجمہ: عام طور پر زیادہ تر روہنگیا جوڑے ناساکا کو کافی رقم ادا کرنا پڑتی ہے، جو ۵۰،۰۰۰ سے ۳۰۰،۰۰۰ کیات مشتمل ہوتی ہیں۔

عام طور پر دلہا اور دلہن کو دونوں کو اتنی ہی رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ ادائیگی کے بعد بھی اجازت نامہ آسانی سے نہیں ملتا ہے۔ اس پابندی سے خاص طور پر غریب افراد متاثر ہوتے ہیں، جو اتنی بڑی رقم ادا کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کو معتبر اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ اس پابندی کی وجہ سے کچھ دیہات میں پچھلے سال کے دوران کسی کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

سیاسی آزادی:

اراکانی مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے لئے کوئی جماعت یا اسلامی تنظیمیں بنا سکیں اور نہ ہی رفاہی سرگرمیوں کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ کسی بھی عالمی اسلامی ادارے کو یہاں رفاہی و بہبودی خدمات سرانجام دینے کی بھی اجازت نہیں۔ ۱۹۶۲ء سے پہلے جو روہنگیا کی تنظیمیں برما میں موجود تھیں ان کو بھی جنرل نیون نے یکسر ختم کر دیا تھا۔ تب سے روہنگیا کی کوئی بھی سیاسی تنظیم یا جماعت نہ بن سکی۔

آزادئ رائے:

بہت معیوب بات ہے کہ تہذیب نو کے اس دور میں جب آزادی رائے کا احترام ایک عوامی مسلک بن چکا ہے، برما کے مسلمان اپنی آزادی رائے کے حق کو استعمال نہیں کرسکتے، کیونکہ ظالم بدھ مت حکمران مسلمانوں کو آزادی رائے دینے کے لئے تیار نہیں۔ اگر روہنگیا برادری کے کسی قسم کی کوئی بھی ظلم وزیادتی ہوتی ہے تو وہ شکایت کے لئے عدالت سے رجوع نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی عدالت پہنچ جائے تو عدالت میں ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔

---

[1] Noah Berlatsky , *Burma Genocide & Prescution*, (USA: gale and green heaven press, 2015), 36.

میانمار میں نامہ نگاروں کو قانونی اور عدالتی ہراساں کرنے کے بارے میں اقوام متحدہ کی ستمبر ۲۰۱۸ء کی ایک رپورٹ میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ:

Impossible for journalists to do their job without fear or favor.[1]

ترجمہ: صحافیوں کے لئے بغیر کسی خوف اور حمایت کے اپنا کام کرنا ممکن ہے۔

برمی حکومت نے ۲۰۱۸ء میں عوام کو حکومت یا فوج کے خلاف پُرامن اظہار میں تنقیدی الفاظ استعمال کرنے والوں کو گرفتار کرنے اور قید کرنے میں اضافہ کر دیا ہے۔ کوئی بھی شخص حکومت یا فوج کے خلاف تنقیدی یا مبہم الفاظ استعمال نہیں کر سکتا۔ جس پر قید یا جرمانہ عائد ہو سکتا ہے۔

نقل و حرکت:

مسلمان اگر دارالحکومت رنگون یا کسی بھی دوسرے شہر کا سفر کرنا چاہے تو یہ حکومت کی نظر میں بدترین جرم سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے لئے یہ بھی ممنوع ہے کہ وہ ایک بستی سے دوسری بستی میں بغیر سرکاری اجازت نامہ کے داخل ہوں۔ اگر ایک مسلمان کسی مہمان کو اپنے گھر میں ٹھہرانا چاہتا ہے، اگرچہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار یا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو، تو اسے اس کے لئے سرکاری اجازت نامہ پہلے حاصل کرنا ہو گا اور کسی مسلمان کا دوسرے کے گھر میں رات کو ٹھہرنا تو قطعاً ممنوع ہے، سرکار کی نظر میں یہ جرم اتنا بھاری ہے کہ اس کی سزا میں میزبان کا گھر گرایا جا سکتا ہے یا اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے اور یا پھر اسے خاندان سمیت ملک بدر کیا جا سکتا ہے۔

In response to the 2012 violence, the Burmese authorities have required Rohingyas residing in Rakhine state to obtain official travel permits to travel between townships and outside the Rakhine state.[2]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء کے تشدد کے نتیجے میں، برمی حکام نے ریاست راکھائن میں مقیم روہنگیاؤں کو بستیوں اور راکھائن ریاست سے باہر اور شہر میں سفر کرنے کے لئے سرکاری سفری اجازت نامہ حاصل کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔

سفری اجازت نامہ حاصل کرنے کے لئے روہنگیا کو کم از کم ایک ہفتہ پہلے فارم ۴ نامی ایک فارم جمع کرنا پڑتا ہے، جس میں پاسپورٹ سائز کی تصاویر کے ساتھ، اپنے گاؤں کے حکام کی سفارش کا خط، گھریلو فہرست کی ایک کاپی، پڑوسیوں کی سفارش کے دو خطوط اور فیس ادا کرنے کے لئے رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ اگر وہ سفری اجازت نامہ حاصل کرتے ہیں تو اپنی مطلوبہ منزل کی بستی پہنچنے پر روہنگیا کو مقامی امیگریشن آفس میں اندراج کروانا ہوتا ہے۔ اور انہیں اپنی روانگی سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اگست ۲۰۱۷ء کے ارسا کے سرحدی چوکیوں پر حملے کے بعد سفری اجازت ناموں میں بہت کمی آئی ہے۔ فوج کے مسلح دستے ہر وقت مسلمانوں کی بستیوں کا گشت کرتے رہتے ہیں۔ ان کی نقل و حرکت

---

[1] https://www.hrw.org/world-report/2019/country-chapters/burma (Accessed April 12, 2020)

[2] Amnesty International, *Caged without a Roof Apartheid in Myanmar's Rakhine State,* (London: London edition, 2017), 12.

پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ اور قانون کی ذرا سی خلاف ورزی پر انتہائی عبرتناک سزائیں دیتے ہیں۔ یہاں کے مسلمان ہر وقت ظالم برمی فوج کے محاصرے میں رہتے ہیں اور اس کے رحم و کرم پر جیتے ہیں۔

شہریت[1]:

برما کی آزادی کے بعد روہنگیا کو شہریت کا حق دینے سے انکار کر دیا تھا، جس کی وجہ سے مسلمانوں نے مسلح تحریک آزادی شروع کر دی، اس تحریک کے نتیجے میں مے یو فرنٹیئر ایڈمنسٹریشن تشکیل پائی اور ۴ جولائی ۱۹۶۱ء کو مجاہدین کی طرف سے ہتھیار ڈالنے کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کی طرف سے جنرل آؤن جی نے کہا:

"آپس میں رشتہ دار ہونے کے باوجود سرحد کے اس پار رہنے والے پاکستانی ہیں اور سرحد کے اس طرف رہنے والے برمی" اسی لئے آج میں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ مے یو فرنٹیئر کے باشندوں کو جمہوریہ برما کی دیگر اقلیتوں کی طرح ایک مستقل اقلیت سمجھتے ہیں۔"[2]

روہنگیا مسلمانوں کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ برمی حکومت ان کو اپنے ملکی باشندے نہیں سمجھتی۔ یہ مسئلہ اس وقت زیادہ گہرا ہو گیا ہے جب آئین میں ان کو شہریت کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ چنانچہ حکومت ان کو شہریت دینے سے انکاری ہے۔ اور اس کی بجائے ان کو بنگالی مہاجر کہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ شہریت سے محرومی کا مطلب یہ ہے کہ روہنگیا کو مکمل شہری تسلیم نہیں کیا جاتا۔ علاوہ ازیں اس کے نتیجے میں یہ جائیداد اور ووٹ کے حق سے بھی محروم ہوں گے۔ حکومت ان سے کہتی ہے کہ وہ روہنگیا کے متبادل کے طور پر اپنے آپ کو چٹاگانگ کے بنگالیوں کے طور پر متعارف کرائیں۔

> Under the 1982 Citizenship Act, the Myanmar government effectively rendered the Rohingyas stateless.[3]

ترجمہ: ۱۹۸۲ء میں شہریت ایکٹ کے تحت میانمار کی حکومت نے مؤثر طریقے سے روہنگیاؤں کو بے ریاست کر دیا۔

سیکڑوں کی تعداد میں مسلمان کیمپوں میں شب و روز بسر کر رہے ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ حالات کیسے بھی ہوں انھیں ان کی شناخت مل جائے۔

> In actual fact, although there are (135) national races living in Myanmar today, the so-called rohingya people are not one of them. Historically, there has never been a 'Rohingya' race in Myanmar. The very name Rohingya is a creation of a group of insurgents in the Rakhine State. Since the First Anglo-Myanmar War in 1824, people of

---

[1]The 1982 Burma Citizenship Law can be accessed at: http://www.refworld.org/docid/3ae6b4f71b.html (Accessed April 12, 2020)

[2]آؤن، کرنل، مے یو کا مستقبل، ۶

[3] Ullah AKM Ahsan. Irregular migrants, Human rights and Securitization in Malaysia: A policy analysis, In Globalization and Social Transformation in the Asia Pacific: *The Australian and Malaysian Experience"* (Claudia Tazreiter, ed, London: Palgrave McMillan, 2013)، 270-295.

Muslim Faith from the adjacent country illegally entered Myanmar particularly Rakhine State. Being illegal immigrants they do not hold immigration papers like other nationals of the country.”[1]

ترجمہ: دراصل حقیقت میں اگرچہ آج میانمار میں (۱۳۵) قومی گروہ مقیم ہیں ان میں نام نہاد روہنگیا شامل نہیں۔ تاریخی طور پر میانمار میں کبھی بھی روہنگیا گروہ نہیں تھا۔ روہنگیا نام ریاست راکھائن میں باغیوں کے ایک گروپ کی تخلیق ہے۔ ۱۸۲۴ء میں پہلی اینگلو میانمار کی جنگ کے بعد سے، ملحقہ ملک سے تعلق رکھنے والے مسلمان مذہب کے لوگ غیر قانونی طور پر میانمار میں خاص طور پر راکھائن ریاست میں داخل ہوئے۔ غیر قانونی تارکین وطن ہونے کی وجہ سے وہ ملک کے دوسرے شہریوں کی طرح امیگریشن کے کاغذات نہیں رکھتے ہیں۔

برمی حکام کسی بھی طرح روہنگیا برادری کو اپنے شہری تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اگرچہ تاریخی اور کاغذی طور پر ان کے اراکان کے مستقل باشندے ہونے کے واضح ثبوت موجود ہیں۔

نقل مکانی:

برمی افواج اور بدھ دہشت گردوں کی وحشت وبربریت کا شکار ہے مسلم اکثریت کا یہ صوبہ اس ظلم وجبر اور وحشیانہ تشدد کے باعث مسلمانوں کے وجود سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ شادی پر پابندی، خاندانی منصوبہ بندی، روزگار، تعلیم، مذہبی آزادی اور نقل وحرکت کی آزادی جیسے معاملات پر حکومتی پالیسیاں روہنگیا کے خلاف ایک منظم امتیازی سلوک کی نشانیاں ہیں۔

Between August 25, 2017 and January 7, 2018 more than 647,000 Rohingya have fled.[2]

ترجمہ: ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء سے ۷ جنوری، ۲۰۱۸ء کے درمیان ۶۴۷،۰۰۰ سے زیادہ روہنگیا ہجرت کر چکے ہیں۔

اور ہیومن رائٹس واچ کے مطابق اب تک:

More than 730,000 Rohingya have fled to neighboring Bangladesh since the military campaign of ethnic cleansing began in August 2017.[3]

ترجمہ: اگست ۲۰۱۷ء میں نسلی صفائی کی فوجی مہم شروع ہونے کے بعد سے ۷۳۰،۰۰۰ سے زیادہ روہنگیا ہمسایہ ملک بنگلہ دیش چلے گئے ہیں۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر کچھ مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت کرنی پڑ رہی ہے۔ پھر بھی اس ہجرت کے باوجود، اراکان میں روہنگیا مسلمانوں کی اکثریت اب بھی وہاں موجود ہے۔

---

[1] Press Release of the Ministry of Foreign Affairs of the Union of Myanmar, 26 February 1992. See also: Political Situation of Myanmar and its Role in the Region, (Myanmar:Col. Hla Min, Office of Strategic Studies, Ministry of Defence, Union of Myanmar, February 2001), 95-99.

[2] UNHCR STATISTICS (2018) “UNHCR's populations of concern” http://popstats.unhcr.org/en/overview#_ga=2.17602617.185679278.1525980150-1356971153.1525980150 (Accessed April 14, 2020)

[3] https://www.hrw.org/world-report/2019/country-chapters/burma (Accessed April 14, 2020)

"مسلمانوں کو جلاوطن کر کے کے ان کی زمینوں پر برما کے دوسرے علاقوں سے بدھوں کو لا کر یہاں آباد کیا جاتا ہے۔"[1]

اس ظالمانہ عمل کے نتیجے میں، ایک ملین سے زیادہ مسلمان برما چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ برمی حکومت نے کئی سالوں سے غیر ملکی صحافیوں اور یہاں تک کہ سیاحوں کو جانے سے منع کرتے ہیں۔

روہنگیا کی کیمپوں میں حالات:

میانمار کی ریاست راکھائن میں کئی صدیوں سے آباد لاکھوں روہنگیا مسلمانوں کو کیا پتہ تھا کہ جس زمین پر انہوں نے آنکھ کھولی وہی زمین ان کے لئے تنگ کر دی جائیگی۔ بدھ مت کے شدت پسندوں کی بڑھتی ہوئی پر تشدد کارروائیوں سے پریشان سینکڑوں برمی مسلمانوں کیمپوں میں انتہائی ناقص صورت حال میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میانمار میں بسنے والے اقلیتی روہنگیا مسلمانوں پر ظلم و ستم کے نتیجے میں لاکھوں افراد اپنا گھر بار چھوڑ کر مختلف کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

نقل مکانی پر پابندی داخلی طور پر بے گھر ہونے والے (آئی ڈی پیز) روہنگیا پر سخت پابندیاں عائد ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں پُر تشدد واقعات کے بعد، ایک اندازے کے مطابق ۱۲۰،۰۰۰ روہنگیا راکھائن ریاست کے ۳۶ کیمپوں میں قریبی شہر سٹوے میں رہائش پذیر ہیں۔ اور وہاں ان پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد ہیں۔

Rohingyas are not allowed to leave the camps without permission.[2]

ترجمہ: روہنگیا برادری کو بغیر اجازت کیمپوں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

سٹوے شہر میں جو کیمپ بنے ہیں ان میں نقل مکانی کرنے والے افراد اور دیہاتوں سے بے گھر افراد جمع ہیں۔ اس کے چاروں طرف خاردار تاروں کی باڑ لگی ہوئی ہے، جو پوری دنیا سے آبادی کو الگ کرنے کی ایک مثال ہے۔ کیمپ کے دو راستے ہیں۔ اور داخلہ کے لئے زائرین کو چوکیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بین الاقوامی زائرین کے لئے باضابطہ اجازت ضروری ہے، تاہم میانمار کے شہری آنے جانے کے لئے آزاد ہیں۔ کیمپوں میں بہت سے بے گھر افراد خوراک، رہائش، صحت کی دیکھ بھال اور دیگر ضروری خدمات کے لئے انسانی ہمدردی کی تنظیموں پر انحصار کرتے ہیں۔ اور راکھائن کے مقامی تاجر کھانا، سامان اور دیگر اشیا لاتے ہیں جو کیمپ مارکیٹوں میں فروخت کرتے ہیں۔

Access to the camps from the villages is controlled by both military and police checkpoints, and villagers reported having to pay an

---

[1] خالد، سیف اللہ، المیہ اراکان، ۱۴

[2] Amnesty International, *'Caged Without a Roof' Apartheid in Myanmar's Rakhine State,* London: London edtion,2017), 53. https://www.amnesty.org/en/documents/asa16/7484/2017/en/ (Accessed April 15, 2020)

unofficial fee of around 2,000 kyats (US$2) to pass through the military checkpoint.[1]

ترجمہ: دیہاتوں سے کیمپوں تک رسائی فوج اور پولیس چوکیوں دونوں کے زیر کنٹرول ہے، اور دیہاتی کہتے ہیں کہ فوجی چوکی سے گزرنے کے لئے تقریباً ۲۰۰۰ ہزار کیات (۲ مریکی ڈالر) کی غیر سرکاری فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔

زمینیں اور فصلیں:

برمی فوج نے بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگیا کی زرعی زمینوں پر نظریں گاڑھ لی ہیں۔ برمی حکومت نے راکھائن میں روہنگیا کی دکانیں مسمار کرنا شروع کر دی ہیں۔ بودھ انتظامیہ نے چند دن قبل مارکیٹیں بند کرنے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ کاروبار کی تباہی اور خوراک کا بحران پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو ملک بدری پر مجبور کرنے کا نیا حربہ ہے۔ "برما نے بنگلہ دیش سے وطن واپسی کے منتظر روہنگیا کو ان کی زمینیں اور فصلیں نہ دینے کا گھناؤنا منصوبہ بنا لیا ہے۔ شہریت ثابت نہ کرنے کی صورت میں برمی فوج کی جانب سے مسلمانوں کی جائیداد اور فصلیں ہتھیالی جائیں گی۔"[2]

اراکان کے مسلمانوں پر پابندی ہے کہ وہ اپنی زمین کی پیداوار صرف فوج ہی کو فروخت کریں گے اور اس کی جو بھی قیمت انہیں ادا کی جائے گی وہ اس پر راضی رہیں گے۔

Villages were destroyed, houses turned into police stations, and those who were thus left homeless faced hunger and poverty.[3]

ترجمہ: گاؤں کو تباہ کر دیا گیا، مکانات تھانوں میں بدل گئے، اور اس طرح بے گھر افراد کو بھوک و افلاس کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ان تمام مظالم سے برمی حکام روہنگیا برادری کو ملک بدر کرنا چاہتے ہیں۔ برمی حکام روہنگیا برادری کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ بہت زیادہ روہنگیا پناہ گزین ہمسایہ ممالک میں ہجرت کر گئے ہیں۔ اور بہت سارے پناہ گزین کیمپوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ان کیمپوں میں بہت سارے مسائل کے ساتھ علاج معالجہ کی سہولیات کا بہت فقدان ہے۔

حفظان صحت کا معیار:

ریاست کا بنیادی فرض ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کو بلا امتیاز مذہب، جنس، ذات، عقیدہ اور نسل کے زندگی کی بنیادی ضرورتوں کو بشمول صحت اور علاج معالجہ کی سہولتوں کو یقینی بنائے۔ عوام کو صحت عامہ کی بہتر سہولتیں فراہم کرنا ضروری ہے کیونکہ صحت مند افراد ہی قوم کی تعمیر و ترقی میں بھرپور کردار ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

---

[1] Amnesty International, 2017. 'Caged Without a Roof' Apartheid in Myanmar's Rakhine State, London, 55.

[2] http://www.alqalamonline.org/index.php/alqalam-old-articles/news-imp/8775-615-barma-se-bedakhl-musalman (Accessed April 15, 2020)

[3] https://www.rohingya.org/myanmar-a-people-facing-buddhist-violence/(Accessed April 15, 2020)

روہنگیا کے لئے بے حسی اور ان کی نقل و حرکت میں سخت پابندیوں کی وجہ سے صحت کی خدمات تک رسائی اور ان کا استعمال مشکل بنا ہوا ہے۔ دیرینہ امتیازی سلوک اور سفری پابندیوں کے نتیجے میں سرکاری اسپتالوں اور سرکاری کلینک سمیت باضابطہ صحت کی خدمات تک محدود پابندی سے روہنگیا مہاجرین میں پائے جانے والے صحت کے خراب نتائج کا سبب بنا ہے۔

ریاست راکھائن میں عام طور پر صحت کی دیکھ بھال تک رسائی بہت مشکل ہے۔ راکھائن ریاست سے متعلق مشاورتی کمیشن کی حتمی رپورٹ کے مطابق، راکھائن ریاست میں ہر ۱۰۰۰ افراد میں صرف پانچ افراد صحت مند ہیں، جو قومی اوسط ۱۶ سے افراد کی اوسط سے بھی کم ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (ڈبلیو ایچ او) کے ذریعہ صحت کے عملی نظام کو برقرار رکھنے کی سفارش کی گئی ہے۔ انفراسٹرکچر کی کمی، نیز سڑکوں کی خراب صورت حال اور ناقص ادویات اور عملہ کا مطلب یہ ہے کہ ریاست میں تمام برادریوں کو اپنی ضروری صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاہم، روہنگیا مسلمانوں کو سنگین طبی حالتوں کے لئے، خاص طور پر ہنگامی طبی علاج، صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں اضافی رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ ان کی نقل و حرکت پر امتیازی پابندیاں ہیں۔

ریاست شمالی راکھائن میں سفری پابندیوں اور چوکیوں سے گزرنے کی وجہ سے روہنگیا کے مقامی اسپتالوں اور صحت کے مراکز اور کلینک تک رسائی میں مشکلات پیش آتی ہیں، جبکہ وسطی راکھائن ریاست میں نقل و حرکت پر پابندی کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ تر روہنگیا اپنے قریبی اسپتالوں تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

> the townships of Kyauktaw, Mrauk-U and Minbya govern 96 Sub Rural Health Centers, 20 Rural Health Centers, six Station Hospitals and three township Hospitals, and yet from all of these facilities, only one Station Hospital is open to Muslim patients.[1]

ترجمہ: کیوکاٹو، مروک یو اور منبیا کی بستیوں میں زیر انتظام ۹۶ ذیلی دیہی صحت مراکز، ۲۰ دیہی صحت مراکز، چھ اسٹیشن اسپتال اور تین بستی اسپتال ہیں، اور ان تمام سے صرف ایک اسٹیشن اسپتال مسلم مریضوں کے لئے کھلا ہے۔

شمالی راکھائن ریاست میں شدید طبی حالت میں مبتلا یا ہنگامی طبی علاج کی ضرورت پیش آنے والے مسلمان غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعہ سیٹوے جنرل اسپتال بھیجنا چاہے، جس کے لئے متعلقہ ٹاؤن شپ میڈیکل آفیسر سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے، اور سیٹوے جنرل ہسپتال سے منظوری لینا بھی ضروری ہے۔ روہنگیا برادری کو علاج معالجہ میں ان تمام مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ان تمام مشکلات کی وجہ سے روہنگیا برادری کی صحت عمومی طور پر بہت ناقص رہتی ہے۔ اور بروقت علاج نہ ہونے کی وجہ سے اکثر افراد بیمار رہتے ہیں۔

---

[1] United Nations and Partners, Humanitarian Response Plan 2017, (January-December 2017, December 2016), 10, https://reliefweb.int/sites/reliefweb.int/files/resources/2017_myanmar_hrp_final.002.pdf (Accessed April 16, 2020)

عدم مساوات:

مساوات تمام انسانوں کی برابری کا تصور دیتی ہے۔ انسانوں کو معاشی، سیاسی، سماجی، مذہبی، فکری اور صنفی ہر اعتبار سے برابری کا تصور اور اس کا انسان کے بنیادی حق ہونے کی حیثیت میں متبرک ہونا، 'مذہبی' اعتبار سے کوئی کافر ہے یا مسلمان، مشرک ہے یا موحد، اہل کتاب ہے یا اہل الحاد، مساوات ان افراد کو برابری کا درجہ دے گی اور مذہب کے فرق کی بناپر ان کے مابین کسی قسم کا امتیاز نہ برتا جائے گا۔

مساوات کے معنی یکسانیت کے ہیں۔ برمی معاشرہ نے اس یکسانیت کو درہم برہم کر دیا ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کو کسی بھی قسم کا کوئی حق نہیں مل رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو حکومت اپنا شہری ماننے سے بھی انکاری ہے۔ اور برمی معاشرے میں روہنگیا کو جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جارہا ہے۔ مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے ان کو عدم مساوات کا سامنا کرناپڑ رہا ہے۔

وجوہات:

موجودہ صورتحال کے وجوہات یہ ہیں کہ برمی فوجی آمریت نے کچھ راکھائن دانشوروں اور سیاستدانوں کے ساتھ طویل عرصے سے روہنگیا کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا ہے۔ حکومت اور بدھ بھکشوؤں نے روہنگیا کے نسلی گروہ ہونے کی حیثیت سے انکار کیا اور الزام لگایا کہ روہنگیا غیر قانونی بنگالی ہیں، جو بنگلہ دیش سے اراکان میں داخل ہوئے تھے۔ روہنگیا کے خلاف پروپیگنڈا غیر جمہوری مہم ہے۔ اس کے پیچھے ارادہ یہ ہے کہ روہنگیا کو ان کے نسلی حقوق اور شہریت کے حقوق اور آزادی دینے سے انکار کریں۔

۲۰۱۰ء تک سیاسی تعطل اور جاری خانہ جنگی سے برمی عوام کے ذہنوں کو دوسری جانب کرنے کے لئے، کاچن اقلیتی برادری کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال کیا گیا، جس سے مہاجرین کا اخراج اور شدید انسانی بحران پیدا ہوا۔ روہنگیا اور راکھائنی بدھ کی برادریوں کو ثقافتی اور مذہبی خطوط پر تقسیم شروع کر دی۔ جو بدھ راکھائینوں کے لئے ایک موقع تھا کہ وہ اپنے مقبول نعروں کے ذریعے مسلمانوں کے بغیر اراکان کی خصوصی ملکیت کے لئے ریاست کے جابرانہ عملی مشق کو استعمال کرتے ہوئے، روہنگیا برادری کو کلین سویپ کریں۔

> Upon knowing the Thein Sein government's hostile attitude towards Rohingyas, the Rakhines backed by the Rakhine National Democratic Party (RNDP) organized anti-Rohingya meetings in the cities of Rangoon and Akyab and some towns in Arakan preaching extreme hatred against the Rohingyas.[1]

[1] https://www.rohingya.org/myanmar-a-people-facing-buddhist-violence/(Accessed April 17, 2020)

ترجمہ: تائین سین کی حکومت کے روہنگیا برادری کے ساتھ مخالفانہ رویہ جاننے کے بعد، راکھائن نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (آر این ڈی پی) کی حمایت میں راکھائینوں نے رنگون اور اکیاب شہروں اور اراکان کے کچھ قصبوں میں روہنگیا کے خلاف شدید نفرت کی تبلیغ کرنے والے روہنگیا مخالف اجلاسوں کا انعقاد کیا۔

بدھ راکھائن رہنماؤں نے متنبہ کیا کہ روہنگیا برادری کے افراد کو اپنے لئے اراکان یا اراکانی الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ خود کو صرف بنگالی مہاجر کے طور پر ظاہر کر سکتے ہیں۔

روہنگیا کے خلاف ان مظالم کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ طالبان کے دور میں بامیان میں گوتم بدھ کے مجسّمے کے ساتھ جو اہانت آمیز سلوک کیا گیا تھا، جس کے سبب بدھ مت کے پیروکاروں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات میں اضافہ ہوا ہے۔

ان مظالم کے وجوہات کو واضح کرنے کے لئے ایک انٹرویو پیش کرتے ہیں۔

انٹرویور: کیا آپ مجھے یہ وضاحت کریں گے کہ جب آپ میانمار میں تھے تو آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا تھا؟

مسٹر کلام: ہم اسی سرزمین پر پیدا ہوئے تھے لیکن ہمیں غیر قانونی تارکین وطن کہا جاتا ہے۔ میرا کنبہ منگڈاؤ سے ہے، لیکن کچھ دن بعد ناساکا (NaSaKa)[1] کے لوگوں نے میری بہن کے ساتھ میرے اہل خانہ کے سامنے زیادتی کی۔ میرے بہنوئی نے ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ان کو لے کر چلا گئے اور وہ کبھی واپس نہیں آیا۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ اگر ہم میانمار نہیں چھوڑتے ہیں تو وہ ہم سب کو بے دردی سے مار ڈالیں گے۔[2]

اور اس طرح کے ہزاروں واقعات روہنگیا برادری کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ جس میں ان کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ زیادتیاں کی گئیں۔ اور ان کے مردوں کو اغوا یا قتل کیا گیا۔ معصوم بچوں کو جلایا گیا یا ان کے گلے کاٹے گئے۔ اور یہ صرف روہنگیا کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کیا جارہا ہے۔ اگر وہ مسلمان ہونے کے بجائے اور کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے تو ان کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک نہ کیا جاتا اور ان کو مہاجر کہا جاتا اور نہ ان کو ملک بدر کر دیا جاتا۔ نہ ان پر اتنے بھاری ٹیکس عائد کئے جاتے نہ ہی ان کے شادی بیاہ یا ان کے مذہبی تہواروں میں اتنے مشکلات پیدا کئے جاتے۔ یہ سب صرف اور صرف اس لئے کیا جارہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ یہ تمام مظالم صرف ان کے مذہب کی بنا پر ہو رہی ہیں۔ روہنگیا کو برمی حکام کیمپوں تک محدود کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ وہ ملک چھوڑ کر کہیں بھی چلے جائیں۔ اور یہ باتیں حکومتی سربراہ کر رہے ہیں۔ جس کے انتہائی برے اثرات روہنگیا برادری پر پڑ رہے ہیں۔

---

[1] Also known as"Nay-sat Lu-win-mu Sit-say-ye hnin Kut-kwey-hmu Hta-na-gyoke".Burma: The Rohingya Muslims; Ending a Cycle of Exodus?, Human Rights Watch/Asia, (New York: September 1996), 6.

2 A. K. M. Ahsan Ullah, Rohingya Crisis in Myanmar: Seeking Justice for the "Stateless"august 2016, 293.
https://www.researchgate.net/publication/306167543_Rohingya_Crisis_in_Myanmar_Seeking_Justice_for_the_Stateless (Accessed April 17, 2020)

اثرات:

معاشرتی تناؤ کے اثرات کسی بھی فرد کے جسمانی، دماغی اور اندرونی صحت پر پڑتے ہیں۔ یہ دو افراد یا کسی گروہ میں عدم اتفاق کا سبب بن سکتا ہے۔ معاشرے کے مختلف طبقات میں لڑائی جھگڑے ہو سکتی ہے۔ علاقے اور ملک میں بے امنی پیدا ہو سکتی ہے۔ تاہم معاشرتی تناؤ کا تدارک آپسی سوجھ بوجھ میں اضافہ، تنازعات کی یکسوئی کی کوشش، مفاہمت اور ناخوش گوار واقعات اور تجربوں سے آگے بڑھ کر مثبت راہ پر گامزن ہونے کی کوشش کرنا ہے۔ انفرادی اور سماجی زندگی میں تناؤ سے آزادی، دوستانہ رویہ، افہام و تفہیم ہی مثبت اور صحت مند پیش قدمی کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

روہنگیا برادری صدیوں سے مظالم اور محرومیوں کا شکار ہے۔ اور ہر آنے والے میں ان کی مصائب ومشکلات میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ریاست اراکان پر قبضہ کرنے کے بعد برمی حکام نے ان پر ہر طرح کے مظالم آزمائے ہیں۔ اس کے انگریز حکومت میں بھی ان پر طرح طرح کے مظالم ہوئے ہیں۔ برما کی آزادی کے بعد ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوا۔ جب انہوں نے ان مظالم کے خلاف آواز اٹھائی تو برمی حکام نے ان کو زیر کرنے کے لئے منتیں اور سبز باغ دکھانے شروع کر دی، لیکن زیر کرنے کے بعد ان کی مشکلات میں اضاف ہوا۔ ۱۹۶۲ء میں جب جنرل نیون نے اقتدار پر قبضہ کیا تو اس نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے حکومت سے نکال دیا، معاشی طور پر ان کو کمزور کرنے کے لئے ان کو سرکاری نوکریوں سے برخاست کیا۔ ان کی تنظیموں کو ختم کیا اور ان پر طرح طرح کے ظالمانہ ٹیکس لگادیئے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ برمی بدھ بھکشوؤں نے بھی ان کی زندگی اجیرن کر دی۔ اور مذہبی، سیاسی، معاشی معاشرتی لحاظ سے ان کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

۱۹۹۰ء کی دہائی سے، روہنگیا نہ صرف سیاسی اور معاشی امتیازی سلوک کا شکار ہوئے، بلکہ انھیں ۹۶۹ کی تحریک اور ماباثا سمیت انتہاپسند بدھ تحریکوں کے ذریعہ پھیلائے جانے والے مسلم دشمنی کا سامنا کرنا پڑا۔

> The 969 Movement enjoyed the support of senior government officials and some members of the NLD.[1]

ترجمہ: ۹۶۹ تحریک کو سینئر سرکاری عہدیداروں اور این ایل ڈی کے کچھ ممبروں کی حمایت حاصل ہے۔

انتہاپسند بودھ تحریکوں کے ذریعہ پھیلائے جانے والے اس مسلم دشمنی کے نتیجے میں بدھ مت اور مسلمانوں کے مابین ملک بھر میں تناؤ میں اضافہ ہوا۔

---

[1] Marshall. A. 'Special Report; Myanmar Gives Official Blessing to Anti-Muslim Monks'. Reuters. 27 June 2013. Available at https://www.reuters.com/article/us myanmar-969-specialreport/special-report-myanmar-gives-official-blessing-to-anti-muslim-monks-idUSBRE95Q04720130627 (Accessed April 17, 2020)

افغانستان میں طالبان کی حکومت آئی تو بامیان میں بدھا کا مجسمہ توڑ دیا گیا جس کے رد عمل کے طور پر برما کے بدھ مت راہبوں نے مسلمانوں کے خلاف شدید متشدد رویہ اپنایا۔ ان کا برمی حکومت سے مطالبہ تھا کہ برما کے صوبے ٹاؤنگو کی سب سے قدیم مسجد ہانتھا کو مسمار کیا جائے۔ اس مطالبے کو منوانے کے لئے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور ان کی املاک کو نذر آتش کر کے حکومت پر دباؤ ڈالا۔ بالآخر اس مسجد کو شہید کیا گیا۔ ۱۹۹۷ء میں مانڈلے میں ایک قدیم بدھا بت کے کچھ حصے مسمار کرنے کا الزام مسلمانوں کے سر لگا دیا۔ یہ الزام بعد میں جھوٹا ثابت ہوا لیکن محض اس الزام پر تقریباً ۱۵۰۰ مسلمان بدھ بھکشوؤں کے ہاتھوں قتل ہوئے، قرآن پاک کی بے حرمتی کی گئی، مسلمانوں کی دکانوں اور گھروں کو نذر آتش کیا گیا۔ ۲۰۰۱ء میں عام آبادی کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لئے شر انگیز پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ جس کے نتیجے کے طور پر مقامی آبادی کے ہاتھوں ۲۰۰ مسلمان قتل ہوئے، ۴۰۰ گھر جلا دیئے گئے اور ۱۱ مساجد کو شہید کیا گیا۔ ۲۰۱۲ء میں راکھائن صوبے میں پھر سے فسادات شروع ہوئے۔ یہ فسادات تحریک ۹۶۹ کی شر انگیزیوں کا نتیجہ تھے۔ یہ تنظیم بدھ قوم پرستوں نے تشکیل دی تھی جس کا مقصد مسلمانوں کا قتل عام تھا۔ اس کا لیڈر آشین وراتھونامی ایک راہب ہے جو برما میں اسلام اور مسلمانوں کی افزائش سے سخت نفرت کرتا ہے۔ یہ شخص مقامی برمیوں کو مسلمانوں کی نسل کشی کی ترغیب دیتا اور ان سے میل جول سے سختی سے گریز کی تلقین کرتا ہے۔ اس نے برمیوں کو مسلم دوکانداروں سے خرید و فرخت سے قطعاً گریز کرنے کا پابند رکھا ہے تاکہ مسلمانوں کو معاشی طور پر بھی مفلوج کیا جاسکے۔

۹۶۹ کی تحریک کے خلاف پابندی کی وجہ سے بدھ بھکشوؤں نے ایک اور تحریک بنالی جس کا نام ماباثا[1] (Ma Ba Tha) رکھا، جس کا ترجمہ انجمن تحفظ برائے نسل و مذہب کے طور پر کیا جاسکتا ہے۔ ماباثا تحریک نے ۲۰۱۵ء کے عام انتخابات میں فعال طور پر مہم چلائی، جس میں این ایل ڈی سمیت تمام جماعتوں نے مسلم مخالف بیان بازی کی، مرکزی جماعتوں، این ایل ڈی اور فوج کے حمایت یافتہ یو ایس ڈی پی میں سے کسی نے بھی مسلم امیدوار نہیں لیا۔

> As a result out of the 6,000 candidates to the 2015 elections, only 10 were thought to be Muslim[2].

ترجمہ: ۲۰۱۵ء کے انتخابات کے لئے ۶۰۰۰ امیدواروں میں سے صرف ۱۰ کو ہی چنا گیا۔

اس وقت اراکانی مسلمان درختوں کے پتوں سے بنائی گئی جھونپڑیوں اور ٹاٹ کے پیوند زدہ خیموں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ ان مسلمانوں میں بھی اقوام متحدہ کی طرف سے امداد لانے والے عیسائی اپنے مذہب کو پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالیہ مہینوں میں، برما کے اندر اور باہر روہنگیا مخالف مہموں کا سلسلہ جاری ہے۔

---

[1] ماباثا: انجمن برائے تحفظ نسل و مذہب، تنظیم برائے تحفظ نسل و مذہب اور کمیٹی برائے تحفظ قومیت اور مذہب

[2] Fisher. J. 'Myanmar's Ma Ba Tha Monks Flex Their Political Muscle'. BBC News, Myanmar. 8 October 2015. Available at http://www.bbc.com/news/worldasia-34463455 (Accessed April 17, 2020)

میانمار کی فوج کا آپریشن ناگامن کے بعد ۱۹۷۸ء میں ۲۰۰،۰۰۰ سے زیادہ روہنگیا مسلمانوں نے بنگلادیش کی طرف ہجرت کی۔ باضابطہ طور پر اس مہم کا مقصد ہر ایک کی جانچ کرنا تھا۔ ریاست میں رہنے والے ہر فرد کو قانون کے مطابق شہریوں اور غیر ملکیوں کو الگ کرنا اور غیر ملکیوں کے خلاف کاروائیاں جو غیر قانونی طور پر ملک میں آئے تھے۔

> This military campaign directly targeted civilians, and resulted in widespread killings, rape and destruction of mosques and further religious persecution.[1]

ترجمہ: اس فوجی مہم نے عام شہریوں کو براہ راست نشانہ بنایا، اور اس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر ہلاکتیں، عصمت دری اور مساجد کی تباہی اور مزید مذہبی ظلم و ستم اور قتل عام ہوا۔

اس کے بعد کی حکومتوں نے بھی روہنگیا لوگوں کو نشانہ بنایا۔ اور ان کو ختم کرنے، ملک بدر کرنے یا مہاجر کیمپوں میں محدود کرنے کے لئے ہر حربہ آزمایا۔

> President Thein Sein announced that the ‘only solution’ to stop the violence was to send Rohingyas to other countries or to refugee camps[2].

ترجمہ: صدر تھین سین نے اعلان کیا کہ تشدد کو روکنے کا 'واحد حل' روہنگیاؤں کو دوسرے ممالک یا مہاجر کیمپوں میں بھیجنا ہے۔

آزادی کے بعد سے مختلف قسم کے ہتھکنڈے بھی جاری ہیں۔ مثلاً ۱۹۵۳ء میں مسلمان عورتوں کو اپنے شوہروں کو طلاق دینے کا آرڈیننس جاری ہوا۔ پھر حجاب پر پابندی لگادی۔ بدھوں کو مسلم لڑکیوں سے شادی کی اجازت دی گئی مگر مسلمانوں پر کسی بدھ لڑکی سے شادی کرنے پر قانونی پابندی لگادی۔ گائے کی قربانی بھی ممنوع قرار دے دی گئی۔ قانون کے مطابق کوئی مسلمان مرد دوسری شادی نہیں کرسکتا۔ جب کہ اسلام میں اس کے لءے بالکل واضح حکم موجود ہے۔ اکیاب کے پرائمری اسکولوں میں مسلمان طلبہ وطالبات کے لئے بدھسٹ تعلیمات پڑھنا لازمی ہیں۔ نوجوان مسلمانوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن مجید اور دیگر مقدس اسلامی کتابوں کو قبضے میں لے کر نذر آتش کردیا جاتا ہے یا پھر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلامی تہواروں کو اس کے مخصوص دن کے بجائے دوسرے دن رکھنے کی احکامات صادر ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ حکم دیا گیا یا کہ عید کا تہوار دو دن تاخیر سے منائیں۔

---

[1] Union of Myanmar (Burma): Human Rights Abuses against Muslims in the Rakhine (Arakan) State, Amnesty International, May 1992, ASA 16/06/02.

[2] Human Rights Watch, 2012. ‘The Government Could Have Stopped This: Sectarian Violence and Ensuing Abuses in Burma’s Arakan State’. Human Rights Watch, ed., New York: Human Rights Watch.

"۲۰۰۰ء میں بھی بوتھیڈانگ اور راتھیڈانگ کے قصبوں میں عید الفطر کے تہوار پر ہی پابندی لگا دی۔ پہلے تو مسلمانوں کو عید گاہ جانے سے روکا جارہا تھا۔ پھر عید گاہ میں جمع ہونے والے مسلمانوں پر فائر کھول دیا جس سے ۲۵ شہید اور ۵۰ سے زیادہ زخمی ہوگئے۔"[1]

برما کی حکومت مسلمانوں کے خلاف کثیر الجہتی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ ظلم وجبر، جبری بیگار، جائیدادوں پر قبضے، شہریت کے خاتمے اور کریک ڈاؤن کے ذریعے دوسرے ممالک میں نقل مکانی پر مجبور کیا جارہا ہے۔ تو دوسری طرف مساجد، مقابر اور دینی مدارس کی عمارتوں کو مسمار کر کے علاقے کی اسلامی شناخت ختم کی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ برمی نام رکھیں اور مگھ بدھوں کے تہواروں میں شریک ہوا کرے۔ اس طرح مسلمانوں کی زندگیوں کو انتہائی مشکل بنادی گئی ہے۔

مسلمانوں کو آزادی دینے سے انکار کے ساتھ ساتھ برما حکومت کی طرف سے وحشیانہ تشدد اور ظلم و ستم کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور ہر کچھ عرصہ بعد اس میں تیزی آجاتی ہے۔ برمی حکمران ملک سے اسلام اور مسلمانوں کے خاتمے پر تلے ہوئے ہیں اور ہر قیمت پر وہ اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ قتل وغارت گری، مذہبی مقامات کے تقدس کی پامالی، شعائر اسلام کی بے حرمتی، اسلامی ثقافت وتہذیب کے ساتھ استہزاء اور مذاق برمی حکمرانوں کے عمومی ہتھکنڈے ہیں۔ مسلمانوں کا بلاجواز قتل، انہیں نقل مکانی پر مجبور کرنا، ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنا، انہیں اپنی اسلامی ثقافت ترک کرنے پر مجبور کرنا اور اپنی سرزمین سے محروم کرنا، فوج کے وہ عمومی ہتھکنڈے ہیں جن کا سالہاسال سے اراکانی مسلمان سامنا کررہے ہیں۔ برمی فوج تیزی کے ساتھ اراکان میں مساجد اور تاریخی مدارس کو شہید کررہی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف ان اقدامات نے مسلمانوں میں خوف و دہشت پھیلا رکھا ہے اور اپنی زمین پر رہتے ہوئے وہ اس پر مجبور ہیں کہ اسے چھوڑ جائیں۔ قتل بھی صرف مسلمان ہورہے ہیں، مکانات صرف ان کے جل رہے ہیں، وہی جلاوطن ہورہے ہیں، پناہ گزینوں کے کیمپوں میں صرف ان کا بسیرا ہے اور انہی پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا ہے۔

---

[1] سرور، ملک احمد، روہنگیا مسلمانوں پر برمی حکومت اور بدھوں کے مظالم، ۲۲

فصل چہارم

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے معاشی رکاوٹیں اور اس کے محرکات و عواقب:

عام طور پر معاشی ترقی کو کسی ملک کے قدرتی وسائل مثلاً تیل، گیس اور کوئلہ کی پیداوار پر منحصر سمجھا جاتا ہے۔ مگر ملکی استحکام کا عسکری قوت سے براہ راست تعلق ہے یا سادہ انداز میں کہیں تو معیشت اور دفاع ایک سکّے کے دو رُخ ہیں۔ سیاسی استحکام، مضبوط دفاع اور قیام امن کے بغیر معاشی ترقی ممکن نہیں۔ لوگ محفوظ ہوں گے تبھی معیشت بھی نمو پائے گی۔ معیشت پُر امن حالات میں پروان چڑھتی ہے، جب کہ پائیدار معاشی ترقی اور علاقائی و عالمی معیشت میں جگہ بنانے کے لیے قومی سلامتی اوّلین شرط ہے۔ امن و امان قائم نہ ہو تو انتشار اور ابہام کے ساتھ تشدد کی راہ ہموار ہوتی ہے اور پھر یہ بدامنی کاروبار میں تبدیل ہو جاتی ہے، یہ اپنے مالی وسائل کے لیے (اسمگلنگ، منشیات کا کاروبار، لینڈ مافیا، بھتہ خوری اور تاوان وغیرہ کے ذریعے) اپنی الگ معیشت پیدا کر لیتی ہے۔ انسان کا پیدائشی مسئلہ معاش کا مسئلہ ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ معاش انسانی زندگی میں کتنا اہم ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ روہنگیا مسلمان برما میں بہت مشکل وقت گزار رہے ہیں اور برما کی آزادی کے بعد سے لے کر اب تک کی حکومتوں نے روہنگیا لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ بہت سارے مسائل سمیت روہنگیا برادری کے معاش کا مسئلہ بہت اہم ہے۔

ورلڈ بینک کے رپورٹ ۲۰۱۵ء کے مطابق:

> Rakhine is fertile, relatively well-endowed with natural resources. Yet, its economy is marked by stagnation, underinvestment and under-development. The state's poverty rate is 78 percent, almost double the national rate of 37.54 percent.[1]

ترجمہ: راکھائن زرخیز، نسبتاً زیادہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ پھر بھی، اس کی معیشت جمود، غیر سرمایہ کاری اور کم ترقی کے ذریعہ واضح ہے۔ ریاست کی غربت کی شرح ۷۸ فیصد ہے، جو قومی شرح ۳۷.۵۴ فیصد سے دوگنا ہے۔

یہ خطہ زراعت، قیمتی معدنیات، چاول اور مچھلی کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ اراکان میں بندرگاہ بھی ہے۔ مگر ان کے مسائل کئی دہائیوں سے چلا آرہے ہیں، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ برما کے حکمرانوں اور وہاں رہنے والی دیگر قومیتوں نے روہنگیا مسلمانوں کو کبھی دل سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ روہنگیا مسلمانوں کو برما پر ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ان سے نفرت کا اظہار مختلف مواقع پر مظالم کر کے کیا جاتا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ غربت ہے کیونکہ محدود تعلیم کے ساتھ یہ لوگ خود کو ایک غیر ملکی شہری ماحول میں پاتے ہیں۔ یہاں رہنے والے

---

[1] World Bank. Myanmar: Ending poverty and boosting shared prosperity in a time of transition. A Systematic Country Diagnostic, (Report No. 93050-MM.august 2017), 20. https://issuu.com/nitishrampal/docs/finalreport_eng (Accessed April 25, 2020)

زیادہ تر روہنگیا دہاڑی مزدوری کرتے ہیں اور اکثر ان کا استحصال بھی ہوتا ہے، مثلاً مکمل معاوضہ نہیں دیئے جانے کی بھی شکایتیں ملتی ہیں۔

برطانوی عہد اور آزادی کے بعد روہنگیا کی معاشی صورتحال:

روہنگیا مسلمان برطانوی حکومت کے شروع کے عہدیداروں اور پولیس کے عمال میں شامل تھے، انھوں نے اعلیٰ تعلیم سے فائدہ اٹھایا اور ان میں بہت سے سرکاری ملازمت، بینک کے کاروبار اور تجارت میں نمایاں تھے۔ ساحلی اور دریائی دخانی جہازوں کے قریب قریب تمام ملاح چاٹگامی مسلمانوں میں سے تھے۔ خوردہ فروشوں میں اسماعیلی (خوجے) اور گجراتی مسلمان چھائے ہوئے تھے۔

۱۹۳۰ء سے شروع ہونے والے دس سال کساد بازاری کے تھے اور مسلمان، جو اقتصادیات کے میدان میں آگے تھے، ایک حد تک لوگوں کے ہدف ملامت بن گئے۔[1]

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق برما کی کل آبادی ڈیڑھ کروڑ تھی، جس میں سے مسلمانوں کی آبادی پونے چھ لاکھ کے قریب تھی۔ مسلمانوں کو برطانوی عہد میں اچھے عہدے ملے، ان میں سے بیشتر سرکاری ملازمتوں، بینکوں کی ملازمت اور تجارت میں نمایاں تھے۔ لیکن آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ انتہائی امتیازی سلوک شروع ہوا۔

برما کی آزادی کے بعد نئی حکومت کو کسی اور صوبے یا ریاست سے خطرہ نہیں تھا مگر انہیں اراکان سے اس بات کا خطرہ تھا کہ دس سال بعد کہیں یہ برما سے علیحدہ نہ ہو جائیں جیسا کہ قومی کانفرنس میں طے ہوا تھا۔ لہٰذا برما کی حکومت نے منصوبہ بندی کے تحت اراکان میں مسلمانوں کا تناسب کم کرنے کے لیے دو کام کئے:

۱۔ برما کے دوسرے علاقوں سے امیر اور با اثر بودھوں کو اراکان میں زمینیں دے کر انہیں آباد کرنا شروع کیا۔

۲۔ تمام روہنگیا برادری کو برما کی شہریت دینے سے انکار کر دیا گیا، اور انہیں جبراً ملک بدر کیا جانے لگا۔ لہٰذا آزادی کے ابتدائی چند سالوں میں ہی تیس ہزار مسلمان مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

بیسویں صدی میں مغربی اثرات کے باعث برما میں بدھ قوم پرستی نے جنم لیا۔ ان قوم پرستوں نے انگریزوں کے علاوہ اراکانی مسلمانوں کو بھی غیر ملکی قرار دیا۔ وجہ یہ کہ چینی اور ملائی مسلمان تھوڑی تعداد میں تھے۔ نیز ان کی اکثریت برمی معاشرے میں جذب ہو چکی تھی۔ سو برمی بدھوں کو ان سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ مگر اراکانی مسلمان اپنی اقدار، روایات، تہذیب و ثقافت زندہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ برما میں تبلیغ اسلام بھی کرتے تھے۔ مزید براں برمی کاروبار و تجارت پہ چھائے ہوئے تھے۔ یہ بات بھی قوم پسندوں کو بہت بری لگتی تھی۔

---

[1] شفیع، محمد، واراکین، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص: ۴/ ۴۵۱

انھوں نے واویلا مچا دیا کہ یہ لوگ برما میں اپنی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ سوبدھی قوم پرست ان کے خلاف پُر تشدد کارروائیاں کرنے لگے تاکہ وہ واپس ہندوستان چلے جائیں۔[1]

کئی دہائیوں سے اراکان کے مسلمان ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں، ان کے بچے ننگے بدن، ننگے پیر، بوسیدہ کپڑے زیب تن کئے قابل رحم حالت میں دکھائی دیتے ہیں، ان کی عورتیں مردوں کے ہمراہ کھیتوں میں رزاعت کا کام کرکے گزر بسر کرتی ہیں۔[2]

جس نے راکھائن کو ملک کے غریب ترین علاقوں میں سے ایک بنادیا ہے۔راکھائن میں تمام روہنگیا برادری غربت، ناقص معاشرتی خدمات اور معاش کے مواقع کی قلت کا شکار ہیں۔راکھائن کی معیشت کا بیشتر حصہ کسانوں، ماہی گیروں اور چھوٹے موٹے کاروباری افراد پر مشتمل ہے اور زرعی شعبے میں اجرت بہت کم ہے۔ملک کے دوسرے حصوں کی نسبت راکھائن میں روہنگیا برادری کی زمینیں بہت کم ہیں۔ خصوصاً ریاست اراکان کے شمالی حصے میں جہاں ۶۰ فیصد لوگ بے گھر ہیں۔ میانمار کے دیگر حصوں میں گزشتہ برسوں کے دوران تیزی سے معاشی نمو دیکھنے میں آئی ہے ،جبکہ راکھائن ریاست اور بھی پیچھے رہ گئی ہے۔راکھائن کے موجودہ بین الاقوامی خیالات کے بدلاؤ اور علیٰحدگی سمیت متعدد انسانی حقوق کی پامالیوں کی جگہ قرار دیتے ہوئے غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے۔متعدد عوامل ریاست میں معاشی نمو کے امکانات کو کمزور کرتے ہیں، جس میں باربار قدرتی آفات جیسے طوفان، اور موسمیاتی تبدیلیوں کے اثرات شامل ہیں۔ لیکن پھر بھی، ترقی اور نشوونما میں بہت سی رکاوٹیں حکومتی ساختہ ہیں۔ سن ۲۰۱۲ء میں فرقہ وارانہ تشدد کی لہروں نے تمام برادریوں کے مابین اعتماد کو کم کیا، تمام ریاستوں میں تجارت کو متاثر کیا، اسی طرح بنگلہ دیش کے ساتھ سرحد پار تجارت بھی متاثر ہوئی۔برادریوں کے درمیان فسادات نے مزدوروں کو متاثر کرکے کاروباری افراد کے لئے سنگین مسائل پیدا کیے۔

میانمار میں انتخابات سے قبل معاشی ترقی اور کاروبار موافق اصلاحات کے وعدوں کے ساتھ اقتدار میں آنے والی سویلین حکومت کے دور میں وہاں چھوٹے بڑے کاروباری طبقے کی مشکلات آسمانوں کو چھونے لگی ہیں۔[3]

راکھائن کے کچھ تاجروں پر مسلمانوں کو نوکری نہ دینے کے لئے راکھائن قوم پرستوں نے شدید دباؤ ڈالا۔ اس طرح مزدور منڈی میں خلل پیدا ہوا، اور اس برادری کو روزگار کے مواقع سے محروم کر دیا گیا۔ اگرچہ کچھ علاقوں میں بازار بدستور جاری ہیں، انھیں اکثر برادریوں کے مابین سخت گیر عناصر کی طرف سے رکاوٹ کا خطرہ لاحق رہتا ہے

[1] http://alqalamonline.org/index.php/alqalam-old-articles/idarti-page/96-other-idarti-mazameen/3738-498-burma-k-mazloom-musalman(Accessed April 27, 2020)

[2] http://www.fikrokhabar.com/ur/content-details/159/essays/%D8%A8%D8%B1%D9%85%D8%A7-%D9%85%DB%8C%DA%BA-%D8%B5%D8%B1%D9%81-%D9%85%D8%B3%D9%84%D9%85%D8%A7%D9%86-%D8%AC%D9%84-%D8%B1%DB%81%D8%A7-%DB%81%DB%92-news.html(Accessed April 27, 2020)

[3] https://www.dw.com/ur /میانمار-جمہوری-حکومت-مسائل-کا-حل-یا-خود-شکار/a-15261114(Accessed April 27, 2020)

تا کہ وہ برادریوں کے مابین روابط کو خراب کریں۔ مسلم برادری کے نقل و حرکت کی آزادی پر پابندیاں، بشمول آئی ڈی پی کیمپوں میں لگ بھگ ۱۲۰،۰۰۰ افراد کی رہائش، جن میں اکثر مکمل طور پر غیر ملکی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ خاص طور پر ریاست میں معاشی سرگرمی کی سطح پر مضر اثرات مرتب کرتے ہیں۔اس طرح کی پابندیوں نے مسلم کاروباری حضرات اور مزدوروں کی معیشت میں رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں، اور غیر قانونی تجارتی سرگرمیوں میں ملوث افراد میں اضافہ ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سرکاری اہلکاروں کو سفری اجازت اور تجارتی لائسنس کے بدلے رشوت لینے کے لئے مواقع پیدا کیے۔ تاہم اس سے صرف مسلمانوں پر ہی اثر پڑا۔ راکھائن کی تمام روہنگیا برادری کے لئے سرکاری اجازت حاصل کرنا ایک مہنگا اور دقیق کوشش ہے، جو اکثر کاروباری افراد کو کاروبار شروع کرنے یا توسیع دینے کا حوصلہ شکنی کرتی ہے۔ ان سب کو مہنگے لائسنس، ناقص سینٹ بیوروکریسی اور بدعنوانی سے نمٹنا پڑتا ہے۔ خوف اور عدم تحفظ نے کاروبار کو بھی متاثر کیا ہے۔ مسلسل عدم استحکام اور تشدد کے خطرہ نے عام طور پر روزگار کے مواقع کو کم کیا ہے۔ جس نے روہنگیا مسلمانوں کو نقل مکانی کرنے پر مجبور کیا ہے، جس کے نتیجے میں مختلف شعبوں میں مزدوروں کی کمی واقع ہوئی ہے۔ کچھ برادریوں نے شکایت کی ہے، کیونکہ افرادی قوت کا بہتر تعلیم یافتہ اور وسائل والا حصہ کہیں اور مواقع کی تلاش میں گھوم رہا ہے۔ روہنگیا برادری میں بہت سارے ہنر مند مزدور بھی چلے گئے ہیں۔

مزید یہ کہ غربت اور امتیازی سلوک نے ہزار مسلمانوں کو خطے کے دوسرے ممالک، جیسے ملائیشیا اور انڈونیشیا وغیرہ میں ہجرت کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اور بیشتر افراد ان ممالک میں غیر قانونی طریقے پر داخل ہوئے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ خطرناک سمندری سفر کے دوران ان کی موت ہوگئی ہے۔ کیونکہ ان میں اکثر افراد لاپتہ ہیں۔ جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ اراکان میں نہ صرف مردوں کو معاشی مشکلات کا امنا ہے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ خواتین بھی معاشی مشکلات برداشت کر رہی ہیں۔

خواتین کے معاشی مسائل:

راکھائن ریاست میں خواتین مزدور مردوں کے مقابلے میں اضافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور وہ زراعت کے شعبے میں ہی نہیں بلکہ کئی دیگر شعبوں میں بھی سختی کا شکار ہیں۔ راکھائن برادری میں مردوں سے زیادہ خواتین ریاست سے باہر روزگار کی طرف ہجرت کر رہی ہیں۔ روہنگیا خواتین کو گھریلو امور سمیت اپنے مردوں کے ساتھ کھیتوں میں بھی کام کرتی ہیں۔ اور آمدنی بڑھانے میں ان کی مدد کرتی ہیں۔

"روہنگیا عورتیں مردوں کے ہمراہ کھیتوں میں رزاعت کا کام کر کے گزر بسر کرتی ہیں۔"[1]

[1] http://www.fikrokhabar.com/ur/content-details/159/essays/barma-me-muslaman-jal-raha-hai-news.html (Accessed April 28, 2020)

مردوں کی نقل مکانی کرنے کے بعد پیچھے رہ جانے والی خواتین کے کام کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ قرضوں اور قرضوں کے خواہاں خواتین کے لئے رکاوٹیں موجود ہیں، خاص کر ان لوگوں کے لئے جو غیر شادی شدہ یا بیوہ ہیں، اور کچھ علاقوں میں خواتین کو وراثت میں حقوق کی کمی کی وجہ سے خواتین کے روزگار کے مواقع کے لئے سنگین مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ مینوفیکچرنگ سیکٹر میں مواقع محدود ہیں۔ مسلم خواتین کے پاس اسے بھی منتخب کرنا کم ہے۔ ان کی تعلیم کی سطح کم ہے، جب کہ ان کی نقل و حرکت پر سخت پابندیاں ان کے قریب کے علاوہ روزگار کے کام کرنا کافی مشکل ہے۔

جنرل نیون کا دور اور روہنگیا کا معاشی استحصال:

جنرل نیون کے دور اقتدار میں مسلمانوں کو ہر طرح سے کمزور اور تباہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ جنرل نیون جب اقتدار میں آیا تو اس نے مسلم دشمن رویے کو عروج پر پہنچا دیا۔

برمیز نیشنیلٹی لاء پاس کروایا گیا جس کے تحت روہنگیا مسلمانوں کو شہریت کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ جو مسلمان برما کی فوج میں اپنی خدمات انجام دے رہے تھے انہیں ان کی ملازمتوں سے برخاست کر دیا گیا۔[1]

مسلم برادری کے لیے بہت سے معاشی و معاشرتی مسائل پیدا کیے گئے۔ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۸ء کے دوران متعدد بار مسلم آبادی والے صوبے سے بھکشوؤں نے بھوک ہڑتال کر کے یہ مطالبہ کیا کہ ان مسلمانوں کو بنگلہ دیش دھکیل دیا جائے۔ ۲۰۰۱ء میں بنگلہ دیش سے آنے والے ان مسلمانوں کے سارے انسانی حقوق سلب کر دیئے گئے ہیں۔ ان کی معاشی پستی نے تمام حدود پار کر لئے ہیں۔ ویسے بھی یہ مسلمان متمول اور خوشحال کبھی نہیں تھے۔ زیادہ تر آبادی معمولی پیشوں سے وابستہ ہے۔

ان میں کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور، کارخانوں میں ملازمت کرنے والے یا ٹھیلہ فروشی کرنے والے ہی شامل ہیں۔[2]

اراکان کے مسلمان اپنے زرخیز علاقے کے باعث قدرے بہتر زندگی بسر کر رہے تھے۔ حکومت نے اقتصادی اصلاحات کے تحت زمینیں، صنعتیں اور نجی تجارت قومی تحویل میں لے لی۔ تمام بینک، مارکیٹ اور دوکانیں ختم اور فصلیں تباہ کر دی گئیں۔ کسانوں سے مویشی چھین لئے گئے۔ مرغی کے انڈوں تک پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان تبدیلیوں سے اراکانی مسلمان سب سے زیادہ متاثر ہوئے کیونکہ اس انقلاب سے پہلے وہ تجارت اور زراعت میں اچھی گزر بسر کر رہے تھے۔ ان اقدامات سے وہ اقتصادی طور پر تباہ ہو کر رہ گئے۔ کھانے پینے اور روزمرہ استعمال کی

[1] https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/baseerat+online-epaper-baonline/-newsid-72939921 (Accessed April 30, 2020)
[2] http://neelfairy.com/Stories/2000/ (Accessed April 30, 2020)

دوسری اشیاء کی راشن بندی کر دی گئی۔ اس طرح کے کئی ہزار افراد پر مشتمل مسلمان دیہات میں صرف ایک ڈپو کو قائم کیا گیا۔ ڈپو کی نگرانی ایک کمیٹی کرتی تھی، جس کے نمائندے اکثر غیر مسلم تھے۔ اس طرح اکثر مسلمان اشیائے ضروریہ سے محروم رہتے، چنانچہ وہ عیسائیوں اور بدھوں سے بلیک مارکیٹ میں چیزیں خریدتے۔

۱۹۶۲ء میں انقلاب کے آتے ہی سب سے پہلے اراکان میں ملازمتوں سے ۵ ہزار مسلمانوں کو برطرف کر دیا گیا۔ دوسرا اقدم یہ اٹھایا گیا کہ مسلمان تاجروں کی تمام جائیدادیں بلا معاوضہ حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیں۔

مسلمانوں کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کی غرض سے حکومت نے اعلان کیا کہ پچاس اور سو کیات کے نوٹ بینکوں میں جمع کرا دیئے جائیں تاکہ ان افراد کو نئے نوٹ جاری کیے جاسکیں۔ لیکن اس پالیسی کے تحت مسلمانوں کی تمام رقوم کو حکومت نے ہڑپ کر لیا اور انہیں نئے نوٹ فراہم نہیں کیے گئے۔[1]

کسی مسلمان کی گاڑی یا عمارت کو اس کے قبضے میں نہ رہنے دیا بلکہ اپنے قبضے میں کر لیا گیا۔ یوں مسلمان کنگال، دیوالیہ اور بیروزگار ہو گئے۔ برما بھر کے مسلمانوں پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ روزی کمانے کی خاطر رنگون میں محض تین ماہ کے لیے جاسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہیں آمدورفت کا اجازت نامہ لینا پڑتا ہے۔ اور یہ اجازت نامہ بڑی چھان بین اور پوچھ گچھ کے بعد دیا جاتا ہے۔

اراکان کے بزنس نیٹ ورک میں بڑا حصہ روہنگیا مسلمانوں کا تھا۔ جنرل نیون نے ان کے خلاف اکنامک کریک ڈاؤن شروع کیا۔[2]

مسلمان اقتصادی طور پر اس قدر کچل دیے گئے کہ ان کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر ہو گئی۔ انہیں کسی قسم کا کوئی معاشرتی اور قانونی تحفظ حاصل نہیں رہا۔ زیادہ تر زمینیں تو ان سے خالی کرا لی گئی باقی جو تھوڑی بہت بچ گئیں انہیں وہ اس شرط پر کاشت کر سکتے تھے کہ ۹۰ فیصد پیداوار حکومت کے حوالے کر دیں گے۔ پیداوار کی مقدار فصل پکنے سے پہلے ہی متعین کر دی جاتی ہیں اور عموماً کوئی نہ کوئی ایسا سبب ضرور ہو جاتا کہ پیداوار اندازے کے مطابق نہیں ہوتی تو چنانچہ کاشتکار معینہ مقدار کے مطابق پیداوار حکومت کو پیش کرنے سے قاصر رہتے لیکن حکام کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وہ ان کے گھر کا مال و متاع ضبط کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھوک سے مارنے کا ایک اور طریقہ بدھ حکام نے یہ اختیار کیا کہ چاولوں کی پوری پیداوار مسلمانوں سے چھین کر زرمبادلہ کمانے کے لئے برآمد کر دی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو جعلی راشن کارڈ جاری کیے جاتے ہیں جبکہ غیر مسلموں کو اصلی۔ اس طرح پولیس انہیں آئے دن پریشان کرتی رہتی ہے۔

---

[1] انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ۶۳

[2] عادل، بشیر، اقلیتوں کے مسائل، سہ روزہ **دعوت**، (نئی دہلی، انڈیا، جلد ۵۷، شمارہ ۴۱، ۱۳ مئی ۲۰۰۹ء)، ص ۴

اراکان میں نسلی فسادات کی ایک لہر فروری ۲۰۰۱ء میں پھوٹ پڑی۔ یہ فسادات اراکان کے صوبائی صدر مقام اکیاب میں ہوئے۔ بدھ مت کے پیروکاروں نے برمی پولیس فورس اور فوج کی پشت پناہی میں تین بڑے مسلم اکثریتی علاقوں اوہ منگلہ، ناظر پاڑا، اور مولوی پاڑہ کو آگ لگادی، جس میں ایک طرف املاک اور اثاثوں کو نقصان پہنچا تو دوسری طرف ڈیڑھ ہزار مسلمان مارے گئے۔

انسان کے معاشی ذرائع یعنی اس کی آمدنی اور دولت اس کی ضرورت کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک ملک کے مجموع وسائل پیداوار (مثلاً زمین، معدنیات مزدور، سرمایہ، مشینیں، کارخانے وغیرہ) اس ملک کے لوگوں کی ضرورتوں کے مقابلہ میں قلیل اور کم یاب ہیں۔ اس کو ذرائع کی قلت کہا جاتا ہے۔ لیکن برما خصوصاً اراکان میں وسائل کی کمی نہیں ہے۔ جس طرح اس وقت روہنگیا مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی، سماجی اور عائلی مسائل درپیش ہیں اسی طرح معاشی مسائل بھی ان کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ آسائش زندگی تو درکنار سامان زندگی بھی صحیح سے میسر نہیں، اشیاء خورد و نوش کے بھی لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اراکان میں موجود وسائل کا مختصراً ذکر درجہ ذیل کیا جاتا ہے۔

قدرتی وسائل:

اراکان کی زمین بہت زرخیز ہے اور قابل کاشت زمین میں ہر سال کاشت کی جاتی ہے۔ لیکن اراکان کی زمین سال میں ایک فصل ہی دیتی ہے۔ ازادی سے پہلے اراکان ۴۵۰۰۰۰ ٹن زائد چاول پیدا ہوتا تھا۔ جو دنیا کے بہت سے ممالک میں چاول بھیجتا تھا۔ آزادی کے بعد روہنگیا کو تنگ کرنا شروع ہوا اور روہنگیا برادری ہجرت پر مجبور ہوئے اور بدھوں کو ان کی جگہ لاکر بسایا گیا ہے جو سست اور کاہل ہونے کے علاوہ زراعت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے۔

> Agriculture in Myanmar, dominated by paddy rice cultivation, generates a direct or indirect economic livelihood for over 75% of the population.[1]

ترجمہ: میانمار میں زراعت، جو دھان چاول کی کاشت پر حاوی ہے، 75 فیصد سے زیادہ آبادی کے لئے براہ راست یا بالواسطہ معاش کے ذرائع پیدا کرتی ہے۔

چاول کے علاوہ اراکان میں مرچ، تمباکو، لوبیا، گنا، اروی، چنا مونگ، ارہر، بھنڈی، مونگ پھلی، پیاز، رائی ناریل، لہسن، چھالیہ، توری، کدو، لوکی، شکرقند، ادرک، ہلدی، باجرہ، جوار، بینگن، کریلا، مولی، بند گوبھی، پھول گوبھی، آلو، کھیرا، ٹماٹر، آڑو اور دوسرے بہت سے پھل جیسے آم، آلو بخارہ، پپیتا، لیچی، موسمی، لیموں، تربوز، کیلا، امرود، انناس، سردہ، کاجو، خربوزہ وغیرہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمام اجناس چھوٹے پیمانے پر اگائے جاتے ہیں اور ان

---

[1] Okamoto, I; Agricultural Marketing Reform and Rural Economy in Myanmar: The Successful Side of Reform; Paper presented at the Parallel Session II, "Reform in Agriculture-Country experiences from Asia", GDN the 5th Conference, 28th, January 2004, New Delhi, India; 2004.

کے لئے کوئی حکومتی تعاون نہیں ہوتی۔ اگر یہ فصل سائنسی انداز میں بڑے پیمانے پر آگاہی جائیں تو دیگر ممالک کو بر آمد بھی کی جاسکتی ہے۔

سمندری وسائل:

اراکان کا ۳۶۰ میل لمبا ساحل مختلف قسم کی مچھلیوں سے بھر اپڑا ہے۔ لیکن جدید سازو سامان اور کشتیوں کی عدم موجودگی اور مسلمان ماہی گیروں پر امتیازی پابندیوں کی وجہ سے سالانہ پیداوار بہت کم ہے۔

برق آبی قوت:

"سیدن[1]"(Saidin Waterfall) آبشار کے نام سے بلندی سے گرنے والی ایک قدرتی آبشار دریائے "سیدن" کے بالائی دہانوں پر جو بوتھیڈاؤنگ ٹاؤن شپ سے تقریباً ۱۵ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اگر اس سے بجلی پیدا کی جائے تو یہ ایک بہت بڑے برق آبی پلانٹ کو قوت مہیا کر سکتا ہے۔ ۱۹۶۰ میں اسوقت تک کی اونو حکومت نے اقوام متحدہ کے تعاون سے اس آبشار کی جگہ ایک برق آبی پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جائزے کے مطابق جو اقوام متحدہ کے ماہرین نے لیا تھا اس منصوبے کی تکمیل کے بعد اراکان کی بجلی کی تمام ضروریات پوری ہونے کے علاوہ ایک بڑی مقدار میں برقی قوت بنگلہ دیش کو بھی بر آمد کی جاسکتی تھی۔ ۱۹۶۲ کے تبدیلی کے اقتدار کے بعد فوجی حکومت نے منصوبے پر عملدرآمد روک دیا اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مجوزہ منصوبہ مسلم آبادی میں واقع تھا۔

جنگلات:

جنگلات سے اچھی خاصی پیداوار حاصل ہوتی ہے اراکان کی خشکی کا ۷۰ فیصد علاقے پر جنگلات ہیں۔ جس میں بہترین عمارتی لکڑی پائی جاتی ہے اراکان کے پہاڑی علاقوں میں قدرتی طور پر اگنے والی ساگوان برما کے کل بر آمدات کا ۱۵٪ ہے۔

More than 50 percent of the total land area is still covered with natural forests.[2]

ترجمہ: کل زمینی رقبے کا ۵۰ فیصد سے بھی زیادہ حصہ ابھی بھی قدرتی جنگلات پر مشتمل ہے۔

نہ صرف برما میں بہت زیادہ جنگلات پائے جاتے بلکہ اراکان میں یہ حصہ اور بھی زیادہ ہے۔ یہاں نہ صرف بہترین لکڑی پائی جاتی ہے بلکہ اراکان میں بہترین قسم کا شہد وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جنگلات سے اور بھی کئی طرح کے فوائد حاصل ہیں۔

---

[1] سیدن آبشار علاقہ مایو میں واقع ہے، راکھائن ساحلی پٹی کا سب سے بڑا اور بلند ترین مقام ہے۔ آبشار تقریباً ۷۰ فٹ اونچائی اور ۷۰۰ فٹ چوڑا ہے۔

[2] U Tin Tun, Deputy Director, Coastal forest rehabilitation and management in Myanmar, Nature and Wildlife Conservation Division, (Myanmar: Forest Department, 2017) 1.

معدنی وسائل

پٹرولیم:

ساحل ارکان کے قریب ہی پیٹرولیم موجود ہے مگر کلی طور پر ایک غیر دریافت شدہ ہے۔ رحمبری اور ٹوبہ جزائر میں تیل خام دستی طریقوں سے نکالا جاتا ہے۔ ماہرین ارضیات کا دعویٰ ہے کہ اس علاقے میں بہت سا خام تیل موجود ہے۔

> Oil and gas are produced in Myanmar from Cenozoic sedimentary rocks that occur in the 1200 km-long Central Burma Depression as well as in the three areas into which the Ministry of Energy has divided its offshore territory. One of these The onshore Rakhine coastal strip.[1]

ترجمہ: میانمار میں سینزوک قدرتی پتھروں سے تیل اور گیس پیدا ہوتی ہے جو ۱۲۰۰ کلومیٹر لمبی وسطی برما کے افسردگی کے ساتھ ساتھ ان تینوں علاقوں میں پائی جاتی ہے جن میں وزارت توانائی نے اپنے ساحلی علاقے کو تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک ساحل راکھائن کی ساحلی پٹی ہے۔

اراکان کے دیگر معدنی وسائل کو در حقیقت اہمیت ہی نہیں دی گئی۔ متعدد جائزوں سے انکشاف ہوا ہے کہ لوہا، یورینیم، کوئلہ، چونے کا پتھر، گرینائٹ اور فلز وغیرہ نکالے جاسکتے ہیں۔ سب سے زیادہ ارزانی کے ساتھ دستیاب ہونے والی سنگ مرمر کے ذخائر ہیں۔ جاپانی فرموں نے ان ذخائر کی اجازت کے بدلے علاقے میں منفعت بخش کاروبار ترقیاتی منصوبوں کی پیشکش کی تھی لیکن اس تجویز پر کبھی بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا۔

صنعت وحرفت: نمک سازی:

ساحل اراکان کے ساتھ ساتھ کھارے سمندری پانی سے نمک پیدا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان نمک کے طاسوں سے بھی جو کہ بعض مقامات جیسے منگڈاؤ، رحمبری، کیوکپیو، اکیاب اور ساونڈے میں سمندری پانی کو گڑھوں میں جمع اور خشک کرکے بھی نمک حاصل کیا جاتا ہے۔ اور یہ سارا کاروبار کسی سرکاری مدد اور تعاون کے بغیر جاری ہے۔

ناریل کی کاشت:

مقامی زراعت کے طور پر پورے اراکان میں ناریل چھوٹے پیمانے پر اگتے ہیں اور یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ناریل کی سالانہ پیداوار تقریباً ۱۵۰ لاکھ ہے۔ ساونڈے اور گوا شہروں میں ایک ایک فیکٹری ہے جن میں ناریل کے

---

[1] MICHAEL F. RIDD & ANDREW RACEY, Introduction to the Petroleum Geology of Myanmar, Racey, A. & Ridd, M.F.2015.(Petroleum Geology of Myanmar. Geological Society, London, Memoirs), 45, 1–6.
http://doi.org/10.1144/M45.01 (Accessed May 2, 2020)

چھلکوں سے رسی تیار کی جاتی ہے لیکن اراکان میں ناریل کے تیل کی بہتات کے باوجود جو صابن سازی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے وہاں اب تک کوئی صابن فیکٹری نہیں ہے۔

پرورش حیوانات:

اگرچہ اراکان میں گلہ بانی اور حیوانی نسل کشی کا کوئی سرکاری منصوبہ موجود نہیں ہے پھر بھی تمام کسان گائے، بھینس، بکری، مرغی، بطخ، کبوتر وغیرہ پالتو جانوروں کے طور پر رکھتے ہیں۔

چھوٹی اور گھریلو صنعتیں:

پورے اراکان میں مجموعی طور پر چاول کے ۳۳ کارخانے ہیں۔ کم از کم ایک آئسکریم فیکٹری اور ایک ہوا بند مشروب تیار کرنے کی فیکٹری اکیاب میں موجود ہے۔ اکیاب میں ایک کاٹن فیکٹری بھی ہے ہر قصبے میں کپڑا بننے والی دستی کھڈیاں خاصی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ ایک چھوٹی سی شکر مل کی بنیاد حکومت نے کیوکتو قصبے میں رکھی ہے۔ جس کے ساتھ ایک شراب سازی کی فیکٹری بھی ملحق ہے۔ اراکان میں شکر زیادہ تر گنے سے بنائی جاتی ہے جہاں مشینوں کی مدد سے خام شرکت گڑ دیسی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے کیونکہ گنے کی کاشت بکثرت ہے۔

روہنگیا کی معاشی حالات میں بدھ بھکشوؤں کا حصہ:

ان سارے وسائل کے باجود روہنگیا مسلمانوں کی زندگی انتہائی غربت میں گزر رہی ہے۔ اور ان کو ہر طرح سے تنگ کیا جارہا ہے۔ اور ان پر یہ مظالم نہ صرف برمی حکومت کر رہی ہے بلکہ اس میں بدھ برادری کا پورا کردار ہے۔ اور اس میں خصوصاً بدھ برادری کے بدھ دہشت گرد بھکشو شامل ہیں۔ انتہا پسند بھکشوؤں کا لیڈر آشین وراتھو ہے جس نے ایک دہشت گرد تنظیم "۹۶۹ موومنٹ" کے نام سے بنا رکھی ہے۔ تنظیم کے ارکان مسلمانوں کے خلاف پُرتشدد کارروائیاں کرتے ہیں۔ ان بدھ بھکشوؤں کے خیال میں روہنگیا نے برمی وسائل پر قبضہ کیا ہے۔ اور ان کی وجہ سے بدھ برادری غربت کی شکار ہوئی ہے۔ اس لئے وہ بدھ برادری کو ہدایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آشین وراتھو نے مقامی برمیوں کو مسلم دکانداروں سے خرید و فروخت سے گریز کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کی معیشت بری طرح متاثر ہو۔[1]

آشین وراتھو ہمیشہ اپنی تقاریر میں مسلم دشمنی کا پہلو واضح رکھتے ہیں۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ بدھ برادری کے دل میں مسلمانوں کی نفرت بڑھ جائے۔ اور وہ روہنگیا کو برمی وسائل کا دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان برما سے ختم ہو جائیں یا یہاں سے چلے جائیں۔ ان کے دل میں یہ خدشہ ہے کہ مسلمان برما کے تمام وسائل

---

[1] https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/baseerat+online-epaper-baonline/-newsid-72939921 (Accessed May 2, 2020)

پر قبضہ کرکے برما کو ایک مسلم ریاست بنالیں گے۔ جس کے لئے وہ بدھ برادری کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔

فی الوقت آٹھ تا دس لاکھ روہنگیا اراکان میں مقیم ہیں۔ برمی حکومت نے ان کو "غیر قانونی مہاجر" قرار دے چکی ہے۔ یوں انھیں اپنے ہی وطن میں اجنبی بنا دیا گیا۔ ان پہ کڑی پابندیاں عائد ہیں۔ مثلاً

"کوئی روہنگیا ملازمت نہیں کر سکتا اور ایک خاندان کو صرف دو بچے پیدا کرنے کی اجازت ہے۔ اور یہ غیر قانونی مہاجرین کے حقوق رکھتے ہیں۔"[1]

اس ساری صورت حال میں سب سے قابل مذمت کردار آنگ سان سوچی کا رہا ہے۔ جب وہ خود قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہی تھیں تو ہر انٹرویو میں اور اپنے ہر خطاب میں وہ انسانی حقوق کی پاس داری، ظلم و ستم کے خاتمے، مظلوموں کو ان کے حقوق دلانے کی بڑی بڑی باتیں کرتی تھیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے بہیمانہ ظلم و ستم پر آنگ سان سوچی نے بھی چپ سادھ رکھی ہے۔

اب لگتا ہے کہ اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ کر وہ انسانی حقوق کی پاس داری اور مظلوموں سے انصاف کا سبق بھول گئی ہیں یا دہرانا نہیں چاہتیں۔[2]

سوچی نے روہنگیا اقلیت کی نسلی تطہیر کے الزامات کے تناظر میں کہا کہ بین الاقوامی مبصرین کو ان واقعات کی چھان بین کرنے کی اجازت ہے اور میانمار کو اس حوالے سے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہے، بین الاقوامی برادری یہ جان لے کہ ان کی حکومت حالات سے نمٹنے کے لیے کیا کر رہی ہے۔" انہوں نے انسانی حقوق کی تمام پامالیوں کی مذمت کی اور کہا کہ جو کوئی بھی اس کا مرتکب ہے اس کو سزا دی جائے گی۔"[3]

انسانی حقوق کی تنظیموں نے ۱۰ روہنگیا دیہاتیوں کو قتل کرنے والے ۷ فوجیوں کی رہائی کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں فوج کے دباؤ پر چھوڑا گیا۔ برما نے روہنگیا مسلمانوں کیخلاف سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والے اپنے ۷ فوجیوں کو سزا ختم ہونے سے ۹ برس قبل رہا کر دیا ہے۔

روہنگیا نسل کشی میں ملوث فوجیوں نے برطانوی خبر رساں ادارے کے اُن دو رپورٹرز سے بھی کم دن جیل میں گزارے، جنہوں نے پسے ہوئے اقلیتی طبقے پر ڈھائے جانے والے مظالم دنیا کے سامنے بے نقاب کئے تھے۔[1]

---

[1] https://dunya.com.pk/index.php/special-feature/2014-04-08/8681(Accessed May 5, 2020)

[2]https://pakistansinfocus.wordpress.com/2016/11/27/%D8%B1%D9%88%DB%81%D9%86%DA%AF%DB%8C%D8%A7-%D9%85%D8%B3%D9%84%D9%85%D8%A7%D9%86%D9%88%DA%BA-%D9%BE%D8%B1-%D8%B8%D9%84%D9%85-%DA%A9%D8%A7-%D9%86%DB%8C%D8%A7-%D8%AF%D9%88%D8%B1/ (Accessed May 9, 2020)

[3] https://jang.com.pk/amp/377876 (Accessed May 9, 2020)

[1] https://urdu.arynews.tv/myanmar-army-officers-released-who-killed-the-muslims/ (Accessed May 9, 2020)

روہنگیا مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والی برمی فوج کے ۴ افسران اور ۳ فوجیوں کو ۲۰۱۸ء میں ۱۰ روہنگیا دیہاتیوں کو بہیمانہ انداز میں قتل کرنے پر ۱۰ برس قید با مشقت سزا سنائی گئی تھی۔ اس اقدام کو نام نہاد امن نوبیل انعام یافتہ برمی رہنما آنگ سان سوچی اور آرمی چیف من آنگ لینگ نے فوج میں جاری احتساب کے عمل کے طور پر پیش کیا تھا۔

تاہم روہنگیا مسلمانوں کے قاتل فوجیوں کو سزا سنائے جانے کے محض ایک برس کے اندر ہی انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ جانبدار ذرائع ابلاغ کے مطابق ان فوجی افسران اور سپاہیوں کو برمی فوج کے دباؤ پر رہائی ملی ہے، جو منظم منصوبہ بندی کے تحت روہنگیا نسل کو ان کے آبائی علاقوں سے دربدر کرنے کی ذمہ داری ہے۔

ان سارے مسائل سمیت روہنگیا برادری سے جبری مشقت بھی لی جاتی ہے۔ اور یہ جبری مشقت تمام روہنگیا پر لاگو ہیں۔ اس سے کسی کو بھی کوئی استثناء حاصل نہیں ہے۔

جبری مشقت:

برما میں روہنگیا مسلمانوں سے جبری مشقت لی جاتی ہے۔ جس میں جوان، بچے اور بوڑھے سبھی شامل ہیں۔ اور یہ جبری مشقت مختلف قسم کی ہوتی ہے جس میں تعمیراتی کام، مثلاً سڑکوں کی مرمت، فوجی بیروکوں کی مرمت، اور افواج کے لئے مختلف قسم کا سامان مہیا کرنا وغیرہ شامل ہے۔

> Forced labor has been widely used for the construction of the border fence along the Myanmar-Bangladesh border.[1]

ترجمہ: میانمار بنگلہ دیش کی سرحد کے ساتھ سرحدی باڑ کی تعمیر کے لئے جبری مشقت بڑے پیمانے پر استعمال کی جا رہی ہے۔

جبری مشقت میں عام طور پر معاوضہ نہیں دیا جاتا ہے اور مزدور خود اپنے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ ریاست شمالی راکھائن میں یہ امتیازی سلوک صرف روہنگیا برادری پر مسلط کیا گیا ہے۔ خاص طور پر دیہی علاقوں میں روہنگیا برادری کے متعدد افراد ناساکا، آرمی اور پولیس وغیرہ جیسے حکام کے لئے جبری مشقت کرنا پڑتی ہے۔ ہر خاندان کے ایک شخص کو ہفتے میں کم سے کم ایک دن کیمپوں کی دیکھ بھال کے لئے اور ہفتے میں ایک رات گاؤں کے سرحد پر گارڈ ڈیوٹی کے لئے بھیجنا، سڑکوں کی مرمت، نئے تعمیراتی منصوبوں کے لئے لی جاتی ہے اور ہنگامی صورتحال میں زیادہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ غریب افراد جبری مشقت سے بچنے کے لئے حکام کو رشوت دینے کے متحمل نہیں ہوسکتے ہیں اور اس طرح وہ نہ صرف اپنا کام انجام دینے پر مجبور ہوتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کا بھی جنہوں نے حکام کو معاوضہ ادا کیا تھا۔ چونکہ بالغ افراد باپ یا بڑے بھائی عام طور پر خاندان کو کھانا کھلانے کے لئے

[1] Lewa, Chris, *The Arakan Project*, 10.

روزانہ اجرت کمانے میں مصروف رہتے ہیں اور خواتین کو عمومی طور پر اپنے گھروں سے باہر کی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے روکا جاتا ہے، لہٰذا جبری مشقت کے فرائض سر انجام دینے کا بوجھ اکثر بچوں پر پڑتا ہے۔

> An international observer, who requested not to be identified, estimates that about 20% of forced labor in Northern Rakhine State is carried out by Rohingya children.[1]

ترجمہ: ایک بین الاقوامی مبصر، جس نے شناخت نہ کرنے کی درخواست کی، اس کا اندازہ ہے کہ شمالی راکھائن ریاست میں تقریباً ۲۰٪ جبری مشقت روہنگیا بچوں سے لی جاتی ہے۔

جبری مشقت کا معاشی آمدنی پر شدید اثر پڑتا ہے۔ تنگ دست غریبوں کو مزید غربت میں مبتلا کرتے ہیں، اور بچوں کو بھوک اور غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سکول جانے والے بچے جبری مشقت کی وجہ سے سکول سے غیر حاضر رہتے ہیں۔ اور اکثر ان بچوں میں جبری مشقت کی وجہ سے سکول چھوڑ جاتے ہیں۔ نقل و حرکت پر سخت پابندیوں کے براہ راست نتیجے کے طور پر چاہے وہ شمالی راکھائن میں ہو یا کہیں اور آئی ڈی پیز کیمپوں میں بے ریاست روہنگیا کو آمدن، خوراک، صحت کی دیکھ بھال اور تعلیم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بہت سی مشکلات پیش آرہی ہیں۔

ذریعہ معاش تک رسائی کا فقدان ہے روہنگیا کے سمندری وسائل ان کا بنیادی ذریعہ معاش ہے۔ روزگار کے مواقع کی کمی اور غربت کو مقامی احکامات کے نفاذ سے روکاوٹوں نے مزید بڑھا دیا ہے۔ شمالی راکھائن میں، ماہی گیری پر پابندی اور جنگل کے دیگر وسائل جمع کرنے پر سرکاری پابندی، اور غیر رسمی ٹیکس کے نفاذ کے ساتھ ساتھ نقل و حرکت میں رکاوٹوں سے غریب افراد کی معیشت پر گہرا اثر پڑا ہے۔ ذریعہ معاش تک ان کی رسائی پر پابندی لگانا اور ادارہ جاتی بھتہ خوری کے ذریعہ اپنے اثاثوں کو ختم کرنا روہنگیا کو وطن چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لئے حکمت عملی ثابت ہوئی ہے۔

نقل مکانی کرنے والے کیمپوں میں خوراک حاصل کرنا خواتین کی طرف سے سب سے اہم مسئلہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ قید اور علیٰحدگی نے روہنگیا برادری کو بڑی حد تک بین الاقوامی امداد پر منحصر کر دیا ہے۔ کیمپ کے اطراف میں دستیاب متبادل آمدنی کسی خاندان کو برقرار رکھنے کے لئے بہت کم ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کے ذریعہ فراہم کردہ خواک کے راشنوں میں صرف چاول، دالیں، کھانا پکانے کا تیل اور نمک شامل ہوتا ہے اور اسے غیر مساوی طور پر تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ کچھ کیمپوں میں مقیم گھرانوں کو سرکاری تقسیم کی فہرست میں درج نہیں کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ، خاندان دیگر ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے اپنے کھانے پینے کے سامان کا کچھ حصہ بیچ دیتے ہیں۔ غذائی عدم تحفظ کا غذائیت اور صحت پر دیرپا اثر پڑتا ہے۔

[1] Lewa, Chris, *The Arakan Project*, 10.

متعدد عوامل کی وجہ سے روہنگیا میانمار میں غریب ترین نسلی اقلیت کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ نقل و حرکت پر پابندیاں روہنگیا کو روزگار کے مواقع تک رسائی سے روکتی ہیں۔ میانمار میں بے روزگاری اور غربت کی سب سے کم سطح راکھائن کی ریاست ہے۔

> In addition to this, mobility restrictions have made it difficult to find employment outside of their immediate surroundings.[1]

ترجمہ: اس کے علاوہ، نقل و حرکت کی پابندیوں کے باعث اپنے آس پاس کے باہر روزگار تلاش کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

> The Rohingyas are in particular suffering from unemployment and lack of livelihood opportunities as their lack of legal documentation has prevented them from obtaining access to land in a state where the main source of income is agriculture.[2]

ترجمہ: روہنگیا خاص طور پر بے روزگاری اور معاش کے مواقع کے فقدان میں مبتلا ہیں کیونکہ ان کی قانونی دستاویزات کی کمی نے انہیں ایسی ریاست میں زمین تک رسائی حاصل کرنے سے روک دیا ہے جہاں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت ہے۔

اور روہنگیا برادری بے وطن ہونے کے ساتھ ساتھ بے زمین بھی ہو رہے ہیں۔ برمی حکام راکھائن کے روہنگیا مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ کر رہی ہے۔ جس سے غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔

> Thus, most of the Rohingya population from northern Rakhine state is landless and deprived of any source of income.[3]

ترجمہ: اس طرح، شمالی راکھائن ریاست سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر روہنگیا آبادی بے زمین ہیں اور کسی بھی آمدنی سے محروم ہیں۔

> An estimated 80% of people living in the state are dependent on agriculture and off-farm activities to cover their basic needs, activities which are seasonal and lead to irregular income generation.[4]

ترجمہ: ایک اندازے کے مطابق ریاست میں ۸۰ فیصد لوگ زراعت اور غیر فارم سرگرمیوں پر انحصار کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں، جو سرگرمیاں موسمی ہیں اور اور بے قاعدہ آمدنی کا باعث بنتے ہیں۔

---

[1] Advisory Commission on Rakhine State, TOWARDS A PEACEFUL, FAIR AND PROSPEROUS FUTURE FOR THE PEOPLE OF RAKHINE Final Report of the Advisory Commission on Rakhine State (August 2017), 20. http://www.kofiannanfoundation.org/app/uploads/2017/08/FinalReport_Eng.pdf (Accessed May 20, 2020)

[2] Advisory Commission on Rakhine State, 2017. Towards a Peaceful, Fair and Prosperous Future for the People of Rakhine. Final Report of the Advisory Commission on Rakhine State. Available at http://www.rakhinecommission.org/ (Accessed May 20, 2020)

[3] Amnesty International, '*Caged without a Roof*' Apartheid in Myanmar's Rakhine State, London, 2017) 23.

[4] Action Contra Le Faim (ACF), Final report,(SMART Nutrition survey, Buthidaung and Maungdaw Townships, September 2015-October 2015), 20.

راکھائن ریاست میں ۲۰۱۲ء میں بین المسالک تشدد کی لہروں نے برادریوں کو تقسیم کردیا اور مقامی تجارت کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش کی سرحد پار سے ہونے والی تجارت کو بھی متاثر کیا۔ راکھائن میں روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے نتیجے میں روہنگیا آبادی میں روزگار بہت کم ہے۔

> Rakhine State has one of the highest unemployment rates in Myanmar. According to the 2014 census, 10.4% of the enumerated population in Rakhine State (aged 15-64) were unemployed.[1]

ترجمہ: میانمار میں بے روزگاری کی سب سے بڑی شرح راکھائن ریاست میں ہے۔ ۲۰۱۴ء کی مردم شماری کے مطابق، ریاست راکھائن میں آبادی کا ۴.۱۰٪ (عمر ۱۵-۶۴) بے روزگار تھا۔

> As a result, people from all communities across the state rely heavily on casual and daily labor to earn a living. In many cases those who are able to, migrate to other parts of Myanmar or overseas for work.[2]

ترجمہ: اس کے نتیجے میں، ریاست بھر میں تمام برادریوں کے افراد اپنی زندگی گزارنے کے لئے آرام دہ اور پر سکون اور روزمرہ کی محنت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ بہت سے مواقع میں جو میانمار کے دوسرے حصوں یا دوسرے ملک جانے کے قابل ہیں کام کرنے کے لئے ہجرت کرتے ہیں۔

نقل و حرکت پر پابندیاں اور علیٰحدگی کی پالیسیاں روہنگیا اور دوسرے مسلمانوں کو ان کی روزی روٹی مثلاً زمین، ساحلی پانی اور دریاؤں سے ماہی گیری کرنا اور بازاروں تک رسائی سے روکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے معاش کمانے، کاروبار میں مشغول ہونے اور اپنے اور اپنے اہل خانہ کی امداد کرنے کی ان کی صلاحیتوں پر تباہ کن اثر ڈالتا ہے۔ سی ڈی این ایچ[3] کے ذریعہ ۲۰۱۵ء کے جائزے میں یہ بھی بتایا گیا کہ راکھائن میں ۱۰ میں سے ۸ ٹاؤن شپ میں مسلمانوں کا سروے کیا گیا کہ ان کی آمدنی بہت ناقص ہے، یا وہ بہت غریب ہے یا ان کی کوئی آمدنی نہیں ہے۔

> While most communities reported deterioration in their economic situation since 2012, the situation was particularly acute for Muslims and as a result, many are dependent on aid. [4]

ترجمہ: اگرچہ بیشتر برادریوں نے ۲۰۱۲ء کے بعد سے اپنی معاشی صورتحال میں بگاڑ کی خبر دی ہے، لیکن یہ صورتحال خاص طور پر مسلمانوں کے لئے شدید تھی اور اس کے نتیجے میں بہت سارے مسلمان صرف بیرونی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔

---

[1] The Republic of the Union of Myanmar Department of Population, Ministry of Immigration and Population, Rakhine State: (Census Report Volume 3-K, May 2015), 2. https://data.opendevelopmentmyanmar.net/my/dataset/fed040c9-8003-4bfb-a380-79dd4334edae/resource/3d696a18-78fa-412d-9fa0-e963309802d0/download/rakhine-state-census-report-english.pdf(Accessed May 20, 2020)

[2] *The Arakan Project*, 10.

[3] تنوع اور قومی ہم آہنگی کا مرکز۔ center for diversity and national harmony

[4] CDNH, Rakhine State Needs Assessment, September 2015.

Of these 120,000 people, mainly Rohingya, live in displacement camps, 99,000 of whom had been receiving monthly food assistance since 2012.[1]

ترجمہ: ان ۱۲۰،۰۰۰ افراد میں سے، خاص طور پر روہنگیا جو بے گھر ہونے والے کیمپوں میں رہتے ہیں، جن میں سے صرف ۹۹،۰۰۰ افراد کو ۲۰۱۲ء سے ماہانہ خوراک کی امداد مل رہی ہے۔

Before the 9 October 2016, humanitarian agencies were providing food, cash and nutrition assistance for 160,000 people, most of them Rohingya, in northern Rakhine State.[2]

ترجمہ: ۹ اکتوبر ۲۰۱٦ء سے پہلے، انسانیت پسند ایجنسیاں ۱٦۰،۰۰۰ افراد کے لئے کھانا، نقدی اور غذائی امداد مہیا کر رہی تھیں، جن میں سے بیشتر روہنگیا شمالی راکھائن ریاست میں تھے۔

جس کے لئے اقوام متحدہ نے اپنی ۲۰۱۷ء کی رپورٹ میں بتایا:

According to the UN's 2017 Humanitarian Response Plan, at the beginning of the year there were 402,000 people in need of humanitarian assistance in Rakhine State.[3]

ترجمہ: اقوام متحدہ کے ۲۰۱۷ء کے انسانی ہمدردی کے منصوبے کے مطابق، سال کے آغاز میں ریاست راکھائن میں ۴۰۲،۰۰۰ افراد کو انسانی امداد کی ضرورت تھی۔

ایک ۳۷ سالہ روہنگیا شخص جو کیوکاٹو شہر میں دکان چلاتا تھا۔نے ایک انٹرویو میں بتایا:

"Before 2012 we ran businesses in Kyauktaw[4] town but that's changed, today Kyauktaw [town] is completely off limits. This village heavily relied on Kyauktaw market; many people in our village worked there and owned shops in town."[5]

ترجمہ: "۲۰۱۲ء سے پہلے ہم کیوکاٹو شہر میں کاروبار چلاتے تھے لیکن یہ تبدیل ہو چکا ہے، آج کیوکاٹو (قصبہ) مکمل طور پر رسائی سے دور ہے۔ یہ گاؤں کیوکاٹو مارکیٹ پر بہت زیادہ منحصر تھا، ہمارے گاؤں کے بہت سے لوگ وہاں کام کرتے تھے اور شہر میں دکانیں رکھتے تھے۔

ٹاون سینٹرز جانے پر پابندی کے نتیجے میں روہنگیا اور دیگر مسلم برادریوں پر اہم معاشی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ان ممانعتوں نے نہ صرف روہنگیا اور دوسرے مسلمانوں کی تجارتی صلاحیت کو محدود کیا، بلکہ معاشی روابط اور برادریوں کے مابین تعلقات کو بگاڑنے کا سبب بنی ہے۔

---

[1] WFP, Myanmar October - November 2016 Operational Report, November 2016, 1. www.wfp.org/sites/default/files/WFP%20Myanmar%20Operational%20Report__Oct2016.pdf (Accessed May 25, 2020)

[2] United Nations and Partners, 2017 Humanitarian Response Plan, 11.

[3] United Nations and Partners, Humanitarian Response Plan, (2017) 11.

[4] کیوکاٹو میانمار کے مغربی علاقے میں واقع شمالی راکھین ریاست کا ایک قصبہ ہے۔

[5] Amnesty International interview with A.A. (February 2016) 19.

یو این ایچ سی آر کی ۲۰۱۵ء کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ:

> The violence in June and October 2012 not only destroyed market stalls, but also reduced people's spending power by an estimated 50%, effectively wiping out many livelihoods.[1]

ترجمہ: جون اور اکتوبر ۲۰۱۲ء میں ہونے والے تشدد نے نہ صرف منڈیوں کے عارضی دوکانوں کو تباہ کر دیا، بلکہ لوگوں کی خرچ کرنے کی طاقت کو بھی ۵۰ فیصد تک کم کر دیا، جس سے معیشت کو مؤثر انداز میں نقصان ہوا۔

ان فسادات سے نہ صرف روہنگیا مسلمانوں پر گہرے معاشی اثرات پڑے بلکہ دیگر برادریوں کی معیشت کو بھی نقصان پہنچا۔ اور وہ مالی لحاظ سے کمزور ہوئے۔

> While a 2016 Early Recovery Assessment in Mrauk-U District reported that the lack of access to markets for Muslim communities had resulted in "a localized depreciation of commercial activity that has stymied livelihood opportunities for both ethnic groups."[2]

ترجمہ: جبکہ مارک یو ضلع میں ۲۰۱۶ء کے ابتدائی بازیافت تشخیص نے بتایا ہے کہ مسلم برادری کے لئے مارکیٹوں تک رسائی کی کمی کے نتیجے میں "تجارتی سرگرمیوں کو مقامی طور پر فرسودگی کا سامنا کرنا پڑا ہے جس نے دونوں نسلی گروہوں کے لئے روزگار کے مواقع کو پیدا کرنے کی صلاحیت کم کر دی ہے۔

۲۰۱۲ء کے تشدد کے بعد زیادہ تر مسلمانوں کو شہر کے مراکز میں اپنی دکانوں پر واپس جانے کی اجازت نہیں ملی جنہوں نے سامان وہاں چھوڑا تھا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کی دکانوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔

کیوکاٹو ٹاؤن شپ میں رہائش پذیر ایک روہنگیا شخص نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا:

> My son used to run a pharmacy in the market in Kyauktaw town. Altogether, the business was worth around 20 million kyats (approx. US$11,000). During the violence, everything was looted we can't go back to it now. Since the conflict we have lost our shops and we cannot do business anymore.[3]

ترجمہ: میرا بیٹا کیوکاٹو شہر کے بازار میں دواخانہ چلاتا تھا۔ جو مجموعی طور پر اس کے کاروبار کی مالیت تقریباً ۲۰ ملین کیات (تقریباً ۱۱۰۰۰ امریکی ڈالر) تھی۔ تشدد کے دوران، سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ اب ہم اس میں واپس نہیں جا سکتے ہیں۔ تنازعہ کے بعد سے ہی ہم اپنی دکانیں کھو چکے ہیں اور ہم مزید کاروبار نہیں کر سکتے ہیں۔

قصبے کے مراکز اور بازاروں تک رسائی کی کمی نے صرف کاروباری مالکان کو ہی متاثر نہیں کیا، بلکہ وسیع تر افراد جو ان منڈیوں پر انحصار کرتے تھے کہ وہ پیداوار کی خرید و فروخت کرتے تھے، ان کو بھی متاثر کیا۔ قصبے کے مراکز اور مرکزی بازاروں تک رسائی کے بغیر ان کا واحد حل یہ ہے کہ وہ اپنی پیداوار مقامی طور پر فروخت کریں۔

---

[1] UNHCR, *Protection Concerns and Risks Analysis*, (November 2015), 17.

[2] 4 Early Recovery Network, (Early Recovery Multi-Sector Assessment of Mrauk-U District, March 2016), 18.

[3] Amnesty International interview with D.O. (September 2016), 34.

کیوکاٹو بستی میں رہائش پذیر ۲۶ سالہ خاتون نے وضاحت کی کہ تشدد سے پہلے وہ ہر روز بازار میں اشیائے خوردونوش خریدنے کے لئے کیوکاٹو شہر جایا کرتی تھیں، جسے وہ اپنے گاؤں میں اپنی دکان میں فروخت کرتی تھیں۔ چونکہ وہ اب کیوکاٹو شہر تک نہیں جاسکتی ہیں، اس لئے اسے اپنی دکان بند کرنی پڑی اور اب وہ آس پاس کے دیہات میں انڈے خرید کر بیچتی ہیں۔ اس سنگین صورتحال نے آمدنی کم کردی ہے جو پہلے ہی معمولی تھی۔ اس نے وضاحت کی:

> Before [the 2012 violence] when I could travel to Kyauktaw town to buy and sell things, I made between 3,000 and 4,000 kyats per day. Now I only make 1,500 per day, and 500 kyats of that I spend on transport fees for the boat [between Muslim villages] If I was still working in Kyauktaw [town] I would be able to afford to send my child to school.[1]

ترجمہ: "(۲۰۱۲ء کے تشدد) سے پہلے جب میں چیزیں خریدنے اور بیچنے کے لئے کیوکاٹو شہر جایا کرتی تھی، تو میں روزانہ ۳۰۰۰ سے ۴۰۰۰ کیات کماتی تھی۔ اب میں صرف ایک دن میں ۱۵۰۰ بناتی ہوں، اور اس میں سے ۵۰۰ کیات میں کشتی (مسلم دیہات کے درمیان) کے لئے نقل و حمل کی فیس پر صرف کرتی ہوں۔ اگر میں ابھی بھی کیوکاٹو (قصبے) میں کام کررہی ہوتی تو میں اپنے بچے کو اسکول بھیجنے کی متحمل ہوسکتی تھی۔

ایک ۳۲ سالہ روہنگیا باپ، جو کیوکاٹو ٹاؤن شپ میں رہائش پذیر ہے، نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ ۲۰۱۲ء سے نقل و حرکت پر پابندیوں کا مطلب ہے کہ وہ اپنی دکان کے لئے اسٹاک خریدنے کے لئے سیٹوے کا سفر نہیں کرسکتا۔ اس نے وضاحت کی:

> Before 2012 I was selling clothes in the village. I used to go to Sittwe and Mrauk-U [towns] too. In Sittwe I visited family and bought clothes and other items to sell here. I was making 10-20,000 kyats per day. Since the violence, I can't go to Sittwe to buy stock. I still have a shop, but now I only make 4-5,000 kyats per day. I have three kids and I'm having trouble looking after them. I haven't got income to look after them and pay for their healthcare, and since my wife died I need to juggle domestic work with my job.[2]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء سے پہلے میں گاؤں میں کپڑے بیچ رہا تھا۔ میں بھی سیٹوے اور ماروک یو (شہروں) میں جاتا تھا۔ سیٹوے میں اپنی فیملی سے ملنے گیا اور یہاں بیچنے کے لئے کپڑے اور دیگر سامان خریدا۔ میں روزانہ ۱۰ سے ۲۰،۰۰۰ کیات بنارہا تھا۔ تشدد کے بعد سے میں سامان خریدنے کے لئے سیٹوے نہیں جاسکتا۔ میرے پاس ابھی بھی ایک دکان ہے، لیکن اب میں صرف ۴-۵۰۰۰ کیات روزانہ کماتا ہوں۔ میرے تین بچے ہیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال کرنے میں دشواری ہورہی ہے۔ مجھے ان کی صحت کی دیکھ بھال کے لئے آمدنی نہیں ملی ہے، اور چونکہ میری اہلیہ فوت ہوگئی ہے لہٰذا مجھے اپنی ملازمت کے ساتھ گھریلو کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔

---

[1] Amnesty International interview with A.D, (February 2016), 12.
[2]Ibid.

ریاست شمالی راکھائن میں نقل و حرکت کی پابندیوں اور کرفیو نے دیہی علاقوں میں رہنے والے روہنگیا کے معاش کو بھی غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے جنہیں سامان خریدنے اور خریداری کے لئے شہر کے مرکز اور بازاروں میں سفر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اپنا سفر شروع کرنے سے پہلے نہ صرف انہیں کرفیو اٹھنے کا انتظار کرنا ہوتا ہے بلکہ انھیں چوکیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس طرح بھتہ خوری کے زیادہ خطرات موجود ہوتے ہیں۔ نقل و حرکت کی پابندیوں سے سامان کی آمدورفت میں بھی خلل پڑتا ہے، قلت اور قیمت میں اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی مثال ۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء کے حملوں کے بعد دیکھی جاسکتی ہے، جب جنوبی منگڈاؤ بستی کے دیہات میں اچانک خوراک اور دیگر اشیا کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور لوگوں کو روزمرہ کی اشیاء ملنا ناپید ہو گیا۔

> As of early November 2017 Rohingya traders still in the area reported it was not possible to officially travel to Bangladesh for business.[1]

ترجمہ: نومبر ۲۰۱۷ء کے شروع تک روہنگیا تاجروں نے جو ابھی بھی اس علاقے میں ہیں انہوں نے اطلاع دی کہ کاروبار کے لئے بنگلہ دیش میں باضابطہ طور پر جانا ممکن نہیں ہے۔

ماروک یو بستی میں رہائش پذیر ایک ۵۴ سالہ کسان جس کی زمین کو میانمار کی فوج نے جون ۲۰۱۶ء میں ضبط کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ:

> "My family and I relied on our fields for food and an income. Losing our fields has made it difficult for us to survive."[2]

ترجمہ: "میں اور میرا خاندان خوراک اور آمدنی کے لئے اپنے کھیتوں پر انحصار کرتے ہیں۔ اپنے کھیتوں کو کھونے سے ہمارے لئے زندہ رہنا مشکل ہو گیا ہے۔"

نقل و حرکت کی پابندیوں سے کھیتوں، جنگلات، سمندری مچھلی تک رسائی اور آمدنی پیدا کرنے کی مسلمانوں کی صلاحیت پر شدید اثر پڑا ہے۔ ریاست راکھائن کے شمالی ریاست میں روہنگیا کی آمدنی پر منفی اثر پڑا ہے۔ سفر کی اجازت حاصل کرنے کی مالی لاگت اور بی جی پی[3] کے ذریعہ بھتہ خوری کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

بوتھیڈانگ بستی میں مقیم ایک روہنگیا شخص نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ بی جی پی باقاعدگی سے روہنگیا ماہی گیر اور ان لوگوں سے بھتہ طلب کرتے ہیں جو لکڑیاں جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

> "Rohingya have to pay the BGP if we want to go fishing or collect wood in the forest. It's like a permission, but it's not official. If we

[1] Amnesty International communication,(November 2017), 13.

[2] Internal UN Briefing Note on Model Villages in Northern Rakhine State, undated and on file with Amnesty International, 21.

[3] بی جی پی میانمار کی پولیس فورس کا ایک محکمہ ہے جو بارڈر سکیورٹی میں کا کام کرتا ہے۔ بی جے پی شمالی راکھائن ریاست میں کام کرتی ہے اور راکھائن میں فرقہ وارانہ تشدد سے فرار ہونے والے روہنگیا لوگوں کی موجودہ ہجرت کی وجہ سے بنگلہ دیش میانمار کی سرحد کے ساتھ خاص طور پر سرگرم ہے۔

pay, they let us go. The amount varies. Fishermen with small nets pay 15-20,000 per month, those with big nets will be asked for more, up to 100,000 kyats [per month]. we give money to the Village Administrator who passes it on to the BGP. Usually it's around 1000 kyats for every 50 kilos of firewood collected."[1]

ترجمہ: اگر ہم ماہی گیری کرنا چاہیں یا جنگل میں لکڑی جمع کرنا چاہیں تو روہنگیا بی جی پی کو ادائیگی کرنی پڑے گی۔ یہ اجازت کی طرح ہے، لیکن یہ سرکاری نہیں ہے۔ اگر ہم ادائیگی کرتے ہیں تو وہ ہمیں جانے دیتے ہیں۔ رقم مختلف ہوتی ہے۔ چھوٹے جال والے ماہی گیر ماہانہ ۱۵ سے ۲۰،۰۰۰ کیات ادا کرتے ہیں، اور بڑے جال والے افراد ۱۰۰،۰۰۰ کیات ادا کرتے ہیں۔ ہم گاؤں کے ایڈمنسٹریٹر کو رقم دیتے ہیں جو بی جی پی کو دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ ۱۰۰۰ کیات ہر ۵۰ کلو میٹر کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔

اس طرح روہنگیا کو مختلف طریقوں سے لوٹا جاتا ہے۔ اور ان کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ برما میں خصوصاً روہنگیا کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہاں موجود روہنگیا اور دیگر برادریوں کے درمیان تعلقات بہت خراب ہیں۔ اور اس طرح کسی بھی معاشرے میں امن اور خوشحالی پروان نہیں چڑھ سکتی جہاں امیر غریب، چھوٹا بڑا اور خوشحال و پسماندہ کے درمیان خلا پیدا ہو جائے۔

In a society where the gap between privileged and disadvantaged has become chasm-like, nationalism can never flourish. This is the present reality of daily life in Burma.[2]

ترجمہ: جس معاشرے میں مراعات یافتہ اور پسماندہ افراد کے مابین فرق خلا کی طرح ہو چکا ہے، وہاں قوم پرستی کبھی پنپ نہیں سکتی۔ برما میں روزمرہ کی زندگی کی موجودہ حقیقت یہ ہے۔

برمی حکام کے ساتھ ساتھ وہاں بدھ رہنماء بھی روہنگیا برادری کے ساتھ ظلم وزیادتیوں میں برابر کی شریک ہے۔ بدھ بھکشوؤں میں خصوصاً ۹۶۹ تحریک اور ماباتا تحریک کے رہنماء قابل ذکر ہیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ آشین وراتھو جو ۹۶۹ تحریک کے بڑے رہنماء ہیں وہ مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔ اور ان کی تقاریر انتہائی نفرت اور شر انگیز ہوتی ہیں۔ آشین وراتھو نے متعدد خطبات اور انٹرویوز میں بیان دیا ہے۔

He says that there is a "'Muslim conspiracy' to conquer Burma through economic exploitation and interfaith marriage"[3]

ترجمہ: ان کا کہنا ہے کہ اقتصادی استحصال اور بین المذاہب شادی کے ذریعہ برما کو فتح کرنے کی ایک "مسلم سازش" ہے۔

اس کے ساتھ وہ مسلمانوں پر الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] Amnesty International, The Rohingya minority: Fundamental rights denied, 22-24.
[2] **The Irrawaddy,** 7 October 2005, 2.
[3] Galache, Carlos Sardina. 2013. "Who Are the Monks Behind Burma's '969' Campaign?" Democratic Voice of Burma, May 10.http://www.dvb.no/news/features-news/the-monks-behind-burma%E2%80%99s%E2%80%9C969%E2%80%9Dmovement-2/28079 (Accessed May 23, 2020)

Muslims deliberately razed their own houses to win a place at refugee camps run by aid agencies.[1]

ترجمہ: امدادی ایجنسیوں کے زیر انتظام پناہ گزین کیمپوں میں جگہ حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں نے جان بوجھ کر اپنے گھروں کو توڑ ڈالا۔

اور وہ بدھ برادری کو مسلمان دوکانداروں سے خرید و فروخت سے منع کرنے کا یہ جواز پیش کرتے ہیں:

This kind of buying behavior doesn't mean its discrimination. It can protect our people's interests.[2]

ترجمہ: اس طرح کے خرید و سلوک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ امتیازی سلوک ہے۔ یہ ہمارے لوگوں کے مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے۔

روہنگیا کے نقل و حرکت پر پابندیوں نے ان کو معاشی طور پر بہت نقصان پہنچایا۔ اور بھکشوؤں کے شر انگیز تقاریر اور بیانات نے ان کی آپس کے تعلقات اور تجارت کا استحصال کیا۔

Movement restrictions on the Rohingya have hurt the economy, and inter communal tensions continue to deter private sector investment.[3]

ترجمہ: روہنگیا پر نقل حرکت کی پابندیوں نے معیشت کو نقصان پہنچایا ہے، اور فرقہ وارانہ کشیدگی نجی شعبے کی سرمایہ کاری کو روکتی ہے۔

General restrictions on freedom of movement, including checkpoints, documentation checks, and curfews, make it harder for civilians to obtain livelihoods and access basic services.[4]

ترجمہ: آزادی کی نقل و حرکت پر عام پابندیاں، بشمول چوکیاں، دستاویزات کے چیک اور کرفیو، عام شہریوں کے لئے معاش کا حصول اور بنیادی خدمات تک رسائی مشکل بناتے ہیں۔

جس کے نتیجے میں روہنگیا کو امن و امان، خوشحالی اور روزگار کے مواقع کی شدید قلت کا سامنا ہے۔

However, they face ongoing insecurity, landmine contamination, and the lack of livelihood opportunities.[1]

ترجمہ: تاہم، انہیں جاری عدم تحفظ، بارودی سرنگ آلودگی، اور معاش کے مواقع کی کمی کا سامنا ہے۔

---

[1] Marshall, Andrew R.C. 2012. "Special Report: Myanmar's Deep Mine of Old Troubles," Reuters, December 27. http://www.reuters.com/article/2012/12/28/usmyanmar-reforms-idUSBRE8BR02P20121228 (Accessed June 08, 2020)

[2] The Irrawaddy 2013b. "Nationalist Monk U Wirathu Denies Role in Anti-Muslim Unrest," April 2. https://www.irrawaddy.com/in-person/interview/nationalist-monk-u-wirathu-denies-role-in-anti-muslim-unrest.html(Accessed June 08, 2020)

[3] Advisory Commission on Rakhine State, "Towards a Peaceful, Fair and Prosperous Future for the People of Rakhine," 10.

[4] UN Human Rights Council, Report of the Detailed Findings of the Independent International Fact-Finding Mission on Myanmar, (UN Doc. A/HRC/39/CRP.2, September 17, 2018), 73.

[1] UN OCHA, Myanmar 2019 Humanitarian Response Plan: January–December 2019, December 2018; UN Human Rights Council, Report of the Detailed Findings of the Independent International Fact-Finding Mission on Myanmar, (UN Doc. A/HRC/39/CRP.2, September 17, 2018), 94–95.

یو ایس ایڈ کی منتظم اینا سلیٹری، یو ایس ایڈ کا کہنا ہے:

"ممنوعہ علاقے میں ہزاروں لوگ برما اور بنگلہ دیش کی سرحدی باڑ کے درمیان بے یار و مددگار رہ رہے ہیں۔"[1] روہنگیا مسلمانوں کے دیہاتوں کو جلایا جارہا ہے۔ ان کو راکھائن ریاست سے نکلنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ اور آزادی سے لیکر اب تک لاکھوں افراد مختلف ممالک کو ہجرت کر چکے ہیں۔

روہنگیا برادری کو بے سر و سامانی میں جنگلات اور سرحدات میں چھوڑا رہا ہے۔ جو راکھائن میں ابھی بھی موجود ہیں ان کو ہر طرح سے تنگ کیا جارہا ہے۔

۵۶ سالہ بے گھر روہنگیا شخص منبیا ٹاؤن شپ میں ہیومن رائٹس واچ کے نمائندے کو بتایا:

> We can't go to the market and don't have enough food. I don't know what happened to our paddy fields that are ready for harvest now.[2]

ترجمہ: ہم بازار نہیں جاسکتے اور نہ ہی کافی کھانا رکھتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے دھان کے کھیتوں کا کیا ہوا ہے جو اب کٹائی کے لئے تیار ہیں۔

اس طرح روہنگیا برادری کو بیرونی امداد پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ کیمپوں میں انتہائی بری حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی ذریعہ آمدن ہے، نہ کوئی مناسب کھانے پینے کا انتظام ہے اور نہ ہی کوئی علاج معالجے کے لئے کافی سہولیات موجود ہیں۔ اور ان کو تعلیم سے بھی دور رکھا جارہا ہے۔ ان کی شہریت ختم کرکے ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں لگادی گئیں ہیں۔ وہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں سفر کرنے کے لئے رشوت دیتے ہیں۔ اور کئی کئی روز انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مختلف قسم کے ٹیکس اور بھتہ خوری لگاکر ان کا معاشی استحصال کیا جارہا ہے۔ روہنگیا انتہائی بری حالت اور کئی طرح کی ظلم و زیادتیوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

محرکات:

روہنگیا برادری کو راکھائن سے ختم کرنے یا وہاں سے نکالنے کے لئے مختلف قسم کے حیلے بہانے آزمائے جارہے ہیں۔ برمی حکومت روہنگیا کے وجود کو اپنے وسائل کو تباہ کرنے کا ذمہ دار سمجھتی ہے۔ اور ان کو وہاں سے ختم کرنے یا نکالنے کے لئے وہاں موجود بدھ برادری کا سہارا لے رہے ہیں۔ روہنگیا کے ہزاروں دیہات کو جلایا گیا۔ اور رہنگیا پر غیر قانونی مہاجر کا لیبل لگاکر ان کی شہریت ختم کردی گئی۔

> By the beginning of December 2017, more than 688,000 Rohingya were forced to flee to neighboring Bangladesh and 392 villages were

[1] https://translations.state.gov/2018/07/17/%D9%85%D9%85%D9%86%D9%88%D8%B9%DB%81-%D8%B9%D9%84%D8%A7%D9%82%DB%92-%DA%A9%DB%8C-%D8%AC%D8%A7%D9%86%D8%A8-%D8%B3%D9%81%D8%B1/(Accessed June 10, 2020)

[2] Human Rights Watch interview with S.N., Sittwe, Arakan State, (October 2012), 91.

partially or totally destroyed – before-and after satellite images show that the villages simply vanished.[1]

ترجمہ: دسمبر ۲۰۱۷ء کے آغاز تک، ۶۸۸،۰۰۰ سے زیادہ روہنگیا کو پڑوسی بنگلہ دیش فرار ہونے پر مجبور کر دیا گیا اور ۳۹۲ دیہات جزوی یا مکمل طور پر تباہ کر دیئے گئے۔

روہنگیا برادری کے لئے بے پناہ مسائل کھڑے کر دیئے۔ مذہبی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل پیدا کر کے ان کو اپنے وطن سے بے دخل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

روہنگیا کے معاش کے مسائل پیدا کرنے کا سب بڑا سبب ان کو کمزور کرنا ہے۔ آزادی سے لیکر اب تک تمام حکومتوں نے روہنگیا برادری کے لئے صرف مسائل ہی پیدا کئے ہیں۔ برمی حکام اور بدھ برادری روہنگیا مسلمانوں کو معاشی طور پر کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ بدھ برادری کے دل میں یہ خوف پیدا کیا گیا ہے کہ روہنگیا مسلمان اگر معاشی طور پر مضبوط ہو گئے تو یہ برما پر قبضہ کر کے اس کو اسلامی ریاست بنا دیں گے۔ اس ڈر کی وجہ سے بدھ برادری کے دل میں روہنگیا کے لئے نفرت کا پہاڑ کھڑا کر دیا ہے۔ اور حکومت سمیت بدھ بھکشوؤں نے اس میں بھرپور کردار کیا ہے۔

روہنگیا برادری کے لئے تمام مسائل سمیت ذریعہ معاش کے مواقع ختم کر دیئے۔ اس کے لئے مختلف قسم کے ظالمانہ ٹیکس، بھتہ خوری اور جبری مشقت جیسے حربے بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ ان تمام اسباب کا مقصد روہنگیا کو برما سے بے دخل کرنا ہے۔

عواقب:

تمام دنیا میں جہاں بھی مسائل جنم لیتے ہیں وہاں پر ان مسائل کے عواقب ضرور نمودار ہوتے ہیں۔ برما میں روہنگیا کے بے شمار مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ ان کی معاشی حالت ہے۔ روہنگیا جو انتہائی بری حالت میں اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں چاہے وہ برما یا بنگلہ دیش کے کیمپوں میں ہوں یا راکھائن ریاست کے اندر دیہات یا قصبات میں، بے تحاشا مسائل میں گھرے پڑے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے کھانے پینے سے لیکر مردوں کو دفن کرنے تک مختلف قسم کے مسائل کا سامنا ہے۔ ان کی غربت نے ان کو دوسرے ممالک کی امداد پر منحصر کر دیا ہے۔ ان کے پاس نہ زمینیں ہیں نہ جائیداد اور جن کے پاس ہیں ان پر بھاری بھر کم ٹیکسوں نے ان کی کمر توڑ دی ہے۔ برمی حکام ان کو ٹیکسوں، جبری بیگار اور مختلف قسم کے اسناد کے لئے رقوم طلب کرنے سے ان کی زندگیاں اجیرن بنا دی ہیں۔

برما سے لاکھوں روہنگیا نے ہجرت کر کے اراکان ریاست خالی کر دیا ہے۔ جس کے لئے برمی حکام کا منصوبہ ہے کہ شمالی راکھائن کے کچھ علاقوں میں جن پلاٹوں پر روہنگیاؤں کے گھر بنے تھے، وہاں خالی پلاٹوں پر دیہات بنانے، مذہبی عمارتوں، اسکولوں، کلینکوں اور دیگر عوامی بنیادی ڈھانچہ بنانا شامل ہے۔

---

[1] Abdul Bari, Muhammad, *The Rohingya Crisis. A People Facing Extinction,* (Markfield: Kube Publishing, 2018), 26.

> More than 700,000 Rohingyas were forced to flee the country after a military-led crackdown in August 2017 destroyed their houses. [1]

ترجمہ: اگست ۲۰۱۷ء میں فوج کی زیر قیادت کریک ڈاؤن کے بعد ان کے گھر تباہ ہونے پر ۷۰۰،۰۰۰ سے زیادہ روہنگیا ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

بنگلہ دیش چیریٹی کے پراجیکٹ منیجر معظم حسین نے عالمی نیوز ایجنسی کو بتایا کہ انہوں نے کوٹوپولانگ کیمپ میں سینکڑوں لاوارث بچوں کو دیکھا ہے جو انتہائی مایوس، افسردہ اور بھوکے و بیمار ہیں۔ ان میں سے بیشتر اپنے حالات بیان نہیں کرسکتے کہ ان کے اور ان کے والدین کے ساتھ برمی فوجیوں نے کیا سلوک کیا اور وہ کس طرح مصیبت جھیل کر بنگلہ دیش پہنچے۔ معظم حسین کے بقول کٹوپلانگ کیمپ میں اس وقت دو ہزار سے زائد لاوارث اور یتیم بچے موجود ہیں جو والدین کی موت کے بعد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو لے کر ان کیمپوں میں آئے ہیں۔

عالمی تنظیم سیو دی چلڈرن کے ایک ماہر رکن جارج گراہم نے تصدیق کی ہے کہ ۲ لاکھ سے زائد روہنگیا بچوں کو فوری توجہ، توانائی والی خوراک، دودھ، ادویات اور کپڑوں سمیت معاشی تحفظ کی اشد ضرورت ہے۔ [2]

لاوارث ہو جانے والے سینکڑوں بچوں کی حفاظت مسئلہ بن گئی، بنگلہ دیشی کیمپوں میں کچرے پر کھیلتے دکھائی دیتے ہیں، پتے کھا کر بھوک مٹانے پر مجبور ہیں۔ جبکہ بھوک اور بیماریوں سے ۱۲۶ افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔ [3]

ان بچوں کو مناسب خوراک اور بیماریوں کے لئے مناسب ادویات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جس کی وجہ سے روہنگیا کو اس حوالے سے بہت پریشانی کا سامنا ہے۔

> Many Buddhist teachers did not return to government-run schools following the 2012 conflicts. Their replacements, paid for by the community, are largely untrained. Due to long-standing discrimination and poverty, schools in the area remain dilapidated, and overcrowded. The Subcommittee was told that pursuing a university education is “offlimits” for the Rohingya. [4]

ترجمہ: ۲۰۱۲ء کے تنازعات کے بعد بہت سے بدھسٹ اساتذہ گورنمنٹ کے زیر انتظام اسکولوں میں واپس نہیں آئے۔ ان کی جگہ آنے والے اساتذہ غیر تربیت یافتہ ہیں جن کو ادائیگی برادری کرتی ہے۔ دیرینہ امتیازی سلوک اور غربت کی وجہ سے اس علاقے میں اسکول خستہ حال، اور بھیڑ زیادہ ہے۔ ذیلی کمیٹی کو بتایا گیا تھا کہ روہنگیا کے لئے یونیورسٹی کی تعلیم اپنانے پر "بندش" ہے۔

---

[1] https://www.channelnewsasia.com/news/asia/myanmar-says-plans-to-build-villages-on-empty-plots-of-land-in-11750732(Accessed May 2, 2020)

[2] https://dailykhabrain.com.pk/author/admin/page/3955/(Accessed May 5, 2020)

[3] http://alqalamonline.com/index.php/news/8573-610-hazaron-khawateen-lapata (Accessed May 5, 2020)

[4] Chris lewa, House of Commons, Subcommittee on International Human Rights (SDIR), (Evidence, Meeting No. 06, 1st Session, 42nd Parliament, 5 May 2016), 14.

مسلم دشمنی کا معاشی پہلو یہ ہے کہ اراکان میں آباد راکھائی بدھ سمجھتے ہیں کہ روہنگیا مقامی وسائل پہ قبضہ کر کے انھیں غربت سے دوچار کیے ہوئے ہیں۔۲۰۱۷ء میں برمی فوج نے روہنگیا مسلمانوں پر شدت پسندی کا الزام عائد کرتے ہوئے ان پر بمباری کر دی تھی، آپریشن کے دوران روہنگیا افراد کے ہزاروں گاؤں نذر آتش کئے گئے، جس کے باعث لاکھوں روہنگیا اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور آج ہزاروں لاکھوں برمی مسلمان بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں مہاجرین جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ہیومن رائٹس واچ کے ڈپٹی ڈائریکٹر برائے ایشیا فلروبرٹسن نے قاتل فوجیوں کی رہائی کی مذمت کی ہے۔

انہوں نے کہا:

کہ اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ برمی فوج روہنگیا مسلمانوں کو انسان نہیں سمجھتی اور ان کیخلاف جرائم کرنے والوں کو جوابدہ بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔[1]

۱۰ روہنگیا مسلمانوں کے قتل میں ملوث ۷ فوجی اہلکاروں کو ۱۰ سال قید کی سزا کو فوج کی جانب سے گھٹا کر ۲ ماہ کر دیا گیا اس لیے ان اہلکاروں کو فوری طور پر رہا کیا گیا۔

"فوج کی سرپرستی میں خواتین کی گینگ ریپ، عورتوں، بچوں اور مردوں کا قتل عام، مساجد، اسکول اور گھر تباہ کئے جا رہے ہیں۔"[2]

روہنگیا کو ملازمت کرنے کی عام اجازت نہیں ہے۔ عمومی طور پر اُن کا روزگار کھیتی باڑی پر منحصر ہے، اس پر بھی بے شمار پابندیاں اور رکاوٹیں ہیں، اپنا گھر بنانے حتیٰ کہ اس کی مرمت کرانے کے لیے متعدد قدغنیں لگی ہوئی ہیں۔[3]

پانچ کروڑ آبادی میں سے پچاس سے اسّی لاکھ مسلمان ہیں، جن میں سے کافی لوگ بدھوں کے مظالم سے تنگ آکر مختلف ممالک خاص کر ہندوستان، پاکستان، بنگلادیش اور سعودی عرب وغیرہ میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ اور برما میں جن کیمپوں میں وہ زندگی گزار رہے ہیں ان کی حالت بھی ایسی ہے کہ وہ دوسرے ممالک کی امداد پر منحصر ہے۔ جن میں یہ برونی ممالک کی امداد بھی بہت تھوڑی سی ان تک پہنچ پاتی ہے۔ اور زیادہ تر یہ امداد یا تو برمی حکام اور یا بدھ مت کے پیروکاروں کو ملتی ہے۔ یہ مظالم شاید اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک سارے روہنگیا یا تو مر نہیں جاتے یا کسی اور ملک فرار نہیں ہو جاتے۔

---

[1] https://www.wazehrahe.pk/rohingya-musalmano-ka-qatal-aam-karne-walay-barmi-fouji-reha/ (Accessed May 15, 2020)

[2] https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/baseerat+online-epaper-baonline/-newsid-72993846 (Accessed May 15, 2020)

[3] http://www.farooqia.com/ur/lib/1439/02/p22.php(Accessed May 15, 2020)

برما میں مخالفت کی بنیادی وجہ:

جب ۴ جنوری ۱۹۴۸ء میں برما کو برطانیہ سے آزادی ملی تب شہریت کا کوئی جھگڑا نہیں تھا اور برما کے بودھ اکثریتی سماج کے درمیان مسلمان اقلیت میں زندگی گزار رہے تھے۔ مسئلہ تب شروع ہوا جب فوجی جنرل نے ون نے جمہوری بساط لپیٹ کر ۱۹۶۲ء میں اقتدار پر قبضہ کرلیا اور اس اقتدار کو دوام دینے کے لیے متبادل نظریے کے طور پر برمی قوم پرستانہ جذبات کو ابھارا۔ ان سب سے پہلے تھائی لینڈ سے متصل شان صوبے کی نسلی اقلیت اکثریتی تعصب کا نشانہ بنی مگر اس نے سر جھکانے کے بجائے اپنے تحفظ کی خاطر ہتھیار اٹھا لیے۔ یوں جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے طویل نسلی جنگ کا بگل بج گیا۔

معاشی و نسلی مخالفت اور ان کی نوعیت:

۱۹۷۸ء میں جنرل نے ون کی حکومت نے لگ بھگ دو لاکھ افراد کو سرحد پار دھکیل دیا۔ ان کے بارے میں حکومتِ بنگلہ دیش نے کہا کہ نوے فیصد بنگلہ دیشی نہیں بلکہ اراکان کے روہنگیا مسلمان ہیں اس لیے برما کو انھیں واپس لینا پڑے گا۔ اقوامِ متحدہ کی کوششوں سے برما کی حکومت ان پناہ گزینوں کو واپس لینے پر آمادہ تو ہوگئی لیکن ۱۹۸۲ء میں شہریت کے قانون میں تبدیلی کر کے روہنگیا مسلمانوں کو برما میں آباد ۱۳۵ نسلی گروہوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔

"جب شہریت چھن گئی تو بطور غیر ملکی ان سے رہائش، صحت، تعلیم اور روزگار سمیت بنیادی سہولتوں کا حق بھی چھن گا۔ وہ بلا سرکاری اجازت شادی نہیں کرسکتے۔ دو سے زائد بچے پیدا نہیں کرسکتے اور اجازت نامے کے بغیر نہ املاک کی خرید و فروخت کرسکتے ہیں اور نہ ہی ایک سے دوسری جگہ آجا سکتے ہیں۔"[1]

۱۹۸۲ء کے قانون شہریت کے تحت "روہنگیا" قومی زمرے سے خارج کر دیے گئے کیونکہ روہنگیا کو ملک کے ۱۳۵ نسلی گروہوں میں سے ایک کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا حالانکہ تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کی آبادی اچانک برما میں نمودار نہیں ہوئی بلکہ ارکان میں صدیوں سے آباد ہیں اور یہ عرب، ترک، مغل، ایرانی، پٹھان اور بنگالیوں کی نسل سے ہیں۔

شمالی ارکان جو کہ روہنگیا کا آبائی علاقہ ہے، ایک منصوبے کے تحت راکھائن مگھ بدھسٹوں کو یہاں لا کر بسایا گیا لیکن برمی مورخین اور سرکاری ذرائع کا اصرار ہے کہ روہنگیا، راکھائن ریاست کے مسلمان بنگالی مہاجروں کی اولاد ہیں۔ اور یہ حکومت کا وہ مقبول نعرہ ہے جس کی دوہرائی اکثر و بیشتر حکومتی اہلکار کرتے رہتے ہیں۔ روہنگیا اصطلاح کا باضابطہ اعتراف ۱۰ مارچ ۱۹۵۰ء کو وزیر اعظم "یونو" نے کیا لیکن اس کے بعد کبھی بھی سرکاری سطح پر اس اصطلاح کا استعمال

[1] https://www.mukaalma.com/7823/ (Accessed March 14, 2022)

نہ کیا گیا۔ میانمار میں مسلمان ملک کی مجموعی آبادی کا ۴ فیصد ہیں اور ان میں سے نصف آبادی کبھی اراکان (راکھائن) میں تھی۔

اراکان پر مسلمانوں کی سینکڑوں سال تک مسلم حکمرانی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان علاقوں میں اقلیت کی بجائے جزو لاینفک تسلیم کیے جاتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران برما کی آزادی کے لیے انہوں نے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا۔ چونکہ روہنگیا لوگوں کو ہمیشہ سے نظر انداز کیا گیا۔ اس لیے ان واقعات کو سرکاری طور پر کبھی ریکارڈ پر نہیں لایا گیا حالانکہ ہاروے کے مطابق:

Mention of his bravery and deeds should have been recorded in Burma Resonance.[1]

ترجمہ: ان کی بہادری اور کارناموں کا ذکر برمارزاون میں ضرور ریکارڈ ہونا چاہیے تھا۔

جب اراکان میں زندگی پوری رعنائیوں سمیت مسکراہٹیں بکھیرتی تھی تو وہاں کھیلوں کے مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے۔ جن کا تعلق مختلف موسموں (سرما، گرما، برسات) سے وابستہ ہے۔ اسی طرح کبھی اراکان میں خوشحالی اور فارغ البالی شہرہ آفاق تھی کہ اطرافِ عالم سے غریب لوگ اپنی غربت اور افلاس کو دور کرنے کے لیے یہاں آتے تھے تاکہ محنت مزدوری کرکے اپنی قسمت آزمائی کر سکیں کیونکہ ۱۹۵۰ء تک اکیاب (موجودہ سٹیوے) پچاس رائس ملوں کا شہر رہا ہے۔ ایک ایک مل سے لاکھوں من چاول تیار ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ملکی اور غیر ملکی تجار اور جہازوں کی کثرت آمدورفت سے یہ شہر ایک بارونق بین الاقوامی بندرگاہ بن گیا تھا اور اراکان کا سکہ ریال اور ڈالر سے کم نہیں ہوتا تھا اس لیے اہل خانہ فرقت کو بھی برداشت کر لیتے تھے۔

لیکن اب یہ قصہ ماضی ہو چکا ہے۔ اس وقت گھر گھر بھوک ناچ رہی ہے۔ بوڑھے، بچے، جوان، خواتین سبھی لوگ غلہ کے ایک ایک دانہ کو ترس رہے ہیں۔ زراعت سے وابستہ مسلمانوں پر اتنی پابندیاں لگادی گئی ہیں کہ وہ اپنی کھیتوں کو دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ مختصر یہ کہ اراکانی مسلمانوں کو اتنا بے دست وپا کر دیا گیا ہے کہ وہ آئے روز اپنے آبائی علاقہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہیں۔ بدھ حکومت ان کی جائیدادیں ضبط کرکے بودھوں میں تقسیم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اور ضبط شدہ زمینوں پر نئی بدھ بستیوں کا قیام عمل میں لا رہی ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے کہ وہاں کے اصل باشندوں روہنگیا کو ملک سے نکال باہر کرکے ان کی زمین وجائیداد پر برما کے مختلف علاقوں سے نووارد بدھوں کو مالک بنایا جارہا ہے اور میانمار کی حکومت دنیا کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لیے یہ پروپیگنڈا کر رہی ہے کہ روہنگیا مسلمان بنگالی مہاجرین ہیں۔ اور یہ اقوام متحدہ کے قوانین کی رُو سے جنگی جرم ہے۔

[1] G. E. Harvey, History of Burma: from the Earliest Times to 10 March, 1824: The Beginning of the English Conquest, Edition, illustrated, reprint; Publisher, Asian Educational Services, 2000, P: 319

مقام صد حیرت ہے کہ کبھی اراکان میں روہنگیا مسلمانوں اور بدھ مگھوں کے درمیان باہمی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری بے مثل رہی ہے۔ باہمی معاملات، حکومتی تعلقات، زراعت، تجارت، صنعت وحرفت وغیرہ میں مسلم وغیر مسلم بلاامتیاز رنگ ونسل اور بلاامتیاز مذہب وملت دوش بدوش چلتے تھے۔ اراکانی سلاطین بودھ اور مسلم رعایا میں ہم آہنگی کی خاطر دو دو القاب (مسلم اور بدھ) استعمال کیا کرتے تھے لیکن شاہ شجاع کے قتل ناحق کے بعد دونوں اقوام کے باہمی تعلقات میں پہلی جیسی ہم آہنگی باقی نہ رہی تھی۔ چنانچہ اپنے لیے سازگار داخلی صورتحال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے برمی بادشاہ "بوداپایہ" نے حملہ کردیا اور ۱۷۸۴ء میں اراکان پر قبضہ کرلیا۔ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم کا آغاز اسی برمی بادشاہ نے کیا جو ہنوز جاری ہے۔

ڈاکٹر قبلہ آیاز صاحب لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ روہنگیا مسلمان میانمار (برما) میں بہت مشکل وقت گزار رہے ہیں اور میانمار کی آزادی کے بعد سے لے کر اب تک کی حکومتوں نے روہنگیا لوگوں کے مسئلے کو حل کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اس پورے قضیے کا پیچیدہ ترین پہلو یہ ہے کہ آغاز جس مسئلے کا خالصتاً نسلی بنیادوں پر ہوا، اب اس نے مذہبی شکل اختیار کرلی ہے۔ اب یہ معاملہ روہنگیا کمیونٹی کے لئے میانمار کی شہریت کے حق کے حصول سے زیادہ وہاں کی ایک مسلمان اقلیت اور اکثریتی مذہب (بدھ مت) کے پیروکاروں کے درمیان مذہبی تصادم کا رخ اختیار کرگیا ہے۔ اس پہلو کی وجہ سے عالمی تناظر میں بھی یہ قضیہ انسانی حقوق کی فہرست سے نکل کر مذاہب کے درمیان کشمکش کی فہرست میں شامل ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس صورتِ حال نے تنازع کے حل کی کوششوں کے پورے منظرنامے کو تبدیل کردیا ہے۔[1]

میانمار کے حالات وواقعات کا بغور جائزہ لیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہاں پر نسل کشی کا یہ سلسلہ روہنگیا نسلی گروہوں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے اور اس معاملہ میں بین الاقوامی قوانین کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی جارہی۔ اوراس نسل کشی میں اکثریتی بدھ فرقہ تھیراویڈا کے پیروکاروں نے اب اپنی مذہبی اقدار کو پس پشت ڈالنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے۔ نسل کشی کنونشن (Genocide Convention 1948) کے مطابق نسل کشی ایک جرم ہے اور یہاں ہونے والے مظالم پر یہ اصطلاح پورا اترتی ہے۔ بین الاقوامی محققین کا کہنا ہے کہ روہنگیا نسل کشی کے ارتکاب کے مضبوط شواہد موجود ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بین الاقوامی برادری کو اپنے سیاسی اور معاشی مفادات عزیز ہیں اس لیے وہ روہنگیا کا مسئلہ حل کرنے میں جاندار کردار ادا کرنے سے کنی کتراتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارے سلامتی کونسل نے میانمار سے تشدد کو روکنے کی اپیل کی لیکن اس کی طرف سے میانمار پر کوئی

[1] http://alsharia.org/2017/oct/burma-musalman-asal-masala-dr-qibla-ayaz (Accessed March 14, 2022)

پابندی عائد نہیں کی گئی۔ اسلامی تعاون تنظیم (او آئی سی) نے ۲۷ جنوری ۲۰۲۱ء کو ایک آن لائن اجلاس میں میزبان کا کردار ادا کیا جس میں اس نے روہنگیا بحران کو حل کرنے پر خصوصی زور دیا اور کہا کہ بحران کو موجودہ عالمی وباء کرونا وائرس (Covid-19) کی وجہ سے جلد حل کیا جانا چاہیے۔

ہمارے بہت سے دانشوروں کا خیال ہے کہ ڈاکٹر آشین سیتا گو سیاداؤ (Sitagu Sayadaw) اور یو آئے لیون (U Aye Lwin) ایسے چند ناموں میں سے ہیں جو میانمار میں بین المذاہب ہم آہنگی کے علمبردار ہیں اور میانمار کو ایک پُرامن کثیر النسلی اور کثیر المذہبی ملک کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں اور روہنگیا ان کو ہم نوا بنا کر ان کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اول الذکر کے دو چہرے ہیں۔ ایک طرف وہ مکالمہ بین المذاہب میں سرگرم عمل دکھائی دیتے ہیں جبکہ دوسری طرف برمی معاشرے میں بدھ عوام کے ہاتھوں میں ''One faith-one race'' جیسا متعصب نعرہ تھما دیتے ہیں۔ یہ وہی شخصیت ہیں جنہوں نے اسلاموفوبیا کو قومی پالیسی کا حصہ بنانے میں مدد فراہم کی۔

برما میں روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ بنیادی طور پر مذہبی مخالفت نہیں بلکہ معاشی اور نسلی ہے۔ ۱۹۷۵ء میں برما میں بنگلہ دیش کے سفیر خواجہ محمد قیصر نے کہا کہ بنگلہ دیش ۱۹۷۱ء کے بعد برما میں پناہ لینے والے بنگالی شہریوں کو چھان پھٹک کے بعد واپس لینے کو تیار ہے۔ تاہم برما کا اصرار تھا کہ ان سب کو بنگلہ دیش قبول کرے جو نسلاً برمی نہیں۔

اس نسلی اور معاشی جنگ نے روہنگیا کو دنیا کی ایسی قوم ہے جو اپنے ہی وطن میں بیک وقت اجنبی اور مجرم بنا دی گئی ہے۔ انہیں نقل و حرکت کے لیے حکومت سے پیشگی اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اراکان کا شمالی علاقہ وسیع قید خانے کی تصویر پیش کر رہا ہے۔

باب چہارم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل، اسلام، بدھ مت اور عصری قوانین کی روشنی میں

فصل اول: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

فصل دوم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں

فصل سوم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل عصری قوانین کے تناظر میں

فصل چہارم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل میں مسلم ممالک اور عالمی برادری کا کردار

فصل پنجم: روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل میں رفاہی تنظیموں کا کردار

فصل اول

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں:

آپ ﷺ اس دنیا میں امید کی کرن بن کر آئے، آپؐ نے لوگوں کو امن و محبت کا پیغام دیا اور جینے کا ڈھنگ سکھایا۔ نبی پاکؐ کی حدیث مبارکہ ہے کہ:((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي))[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک تم ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہوں گے، یہ دو چیزیں اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

اسلام محض ایک مذہب یا طرز معاشرت نہیں ہے بلکہ یہ ایک آفاقی قانون فطرت ہے جو اپنے وجود سے لیکر آج تک اور تا قیامت نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کے بے تحاشا مسائل ہیں، جو مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل پر مبنی ہیں۔ روہنگیا مسلمان برما میں اقلیتی برادری ہے۔ اس لئے ہم یہاں ان کے مسائل کا حل اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے پیش نظر بیان کریں گے۔ کہ اسلام اقلیتوں کے بارے کیا ہدایات فراہم کرتا ہے۔ ان تمام مسائل کا حل پیش کرنے کے لئے ہم اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور ان کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق:

اسلام ان تمام حقوق میں غیر مسلم اقلیتوں اور مسلمانوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جو کسی مذہبی فریضہ اور عبادت سے متعلق نہ ہو بلکہ ان کا تعلق ریاست کے نظم و ضبط اور شہریوں کے بنیادی حقوق سے ہو۔ قرآن میں ان غیر مسلموں کے ساتھ خیر خواہی، مروت، حسن سلوک اور رواداری کی ہدایت دی گئی ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے برسرپیکار نہ ہو اور نہ ان کے خلاف کسی سرگرمی میں مبتلا ہوں۔

﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوا اِلَيْهِمْ﴾[1]

---

[1] مالک، انس بن، مؤطا امام مالک، (ریاض: دارالسلام، ۱۴۱۹ھ) کتاب القدر، باب النھی عن القول بالقدر، ح ۳۳۳۸

[1] الممتحنہ: ۸

ترجمہ: اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔

اسلامی قوانین کے مطابق اسلامی ریاست میں تمام غیر مسلم اقلیتوں اور رعایا کو عقیدہ، مذہب، معاش، جان ومال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہوگی۔ وہ انسانی بنیاد پر شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق میں مسلمانوں کے برابر کے شریک ہوں گے۔ قانون کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا، اور بحیثیت انسان کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔ جزیہ لینے کے بعد ان پر وہی واجبات اور ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر عائد ہیں۔ اور تمام اقلیتیں ان حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے مسلمان حقدار ہیں۔

مذہبی آزادی:

اسلام ایک استدلالی و عقلی اور مدلل مذہب ہے۔ جسے مالک الملک نے ایک اصول وضابطے کی شکل میں کائنات انسانی میں بسنے والے لوگوں کے لئے طے کرکے دنیا میں اتار دیا ہے۔ یہ انسان کے لئے زندگی کے تمام تر شعبہ جات میں اس کی مکمل رہنمائی کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اس کی تبلیغ و دعوت کے اصول حکمت و دانشمندی، وعظ و تلقین اور بحث و مباحثہ پر قائم ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صحیفۂ ربانی نازل ہوا، اس نے سب سے پہلے عقل انسانی کو مخاطب کیا۔ اور غور وفکر، فہم و تدبر کی دعوت دی کہ اسلام اپنی کسی بھی تعلیم کو لوگوں پر زبردستی نہیں تھوپتا ہے۔ بلکہ وہ لوگوں کو غور وفکر کا موقع فراہم کرتا ہے۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[1]

ترجمہ: دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے، بے شک ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: کیا تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اللہ کریم نے خود زبردستی ایمان لانے پر مجبور کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے انسانوں کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے۔ اور رد و قبول کے فیصلوں کو اس کے ہاتھوں سونپ دیا ہے۔ کیونکہ اسلامی ریاست کے ذریعہ ان پر زور زبردستی، طاقت و قوت اور جبر واکراہ اور حکومت واقتدار کا استعمال کرکے اپنا ہم مذہب بنانا ناجائز ہے۔ وہ اپنے مذہبی رسم ورواج، دین و مذہب کے افعال واعمال کی ادائیگی میں قطعی طور پر کسی کے پابند نہیں ہیں۔ دین اسلام میں کسی کو بھی مسلمان ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح کسی کو

---

[1] البقرۃ: ۲۵۶

[2] یونس: ۹۹

اپنے دین سے روکا بھی نہیں جا سکتا۔ کوئی بھی انسان اپنے دین وعقیدے کے مطابق زندگی گزار سکتا ہے۔ اور جہاں وہ زندگی گزارتا ہے اور اس ملک کے اصول وقوانین پر عمل پیرا ہے تو حکمران اس کا پابند ہے کہ اسے امن وحفاظت کے ساتھ اپنے مذہب پر زندگی گزارنے میں سہولت فراہم کریں۔ برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا برادری کو مذہبی آزادی فراہم کرے۔ اور وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے رسوم ورواج ادا کرنے میں آزاد ہوں۔ نہ صرف وہ مذہبی عبادات وتہوار ادا کرنے میں آزاد ہوں بلکہ ان کے جان ومال کی حفاظت بھی برمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

جان کی حفاظت:

جان کے تحفظ کے حوالے سے ایک مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں دونوں کی جان کا یکساں تحفظ واحترام کیا جائے گا۔ اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی غیر مسلم رعایا کی جان کا تحفظ کرے اور انہیں ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((حدثنا عثمان بن ابي شيبة، حدثنا وكيع، عن عيينة بن عبد الرحمن، عن ابيه، عن ابي بكرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من قتل معاهدا في غير كنهه حرم الله عليه الجنة)) [1]

ترجمہ: ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :جو کسی معاہد کو بغیر کسی وجہ کے قتل کرے گا تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا"۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ذمی کو قتل کرنے پر جنت کی خوشبو کو حرام قرار دینے کی وعید سنائی ہے۔

((حدثنا قيس بن حفص، حدثنا عبد الواحد، حدثنا الحسن، حدثنا مجاهد، عن عبد الله بن عمرو، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال:" من قتل نفسا معاهدا لم يرح رائحة الجنة، وإن ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاما)) [2]

ترجمہ:"ہم سے قیس بن حفص نے بیان کیا، کہا ہم سے عبد الواحد بن زیاد نے، کہا ہم سے حسن بن عمرو فقیمی نے، کہا ہم سے مجاہد نے، انہوں نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص ایسی جان کو مار ڈالے جس سے عہد کر چکا ہو (اس کی امان دے چکا

---

[1] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد (ریاض: مکتبہ دارالسلام، ۲۰۰۶ء)، كِتَاب الْجِهَادِ، باب فِي الْوَفَاءِ لِلْمُعَاهِدِ وَحُرْمَةِ ذِمَّتِهِ، ح ۲۷۶۰

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع صحیح، (لاہور: دارالمعارف اسلامیہ اردو بازار، ۲۰۰۴ء)، كِتَاب الدِّيَاتِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ قَتَلَ ذِمِّيًّا بِغَيْرِ جُرْمٍ، ح ۶۹۱۴

ہو) جیسے ذمی، کافر کو تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا (چہ جائے کہ اس میں داخل ہو) حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔"

((دية اليهودي والنصراني وكل ذمي مثل دية المسلم))[1]

ترجمہ: یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔

ان احادیث سے ذمیوں کی جان کی حفاظت اور قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ ان کی جان کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ بالکل اسی طرح روہنگیا برادری کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی برمی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ روہنگیا برادری کی جان کی حفاظت کرے۔ روہنگیا کی نہ صرف جان بلکہ مال بھی برما میں غیر محفوظ ہے جس کی ذمہ داری برمی حکومت پر ہے۔

مال کا تحفظ:

اسلامی ریاست مسلمانوں کی طرح غیر مسلم اقلیتوں کے مال و جائیداد کا تحفظ کرے گی انہیں اپنی ملکیت سے بے دخل کرے گی نہ ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر زبردستی قبضہ کرلے گی۔ حتیٰ کہ اگر وہ جزیہ نہ دے تو ان کے عوض بھی ان کی املاک کو نیلام وغیرہ نہیں کرے گی۔ غیر مسلموں کو مسلمانوں کی طرح خرید و فروخت صنعت و حرفت اور دوسرے تمام ذرائع معاش کے حقوق حاصل ہوں گے۔ نیز انہیں اپنی املاک میں مالکانہ تصرف کرنے کا حق ہو گا وہ اپنی ملکیت وصیت وغیرہ کے ذریعے دوسروں کو منتقل بھی کر سکتے ہیں۔

جسم و جان کی حفاظت کی طرح مالی تحفظ بھی ذمیوں کے حقوق میں شامل ہے۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اہل نجران کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے کی سرذیل شق کر کی ہے۔

"نجران کے باشندوں کے تمام افراد ان کے اہل و عیال کو اپنے اموال جانوروں زمین و مذہبی معاملات عبادت گاہوں اور ان کے قبضے میں کم یا زیادہ آج یہ سب کے باب میں اللہ کی نگہبانی اور محمد رسول اللہ کی ذمہ داری حاصل ہو گی۔"[2]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہ بن الجراح کے نام اپنے خط میں لکھا کہ مسلمانوں کو ان (ذمیوں) پر ظلم کرنے، ضرر رسانی اور ان کے اموال میں ناجائز تصرف کرنے سے روکو۔ قرآن مجید نے دوسروں کے مال کو اپنے مال کا درجہ دیتے ہوئے ہر غیر مشروع اور ناجائز طریقے سے ہتھیانے اور تصرف میں لانے سے منع کیا ہے۔

﴿لَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً﴾[1]

---

[1] عبد الرزاق، حافظ ابی بکر، المصنف، (مصر: دار التاصیل، مرکز البحوث وتقنية المعلومات، ۲۰۱۵ء)، ۱۰/ ۹۷-۹۸

[2] ابو یوسف، یعقوب، کتاب الخراج، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۳ء)، ۷۲

[1] النساء: ۲۹

ترجمہ: آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی خوشی سے تجارت ہو۔

اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک دوسرے کا مال کھانے سے منع کیا گیا ان آیات میں خطاب اگرچہ مومنین سے ہے مگر "بَیْنَکُمْ" کے دائرے کی وسعت میں فقہاء نے ساری نسل آدم کو داخل کیا ہے اور صرف مسلمانوں کے مالک کے حکم کو محدود نہیں رکھا، مسلم ہو یا کافر کسی کا بھی مال دغا، فریب ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔

کسی جائز طریقے کے بغیر کسی ذمی کا مال لینا جائز نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أَلاَ لاَ تَحِلُّ أَمْوَالُ الْمُعَاهِدِينَ إِلاَّ بِحَقِّهَا وَحَرَامٌ عَلَيْكُمْ حُمُرُ الأَهْلِيَّةِ))[1]

ترجمہ: خبر دار معاہدین کے اموال حق کے بغیر حلال نہیں ہیں۔

یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اسلامی ریاست پر اس عمل کی پابند ہے کہ اپنے ہر شہری کی جان کو تحفظ فراہم کرے۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کیا وہ پورا کا پورا اقلیتوں کے حقوق ان کی جان و مال اور مذہبی آزادی کے متعلق ہیں۔ برمی حکومت بھی روہنگیا مسلمانوں کے مال و املاک کی حفاظت کرے۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے اور روہنگیا برادری کا حق ہے کہ ان کے مال وجائیداد کی حفاظت کی جائے۔ ان سب حقوق میں مذہبی رہنماؤں کا بھی بھرپور کردار ہے۔ کہ وہ حکومت اور حکومتی اراکان کو اس بارے میں خبردار کیا کریں۔

مذہبی رہنماؤں کا کردار:

اہل دین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انبیاء کی نیابت کرتے ہوئے دین کے پیغام کو معاشرے تک پہنچائیں، دین کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کو دور کریں اور دینی واخلاقی تربیت کے ذریعے سے معاشرے کو درست نہج پر استوار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی کا سب سے بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اپنے معاشرے اور ماحول کے لیے اہل دین کا رویہ سراسر ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی ہو اور اس میں حریفانہ کشاکش اور طبقاتی وگروہی نفسیات کارفرمانہ ہو۔

انسانی معاشرے میں یہ کردار ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاً انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کیا اور انھی کی سیرت وکردار اس سلسلے میں نمونے اور آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے۔[1]

کسی بھی معاشرے کی کردار سازی کی ذمہ داری اس معاشرے سے تعلق رکھنے والے تمام افراد پر عائد ہوتی ہے لیکن ہر معاشرے میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جو رہنماء کہلاتے ہیں اور ان پر معاشرے کی اصلاح کی ذمے

---

[1] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة باب ما جاء فی اکل السباع، ح۳۸۰۶

[1] https://www.mukaalma.com/1714/(Accessed June 25, 2020)

داریاں دوسروں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اسلامی معاشرہ امام کے کردار کے گرد گھومتا نظر آتا ہے، دراصل امام اس علاقے کے اس اسلامی کمیونٹی سینٹر کا ذمہ دار ہے جسے اسلامی اصطلاح میں مسجد کہا جاتا ہے، یہ مسجد صرف عبادت کے لیے مخصوص جگہ کا نام نہیں بلکہ مسجد میں عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی معاملات طے کرنے کا نظام، تعلیم اور صحت کے پروگرام، امدادی فلاحی سرگرمیوں پر مشتمل سہولیات اور عام معاشرتی مسائل کے حل کے لیے انتظامات موجود ہوتے ہیں، لوگوں کی ایک دوسرے کی خبر گیری کرنا، ایک دوسرے کے معاملات سے آگاہی حاصل کرنا، مریضوں کی عیادت کرنا، محلے اور علاقے سے برائیوں کو ختم کرنے اور نیکیوں کو فروغ دینے کے لیے کردار ادا کرنا، سب اس مسجد سے وابستہ افراد اور امام مسجد کی اجتماعی ذمے داری ہے، عوام کی اخلاقی اور فلاحی تربیت کرنا امام مسجد کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح برما میں بدھ بھکشوؤں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ برما میں موجود تمام اقلیتوں کے حقوق کو پورا کرنے اور ان کے ساتھ بہترین تعلقات استوار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اگرچہ تمام بدھ بھکشو اقلیتوں خصوصاً روہنگیا کے خلاف نہیں ہیں مگر چند درباری بھکشو روہنگیا کے خلاف ہونے کے سبب بدھ برادری کے دلوں میں نفرت پھیلا رہے ہیں۔

مذہبی تعصب:

اسلام تنگ نظری پر مبنی قوم پرستی، علاقائیت اور نسلی امتیاز کا سخت مخالف ہے۔ اسلام نے اپنے عروج کے ایک ہزار سال سے زیادہ طویل دور میں مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان صلح و آشتی کا جو نمونہ پیش کیا، وہ موجودہ دور میں دنیا کے بعض حصوں میں نسلی برتری کے بے جا دعوے، تعصب اور ظلم سے بالکل مختلف تھا۔

اللہ کریم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَآ اَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًاوَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا:

---

[1] الحجرات:۱۳

((یا أيُّها الناسُ إنَّ ربَّكمْ واحِدٌ ألا لا فضلَ لِعربِيٍّ على عجَمِيٍّ ولا لِعجَمِيٍّ على عربِيٍّ ولا لأحمرَ على أَسْودَ ولا لأسودَ على أحمرَ إلَّا بالتَّقوَى))[1]

ترجمہ: لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر تقویٰ کے ساتھ۔ حضور نبی کریم ﷺ نے تعصب (عصبیت) کے بارے میں بتایا:

((حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا الْفِرْيَابِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ بِشْرٍ الدِّمَشْقِيُّ، عَنْ بِنْتِ وَاثِلَةَ بْنِ الأَسْقَعِ، أَنَّهَا سَمِعَتْ أَبَاهَا، يَقُولُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ " أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ "))[2]

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول: عصبیت کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم و زیادتی میں ساتھ دو، اور ان کی مدد کرو۔

ظلم و زیادتی میں اپنے قوم کا ساتھ دینے سے منع کیا۔ یعنی تعصب میں اپنی قوم کا ساتھ نہ دو کیونکہ اس سے اپنا نقصان کر بیٹھو گے۔

((حدثنا جبير بن مطعم، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال:" لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ))[3]

"جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی طرف بلائے، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر لڑائی لڑے، اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو تعصب کا تصور لیے ہوئے مرے۔"

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((حدثنا ابي هريرة ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " قَارِبُوا وسَدِّدُوا، واعلَمُوا أَنَّه لَن يَنجُو أَحَد مِنكُم بِعَمَلِهِ» قالوا: ولا أنت يا رسول الله؟ قال: «ولاَ أَنَا إلاَّ أَن يَتَغمَدَنِي الله بِرَحمَة مِنه وَفَضل))[1]

---

[1] احمد بن حنبل، اَبوعبد اللہ الشیبانی، مسند احمد، (قاہرہ: دارالحدیث، ۱۴۲۳ھ)، حديث رجل من أصحاب النبي، ح۲۲۹۸۷

[2] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، أَبْوَابُ النَّوْمِ، باب فِي الْعَصَبِيَّةِ، ح۵۱۱۹

[3] ایضاً، ح۵۱۲۱

[1] نیشاپوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، (کراچی: مکتبہ البشریٰ، ۲۰۰۹ء) كِتَاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ، باب لَنْ يَدْخُلَ أَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ، ح۷۱۱۷

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میانہ روی کرو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو میانہ روی کے قریب رہو، یعنی اعتدال کرو۔ اگر اعتدال نہ ہو سکے تو خیر اعتدال کے قریب رہو، افراط، تفریط، غلو اور تعصب نہ کرو۔"

غیر مسلم اقوام کو مذہبی آزادی دینے میں اسلام نے کبھی تعصب کو آڑے آنے نہیں دیا۔ مذاہب عالم کی تاریخ میں اسلام نے جس طرح غیر متعصب ہونے کا عملی ثبوت دیا اور کمال رواداری کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور سیرت نگار قاضی سلیمان منصور پوری اس چیز کو اسلام کی خصوصیت میں شمار کرتے ہیں۔ اور "اسلام ہی غیر متعصب دین ہیں" کی سرخی قائم کر کے لکھتے ہیں۔

۱۔ تعصب کے معنی یہ ہیں کہ عطاء حقوق کے وقت کسی کو حد سے زائد دیا جائے اور کسی کو حد سے کم۔

۲۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقلی اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔

۳۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذاہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔

۴۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے ہی آپ کو سمجھا جائے اور دوسروں کو ان برکات و انوار سے بالکل دور رکھا جائے۔

اسلام کی تعلیم ان جملہ نقائص سے پاک ہے۔ قرآن عظیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو برا بتایا اور اپنے دامن تعلیم کو اس خار زار سے ہمیشہ بلند رکھا۔[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں کوئی مذہبی تعصب نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص رنگ، نسل یا علاقے کی وجہ سے کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ بحیثیت انسان تمام لوگ برابر ہیں۔ اسی طرح برما میں موجود اکثریت اور اقلیت بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔ ان کے درمیان مذہبی تعصب کو ختم ہونا چاہیے۔ مذہبی مسائل کے حل سمیت سیاسی مسائل کے حل سے ہی ملک میں ترقی اور معاشرے میں امن قائم ہو گا۔

سیاسی مسائل:

اسلامی شریعت کے بہت سارے واضح احکام عین سیاست سے متعلق ہیں۔ اسلام محض روحانی عقیدہ یا چند دینی رسم ورواج کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ بھی ہے اور عبادت بھی اور تمام دنیوی معاملات کو بہ حسن وخوبی برتنے کا ایک بہترین نظام بھی، یہ دنیوی مسائل خواہ سیاسی ہوں یا معاشرتی اور اقتصادی یا ان کا تعلق معاملات سے ہو۔ یہ مسائل چاہے حالت امن سے تعلق رکھتے ہوں یا حالت جنگ سے ان تمام امور میں دین اسلام کے واضح قواعد واصول ہیں۔ اسلام اس بات کا حکم دیتا ہے کہ معاشرے میں کمزور اور مظلوم انسانوں کی مدد کی جائے۔ اور ان کے حقوق کے لیے آواز بلند کی جائے۔ اللہ کا فرمان ہے:

---

[1] منصور پوری، قاضی سلیمان، رحمۃ للعالمین، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۲۰۰۱ء)، ۳/۴۲۹

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾[1]

ترجمہ: اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔

عصر حاضر میں دنیا کے متعدد ملکوں میں جمہوری طرز حکومت رائج ہے۔ جو عام انتخابات کے ذریعے عوام اپنے نمائندے منتخب کرتے ہوئے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔ پھر یہ نمائندے اپنے میں سے وزیر اعظم اور صدر مملکت کا انتخاب کرتے ہیں۔ انتخابات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام میں سے ان افراد کی رائے معلوم کی جائے جو ووٹ دینے یا رائے دینے کا حق رکھتے ہیں یعنی یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس شخص کو پارلیمنٹ کے ممبر یا صدر مملکت بننے کا اہل سمجھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کئی غیر مسلم اقوام ذمی بن کر اسلامی ریاست کے زیر نگیں رہنا قبول کیا۔ ان کے معاملات اور مسائل میں حضرت عمرؓ انہی کے مشورے سے حل فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اہل الذمہ سے مشورہ لینے کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی نے حضرت عمر فاروق کے متعلق لکھا ہے کہ:

حضرت عمر ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورے اور استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مال گزاری کے حالات دریافت کیے مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔[2]

اسی طرح حضرت عمر فاروق کے "ہرمزان" سے مشورہ لینے کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے جسے تستر کی لڑائی میں قیدی بنایا گیا تھا اور جو ایرانی جرنیلوں میں سے تجربہ کار جرنیل تھا۔[1]

کسی غیر مسلم کے ممبر پارلیمنٹ ہونے کے مسئلے میں مولانا مودودی نے کہا ہے کہ:

ایک شکل یہ بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ غیر مسلموں کو ملک کی پارلیمنٹ میں شامل کرنے کے بجائے ان کے لئے ایک الگ نمائندہ مجلس اسمبلی بنادی جائے تاکہ وہ اپنی اجتماعی ضروریات بھی اس کے ذریعے سے پوری کریں اور ملکی انتظام کے معاملے میں بھی اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں۔ اس مجلس کی رکنیت اور رائے دہی غیر مسلموں کے لیے مخصوص ہو اور اس میں ان کو اظہار رائے کی پوری آزادی دی جائے۔ اس مجلس کے ذریعے سے:

---

[1] النساء:۷۵

[2] نعمانی، شبلی، الفاروق، (دہلی: قومی پریس، ۱۹۰۸ء)، ۲/ ۲۶۳

[1] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب الْجِزْيَةِ والموادعه، بَابُ الْجِزْيَةِ وَالْمُوَادَعَةِ مَعَ أَهْلِ الْحَرْبِ، ح ۳۱۵۹

۱۔ وہ اپنے شخصی معاملات کی حد تک قوانین تجویز کرنے اور سابق قوانین میں اصلاح و ترمیم کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اور اس طرح کی تمام تجاویز رئیس حکومت کی منظوری سے قانون بن سکیں گی۔
۲۔ وہ حکومت کے نظم و نسق اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے متعلق اپنی شکایات، اعتراضات، مشورے اور تجاویز پوری آزادی کے ساتھ پیش کر سکیں گے اور حکومت انصاف کے ساتھ ان پر غور کرے گی۔
۳۔ وہ اپنے گروہ کے معاملات اور عام ملکی معاملات کے متعلق سوالات بھی کر سکیں گے اور حکومت کا ایک نمائندہ ان کے جوابات دینے کے لیے موجود رہے گا۔
مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو بھی حالات و ضروریات کے لحاظ سے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک بلدیات اور مقامی مجالس لوکل باڈیز کا تعلق ہے۔ ان میں غیر مسلموں کو نمائندگی اور رائے دہی کے پورے حقوق دیے جاسکتے ہیں۔[1]
ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں کہ:
موجودہ دور میں کئی اسلامی ممالک مثلاً متحدہ عرب امارات اور عراق وغیرہ میں غیر مسلم شہری باقاعدہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں اور اس معاملے میں مسلم و غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔[2]
روہنگیا برادری کو بھی ووٹ دینے، اپنی سیاسی جماعت بنانے اور ملکی سیاست میں حصہ لینے کا حق دیا جائے۔ اس طرح سے وہ ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مسائل کا حل بھی ڈھونڈ سکیں گے۔ اور ان کے سیاسی رہنماء اپنی برادری کے مسائل کے لئے آزادانہ آواز بھی اٹھاسکتے ہیں۔

جمہوریت اور اسلام:

جمہوریت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ:
حکومت کی تشکیل عوام کی رائے اور مشورہ سے ہوگی، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین نامزد کرنے کی بجائے اس کا انتخاب لوگوں کی اجتماعی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔ حکومت خاندانی نہیں ہوگی، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں بننے والے خلفاء حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا نسبی وارث نہیں تھا۔ حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہوگی، جیسا کہ حضرت ابو بکر نے اپنے پہلے خطبے میں عام لوگوں کا یہ حق تسلیم کیا کہ: "میں سیدھا چلوں تو میرا ساتھ دو اور اگر ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔"[1]

---

[1] مودودی، سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست، (لاہور: اسلامی پبلی کیشنز، شاہ عالمی مارکیٹ، ۲۰۱۴ء)، ۵۹۹

[2] زیدان، عبدالکریم، احکام الذمیین والمستامنین، (بغداد: دار السلام مطبعۃ البرہان، ۱۹۹۳ء)، ۷۲

[1] ابن کثیر، عماد الدین، البدایہ والنہایۃ، (الریاض: دالسلام للنشر والتوازیع، ۱۴۱۳ھ)، ۵/ ۲۴۸

جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں اور بعد میں بھی عام لوگ خلفاء کے طرز عمل پر تنقید کر سکتے تھے اور خلفاء کو بعض اوقات اپنے فیصلے واپس بھی لینا پڑتے تھے۔ حکمران اپنے معاملات عوام کے مشورہ سے چلائیں گے۔ عوامی معاملات عام لوگوں کے مشورہ سے اور علمی و فنی معاملات اہل علم و فن کی مشاورت سے چلانے کے بارے میں خلفاے راشدینؓ کے طرز عمل کا ذکر تاریخ کی بہت سی روایات میں موجود ہے، بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے امور میں جن میں وحی نازل نہیں ہوتی تھی، عام لوگوں یا متعلقہ لوگوں سے مشاورت کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ اپنی رائے کے خلاف عمومی مشاورت کی رائے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی ہے، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر حملہ آور لشکر کا مقابلہ کیا جائے، لیکن نوجوان صحابہ کے اصرار پر آپ نے مدینے سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

ایک اسلامی ریاست میں قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرنا اور ان کے واضح احکام کی پابندی حکمرانوں اور رعیت، دونوں کے لیے ضروری ہے اور ان میں سے کوئی بھی قرآن وسنت کے صریح احکام سے انحراف کا مجاز نہیں ہے، نیز قرآن وسنت کے صریح احکام کو بطور قانون نافذ کرنا مسلمان حکمرانوں کی منصبی ذمہ داری ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا تھا کہ

((إسمعوا وأطيعوا وإن استعمل عليكم عبد حبشى كأن رأسه زبيبة)) [1]

تم (اپنے حکمران کی بات) سنو اور اس کی اطاعت کرو، خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام ہی کو حکمران کیوں نہ بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کے دانے جیسا ہو۔

اور خلیفہ اول سیدنا ابو بکرؓ نے اپنے پہلے خطبے میں اعلان کیا تھا کہ

جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت فرض نہیں ہے۔ [1]

اسلام ہر شخص کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ جس بات کو قانون کے حوالے سے غلط اور باہمی حقوق کے حوالے سے زیادتی سمجھتا ہو، اس کے خلاف آواز اٹھائے بلکہ سوسائٹی کے اجتماعی نقصان کی صورت میں یہ آواز اٹھانا اور معروف ذرائع سے اس کے سدباب کی عملی کوشش کرنا اس کے مذہبی فرائض میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سوسائٹی میں خیر کے فروغ اور شر کے سدباب کے لیے محنت کرنا بھی ہر شخص کا حق بلکہ اس کی ذمہ داری ہے۔

---

[1] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، ح۶۷۲۰

[1] ابن کثیر، عماد الدین، البدایہ والنہایہ، ۵/ ۲۴۸

جن ممالک میں مسلمان اکثریت یا اقتدار میں نہیں ہیں، وہاں چونکہ وہ ایک سماجی معاہدے کے تحت رہ رہے ہیں، اس لیے اس سماجی معاہدہ کی پابندی ان کے لیے ضروری ہے جو وہاں کی ریاستی عدالتوں کے ذریعے ہی ہوگا، البتہ مذہبی معاملات اور خاندانی احکام و قوانین میں ان کے مذہب کے مطابق عدالتی نظام کا فراہم کیا جانا ان کا حق ہے۔ اس حق کے لیے وہ کوشش کرتے رہیں گے اور اس کے لیے ہر ممکن ذریعہ اختیار کریں گے۔ نیز اس ملک کے عمومی قوانین میں اگر کوئی بات قرآن وسنت کے صریح احکام اور مسلمانوں کے کسی اجماعی عقیدہ سے ٹکراتی ہے تو وہ اس کے خلاف احتجاج کریں گے، اسے تبدیل کرانے کی کوشش کریں گے اور حکمرانوں کو اس کی طرف توجہ دلائیں گے۔

اسلام عقیدہ و مذہب کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے احترام کا حکم دیتا ہے، ایک دوسرے کے معبودوں اور مسلمہ بڑوں کے خلاف بدزبانی سے روکتا ہے، اپنے اپنے دائرے میں مذہبی احکام وروایات پر عمل کا حق دیتا ہے اور مذہبی آزادی کو تسلیم کرتا ہے۔ اسلام ایک عام شہری کو ملکی معاملات میں شریک ہونے، ملک کے مشاورتی نظام کا حصہ بننے، خیر کے کاموں میں تعاون کے راستے تلاش کرنے اور شر کی راہ میں رکاوٹ بننے کا نہ صرف حق دیتا ہے، بلکہ اس کی تلقین کرتا ہے اور اسے مذہبی فرائض میں شمار کرتا ہے۔

انتظامی عہدے اور غیر مسلم:

جہاں تک حکومت کے اہم عہدوں اور مناصب کا تعلق ہے جو انتظامی امور سے متعلق ہوں یا جن کا کام صدر مملکت وزیر اعظم اور حکومت کے احکام پر عمل درآمد یقینی بنانا ہوتا ہے تو وہ تمام عہدے غیر مسلموں کو بشرطیکہ ان کی مطلوبہ اہلیت پر پورے اترتے ہیں دیے جاسکتے ہیں۔

وما لا يشترط فيه الإسلام كتعليم الصغار الكتابة وتنفيذ ما يأمر به الإمام أو الأمير يجوزان يمارسه الذميون[1]

ترجمہ: وہ تمام عہدے اور مناصب جن میں عہدیدار کا مسلمان ہونا شرط نہیں مثلاً چھوٹے بچوں کو کتابت کی تعلیم دینا اور امام و خلیفہ یا امیر گورنر جن کاموں کا حکم دیتا ہے انہیں نافذ کرنا، تو ایسے عہدوں پر ذمیوں کو تعینات کیا جاسکتا ہے۔

مشہور مستشرق A.S Tritton نے زیر تحقیق موضوع سے متعلق اپنی معروف کتاب The Caliphs and their Non-Muslim subject میں دوسرا باب مختلف خلفائے اسلام کے عہد حکومت میں غیر مسلموں کو دی جانے والی سرکاری ملازمت اور عہدوں کی تفصیل سے مختص کیا ہے۔ کوئی انیس سو افراد پر مشتمل اس باب میں

[1] الموسوعة الفقهيه، (الكويت: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، ۱۹۸۶ء)، ۷/۱۳۱

مسٹر ٹریٹن نے غیر مسلموں کو دی جانے والی سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کی متعدد مثالیں دی ہیں اس نے اس معاملے میں مسلمانوں کو بے تعصبی اور وسعت ظرفی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> When the Arabs consolidated their Conquests they took over the administrative system they found there and those official who had not flied.[1]

جب عربوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں پر کنٹرول حاصل کر لیا تو انہوں نے وہاں پر موجود ملکی نظم ونسق (نظام حکومت) اور ان تمام سرکاری عہدہ داروں کو برقرار رکھا جو وہاں سے بھاگ نہیں گئے تھے۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مستشرقین مرتبین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مفتوحہ غیر مسلم آبادی والے علاقوں میں مسلمانوں نے غیر مسلموں کے تعاون سے ہی نظام حکومت چلایا۔ اور غیر مسلموں کو اسلامی حکومتوں خصوصا فاطمی عہد حکومت میں بڑے بڑے انتظامی عہدے دیے گئے۔[2]

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی خلفاء نے ذمیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر برقرار بھی رکھا اور نئے عہدے بھی دیئے۔ برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو ملازمتیں دیں۔ اور ان کو ے معاشی مسائل کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اور اقلیت واکثریت کے مابین مسائل اور خلا کو پُر کرنے کی کوشش کریں۔

اقلیت واکثریت کے مابین مسائل کا حل:

مختلف افراد، طبقات یا گروہوں کے درمیان حقوق کے باہمی تصادم اور ٹکراؤ کی صورت میں اسلام انصاف، عدل اور قانون کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے اور کسی فریق کی ناجائز طرف داری سے روکتا ہے۔ اسی طرح وہ متصادم گروہوں کے درمیان مفاہمت اور مصالحت کا ماحول قائم کرنے پر زور دیتا ہے اور ثالثی، محاکمہ اور گفت وشنید کے ذریعے ایک دوسرے کو قریب لانا اسلامی تعلیمات کا ایک مستقل باب ہے۔

عدل وانصاف کو قائم رکھنے اور افراد اور طبقات کو ایک دوسرے کی زیادتی سے بچانے کے حوالے سے سب سے زیادہ ذمہ داری حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس ضمن میں خلفائے اسلام کے بہت سے واقعات بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں نقل کیا ہے کہ

فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شہر کا دورہ کرتے ہوئے مسیحیوں کی ایک عبادت گاہ میں گئے اور وہاں نماز کا وقت آگیا تو وہ نماز کی ادائیگی کے لیے باہر آگئے اور الگ جگہ نماز ادا فرمائی۔ اس پر بعض ساتھیوں نے دریافت کیا کہ امیر المؤمنین! وہ بھی تو عبادت گاہ تھی۔ اس جگہ نماز ادا کرنے میں کیا حرج تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اس جگہ نماز ادا کر لیتا تو بعد میں تم نے وہاں مستقل قبضہ کر لینا تھا کہ

---

[1] Triton, A S, *The caliphs and their non-Muslim subject*, (London: Oxford University Press, 1930), 18.
[2] Leiden, E.J Brill, *The Encyclopaedia of Islam,* (Brill publishers (new edition) 1986) vol: 2, 228-229.

یہاں ہمارے امیر المومنین نے نماز ادا کی ہے، اس لیے ہم اس جگہ مسجد بنائیں گے۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں پر اس طرح قبضہ کیا جائے۔[1]

برمی حکومت کو چاہیے کہ وہ بھی اقلیت و اکثریت کے مابین مسائل کو حل کرے اور اقلیتوں کے تمام جائز حقوق ان کو دلائے۔ اس سے معاشرے میں امن و ترقی کا سفر بڑھے گا۔ اور اقلیتوں کے حقوق کا استحصال بھی ختم ہو جائے گا۔

انسانی حقوق کا استحصال:

انسانی حقوق و فرائض کی پاسداری معاشرے کی ترقی، امن اور خوشحالی کی راہیں ہموار کرتی ہے جبکہ انفرادی سطح پر انسانی عزت و احترام کو یقینی بناتی ہے۔ انسانی حقوق کی پامالی اور استحصال، عدم مساوات، ظلم و جبر، ناانصافی، جنگ، غلامی اور اسی طرز کی دیگر سماجی برائیوں اور سانحات کو جنم دیتی ہے۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسانی آزادی اور مساوات کو شرفِ انسانیت اور بنیادی انسانی حقوق میں شمار کرتے ہوئے انکی بحالی کو ایک اجتماعی ذمہ داری قرار دیا۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس کی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں۔ انسانی حقوق اور خدمت خلق کے متعلق اسلامی قانون اور رہنما اصول قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی سے زندگی بسر کرے، اسے مساوات اور برابری کا درجہ دیا جائے، اس کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں، تاکہ حق تلفی کا اندیشہ نہ رہے، اسے بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے معاشی جدوجہد کی آزادی حاصل ہو، معاشرتی و سماجی حقوق کے لیے کوئی پابندی نہ ہو، ملک و ملت کی خدمت انجام دینے اور اظہار خیال کی آزادی حاصل ہو۔[1]

انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ رب العزت نے نوعِ انسانی کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت و تکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً﴾[2]

---

[1] ابن کثیر، عماد الدین، البدایہ والنہایۃ، ۲/ ۱۳۴

[1] عمری، سید جلال الدین، اسلام اور انسانی حقوق، (نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۲۰۱۸ء)، ۸۷

[2] بنی اسرائیل: ۷۰

ترجمہ: اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

((یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد ولا فضل لعربي علي عجمي ولا لعجمي علي عربي ولا لأحمر علي أسود ولا لأسود علي احمر الا بالتقویٰ))[1]

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے۔ سوائے تقویٰ کے۔

اسلام میں تمام انسان برابر ہیں اور تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ماسوائے جو زیادہ تقویٰ دار ہو۔ اسی طرح برمی حکومت بھی اپنی تمام رعایا کے ساتھ برابری کا سلوک کریں۔ روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کا جو استحصال ہو رہا ہے اس کو بند کریں۔ اور ان کو ان کے تمام حقوق پورے کر کے ادا کریں۔

آزادانہ نقل و حرکت:

آزادی خدائی نعمت ہے جو خالق کی جانب سے ہر انسان کو عطا کی گئی ہے۔ دنیا میں ہر انسان آزاد رہنا چاہتا ہے اُس کی آزادی پر روک اُس کو گوارا نہیں ہوتی۔ کیونکہ آزادی انسانی فطرت کا ایک انمول پہلو ہے اور اسلام نے بھی اس کا احترام برقرار رکھا ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد انسان اپنے اختیارات، ترجیحات، سوچ، پسند و ناپسند میں مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے، اس آزادی کو سلب کرنے کا کسی حق نہیں۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں / اہل الذمہ کو مسلمان شہریوں کی طرح قانونی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملک بھر میں جہاں چاہیں آئیں جائیں، سفر کریں، گھومیں پھریں، دوران سفر ان کے جان و مال کا تحفظ اور ہر طرح سے بچاؤ اور سلامتی کو یقینی بنانا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

آزادی کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی نقل و حرکت میں آزاد ہو، ہر طرح کے ظلم و جبر سے محفوظ ہو۔ نقل مکانی کرنے میں آزاد ہو، حکومت اسے قانونی جواز کے بغیر گرفتار، قید اور نظر بند نہ کر سکتی ہو۔ غرض اسلام ہر انسان کی شخصی آزادی اور احترام کو بہت اہمیت دیتا ہے، اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا ہے کہ کسی کی آزادئ نقل و

---

[1] احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ الشیبانی، مسند احمد، حدیث رجل من اصحاب النبی، ۵/۴۱۱

حرکت اور عزت نفس کو نقصان پہنچائے۔ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا اور ان کا ہر طرح پاس ولحاظ رکھا، اگر انہوں نے اسلامی ریاست میں رہنا قبول کر لیا اور ان سے عہد وپیمان ہو چکا تو اب ان کی حفاظت مسلمانوں کی ذمے داری قرار پائی۔ وہ آزادی کے ساتھ اسلامی ریاست میں سفر کر سکتے ہیں۔

تعلیم:

قرآنِ مجید میں لگ بھگ پانچ سو مقامات پر حصول تعلیم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی۔ علم کی فرضیت کا براہ راست بیان بے شمار احادیث میں بھی آیا ہے۔ حصول علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

((حدثنا انس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع ", قال ابو عيسى: هذا حديث حسن غريب، ورواه بعضهم فلم يرفعه.)) [1]

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو وہ لوٹنے تک اللہ کی راہ میں (شمار) ہو گا۔"

اور یہ بات واضح کر دی گئی کہ قرآنِ مجید سے حصول علم خواتین کے لئے بھی اسی طرح فرض ہے جیسے مردوں کے لئے ہے اس لئے تعلیم ہر صورت حاصل کرنا چاہیئے۔ آج کے دور میں تعلیم کی اور اہمیت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے لیکن عام تعلیم کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ کمپیوٹر وہ ہی چلائے گا جس کو لکھنا پڑھنا آتا ہے۔ انجینئرنگ، وکالت، ڈاکٹری اور مختلف جدید علوم حاصل کرنا آج کے دور کا لازمی تقاضہ ہے۔ جدید علوم تو ضروری ہیں ہی اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کی بھی اہمیت اپنی جگہ ہے۔

من مانی ٹیکس اور اسلام:

ٹیکس لگانا اور اسے وصول کرنا ہر حکومت کا حق سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر نظام مملکت نہیں چل سکتا، لیکن اس سلسلہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ ٹیکس عوام کی قوت برداشت سے باہر نہ ہو، اور دوسرا یہ کہ ٹیکس کے عوض حکومت عوام کو سہولتیں فراہم کرنے کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس میں کوئی کوتاہی روانہ رکھی جائے۔ ورنہ حکومت کے پاس ٹیکس وصول کرنے کا کوئی اخلاقی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، (الریاض: دارالسلام للنشر والتوازیع، ۲۰۰۲ء) كتاب العلم عن رسول الله ،باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ، ح۲۶۴۷

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب امیر المومنین بنے تو قومی خزانے کا کم و بیش اسی فیصد حصہ مقتدر لوگوں کے قبضے میں تھا اور بیت المال خالی ہو چکا تھا۔ مگر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جہاں نادہندگان سے قومی خزانے کی رقوم اور اثاثے واپس لینے کی بے لچک پالیسی اختیار کی وہاں عوام پر عائد شدہ بے جا ٹیکس ختم کر دیے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تاریخ دعوت و عزیمت میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یمن کے حاکم نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو اطلاع دی کہ اگر ان کی ہدایات کے مطابق زمین کی پیداوار کا صرف شرعی حصہ وصول کیا جائے تو آمدنی بہت کم ہو جائے گی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لکھا کہ فصل کے مطابق رقم وصول ہونی چاہیے خواہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ سارے یمن سے صرف ایک مٹھی غلہ وصول ہو، میں اس پر راضی ہوں۔ اس کے علاوہ انہوں نے چنگی ساری مملکت سے معاف کر دی اور عمال کو لکھا کہ وہ نجس ہے، لوگوں نے نام بدل کر اس کو جائز بنا لیا ہے۔ چند شرعی محاصل کے علاوہ ہر طرح کے ناجائز محاصل اور بیسیوں ٹیکس جو سابق فرمانرواؤں اور عمال حکومت نے ایجاد کیے تھے، انہوں نے یکسر معاف کر دیے۔[1]

کسی بھی مملکت اور ریاست کو ملکی انتظامی امور چلانے کے لیے، مستحقین کی امداد، سڑکوں، پلوں اور تعلیمی اداروں کی تعمیر، بڑی نہروں کا انتظام، سرحد کی حفاظت کا انتظام، فوجیوں اور سرکاری ملازمین کو مشاہرہ دینے کے لیے اور دیگر ہمہ جہت جائز اخراجات کو پورا کرنے کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور ان وسائل کو پورا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک عہد اور ان کے بعد کے روشن دور میں بیت المال کا ایک مربوط نظام قائم تھا اور اس میں مختلف قسم کے اموال جمع کیے جاتے تھے، مثلاً:

۱۔ خمس غنائم: یعنی جو مال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہو اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بعد باقی پانچواں حصہ۔

۲۔ مالِ فیئ: یعنی وہ مال جو بغیر کسی مسلح جدوجہد کے حاصل ہو۔

۳۔ خمسِ معادن: یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے پانچواں حصہ۔

۴۔ خمسِ رکاز: یعنی جو قدیم خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو، اس کا بھی پانچواں حصہ۔

۵۔ غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا جزیہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ اموال جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

۶۔ ضوائع: یعنی لاوارث مال، لاوارث شخص کی میراث وغیرہ۔

---

[1] ندوی، سید ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء)، ۱/ ۳۷

اگر حکومت کے جائز مصارف دیگر ذرائعِ آمدنی سے پورے نہیں ہوتے تو چند شرائط کے ساتھ حکومت کو اپنے مصارف پورا کرنے کے لیے ٹیکس لینے کی اجازت ہو گی:

۱۔بقدرِ ضرورت ہی ٹیکس لگایا جائے۔

۲۔لوگوں کے لیے قابلِ برداشت ہو۔

۳۔وصولی کا طریقہ مناسب ہو۔

۴۔ٹیکس کی رقم کو ملک وملت کی واقعی ضرورتوں اور مصلحتوں پر صرف کیا جائے۔

جس ٹیکس میں مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ نہ کیا جاتا ہو تو حکومت کے لیے ایسا ٹیکس جائز نہیں، اور ایسا ٹیکس لینے والوں کے متعلق احادیث میں وعید آئی ہے۔

ملکیتِ زمین کا مسئلہ:

دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جب عراق اسلامی ریاست کا حصہ بن گیا تو آپ سے اس کی زمین مجاہدین میں تقسیم کی بابت مطالبہ ہوا، لیکن سورۃ الحشر میں نازل شدہ احکام قرآنی کے مطابق چونکہ تمام ذرائع پیداوار اللہ خالق ومالک کی ملک اور رسول خدا ﷺ کے بحیثیت متولی تقرر اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے تابعدار اور اطاعت شعار فرزندانِ اسلام کی تولیت میں آچکے تھے، اس لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے جو فیصلہ کیا وہ قاضی ابویوسفؒ کی کتاب الخراج میں اس طرح درج ہے۔ آپ نے فرمایا: ” میں چاہتا ہوں کہ یہ زمین مع کاشتکار حکومت کی ملک قرار دوں، اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کروں اور فی کس جزیہ مقرر کروں جسے وہ ادا کرتے رہیں، اس طرح جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے ایک مستقل فَے یعنی آمدنی کا کام دے گا جس میں مجاہدینِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی آئندہ نسلیں سب حصہ دار ہوں گی“۔[1]

حضرات صحابۂ کرام نے حضرت فاروق اعظمؓ کے اس اعلان کی بیک زبان تائید کی؛ چنانچہ اس فیصلے پر اجماع امت ہو گیا اور حضرت عثمان بن حنیفؓ کو ان زمینوں کے بندوبست کے لئے مامور کیا گیا تھا۔

ملکیتِ زمین کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد خصوصی طور سے قابل توجہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

((عادی الارض للّٰہ ولرسولہ ثم لکم من بعد فمن احیا ارضاً میتةً فھی لہ ولیس لمحتجرٍ حقٌ بعد ثلاث سنین-))[2]

---

[1] ابویوسف، یعقوب، کتاب الخراج، ۸۵

[2] ایضاً، ۸۷

افتادہ زمین اللہ اور اس کے رسولؐ کی ملک ہے بعد ازاں تمہاری ہے، چنانچہ جو بھی مردہ اور بنجر زمین زندہ کر کے قابل کاشت بنالے، وہ اس کی ہوگئی اور جو زمین میں کاشت چھوڑ دے تو تین سال تک بیکار رکھنے کی وجہ سے اس کا حق ملکیت ساقط ہو جائے گا"۔ بہر نوع امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں عراق میں متعین حاکم حضرت عثمان بن حنیفؓ نے زمین کی پیائش کرنے کے بعد مختلف شرحوں سے خراج یعنی محصول عائد کیا، جس کی تفاصیل قاضی امام ابو یوسف نے کتاب الاموال میں اس طرح درج کی ہے:

"گیہوں کے کھیت پر چار درہم، گنے کی کاشت پر چھ درہم، کھجور پر آٹھ درہم، جَو کے کھیت پر دو درہم اور انگوروں کے باغات پر دس درہم فی جریب۔[1]

حضور سید الکونین ﷺ کے زمانۂ مبارک میں چونکہ جہاد میں کام آنے کے باعث گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی، لیکن جب حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں گھوڑوں کی تجارت شروع ہوگئی تو آپ نے ان پر زکوٰۃ عائد کر دی اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی اس سے اظہار اختلاف نہیں کیا تھا۔ اس طرح زکوٰۃ کی مد میں نئی آمدنی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ بعد ازاں جب خلافتِ فاروق اعظمؓ کے دور میں ہی مسلمانوں کے تعلقات غیر ممالک سے بڑھے اور وہاں کے باشندے تجارت کی غرض سے قریب وبعد ممالک میں آنے جانے لگے اور ان ملکوں کے دستور کے مطابق مسلمان تاجروں سے دس فی صد کے حساب سے عشور محصول در آمد یعنی کسٹم ڈیوٹی لی جاتی تھی۔

برما کے لیے ٹیکس کا نیا اور عادلانہ نظام ضروری ہے جو دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنا کر امیر اور غریب کے درمیان بڑھتے فرق کو کم کرے، عوام کو معاشی انصاف فراہم کرے۔ ملکی نظام چلانے کے لئے بالواسطہ ٹیکسوں پر انحصار کافی حد تک بڑھ گیا ہے جس کی وجہ سے روہنگیا مسلمان غربت کی دلدل میں دھنس رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر سنگین معاشرتی مسائل بھی جنم لے رہے ہیں۔ ٹیکس کے نظام کا فوکس اشرافیہ کے وسائل میں مسلسل اضافے کے بجائے براہ راست ٹیکسوں کے ذریعے عوام کی فلاح اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہونی چاہیے۔ تاکہ عوام کے مسائل میں کمی لائی جاسکے۔

اسلام کا فلاحی نظام:

خلفائے راشدین کے نظامِ ٹیکس اور نظامِ مالیات کی چند نمایاں اور انقلابی اقدامات کا تذکرہ نہایت اختصار اور اشارے کی صورت میں کیا گیا ہے، اس دَور کے تمام محاصل اور ٹیکسوں کا مقصود ایک فلاحی ریاست کا قیام تھا، جس میں ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق مادّی وسائل فراہم کئے جاتے تھے۔

مؤلف کتاب اعلام الموقعین نے اسلامی قانون نمبر ۲۴ میں لکھا ہے کہ:

[1] ابو یوسف، یعقوب، کتاب الخراج، ۱۷۴

قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اونٹنی چوری ہوگئی جو حاطب بن ابی بلتعہؓ کے غلاموں نے چوری کی تھی وہ پکڑے گئے، اونٹنی کا مالک حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں فریادی ہوا، غلاموں نے حضرت عمرؓ کے سامنے چوری کا اقرار کرلیا، انہوں نے کثیر بن ابی صلتؓ کو بلا کر ان چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا کہ اس دوران حضرت فاروق اعظمؓ کو علم ہوگیا کہ غلاموں نے فقروفاقہ سے مجبور ہو کر اونٹنی چرائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اونٹنی کے مالک کو بلایا اور ان سب کے سامنے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر مجھے اس کا علم نہ ہوتا کہ تم جن لوگوں سے کام لیتے ہو اور انہیں اس قدر فاقہ مست ومحتاج رکھتے ہو کہ ان میں سے کوئی حرام کھالے تو ان کے لئے حلال ہو جائے تو میں ان کے ہاتھ ضرور کٹوادیتا مگر اب ان کے ہاتھ کاٹنے کے بجائے تمہیں سزادوں گا، چنانچہ مالک سے اونٹنی کی قیمت پوچھ کر ان غلاموں کو دلوادی گئی تھی۔[1]

یہ تاریخی واقعہ دَور حاضر کی معاشی ناہمواری اور ایک طبقے میں دولت وسرمایہ مرکوز ہونے یعنی امیروں کے امیر تر اور غریبوں کے غریب تر ہونے کے ماحول میں اہلِ بصیرت کے آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ بہر حال ان معروضات کا مقصد یہ ہے کہ خلفائے راشدین کا نظام ٹیکس محض بھاری ٹیکس عائد کرکے خزانہ بھرنے کیلئے نہیں تھا، بلکہ اس دَور میں شرفِ انسانیت ملحوظ رکھا جاتا اور مخلوقِ خدا کی خدمت وفلاح وبہبود کو فوقیت دی جاتی تھی وہ نظام اس کرّہ ارض پر اسلام کے نظامِ عدل ومساوات کے قیام کے لئے تھا۔ اور یہی اصول برمی حکومت کو اپنانے چاہیے کہ عوام کے فلاح وبہبود کے لئے ٹیکس نظام میں بہتری لائیں۔ اور روہنگیا مسلمانوں کی معاشی مسائل حل ہوسکے۔

شادی کے مسائل:

اسلام میں نکاح کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام نے نکاح کے تعلق سے جو فکرِ اعتدال اور نظریۂ توازن پیش کیا ہے وہ نہایت جامع اور بے نظیر ہے۔ اسلام کی نظر میں نکاح محض انسانی خواہشات کی تکمیل اور فطری جذبات کی تسکین کا نام نہیں ہے۔ انسان کی جس طرح بہت ساری فطری ضروریات ہیں بس اسی طرح نکاح بھی انسان کی ایک اہم فطری ضرورت ہے۔ اس لیے اسلام میں انسان کو اپنی اس فطری ضرورت کو جائز اور مہذب طریقے کے ساتھ پورا کرنے کی اجازت ہے اور اسلام نے نکاح کو انسانی بقاوتحفظ کے لیے ضروری بتایا ہے اسلام نے تو نکاح کو احساسِ بندگی اور شعورِ زندگی کے لیے عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: "النکاح من سنّتی" نکاح کرنا میری سنت ہے۔[1]

---

[1] الجوزی، حافظ شمس الدین ابو عبداللہ ابن قیم، اعلام الموقعین، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۱۹۹۷ء)، ۲/۳۳

[1] عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، (قاہرہ: دارالحدیث، ۱۳۹۳ھ)، ۹/۱۱۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے۔ اور اغراض کرنے والے کو اپنے سے الگ کیا ہے۔ نکاح کرنے سے انسان بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

اسلام میں نکاح کو انجام دینے کیلیئے چند اہم امور:

اسلام میں نکاح کو انجام دینے کے لئے یہ امور یعنی ایجاب و قبول، دو گواہوں کی موجودگی، نکاح میں عورت کے لئے ولی کا موجود ہونا، نکاح کا اعلان، دعوتِ ولیمہ، مہر کی ادائیگی اور خطبہ ٔنکاح ضروری ہے۔ اگر ان امور پر غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ امور عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ کس قدر دعوتِ فکر و عمل اور باعثِ ثواب ہیں۔ برمی حکومت کو بھی روہنگیا مسلمانوں کے لئے شادی بیاہ کو آسان کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ بلاوجہ کے روکاوٹیں اور رشوت کا بازار ختم کرکے نکاح کو آسان بیانا جائے۔

مساوات:

مساوات کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہ اسلام کے بنیادی او رمرکزی اُصولوں میں سے ہے۔ شریعت نے اپنے تمام احکامات کے انطباق میں مساوات کی بڑی سختی سے تلقین کی ہے کہ احکام شرعیہ کے نفاذ میں ہر قسم کے رنگ و نسل کے امتیازات کو یکسر ختم کیا جائے۔ معاشرتی وحدت کے لیے صرف اسلام کی دی ہوئی عالم گیر بنیاد کو اپنایا جائے جو عدل و انصاف اور مساوات پر مبنی ہے۔ جس میں علاقائی وقبائلی تعصّبات اور رنگ ونسب کے امتیازات کی بیخ کنی کی گئی ہے اور جس میں نسلیت کے خطوط صرف ذاتی و شخصی تعارف کے لیے کھینچے گئے ہیں۔

﴿يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔

یعنی اللہ کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں بجز اس کے جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہو۔ اس لئے برمی حکومت کو بھی روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ عام شہریوں کی طرح مساوی سلوک کرنا چاہیے۔ اور تمام معاملات میں ان کو عام شہریوں کی طرح برابر حقوق ملنے چاہیے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ روہنگیا کا سب سے بڑا معاشرتی مسئلہ شہریت کا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔

---

[1] الحجرات:۱۳

شہریت:

ایک شہری کی حیثیت سے جو حقوق آدمی کو حاصل ہوں۔ مثلاً حفاظتی حقوق، حفظان صحت سے متعلق حقوق، آمد و رفت، بود و باش، پانی، ہوا اور روشنی اور دیگر لوازم کے حصول سے متعلق حقوق۔ حقوق شہریت صرف تعلیم یافتہ اور شہری طبقے سے مختص نہیں ہیں بلکہ ان کا اطلاق ہر قسم اور ہر نوع کی آبادی پر ہوتا ہے۔

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اس لئے اس کے اصول و دستور بھی آفاقی ہیں ہر قدم اور ہر منزل کے لئے ضابطۂ حیات ہے اور ہر انسان کے لئے اسلامی اصول مشعل راہ ہیں دنیا میں امن وامان قائم کرنے اور ملک وملت کی ترقی کے لئے اسلام نے واضح انداز میں راعی اور رعایا کے حقوق کے سلسلہ میں ایک نظریہ پیش کیا ہے۔

((حدثنا ابو نعيم، حدثنا ابو الاشهب، عن الحسن، ان عبيد الله بن زياد عاد معقل بن يسار في مرضه الذي مات فيه، فقال له معقل :إني محدثك حديثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول:" ما من عبد استرعاه الله رعية فلم يحطها بنصيحة إلا لم يجد رائحة الجنة))[1]

ترجمہ: ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابوالاشہب نے بیان کیا، ان سے حسن نے کہ عبید اللہ بن زیاد، معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے اس مرض میں آئے جس میں ان کا انتقال ہوا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو کسی رعیت کا حاکم بناتا ہے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی حفاظت نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

دوسری روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

((وحدثنا شيبان بن فروخ،حدثنا ابوالاشهب ، عن الحسن ، قال: عاد عبيد الله بن زياد معقل بن يسارالمزني في مرضه الذي مات فيه، فقال :معقل إني محدثك حديثاسمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، لوعلمت ان لي حياة ما حدثتك، إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته إلا حرم الله عليه الجنة))[1]

ترجمہ: حسن سے روایت ہے عبید اللہ بن زیاد معقل بن یسار کے پوچھنے کو آیا جس بیماری میں وہ مر گئے تو معقل نے کہا: میں ایک حدیث تجھ سے بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور اگر میں جانتا کہ

---

[1] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب الْأَحْكَامِ،بَابُ مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ،ح۷۱۵۰

[1] مسلم، صحیح مسلم، كِتَاب الْإِمَارَةِ،باب فَضِيلَةِ الإِمَامِ الْعَادِلِ،ح۴۷۲۹

ابھی زندہ رہوں گا تو تجھ سے بیان نہ کرتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے": کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ ایک رعیت دے دے پھر وہ مرے اور جس دن وہ مرے وہ خیانت کرتا ہو اپنی رعیت کے حقوق میں مگر اللہ تعالیٰ حرام کر دے گا اس پر جنت کو۔

قرآن عظیم میں اس تعلق سے بہت واضح ہدایت موجود ہے خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے۔ اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾[1]

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، انصاف کرو کہ یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے۔

اسلام ہمیشہ مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ظلم و جبر سے روکتا ہے۔ بلکہ دشمن کے مقابلے میں بھی اسلام انصاف و مساوات کا درس دیتا ہے۔ برمی حکومت کو بھی روہنگیا مسلمانوں کو اپنے وطن کی شہریت دینی چاہیے۔ کیونکہ یہ ان کا بنیادی اور وہاں کے باشندے ہونے کی حیثیت سے حق ہے۔ اس حق سے محروم کرکے برمی حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کے لئے بہت مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن میں سب سے بڑا مسئلہ ان کی معیشت کا ہے۔ جس کی وجہ سے روہنگیا مسلمانوں کو بہت زیادہ معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

معاشی مسائل کا حل:

اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کا مقصود ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ حضورؐ نے معاشرے کے ہر فرد کو بنیادی ضروریات کا حق عطا کر کے اسلامی معاشرے کو حقیقی معنوں میں فلاحی معاشرہ قرار دیا، جس میں کسی بھی فرد کو بنیادی ضروریات اور عمومی سہولیات کے حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرے کے ہر فرد کے لئے مساوی معاشی مواقع کی تخلیق اور ہر فرد کے لیے معاشی وسائل سے متمتع ہونے کو ممکن بنانے کے لیے ہر فرد کو قومی وسائل سے استفادے کا مساوی حق دیا گیا ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق:

آدم علیہ السلام نے کاشت کاری کی، سوت کاتا۔[1]

نوح علیہ السلام نے لکڑی کا کام کیا اور اپنی محنت سے کھاتے تھے۔[2]

ادریس علیہ السلام درزی تھے۔[3]

---

[1] المائدہ:۸

[1] نعیمی، احمد یار خان، مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، (گجرات: نعیمی کتب خانہ، ۱۹۶۰ء)، ۲۲۸/۴

[2] ایضاً: ۲۲۸/۴

[3] شفیع، محمد، وارا کین، دائرہ معارف الاسلامیہ، ص: ۸۴

شیث علیہ السلام سوت کاتتے تھے۔[1]

داؤد علیہ السلام بادشاہ ہونے کے باوجود لوہے کی زرہیں بناتے اور ان کی کمائی کھاتے تھے۔[2]

اسلام نہ صرف روحانیت ہے اور نہ صرف مادیت؛ بلکہ دونوں کا حسین سنگم ہے۔ اسلام نے مادہ سے احتراز کی تاکید نہیں کی ہے کہ انسان جوگ اور رہبانیت اختیار کرلے جیسا کہ ہندوازم، بدھ ازم اور عیسائیت وغیرہ میں ہے، اور نہ انسانی معاشرہ کو مکمل طور پر مادیت کے حوالہ کیا گیا کہ انسان اپنی مادی خواہشات کے سامنے اپنی روحانی تقاضوں سے غافل ہو کر اپنی دنیا اور آخرت دونوں خراب کرلے، جیسا کہ آج کل مغرب کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اسلام نے انسان کی دنیوی زندگی فلاح وترقی میں مادیت کے کردار کو نہ صرف تسلیم کیا ہے، بلکہ اسلامی نظام میں مادیت کو نہایت اعتدال و توازن کے ساتھ جگہ بھی دی ہے۔ اسلام نے کسبِ حلال کو اہم ترین فریضہ قرار دیا ہے اور تجارت، زراعت، صنعت اور ملازمت وغیرہ کے ذریعہ اپنی روزی خود کمانے کی تاکید کی ہے۔

اسلامی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی اصول بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے۔ معاش کے سلسلے میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ سرمایہ کی گردش ہے۔ سرمایہ کی گردش اگر اس طرح ہو کہ وہ ہر طبقہ کے لوگوں تک پہنچتا رہے تو سب لوگ خوش حال ہوں گے اور اگر وہ صرف چند لوگوں کے درمیان گھومے تو خوش حالی بھی چند لوگوں کے حصے میں آئے گی اور بقیہ لوگ بدحالی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾[1]

ترجمہ: تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے

اسلام افرادِ معاشرہ کے درمیان معاشی مساوات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ معاشی مساوات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک شخص کے پاس جتنی دولت ہو اتنی ہی دولت دوسرے کے پاس بھی ہو؛ کیوں کہ ایسی مساوات غیر فطری بھی ہے اور ناقابلِ عمل بھی۔ اسلام جس مساوات کو چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد کو یکساں مواقع حاصل ہوں اور مال و دولت کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ افرادِ معاشرہ کے معیارِ زندگی اور مظاہرِ معیشت میں زیادہ فرق نہ ہو۔ اسلام نے وہ تمام فرق جو محض عہدہ اور حیثیت کی بنا پر قائم کیے جاتے ہیں، ان کو مٹا دیا اور صرف نام نہاد مساوات کی جگہ حقیقی تمدنی مساوات اور معاشی انصاف قائم کیا ہے۔

---

[1] ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، مریم، ۱۶۸

[2] نعیمی، احمد یار خان، مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، ۴/ ۲۲۸

[1] الحشر: ۷

برمی حکومت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے معاشی مسائل کو حل کر کے ان کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرے۔ اور ان کے معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے بہترین پالیسیاں بنائے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کی معیارِ زندگی بہتر ہو سکے۔

جبری مشقت:

انسان اپنی روزی کمانے کے لیے دائرہ شریعت میں رہ کر جو اور جیسی بھی محنت کرے خواہ وہ محنت جسمانی ہو یا دماغی، اسلام اس کی اجازت دیتا ہے اور اجازت ہی نہیں دیتا ہے بلکہ محنت کرنے پر ابھارتا ہے اور جو لوگ اپنا پسینہ بہا کر اپنی روٹی حاصل کرتے ہیں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو بغیر محنت کے دوسروں کے سہارے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

لیکن بچوں سے جبری مشقت لینا دو لحاظ سے زیادتی اور ظلم تصور ہوتا ہے۔ ایک اس لیے کہ یہ عمر تعلیم حاصل کرنے یا کوئی ہنر سیکھنے کی ہوتی ہے اور بچے اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دوسرا اس وجہ سے کہ اس عمر میں ان پر محنت و مشقت کا بوجھ ڈالنا اور انہیں مسلسل جسمانی مشقت میں مصروف رکھنا سراسر زیادتی ہے۔ انہیں جائز تفریح کے مواقع نہیں ملتے جو ان کی ذہنی نشوونما کے لیے ضروری ہے، اس طرح تعلیم و تربیت سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان پر ذہنی اور جسمانی نشوونما کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں انسانی حقوق کی بنیاد رکھنے والا مذہب ہی دینِ اسلام ہے، اسی مذہب نے معاشرے کو امن و آشتی کا گہوارہ بنایا اور تقسیم کار کے فطری قانون کے ذریعہ کسی کو مالک تو کسی کو مملوک، کسی کو خادم تو کسی کو مخدوم، کسی کو حاکم تو کسی کو محکوم قرار دیا، اسی بناء پر باہمی حقوق و فرائض عائد کئے گئے اور اسی کی خاطر ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و ہمدردی کی تعلیم دی گئی۔

((حدثنا يوسف بن محمد، قال: حدثني يحيى بن سليم، عن إسماعيل بن امية، عن سعيد بن ابي سعيد، عن ابي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: قال الله تعالى:" ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة: رجل اعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فاكل ثمنه، ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره))[1]

ہم سے یوسف بن محمد نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن سلیم نے بیان کیا، ان سے اسماعیل بن امیہ نے، ان سے سعید بن ابی سعید نے اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کا قیامت

[1] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، كِتَاب الْإِجَارَةِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الأَجِيرِ، ح۲۲۷۰

میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا، پھر کام تو اس سے پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔

جبری مشقت میں مزدوروں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور ان کو یا تو اجرت بہت کم دیتے ہیں یا بالکل بھی نہیں دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے دینے کی تاکید آئی ہے۔ برما جو روہنگیا مسلمان بچوں اور بڑوں سے جبری مزدوری لیتے ہیں وہ ختم ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ نہ صرف ان کے ساتھ ظلم وزیادتی ہے بلکہ یہ ان کا معاشی استحصال بھی ہے۔ کیونکہ جس میں اکثر اوقات ان کو پوری مزدوری کی اجرت نہیں ملتی یا بالکل بھی کوئی اجرت نہیں دیتے۔ اسلام نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان کے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اسلام نے مزدوروں کو پورے حقوق دیئے ہیں۔

مزدوروں کے حقوق:

مزدور کو سب سے پہلے اسی دین نے وسیع اور جامع ترین حقوق فراہم کئے اور ہر قسم کے ظالمانہ سلوک سے باز رہنے کا حکم دیا۔ مزدور کے حقوق کا اندازہ نبی مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اس حدیث مبارکہ سے ہو جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

((حدثنا العباس بن الوليد الدمشقي ، حدثنا وهب بن سعيد بن عطية السلمي، حدثنا عبد الرحمن بن زيد بن اسلم ، عن ابيه ، عن عبد الله بن عمر ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"اعطوا الاجير اجره قبل ان يجف عرقه.")) [1]

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :مزدور کو اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔

مطلب یہ ہے کہ کام ختم ہوتے ہی اس کی اجرت دے دو، یہ نہیں کہ اجرت دینے میں حیلہ کرو اور کام لے لو۔ آج مغرب میں مزدوروں کے حقوق کے لیے بہت آواز بلند کی جاتی ہے، جبکہ اسلام نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے ہی مزدور کے حقوق متعین فرمادئے تھے۔ اسی طرح شریعت مطہرہ کی رو سے مستاجر کو یہ حق ہے کہ وہ جس مزدور کو چاہے اپنے یہاں کام پر رکھے اور جو اُجرت چاہے مقرر کرے، مگر اس آزادی کے باوجود چند باتیں اُصولی طور پر طے ہے، جن کی پابندی دونوں کو لازم ہے۔

ان کو کم از کم اتنی اُجرت دی جائے کہ ان کی ضروریات آسانی کے ساتھ پوری ہو سکیں۔

---

[1] ابن ماجہ، یزید، سنن ابن ماجہ، (الریاض: دارالسلام للنشر والتوازیع، ۲۰۰۴ء) کتاب الرھون، بَابُ أَجْرِ الْأُجَرَاءِ، ح ۲۴۴۳

ان کے کام کا وقت متعین ہو مگر اس وقت میں بھی ان سے اتنا کام اور ایسا کام نہ لیا جائے جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور وہ کام عام حالات میں آدمیوں سے نہ لیا جاتا ہو یا جن کی وجہ سے ان کی صحت اور قوت کار پر جلد برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔ مدت ملازمت میں بیماری کی دیکھ بھال اور علاج کی ذمہ داری مستاجر پر ہو گی۔ مزدور سے اگر اچانک کوئی غلطی یا نقصان ہو جائے تو اس پر کوئی باز پرس نہیں کی جا سکتی لیکن اگر اس نے قصداً کوئی نقصان کیا ہے تو مستاجر کو یہ حق ہو گا کہ وہ اس سے اس کا تاوان وصول کرے گا اگر وہ تاوان ادا نہ کر سکے تو یہ حکومت کا فرض ہو گا کہ وہ مزدور کی طرف سے خود تاوان ادا کرے۔ اگر کام کے درمیان میں مزدور کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اس کی تلافی مستاجر کو کرنی پڑے گی، اس کی کوئی متعین صورت نہیں بتائی جا سکتی۔ اس کی تعیین حالات اور حادثہ کی کیفیت و کمیت کے مطابق ہی متعین ہو گی۔

محض نفع کی کمی یا معمولی نقصان کی بناء پر مزدور کو علیٰحدہ نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے ضروری ہو گا کہ یا تو وہ مزدور کو خود اس پر راضی کرے یا مستاجر حکومت کے سامنے اس کو علیٰحدہ کرنے کی وجہ بیان کر کے اس کے لیے اجازت حاصل کرے۔[1]

در حقیقت اسلام نے ان زریں تعلیمات کے ذریعہ اپنے پیروکاروں میں ایسی سوچ پیدا کر دی تھی کہ جس سے ہر شخص محنت مزدوری میں فخر اور بھیک مانگنے سے نفرت کرتا ہے۔ اس دور میں صحابہ کرام کسی دوسرے پر اپنا معاشی بوجھ ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حلال رزق کمانے کیلئے ہر قسم کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے اور محنت و مشقت کرنے سے کبھی عار محسوس نہیں کرتے۔

جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ملک برما کے علاقے اراکان کے روہنگیا مسلمان جن ناقابلِ بیان حالات وواقعات سے گزر رہے ہیں یہ صرف امتِ مسلمہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے بھی بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔ ان کے مسائل کا اسلامی حل حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور قرآن کے زریں اصول میں پوشیدہ ہیں۔ خالقِ کائنات نے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل قرآنِ حکیم میں بنیادی اصول اور ضابطے کی صورت میں پیش فرما دیا ہے۔ اس پورے نظام اور مکمل ضابطۂ حیات کا عملی نمونہ اور پیکرِ جمیل حضور محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو تمام انسانوں کے لئے خورشیدِ جہاں تاب سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہے، عبادات واخلاقیات، معاملات ومعاشرت اور اقتصاد ومعیشت غرضیکہ آپ کا اسوۂ حسنہ ہمہ

[1] ندوی، مجیب اللہ، اسلامی قانون محنت، (لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، ۲۰۱۶ء)، ۴۶۔ ۴۷

جہت مینارۂ نور ہے۔ سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے سے ہی معاشرے میں امن کی فضا قائم اور بدامنی کا خاتمہ ہو گا۔ مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل قرآن وسنت سے مضبوط تعلق استوار کرنے میں پوشیدہ ہے۔

اسلامی ریاست میں نظام تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل ہی حضرت مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر مدینہ بھیج دیا تھا اور ہجرت کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقاعدہ درس گاہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ طلبہ کے لیے چبوترہ ڈالا گیا جس کو "صفہ" کہا گیا۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کراتے، جو باز نہیں آتے انھیں سزائیں دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی باقاعدہ جیل خانہ نہیں تھا، اس لیے صرف اتنا خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نظام حیات پیش کیا جس میں تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل یا ان کے اصول وضوابط بیان کئے۔ ان تمام امور کو اپنا کر برما کے روہنگیا مسلمانوں کے تمام مسائل بھی حل کئے جاسکتے ہیں۔

آج جو پوری دنیا میں بدامنی اور ابتری کا دور دورہ ہے اسے ختم کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ مکی اور مدنی زندگی میں تلاش کریں، آپ نے اپنے دورِ حکمرانی میں تمام نوعِ انسانیت کے ساتھ عدل مساوات اور سماجی برابری کا رویہ اپنایا، لہٰذا برما کی صوبائی و مرکزی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ فوراً امن وسلامتی کی روایت کو مضبوط کریں، تبھی جا کر یہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔

فصل دوم

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں:

دنیا میں بدھ مت کے پھیلنے کی وجہ نہ تو فتوحات تھیں اور نہ قبضے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدھ مت نے کسی بھی ملک میں پہلے سے موجود علم و مذہب کی ہتک کرنے کی بجائے ان سے ممکنہ مدد لیتے ہوئے ان کا ہم پیالہ بنے۔ جب اس نے پہلے سے پھیلے ہوئے مذہب کی ہتک نہ کی تو اس کی بھی ہتک نہ ہوئی۔ جس سے مناظرے کی بجائے مذاکرے، ٹاکرے کی بجائے میلاپ، فتح و جنگ کی بجائے امن و محبت کی فضا بنی، بدھ کی انہی نظریات کو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں بھی یہ افکار و نظریات عزت و احترام اور تقدس سے دیکھے جانے لگے۔ تقریباً پچیس سو سال قبل وجود میں آنے والا مذہب بدھ مت اپنے آغاز سے ہی ایک پُر امن مذہب کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس کی تعلیمات کی رو سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ کسی بھی جاندار کو نقصان پہنچانا بد ترین گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ مگر برما میں اقلیتوں خصوصاً روہنگیا مسلمانوں کو مذہبی آزادی کا نہ ملنا، حقِ رائے دہی کا نہ ملنا، انصاف کا نہ ملنا، بنیادی حقوق (صحت، تعلیم، رہن سہن) سے محرومی، غربت، بے روزگاری، تشدد، دہشت گردی و انتہاء پسندی جیسے مسائل کا سامنا ہے جس کے خاتمے کیلئے برمی حکومت سنجیدہ نہیں، بلکہ نسلی تعصب کی بنا پر اقلیتوں کے حقوق کی کھلی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ انہی مسائل کے خاتمے کے لئے بدھ مت کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق:

برما میں بدھ انتہا پسند اسلام کو اپنی بقا کے لیے ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔ اس خطرے سے نجات حاصل کرنے کے لیے پہلے برما کی زمین کو مسلمانوں پر تنگ کیا گیا، روہنگیا مسلمانوں کا لہو اب بھی وہاں سے رِس رہا ہے۔ لاشوں کی گنتی ابھی ختم نہیں ہوئی، جلتے مکانات سے دھواں اب تک اٹھتا ہے۔ مسلمان ان المیوں سے گزر رہے ہیں جن کو شمار کرنا دردناک دلوں کے بس کی بات نہیں۔ حالانکہ اس دہشت گردی کے برعکس گوتم بدھ کی تعلیمات تمام جانداروں کے ساتھ نہایت رحم و عدل پر مبنی ہیں۔ اور کسی کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی کی نفی کرتا ہے۔ انسان تو انسان ہے وہ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو بھی نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے۔ اور ان سے نہایت مہربانی اور رحم والے معاملے کی تلقین کرتا ہے۔

انسانی حقوق کے بڑے پیمانے پر بولنے والے عناصر اور اصولوں کو بدھ مت سمیت دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات میں شامل ہے۔ بدھ مت میں حقوق کا تصور بہت زیادہ ہے۔ بدھ کے معاشرتی پیغام میں شامل عناصر آج کے

بیشتر ممالک کے متعدد بین الاقوامی اعلامیوں، عہد ناموں، پروٹوکولوں اور آئینوں میں شامل انسانی حقوق کے جدید دور کے اصولوں کا حصہ اور جز ہیں۔

بدھ انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کی بحالی کے لئے قدرتی سچائی کے انتہائی آسان اور واضح عناصر کا ذخیرہ دھاپد اکی شکل میں موجود ہیں۔ دھما کا مرکز انسان ہے، اور زمین پر اپنی زندگی میں انسان سے انسان کا رشتہ ہے۔ دنیا تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور اس تکلیف کو دنیا سے دور کرنا دھما کا واحد مقصد ہے۔ دھما کے مطابق اگر ہر فرد پاکیزگی، راستبازی اور فضلیت کے راستہ پر چلتا ہے تو اس سے تمام تکالیف کا خاتمہ ہوگا۔

جن اصولوں کے ذریعہ اس کو تسلیم کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: کسی کو زخمی کرنا یا مارنا نہیں، کسی سے کوئی چیز چوری نہیں کرنا، جھوٹ نہیں بولنا، ہوس میں ملوث نہیں ہونا، نشہ آور مشروبات میں ملوث نہیں ہونا۔ وغیرہ[1]

امن، انصاف، محبت، آزادی، مساوات اور بھائی چارے وغیرہ کے بارے میں بدھ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ بہت زیادہ واضح معاشرتی پیغام دیا ہے۔ بدھ مت کی تیسری اور چوتھی عظیم سچائیوں میں انسانی حقوق کے نظریے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ لہٰذا بدھ فلسفہ میں انسانی حقوق کا نظریہ موجود ہے اور بدھ مذہب میں حقوق اور انسانی حقوق دونوں کے بارے میں واضح تعلیم موجود ہے۔ زندگی کا حق واضح طور پر بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ دوسرے تمام حقوق اور آزادی حاصل کرنے کی شرط ہے۔

> Buddhism was the custodian of human rights and fundamental freedom. Buddhism was the first religion to take active step against slavery, as Buddhist Monks were forbidden to keep slaves. Buddhism eliminated caste prejudice and hereditary distinctions between man and granted equal rights and equal status to every human being.[1]

ترجمہ: بدھ مت انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کا پاسبان تھا۔ بدھ مذہب پہلا مذہب تھا جس نے غلامی کے خلاف سرگرم قدم اٹھایا، کیوں کہ بدھ بھکشوؤں کو غلام رکھنے سے منع کیا گیا تھا۔ بدھ مت نے انسان کے درمیان ذات پات اور تعصبی امتیاز کو ختم کیا اور ہر انسان کو مساوی حقوق اور مساوی حیثیت دی۔

انہی تعلیمات کی بنا پر برما میں موجود اقلیتوں اور خصوصاً روہنگیا مسلمانوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔ جس کے لئے وہ شروع دن سے تگ ودو کر رہے ہیں۔ جن میں ان کے بنیادی انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ وہ تمام حقوق شامل ہیں جو کسی بھی فلاحی ملک کے شہری کو حاصل ہیں۔ اور اس میں برمی حکومت کے ساتھ بدھ بھکشوؤں کو بھی اپنا پورا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور ان حقوق میں سب سے پہلے ان کو مذہبی آزادی دینی چاہیے۔

---

[1] جاوید، الطاف، غیر سامی مذاہب کے بانی، (لاہور: اپنا ادارہ اردو بازار، ۲۰۰۴ء)، ۱۳۸

[1] Ambedkar BR, *Annihilation of Caste.* (Maharashtra: Ambedkar's collected writings and speeches Education Depart. Govt Maharashtra.1999) 13. http://ccnmtl.columbia.edu/projects/mmt/ambedkar/web/(Accessed July 10, 2020)

مذہبی آزادی:

مسلمان جہاں بھی رہتے ہیں اپنے مذہب اور کلچر کو عزیز رکھتے ہیں، اور وہ کسی کے مذہب سے تعارض نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کے مذہب کو برا بھلا کہتے ہیں، کیونکہ اسلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی کے مذہب کو برا مت کہو۔

گوتم بدھ نے کبھی لوگوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ صرف ان پر بھروسا کر کے ان کی بات مان لیں بلکہ ان کا کہنا تھا کہ ان کی بات کی اس طرح جانچ پرکھ کریں جیسے سونا خریدتے ہوئے کیا کرتے ہیں۔ اگر لوگوں کو تجربے سے ان تعلیمات کا مفید ہونا معلوم ہو جائے تو پھر انہیں چاہیے کہ اپنی زندگی میں اسے آزما کر دیکھیں۔ گوتم بدھ کا فرمان ہے کہ اس کے لیے شناخت بلکہ مذہب بدلنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ جسے بھی ان کی تعلیمات میں کوئی چیز سود مند محسوس ہو، اسے اس بات کی اجازت ہے کہ اس پر عمل کرے۔

> Buddha stressed each person's obligation to use reason and judgment when evaluating life choices.[1]

ترجمہ: بدھا نے زندگی کے انتخاب کا جائزہ لینے کے وقت ہر شخص کی ذمہ داری اور فیصلے کو استعمال کرنے کی ذمہ داری پر زور دیا۔

بدھ مت کی تعلیمات کو حکومتی سطح پر پھیلانے والے اشوک نے بدھ مت کی بہت خدمت کی۔ اور ان تعلیمات کو پھیلانے کے لئے اشوک نے مختلف کتبات تحریر کئے۔ اشوک کے زمانے کے کتبے جو پائے گئے ہیں ان کی تعداد ۳۰ سے زیادہ ہے۔ یہ کتبے مختلف مضامین کے ہیں۔ جن میں خصوصی طور پر یہ تعلیمات درج ہیں:

ان میں بیشتر والدین کی اطاعت، ذی روح کی نگہداشت، صداقت، نیکی، استاد کا ادب اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ غیبت اور غیر مذہب کی توہین کی سخت ممانعت ہے اور حکومت کی فرمابرداری ہر شخص کا فرض ہے۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ کی تعلیمات کے مطابق ہر کسی کو مذہبی آزادی میسر ہے۔ کسی کو زور زبردستی اپنے مذہب سے روکنا یا بدھ مت میں شامل کرنا نہیں ہے۔ اشوک کے بارہویں کتبے پر جو تحریر لکھی گئی وہ اس طرح تھی۔

---

[1] Bukkyo, dendo kyokai, *THE TEACHING OF BUDDHA*, (Tokyo: Shiba 4-chome, Minato-ku, 2005), 194-198.

مزید تفصیل کے لئے:

بلخی، فصیح الدین، تاریخ مگدھ، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۴ء)، ۴۲

[1] Edward A. Irons,J. Gordon Melton, *Encyclopedia of Buddhism*, (New York:Series Editor, 132 West 31st Street, NY 10001,2008), 61.

دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور بے تعصبی کی تعلیم دی گئی ہے۔جو شخص دوسروں کے مذہب کی عزت کرتا ہے وہ خود اپنے مذہب کی عزت بڑھاتا ہے۔[1]

بدھ مت میں تمام مذاہب کی عزت کرنا ضرری ہے۔کسی سے کسی مذہب کی بنا پر ظلم زیادتی یا تعصب رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔بلکہ جو دوسروں کے مذہب کی عزت و احترام کرتا ہے وہ اپنی عزت بڑھاتا ہے۔برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو مذہبی آزادی مہیا کرے۔تاکہ وہ اپنے مذہبی تہوار،رسوم ورواج اور عبادات بغیر کسی خوف اور روکاوٹ کے ادا کریں۔کیونکہ یہ ان کے مذہبی پیشوا کی تعلیمات میں ہیں کہ کسی ساتھ اس کے مذہب کی وجہ سے تعصب نہ رکھی جائے۔اور تمام ذی روح کے ساتھ رحم کا معاملہ کیا جائے۔کیونکہ بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق تمام ذی روح کو جینے کا حق حاصل ہے۔اور کسی پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔بدھ مت میں نہ صرف انسانی جان بلکہ کیڑے مکوڑوں کو بھی تلف کرنا گناہ ہے۔

جان کی حفاظت:

بدھ مت کی مذہبی تعلیمات امن وامان اور عفو و درگزر کی داعی ہیں،اس کے علاوہ غمگساری، ہمدردی اور دوسروں پر رحم کرنے جیسی اخلاقی صفات کا غلبہ ہے،اس کے برعکس سنگدلی و بے رحمی، ظلم وجور، قتل وغارت اور کسی بھی جاندار کو اذیت میں مبتلا کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔بدھ مت میں کھانے پینے کے کوئی مقررہ قوانین نہیں ہیں۔بدھ مت کے پیروکاروں کو عموماً یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ سبزی خور بننے کی کوشش کریں،غلّہ اور سبزیاں زیادہ سے زیادہ استعمال کریں تاہم اگر صرف زراعت پر انحصار بھی کیا جائے تب بھی کیڑے مکوڑے تو بہر حال ہر طرح کی کاشتکاری میں تلف ہوتے ہی ہیں۔سو ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اپنی خوراک اور کھانے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو کم از کم نقصان پہنچایا جائے۔بعض اوقات گوشت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے مثلاً کسی طبّی ضرورت سے، اپنے میزبان کا دل رکھنے کے لیے یا جب غذا کے نام پر گوشت کے سوا کچھ اور میسر ہی نہ ہو۔اس صورت میں کھانے والا اس جانور کے لیے اظہار تشکر کرتا ہے جس نے اس کے لیے اپنی جان دی اور اس کے اگلے جنم کے بہتر ہونے کی دعا کرتا ہے۔چنانچہ اس مذہب کے امن پسندانہ اور تحفظ جان کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے "Edward Conze" لکھتا ہے:

> "Taking life' means to murder anything that lives, It refers to the striking and killing of living beings. Anything that lives' ordinary people speak here of a 'living being', but more philosophically we speak of 'anything that has the life-force'. "[1]

---

[1] محمد حسین،سید،اشوک اعظم،(دہلی:انجمن ترقی اردو ہند،۱۹۴۴ء)،۹۴

[1] Edward Conze(tr). *Buddhist Scriptures,* (London:Victoria Penguin Books,1960), 70.

ترجمہ: جان لینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی زندہ چیز کو قتل کرنا، اس سے مراد زندہ مخلوق کو مارنا اور قتل کرنا ہے۔ جو بھی چیز زندہ رہتی ہے عام لوگوں کے یہاں ایک 'جاندار' کے بارے میں بات کرتے ہیں، لیکن زیادہ فلسفیانہ طور پر ہم 'زندگی کی طاقت رکھنے والی' کسی بھی چیز کی بات کرتے ہیں۔

چنانچہ ان کے مذہبی ادب میں جابجا اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ جو کسی جاندار بالخصوص انسانی جان کا خاتمہ کرتا ہے تو ایسا کرنے والا پکتیہ (کبیرہ گناہ) یعنی بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ پکتیہ دھما "Vinaya Text" کی دفعات ۶۱،۶۲ کے الفاظ یہ ہیں:

> "(61) Whatsoever Bhikshu shall deliberately deprive any living thing of life, that is a Pakittiya. (62)Whatsoever Bhikshu shall, knowingly, drink water with living things in it, that is a Pakittiya."[1]

ترجمہ: جو بھی بھکشو جان بوجھ کر زندگی کے کسی بھی جاندار کو محروم کردے گا، وہ ایک پکیتیہ ہے۔ جو بھی بھکشو جان بوجھ کر اس میں زندہ چیزوں کے ساتھ پانی پیئے گا، وہ پکتیہ ہے۔

مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھکشو کسی جاندار کو قصداً ہلاک کرے گا تو وہ پکتیہ جرم کا مرتکب ہوگا۔ جو بھکشو ایسی جگہ سے پانی پیئے گا جس میں جاندار چیزیں رہتی ہیں یعنی آبی حیات تو یہ بھی پکتیہ (بڑا گناہ) ہے۔

انسانی جان کے تحفظ پر بدھ مت کی تعلیمات بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں جن میں کسی انسان کو ہلاک کرنا یا ارادۂ قتل سے بھی منع کیا گیا ہے یا کسی سے اس حد تک ناراض ہونا جو قتل و غارت کا باعث بنے اس کی بھی ممانعت کی گئی ہے یعنی بدھ مت نے انسانی جان کے تحفظ کے لئے ایسی حدود قائم کردی ہیں کہ کسی بھی حالت میں قتل و غارت کی نوبت نہ آئے۔ بدھ مت میں چار ایسے نواہی بیان کئے گئے ہیں کہ جن سے بچنا ہر پیروکار کیلئے لازم و ملزوم ہے، ان میں پہلی بات جس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے وہ یہ کہ کسی بھی جاندار کی جان نہ لی جائے بالخصوص انسانی جان کو ضائع کرنے والا گوتم بدھ کا پیرو نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اس مذہب سے اور اس کی تعلیمات سے عاری اور ان کا منکر ہے کیونکہ ایسا شخص بدھ مت کی بنیادی تعلیمات سے منحرف ہوا ہے۔

اس ضمن میں (Vinaya Texts) کے الفاظ کچھ یوں ہے کہ:

> A Bhikkhu who has received the upasampada ordination, ought not intentionally to destroy the life of any being down to a worm or an ant.[1]

ترجمہ: ایک بھکشو جس کو اپسمپدا قانون ملا ہے، اسے جان بوجھ کر کسی کیڑے یا چیونٹی یا اس سے بھی نیچے کسی کی زندگی کو ختم نہیں کرنا چاہئے۔

---

[1] Rhys Davids & Hermann Oldenberg(tr), *Vinaya Texts,* (Oxford: The Clarendon Press,1881), Vol.1,46.

[1] Ibid,235-236.

اشوک کے کتبوں میں تیرھویں کتبے پر جو تحریر لکھی گئی وہ اس طرح تھی۔

"کلنگ کی فتح اور اس کی خونریزی پر اظہار افسوس کیا گیا ہے۔ اور دھرم کی فتح سب سے بڑی فتح بتائی گئی ہے۔"[1]

میانمار میں گزشتہ کئی برسوں سے مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے بلکہ وہاں بے دریغ مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے۔ یہ قتل عام بدھ مت کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کی قتل عام بند ہونی چاہیے۔ کیونکہ جو مذہب کسی کیڑے یا چیونٹی کو مارنے سے منع کرتا ہے، وہاں کسی انسان کو کیسے قتل کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ اور کسی بھی ذی روح خصوصاً انسان کو قتل کرنا بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا برمی حکومت بھی روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کو بند کرنا چاہیے۔

مال کا تحفظ:

ملکیت سے انسان کو فطری محبت ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کے تحفظ کا خیال کیا جاتا ہے۔ محنت کرنے اور روزی کمانے کو ہر معاشرے میں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ہر معاشرے میں مال کمانے کے ان تمام راستوں کو بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جن میں کسی کا حق مارا جاتا ہو، چنانچہ رشوت، ڈاکہ، چوری اور ناحق مال غصب کرنے کے ذریعے مال حاصل کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ مال کمانا یا حصول معاش کے لئے کوشش کرنا ہر معاشرے میں مستحسن امر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جان کی حفاظت یا زندگی کی بقاء سے ہے۔ اگر مال کمانے میں جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جائے تو دوسروں کا مال چوری کرنا، ڈاکہ زنی، رشوت اور ناجائز قبضہ جات کے ذریعے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہوگی۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں سے مختلف طریقوں سے مال پر قبضہ کیا جارہا ہے۔ جو کہ بدھ کی تعلیمات کے منافی ہے۔ گوتم بدھ براہمن جو ہندوؤں میں اونچی اور قابل عزت ذات ہے ان کے بارے میں کہتا ہے:

"اگر (براہمن) جو انسان چوری کرکے زندگی گزارتا ہے وہ چور ہے، براہمن نہیں۔"[1]

گوتم بدھ کا قول ذکر کرتے ایکناتھ ایسووران دھماپدا میں لکھتے ہیں:

> If one desires neither children nor wealth nor power nor success by unfair means, know such a one to be good, wise, and virtuous.[2]

ترجمہ: اگر کوئی غیر موزوں ذرائع سے نہ تو اولاد، نہ دولت، نہ طاقت اور نہ ہی کامیابی کی خواہش رکھتا ہے تو ایسے شخص کو اچھا، عقلمند اور نیک آدمی جاننا چاہئے۔

---

[1] محمد حسین، سید، اشوک اعظم، ۹۴

[1] مور، لیوس، مترجم: یاسر جواد، سعدیہ جواد، مذاہب کا انسائیکلوپیڈیا، (لاہور: نگارشات مزنگ، ۲۰۰۳ء)، ۲۳۰

[2] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*,(Canada: Nilgiri press, 2007), 127.

اس کا مطلب ہے کہ ناجائز طریقے سے کسی کی مال و دولت کی خواہش نہیں رکھنی چاہیے۔ اور اگر کوئی بے گناہ انسان کے مال یا جان کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس کو دس طریقوں سے تکلیف پہنچے گی۔ ایکناتھ ایسووران لکھتے ہیں:

> (137)If one harms the innocent, suffering will come in these ten w ays.(138) They may suffer grief, infirmity, painful accident, serious illness,(139)loss of mind, legal prosecution, fearful accusation, family bereavement, or financial loss;(140) or their house may burn down, and after death they may be thrown into the fire of suffering.[1]

ترجمہ: اگر کوئی معصوم کو نقصان پہنچاتا ہے تو، ان دس طریقوں سے تکلیف آ جائے گی۔ وہ غم، کمزوری، تکلیف دہ حادثے، سنگین بیماری کا شکار ہو سکتے ہیں، ذہنی نقصان، قانونی استغاثہ، خوفناک الزام، خاندانی سوگ، یا مالی نقصان یا ان کا گھر جل سکتا ہے، اور موت کے بعد وہ تکلیف کی آگ میں پھینکے جا سکتے ہیں۔

بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق برمی حکومت کو بھی مسلمانوں کی مال و املاک کو نہ نقصان پہنچانا چاہیے اور نہ ہی ناجائز قبضے کرنے چاہیے۔ کیونکہ یہ تمام کام بدھ مت کی مذہبی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اور اس میں مذہبی رہنماؤں کا بھی کردار ہونا چاہیے۔

مذہبی رہنماؤں کا کردار:

عوام کو تشدد پر اکسانے میں برما کے بدھ راہب پیش پیش ہیں۔ عرصہ دراز سے بدھ راہبوں کے عسکری اور جارحانہ کردار کو دیکھتے ہوئے انہیں اب دنیا بھر میں "جنگجو بھکشوؤں" کے لقب سے پکارا جانے لگا ہے۔ برما میں بدھ بھکشوؤں نے عسکری گروہ بھی بنایا ہوا ہے، جس کا کام موقع پاتے ہی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کیخلاف پُر تشدد کاروائیاں کرنا ہے۔ اکثر بدھ بھکشو مسلمانوں پر اور ان کی مساجد پر حملے کرنے کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ بدھ نے اپنے شاگردوں کو دھرم کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اے بھکشوؤ ایک طرف تو ملک کے باسی نفسانی اور فانی خواہشوں کی غلام بن کر غیر حقیقی آسائشوں میں گرفتار ہیں۔ اور دوسری طرف غیر مفید، فضول، مضر، افسوسناک، خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ مذہبی تعلیمات پھیلائی جارہی ہیں۔ اس عمل میں مذہب کو آڑ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اصل میں یہ سب کچھ کسی اور مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ یہ کام غیر حقیقی خواہشات کے غلام کر رہے ہیں اور لاتعداد لوگ ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔[1]

> Lay followers should follow the Five Precepts: not to kill, not to steal, not to commit adultery, not to lie or deceive, and not to use intoxicants.[2]

---

[1]Eknath Easwaran , *The Dhammapada*, 144.

[1]کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۰۱

[2] Bukkyo, dendo kyokai, *THE TEACHING OF BUDDHA*, 191.

ترجمہ: عام بھکشو کے لئے پانچ اصول: نہ مارنا، نہ چوری کرنا، زنا کرنا نہیں، جھوٹ بولنا یا دھوکہ دینا نہیں، اور نشہ نہ کرنا۔

بدھ نے اس کے بعد مزید کہا کہ خواہشات کی غلامی اور مذہب کے نام پر پھیلائی جانے والی باتیں یہ دونوں راستے ہی درست نہیں۔ سچے دھرم کے طالبعلموں کو یہ راستہ بھی اختیار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں راستے ہلاکت اور تباہی کی طرف جاتے ہیں۔ میں نے اعتدال اور میانہ روی کا راستہ دریافت کیا ہے جس کو اختیار کرکے انسان کا باطن گمراہی سے بچ جاتا ہے۔ میرے راستے پر چلنے سے حقیقی معرفت، سچی طمانیت اور نجات کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں آٹھ آصول میں سے تیسرے میں لکھا ہے۔

> Correct speech, refraining from verbal misdeeds such as lying, divisive speech, harsh speech, and senseless speech.[1]

ترجمہ: صحیح تقریر کرنا، زبانی بدتمیزی جیسے جھوٹ، تفرقہ بازی، سخت تقریر اور بےہودہ تقریر سے پرہیز کرنا ہے۔

اس کی مزید تفصیل کرشن کمار کی کتاب گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک میں موجود ہے۔ جیسا کہ:

بدھ کا دریافت کردہ راستہ آٹھ اصولوں پر مشتمل ہے جس میں تیسرا اصول سچا بیان یعنی تنقید اور تنقیض، جھوٹ اور تلخ کلامی سے پرہیز کرنا ہے۔[2]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بدھ مت کی تعلیمات بدھوں کو نیکی کرنے، سچائی کا ساتھ دینے، لوگوں سے محبت اور ہمدردی سے پیش آنا اور کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینے کی دعوت دیتا ہے۔ انہی تعلیمات پر عمل کرکے برما کے بدھ بھکشوؤں کو روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و رواداری کا سلوک کرنا چاہیے۔ اور برمی معاشرے میں پھیلے تعصب کو ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

مذہبی تعصب:

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مرکزی نکات یہ ہیں کہ حقیقت پر نظر کیجیے یعنی یہ دیکھیے کہ ہر شے اور تمام انسان آپس میں جڑے ہوئے ہیں اس لیے ہم میں سب مخلوقات کے لیے برابر کی محبت اور دردمندی ہونی چاہیے۔ گوتم بدھ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اخلاقیات کی سختی سے پابندی کرے، نیکی بدی، اچھے برے کا دھیان رکھے۔ ان کا فرمان ہے کہ دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کو دکھ تو نہ دے۔

دھماپدا میں گوتم بدھ کا قول ہے:

---

[1] https://www.britannica.com/topic/Eightfold-Path (Accessed July 11, 2020)

[2] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۰۲

Neither pleasant words nor a pretty face can make beautiful a person who is jealous, selfish, or deceitful.[1]

ترجمہ: نہ ہی خوشگوار الفاظ اور نہ ہی کوئی خوبصورت چہرہ کسی کو خوبصورت بنا سکتا ہے جو حاسد، خود غرض یا دھوکہ دہی کا شکار ہے۔

دھماپدامیں ایکناتھ ایسووران گوتم بدھ کا ۱۴۱واں قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Going about with matted hair, without food or bath, sleeping on the ground smeared with dust or sitting motionless - no amount of penance can help a person whose mind is not purified.[2]

ترجمہ: گندے ہوئے بالوں سے، بغیر کھانا یا نہانے، زمین پر سونے سے دھول کی بو آرہی ہو یا بے حرکت بیٹھا ہو۔ کسی بھی شخص کی مذہبی ریاضت مدد نہیں کر سکتی ہے جس کا دماغ پاک نہیں ہوتا ہے۔

بدھ مت کی اخلاقیات کی اساس یہ ہے کہ ان دس کاموں سے اجتناب کیا جائے جو خاص طور پر خرابی لانے والے کام ہیں۔ ان میں قتل، چوری اور نامناسب جنسی تعلقات کے جسمانی عوامل شامل ہیں اور زبان سے ہونے والے اعمال میں جھوٹ، بد گوئی، بدزبانی، لڑائی کروانے والی باتوں اور لایعنی گفتگو کو شمار کیا گیا ہے۔ ذہنی اعمال میں لالچ کی سوچیں، نفرت کے خیالات، مسخ شدہ اور دشمنی پر مبنی افکار جن کی وجہ سے انسان مثبت چیزوں کی قدر و قیمت سے انکار کر دیتا ہے۔ گوتم بدھ نے شریعت کی طرح کوئی قانونی ضابطہ مقرر نہیں کیا جس سے منفی اعمال کی سزا متعین کی جا سکے۔ لیکن تعصب، کینہ پروری اور نفرت سے ضرور منع کیا ہے۔

بدھ کے دریافت کردہ راستہ آٹھ اصولوں پر مشتمل ہے جس میں دوسرا اصول سچی محنت یعنی برائی کو چھوڑنا اور خیال، کلام اور عمل میں اچھائی اختیار کرنا ہے۔[1]

بدھ مت کی انہی تعلیمات کو بدھ بھکشو اپنا کر برمی معاشرے سے تعصب کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ صرف ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نفرت اور تعصب کا سلوک کیا جارہا ہے جو بدھی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

سیاسی مسائل:

گوتم بدھ کی زندگی ہی میں بدھ مت کی خاصی اشاعت ہو چکی تھی، لیکن اس مذہب کو ہندستان میں اس وقت زیادہ پذیرائی ملی جب راجہ اشوک (۲۷۳-۲۳۳ق م) نے بدھ مت اختیار کرکے اسے سیاسی قوت عطا کی، چنانچہ اس مذہب کی ترقی اور اشاعت میں راجہ اشوک نے مرکزی کردار ادا کیا، اور اس کی کوششوں کے نتیجہ میں

---

[1] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*, 201.
[2] Ibid, 144.
[1] https://www.britannica.com/topic/Eightfold-Path (Accessed July 11, 2020)

بدھ مت ہندستان میں رائج ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت سے ترقی کرکے ایک بین الاقوامی مذہب بن گیا۔ اس ضمن میں عمادالحسن آزاد فاروقی اپنی تصنیف "دنیا کے بڑے مذہب" میں لکھتے ہیں:

"اشوک جو موریہ خاندان کا تیسرا بادشاہ تھا، ۲۷۳ ق۔م میں تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے ابتدائی دور حکومت میں موریہ خاندان کی پرانی جنگجوئی اور توسیعِ حکومت کی پالیسی پر قائم رہا۔ اپنی حکومت کے آٹھویں سال میں ایک خون ریز جنگ کے نتیجہ میں اس کا دل قتل و خون ریزی سے بیزار ہوگیا، اور اس نے قلبی طمانیت کی تلاش میں مذہب کی طرف رجوع کیا۔ کچھ عرصہ بعد اشوک نے تشدد کے خلاف اپنے رد عمل کے نتیجے میں بدھ مت مذہب اختیار کرلیا جو کہ اس وقت ہندوستان میں ایک ابھرتا ہوا مذہب تھا اور اپنے اندر اہنسا (عدم تشدد) کا ایک باقاعدہ نظریہ رکھتا تھا۔"[1]

بدھ مت کو اختیار کرلینے کے بعد جہاں راجہ اشوک نے عمومی اعتبار سے ہندوستان کے عوام میں مذہبی اور اخلاقی اقدار اور رواداری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، وہاں اس نے بدھ مت کی ترقی و اشاعت کے لیے بھی خصوصی اقدامات کئے۔ چنانچہ اس کی طرف سے بدھ مت کے حاملین کو بہت سی ایسی مراعات حاصل ہوئیں جن سے یہ محروم تھے، اشوک نے جگہ جگہ بدھ مت کی تاریخ سے وابستہ مقدس مقامات پر عمارتیں بنوائیں اور متعدد خانقاہیں (عبادت گاہیں) تعمیر کروائیں۔

راجہ اشوک سے متعلق 'کلیرنس ہملٹن "Clarence H. Hamilton" 'لکھتا ہے:

> "In the third B.C., the religion received a strong new impetus when Emperor Asoka became an adherent and promoted its spread, not only in India, but to other countries as well. This ruler was one of India's greatest. For Buddhist in all lands he stands as a great example of a lay disciple, of one who, although living in the midst of the world's responsibilities, yet promotes Buddha's teaching and devotes himself to good works for the sake of others."[1]

ترجمہ: تیسری صدی قبل مسیح میں، اس مذہب کو ایک نئی مضبوط تحریک ملی جب شہنشاہ اشوکا اس کا پیروکار بن گیا اور نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اس کے پھیلاؤ کو فروغ دیا۔ یہ حکمران ہندوستان کے عظیم ترین لوگوں میں سے ایک تھا۔ تمام ممالک کے بدھ مت کے لئے، وہ ایک عام شاگرد کی ایک عمدہ مثال کے طور پر سامنے آیا، اگرچہ وہ دنیا کی ذمہ داریوں کے بیچ رہ رہا، پھر بھی بدھ کی تعلیم کو فروغ دیتا رہا اور دوسروں کی خاطر اچھے کاموں میں لگا رہا۔

---

[1] فاروقی، عمادالحسن، آزاد، دنیا کے بڑے مذہب، (لاہور: مکتبۂ تعمیر انسانیت، ۲۰۰۲ء)، ۱۰۳۔۱۰۴

[1] Hamilton, H. Clarence, *Buddhism*, (New York: The Merrill Company, 1971), 19-20.

بدھ مت کی تاریخ میں اشوک کو بڑا مقام حاصل ہے۔ اسلئے دور حاضر میں برمی حکومت کو بھی ان کی پیروی کرکے روہنگیا مسلمانوں کو ان کے سیاسی حقوق دینے چاہیے۔ اشوک نے بلا تفریق تمام انسانوں کی خیر اور بھلائی کے لئے اپنا سارا وقت صرف کیا تھا۔

انتظامی عہدے اور اقلیتیں:

بدھ مت کی تعلیمات دُور دراز علاقوں تک پہنچانے کے لئے بدھ نے اپنے شاگردوں میں سے دھرم کی تبلیغ و اشاعت کی قابلیت رکھنے والے افراد منتخب کرکے انہیں بیرونی دوروں پر روانہ کرتے ہوئے کہا۔

> Those who wish to teach the Buddha's teaching acceptably must be concerned about four things: first, they must be concerned about their own behavior; second, they must be concerned about their choice of words when they approach and teach people; third, they must be concerned about their motive for teaching and the end they wish to accomplish; and fourth, they must be concerned about the great compassion.[1]

ترجمہ: جو لوگ بدھ کی تعلیم کو قابل قبول تعلیم سکھانا چاہتے ہیں انہیں چار چیزوں کے بارے میں فکر مند رہنا چاہئے: اول انھیں اپنے طرز عمل کے بارے میں فکر مند ہونا چاہئے۔ دوسرا، جب وہ لوگوں کے پاس جائیں اور تعلیم دیں تو انہیں ان کے الفاظ کے انتخاب کے بارے میں فکر مند رہنا چاہئے۔ تیسرا، انہیں درس و تدریس کے اپنے مقصد اور انجام کو حاصل کرنے کی خواہش کے بارے میں فکر مند رہنا چاہئے۔ اور چوتھا، انھیں بے حد شفقت کی فکر کرنا چاہئے۔

کرشن کمار اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"اے بھکشوؤ! پیار کے جذبے سے متحرک ہو کر بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے باہر جاؤ۔ یہاں سے نکل کر تم اس دھرم کا پرچار کرو جو ظاہری اور باطنی طور پر، اپنی ابتداء، وسط اور عروج میں عالیشان اور پر جلال ہے۔"[1]

اس کا مطلب ہے کہ بدھ نے اپنے شاگردوں میں ان افراد کا انتخاب کیا جو مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی قابلیت رکھتے تھے۔ نہ کہ ان افراد کا جو بدھ کے قریبی یا پرانے ساتھی تھے۔ اس سے ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ عہدوں پر معمور ہونے کے لئے قابلیت ضروری ہے۔ ایک اور جگہ گوتم بدھ کہتے ہیں:

> This mind of faith is pure and gentle, always patient and enduring, never arguing, never causing suffering to others but always pondering the Three Treasures: the Buddha, the Dharma, and the Samgha.[2]

---

[1] Bukkyo, dendo kyokai, *THE TEACHING OF BUDDHA*, 199.

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۰۸

[2] Bukkyo, dendo kyokai, *THE TEACHING OF BUDDHA*, 202.

ترجمہ: عقیدہ کا یہ خالص ذہن اور نرم مزاج، ہمیشہ صابر اور پائیدار رہے، کبھی بحث نہیں کرتا، دوسروں کو تکلیف کا باعث نہیں بنتا بلکہ ہمیشہ تینوں خزانوں پر غور و فکر کرتا ہے: بدھ، دھرم، اور سمگھا۔

"میرے دھرم میں داخل ہونے کے لئے دل کی پاکیزگی دروازے کا درجہ رکھتی ہے اور پیار اس سفر کی آخری منزل ہے۔"[1]

اس قول سے مراد نیک اور پرہیز گار لوگ ہیں، اور اس سفر کی آخری منزل پیار ہے۔ گوتم بدھ نے بادشاہی کو چھوڑ کر سنیاسی بن گئے تھے۔ جس میں وہ خود بھی بھیک مانگتا تھا اور اس نے اپنے بھکشوؤں کو بھی یہی راستہ سیکھایا تھا۔ اس کے پاس ایسی کوئی بادشاہت نہیں تھی جس سے وہ کسی قوم پر قبضہ کرکے مفتوح علاقوں کے اقلیتوں پر حکومت کرے اور ان کو حقوق ادا کرے۔ لیکن اس نے سب کے ساتھ ہمدردی، محبت اور بھائی چارے کی تعلیم دی۔ اور جو جس قابل تھا اس کو اس کے مقام پر مقرر کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انتظامی عہدوں کے لئے مذہب کی کوئی شرط نہیں۔ بلکہ اس فرد کے اندر اس کی قابلیت کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح حکومت کو بھی چاہیے کہ اگر کوئی اقلیتی باشندہ کسی بھی عہدے کے لئے قابلیت رکھتا ہو تو اس کو صرف اس کے اقلیتی ہونے کی بنا پر عہدوں سے نہیں ہٹانا چاہیے۔ یا اگر وہ اس عہدے کی قابلیت رکھتا ہو تو محض اس کی اقلیتی ہی اس کے عہدے دینے میں مانع نہ بنے۔

اقلیت و اکثریت کے مابین مسائل کا حل:

بدھ مت میں دردمندی سے مراد دوسروں کے لئے دکھ اور دکھ کے اسباب سے نجات کی آرزو ہے۔ اس کی بنیاد دوسرے لوگوں کے جذبات کے احساس پر ہے، خصوصاً جب ہم خود ایسی ابتلا سے گزرے ہوں۔ اگر ہمیں اس سے کبھی واسطہ نہ بھی پڑا ہو جس سے کہ وہ گزر رہے ہیں، پھر بھی ہم اپنے آپ کو ان کی جگہ تصور کرکے اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کس قدر ہولناک ہوگا۔ یہ سوچ کر کہ ہم اس سے نجات پانے کے کس قدر شدید آرزومند ہوں گے، تو ہم دوسروں کے لئے بھی اس سے چھٹکارا پانے کی زبردست خواہش کریں گے۔ اس کے بارے میں چودھویں دلائی لامہ کہتے ہیں:

پیار اور دردمندی ضروریات ہیں نہ کہ سامان عیش و عشرت۔ ان کے بغیر انسانیت کی بقاء ناممکن ہے۔[1]

دردمندی ہمارے دل و دماغ کو دوسروں کے لئے کھول دیتی ہے، اور یوں ہمیں تنہائی اور خود آراستہ نفس پرست سوچ کے چنگل سے آزادی دلاتی ہے۔ زندگی میں مسائل سے نبرد آزمائی میں ہم سب یکساں ہیں، اور جب ہم دوسروں کے ساتھ تعلق کو محسوس کرتے ہیں تو ہم تنہائی اور پریشانی پر قابو پا لیتے ہیں۔

---

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۱۱

[1] https://studybuddhism.com/ur/ahm-nkat/kia-he/drd-mndi-kia-ciz-he (Accessed July 13, 2020)

انسان ایک سماجی مخلوق ہے، ہمیں محض اپنی بقا کے لئے دوسروں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ صرف اس وقت جب ہم بے یار و مدد گار نوزائیدہ ہوں یا نرسنگ ہوم میں لاغر، بوڑھے انسان، بلکہ تمام عمر ہمیں دوسروں کی مدد درکار ہوتی ہے۔ محبت بھری دوستیوں سے جو جذباتی مدد ہمیں ملتی ہے اس سے ایک بھرپور زندگی تشکیل پاتی ہے۔ مضبوط اخلاقی اقدار کے ذریعہ ہم ہر ملاقاتی سے دوستانہ تعلقات پیدا کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس کے برعکس ہم کسی کو کوئی تکلیف دیتے ہیں تو اس کے بارے میں گوتم بدھ کہتے ہیں:

> If you harm a pure and innocent person, you harm yourself, as dust thrown against the wind comes back to the thrower.[1]

ترجمہ: اگر آپ کسی پاکیزہ اور بے گناہ شخص کو نقصان پہنچاتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں، جیسے ہوا کے خلاف پھیلی ہوئی دھول پھینکنے والے کے پاس واپس آجاتی ہے۔

ڈاکٹر الیگزینڈر برزن بدھ مت کی دس بنیادی عقائد میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس بات کا احساس کہ ہم سب باہمی ربط رکھتے ہیں اور یہ کہ ہماری بقاء کا انحصار ایک دوسرے پر ہے اس سے ہمارے دل کھلتے ہیں، اور دوسروں کے لئے فکر استوار کرتے ہیں اور ہمیں مزید مسرت بخشتے ہیں۔[2]

اسی طرح برمی حکومت اور روہنگیا مسلمانوں کا رشتہ بھی امن و محبت اور انسانی حقوق کی پاسداری کا ہونا چاہیے۔

حکومت اور رعایا:

بادشاہ اشوکا بدھ مت کا پہلا اہم بادشاہ ہے، اور وہ بدھ مت کے مثالی حکمران اور آئندہ کے تمام بادشاہوں کے لئے معیار کی نمائندگی کرتا ہے۔ اشوک کی طرز حکومت میں سنگھ کی تشکیل کرنے والے راہبوں، برادری اور راہنما بدھ لوگوں کے درمیان توازن شامل ہے۔ اشوکا بادشاہ ایک خیر بخش حکمران ہے جو سنگھ کا دفاع کرتا ہے اور داخلی اور قومی سلامتی کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ دشمنی اور پر تشدد دنیا میں، ایک طاقتور اشوکا بادشاہ سنگھا، دھرم اور لوگوں کا نیک محافظ کے طور پر کام کرتا ہے۔

اشوک اپنی تخت نشینی کے نویں سال کلنگا کی حکومت سے جنگ کی۔ اس جنگ عظیم میں مخالف کے ایک لاکھ آدمی قتل ہوئے اور ان کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ نفوس گرفتار ہو کر اسیر ہوئے اور کئی لاکھ اور جنگ کے مختلف اسباب سے ہلاک ہوئے۔ اشوک کو اس واقعہ سے ایسے اثر ہوا کہ پھر کوئی جنگ نہ کی اور اس کے اظہار کے لئے پتھر پر یہ حکم کندہ کر کے نصب کیا گیا کہ "اصلی فتح دھرم سے ہے۔" اشوک کے تمام نظام حکومت بجائے سیاسی اصولوں کے بدھ دھرم کے تحت آگئے۔ کسی ذی روح کو تکلیف دینا ممنوع ہو گیا اور جانوروں کو ذبح کرنا بھی موقوف کر لیا گیا۔[1]

---

[1] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*, 142.

[2] https://studybuddhism.com/ur/ahm-nkat/kia-he/ds-bniadi-bvdhi-qide (Accessed July 13, 2020)

[1] بلخی، فصیح الدین، تاریخ مگدھ، ۴۰

اشوک اعظم نے مذہبی رواداری کو فروغ دیا، لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بدھ مت کے بادشاہ کی حیثیت سے اس نے دھرم، بدھ کی تعلیم، اور راہبوں کی جماعت (سنگھا) کی حمایت کے لئے اپنے اصول مقرر کیے۔ اشوکا نے تیسری بدھ کونسل بھی بلائی، جس نے بدھ مت کی تعلیم و عمل کی درستگی اور قدامت پسندی کو یقینی بنایا۔ اشوکا کے ذریعہ تیسری کونسل کے فیصلوں اور تبصروں کو وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا اور روایت کے مطابق، انہوں نے تھیراوید ابدھ روایت کی بنیاد فراہم کی۔

جنوب مشرقی ایشیاء کے تھیراوید ابدھ ممالک میں اشوک نے مثالی سیاسی اور سماجی اداروں کی تشکیل کی۔ بدھ کی موت کے تقریباً ۱۰۰ سال بعد، اشوک نے موجودہ دور کے ہندوستان کے شمالی علاقوں پر حکمرانی کی۔ اموات اور جنگ کی تباہی پر قابو پاتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو اپنی رعایا کی فلاح اور انصاف پسند حکمرانی پر پابند کیا۔ بدھ مت کے حکمران کی حیثیت سے لوگوں کے لئے کنویں کھودیں، انسانوں اور جانوروں کے لئے مفت طبی سہولیات مہیا کیں، اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے بہت سے خدمات سرانجام دیئے۔ اس نے اپنی سلطنت میں پتھر کے ستون کھڑے کر دیئے تھے ان کتبوں میں سے چند کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ ایک کتبے پر وہ کام گنوائے گئے جو انسانوں اور حیوانوں کو آرام پہنچانے کے لئے تھے۔ مثلاً کنویں کھدوانا، باغ لگانا، سرائے تعمیر کرنا وغیرہ۔

۲۔ ایک کتبے پر یہ درج تھا کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور بے تعصبی کی تعلیم دی گئی تھی، جو شخص دوسروں کے مذہب کی عزت کرتا ہے وہ خود اپنی عزت بڑھاتا ہے۔

۳۔ ایک کتبے پر کلنگا کی فتح اور اس خون ریزی پر اظہار افسوس کیا گیا ہے اور دھرم کی فتح کو سب سے بڑی فتح بتائی گئی۔[1]

اشوک نے بدھ کی اخلاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے انہیں پتھروں کی سلوں کو پر اکندہ کرا کر انہیں شاہراؤں پر نصب کروائے۔ اس کی تعلیمات جو بدھ سے ماخذ ہیں ان میں عدم تشد، جانداروں کی زندگی کی تحریم، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، ماں باپ اور استادوں کی تعظیم، راست گوئی، عام ہمدردی اور فیاضی پر زور دیا گیا ہے۔ یہ کتبات شاہی فرامین ہیں اور زیادہ تر اخلاقی اصول بدھ کی عام تعلیمات، نظم و نسق اور اصول سلطنت پر مشتمل ہیں۔ ان تمام کتبات میں انسانی حقوق کو بیان کیا گیا اور محبت، امن اور رواداری کا پیغام دیا۔ برمی حکومت کو بھی روہنگیا کے ساتھ بدھ مت کی انہی تعلیمات کی روشنی میں ان کے حقوق دینے چاہیے جو بحیثیت انسان تمام لوگوں کے بنیادی انسانی حقوق میں شامل ہیں۔

---

[1] محمد حسین، سید، اشوک اعظم، ۹۲

انسانی حقوق کا استحصال:

عام طور پر انسان سماجی جانور ہوتا ہے۔ہم کوئی بھی ہوں ہر مرد وزن کی بقا اور حفاظت کا دارومدار باقی انسانی معاشرے پر ہی ہوتا ہے۔چونکہ فرد کی بقا اور بہبود کا دارومدار پورے معاشرے پر ہے لہٰذا دوسروں کے لیے بھلا سوچنا اور ان کی بہتری کی فکر کرنا ہماری بنیادی فطرت سے پھوٹتا ہے۔بدھ مت میں عہد و پیمان کے مختلف درجات ہیں۔مثال کے طور پر تبتی مسلک کے مطابق مکمل منصب یافتہ بھکشوؤں کو ۲۵۳ عہد کرنا ہوتے ہیں۔بہت سارے عام بودھی "پانچ عام قاعدوں" کا عہد باندھتے ہیں، جو کہ یوں ہیں:

> Lay followers should follow the Five Precepts: not to kill, not to steal, not to commit adultery, not to lie or deceive, and not to use intoxicants.[1]

ترجمہ: عام بھکشو کے لئے پانچ اصول: نہ مارنا، نہ چوری کرنا، زنا کرنا نہیں، جھوٹ بولنا یا دھوکہ دینا نہیں، اور نشہ نہ کرنا۔

بودھی پاٹھ کرنے والے یہ حلف اس لئے اٹھاتے ہیں تا کہ ایسی زندگی بسر کریں جو عبادت کے لئے موزوں ہو۔یہ اصول ہمیں درست سمت پر قائم رکھتے ہیں، اور ایک خوشگوار اور کامیاب زندگی استوار کرنے کے اسباب پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔گوتم بدھ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانوروں کے حقوق کا بھی خیال کرتے تھے۔کہ کہیں کسی جانور یا کیڑے کو اس کی وجہ سے نقصان نہ پہنچے۔کرشن کمار گوتم بدھ کی راجہ بمبسار سے ملاقات کے لئے جانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بدھ دیو چہرہ کو جھکائے ہوئے تھے اور مسلسل زمین کی طرف گھور رہے تھے کہ کہیں کوئی جاندار پاؤں تلے آکر نہ کچلا جائے۔"[1]

> Thus the foundation of Buddhism is based on human values, natural justice and equality. Contrary to the doctrine of inequality of Brahmanism, Buddha propounded the doc- trine of equality, liberty and universal brotherhood. Buddha even recognized women's right to education and sociopolitical activity.[2]

ترجمہ: اس طرح بدھ مت کی بنیاد انسانی اقدار، قدرتی انصاف اور مساوات پر مبنی ہے۔برہمن ازم کے عدم مساوات کے نظریے کے برخلاف، بدھ نے مساوات، آزادی اور آفاقی بھائی چارے کے نظریے کی پیش کش کی۔یہاں تک کہ بدھ نے خواتین کے تعلیم اور سماجی سیاسی سرگرمی کے حق کو تسلیم کیا۔

---

[1] Bukkyo, dendo kyokai, *THE TEACHING OF BUDDHA*, 191.

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۱۷

[2] Anand, Buddha, *The essence of Buddha and its practice*, (Mumbai:Samruddha Bharat Publication, 2002), 35.

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بدھ مت کی تعلیمات انسانی حقوق کے استحصال کی مخالفت کرتا ہے، اس لئے برمی حکومت بھی روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کا استحصال بند کریں۔ اور ان کے بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کریں۔ جن میں ایک بنیادی حق آزادانہ نقل و حرکت ہے۔ جس پر برمی حکومت نے پابندی عائد کی ہے۔

آزادانہ نقل و حرکت:

آزادانہ نقل و حرکت کسی بھی معاشرے میں پُرامن شہری کا بنیادی انسانی حق سمجھا جاتا ہے۔ کسی کو بھی بغیر جرم ثابت ہوئے قید نہیں کیا جاسکتا۔ آزادانہ نقل و حرکت سے ہی انسان اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔ برمی حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کی آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی عائد کی ہے۔ جو عالمی قوانین کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ بدھ مت کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

ایکناتھ ایسووران دھماپد میں لکھتے ہیں:

> 184 Cultivate the patience that endures, and attain nirvana, the highest goal of life. Do not oppress others or cause them pain; that is not the way of the spiritual aspirant.[1]

ترجمہ: صبر کریں جو صبر کرتے ہیں، اور زندگی کا بلند ترین مقصد نروان حاصل کرتے ہیں۔ دوسروں پر ظلم نہ کرو یا انہیں تکلیف نہ دو۔ یہ روحانی خواہش کا راستہ نہیں ہے۔

اس میں نروان حاصل کرنے کے لئے دو چیزوں کا ذکر ہوا ہے کہ ایک صبر اور دوسرا کسی پر ظلم نہ کرنا، تکلیف نہ دینا۔

"اشوک کے زمانے میں سفر میں کوئی مذہبی حکم مانع نہ تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کھانے پینے اور شادی بیاہ میں بھی زیادہ پابندیاں نہ تھی۔"[1]

جبکہ برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کی آزادی نقل و حرکت کو ختم کرکے ان پر ظلم کر رہی ہے۔ اور اس سے روہنگیا برادری کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ برمی حکومت بھی روہنگیا مسلمانوں کو نقل و حرکت کی آزادی دیں۔ کیونکہ بدھ مت کی تعلیمات میں کسی کو تکلیف دینے سے منع کیا گیا ہے۔ نقل و حرکت پر پابندی کی وجہ سے روہنگیا مسلمان دیگر مسائل سمیت تعلیم کی نعمت سے بھی محروم ہو رہے ہیں۔

تعلیم:

تعلیم ہر انسان چاہے وہ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت کی بنیادی ضرورت میں سے ایک ہے یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ تعلیم کسی بھی قوم یا معاشرے کے لئے ترقی کی ضامن ہے یہی تعلیم قوموں کی ترقی اور زوال کی وجہ

---

[1] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*, 170.

[1] محمد حسین، سید، اشوک اعظم، ۷۷

بنتی ہے۔ زندگی کے تحفظ، خوراک اور رہائش کے بعد تعلیم انسان کا سب سے اہم حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقوام و افراد کی ترقی کا انحصار علم و تعلیم پر ہے اس لئے معاشرہ اپنے نظام تعلیم کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہر مذہب بھی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ بدھ مت کی تعلیمات سے بھی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں گوتم بدھ کے اقوال ملتے ہیں۔ گوتم بدھ نے نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کے لئے بھی علم حاصل کرنے کے بارے میں فرامین جاری کئے۔

گوتم بدھ کے شاہی خاندان کی عورتوں نے مردوں کی جوگی ہو جانے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب دنیا ہمارے کس کام کی ہے۔ چنانچہ وہ بھی زیور اتار کر اور فقیری بھیس بنا کر بدھ کی خدمت میں پہنچی کہ ہمیں بھی فقراء کی جماعت میں داخل کیا جائے۔ اس زمانے میں عورت کا سماجی اور مذہبی کردار نہ ہونے کے برابر تھا۔ عام عورت کے حقوق طے نہیں تھے۔ کھانے پینے کے علاوہ گھر میں نوکروں کی طرح کام کرنا ہی ان کی زندگی کا مقصد خیال کیا جاتا۔

> The Buddha opened the religious order of women (Bhikkhuni sangha) on the condition of following the Eight Chief Rules.[1]

ترجمہ: بدھ نے آٹھ رہنماء اصول پر عمل کرنے کی شرط پر خواتین کا مذہبی حکم (بھکشونی سنگھا) کھول دیا۔

"بدھ نے عورتوں کے لئے جماعت (سنگھ) کا الگ شعبہ قائم کرکے گوپا کو سرپرست کے رتبے سے نوازا۔ اس فیصلے کے بعد جب عورتوں کی کثیر تعداد بدھ دھرم کی پناہ میں آگئی تو گوتم نے کھلم کھلا عورت اور مرد کے مساوی حقوق کا اعلان کیا۔"[1]

گوتم بدھ نے اپنے مریدوں کے دو گروہ بنائے جن میں ایک درویشوں کا اور دوسرا دنیاداروں کا تھا۔ درویشوں کے ذمہ تین کام تھے۔

۱۔ علم حاصل کرنا ۲۔ دنیاداروں کو تعلیم دینا ۳۔ نجات کے حصول کے لئے محنت کرنا۔[2]

گوتم بدھ کے بعد بدھ مت کا عظیم بادشاہ اشوک اعظم نے بھی تعلیمی درس گاہیں تعمیر کیں۔

"اشوک کے زمانے کی علمی چہل پہل کا مرکز بدھوں کی خانقاہیں تھیں۔ امراء ور شرفاء انہی مقامات پر تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے لیکن عوام بھی علم کے برکات سے محروم نہ تھے۔ اشوک کے زمانے کے راہب اور سنیاسی صرف اپنی ہی ذات کی فکر میں نہ رہتے تھے بلکہ ان میں سے اکثر تعلیم کو عام بناتے تھے۔"[3]

---

[1] Oldenberg, Hermonn ed. *Vinaya Pitaka*, (London: P. T. S. London. 1984), Vol. 4, 23.

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۵۹

[2] چیمہ، غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، (لاہور: چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز اردو بازار، ۲۰۱۲ء)، ۲۶۸

[3] محمد حسین، سید، اشوک اعظم، ۷۴-۷۷

"انسانوں اور جانوروں کے علاج کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ اسپتال کھولے۔ ان کے علاوہ دھرم کی تعلیم کے لیے بہت سی تعلیم گاہیں بنوائی۔"[1]

اشوک کے مبلغ یا بھکشو گاؤں گاؤں پھرتے اور اہنسا کا پرچار کرتے اور لوگوں کو جانوروں کی قربانی سے منع کرتے۔ رفتہ رفتہ ان بھکشوؤں کے لئے خانقاہیں تعمیر ہونے لگی اور یہ جگہیں تعلیم اور عبادت کا مرکز بن گئیں۔ ان میں سب سے بڑا مرکز ٹیکسلہ تھا۔ ٹیکسلہ کی پاٹ شالائیں جو وید کے بھجنوں اور اپنشد کے اشلوکوں سے گونجتی تھیں، بدھ مت کی درسگاہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ انہی تعلیمات کو بنیاد بنا کر برمی حکومت کو بھی روہنگیا مسلمانوں کے لئے تعلیم کے دروازے کھولنے چاہیے۔ کیونکہ تعلیم نہ صرف انسان کا بنیادی حق ہے بلکہ بدھ مت کی تعلیمات بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں۔

من مانی ٹیکس اور بدھ مت کی تعلیمات:

بدھ مت کا جوہر یہ ہے کہ اگر ہم دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں تو ہمیں ضرور کرنی چاہیے اور اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو کم از کم انہیں نقصان پہنچانے سے بچنا چاہیے۔ اخلاقی زندگی کا اصلی جوہر یہی ہے۔ لیکن اس کے برعکس برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو ہر طرح سے تنگ کرنے اور معاشی طور پر ان کا استحصال کرنے کے لئے ان پر طرح طرح کے من مانی ٹیکس لگاتے ہیں۔

بدھ مت کی تعلیمات میں ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں میں کشادہ دلی، سخاوت اور دوسرے دور رس رویوں کی نمو اور آبیاری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس کی تحریک اور آغاز لوگوں کو خود کرنا ہوتا ہے۔ اگر غریبوں کے لیے ایک خاص مالی ٹیکس لازم کر دیا جائے تو اس سے ضبط نفس غیر اہم ہو جائے گا۔ تاہم اپنی آمدنی میں سے سالانہ ایک مقررہ فیصد رقم غریبوں کی مدد اور دیکھ ریکھ کے لیے مخصوص کرنے کے بارے میں معین تجاویز عمومی طور پر مددگار ہوتی ہیں۔ نیز اس غرض سے مزید رضاکار ادارے اور تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں جو ان عطیات اور صدقات کو تقسیم کرنے کی ذمہ داری قبول کریں۔ چونکہ روہنگیا برادری برما میں انتہائی غربت کی زندگی گزار رہی ہے اس لئے برمی حکومت کو روہنگیا کو معاشی سہولیات فراہم کرنے چاہیے۔

ملکیتِ زمین کا مسئلہ:

اس دنیا میں موجود چیزیں مخلوق کی خدمت اور بھلائی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ ان میں بہت سی چیزوں پر انسان کی ملکیت ہے تاکہ لوگوں کے لئے ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرنا آسان ہو، لوگ اپنی عملی زندگی سے ملکیت

---

[1] بلخی، فصیح الدین، تاریخ مگدھ، ۴۱

کا ایک عمومی تصور پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لوگ جیسے چاہے اپنی ملکیت میں تصرف کرسکتے ہیں۔ مگر برما میں روہنگیا مسلمانوں کی ذاتی زمینوں پر برمی حکومت نے ناجائز قبضے کر رکھے ہیں۔ اور روہنگیا کو ملک بدر یا کیمپوں میں محدود کرنے کے لئے ان کی ذاتی زمینوں اور وقف شدہ جگھوں پر قبضے کر رہی ہے۔حالانکہ یہ ظلم بدھ مت کی تعلیمات کے بالکل خلاف اور ناجائز ہے۔ دھماپدا میں گوتم بدھ کا قول ہے۔

> They dig their own graves who kill, lie, get drunk, or covet the wealth or spouse of another.[1]

ترجمہ: وہ اپنی قبریں کھودتے ہیں جو قتل کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، نشے میں پیتے ہیں، یا کسی دوسرے کے مال یا شریک حیات کا لالچ کرتے ہیں۔

گوتم بدھ کا یہ بالکل واضح قول ہے کہ کسی کے مال و جائیداد کی لالچ نہ کرو۔ بلکہ اس کی لالچ رکھنے والوں کو اپنی قبر کھودنے کے مترادف کہا ہے۔ برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے زمینوں اور مساجد و مدارس کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کو چھوڑ کر انہیں واپس کریں۔

فلاحی نظام اور بدھ مت کی تعلیمات:

معاشرے کا بنیادی ڈھانچہ شہری حقوق اور ذمہ داریوں، اختیارات اور مواقع، املاک کے حقوق اور پیداوار کے ذرائع کو کنٹرول کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ آمدنی اور دولت کی تقسیم کا تعین کرتا ہے۔

ایک بدھ بھکشو کا قول ہے: ہمیں دوسروں کو اپنے بھائی بہن سمجھنا چاہیے اور ان سے یگانگت کا احساس کرنا چاہیے۔ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ہماری واقعی ضرورت ہے۔ یہ کہنا کہ "ہم الگ اور تم الگ" ایک خاص سطح تک تو درست ہے لیکن یہ تصور محدود ہے اور ساری دنیا کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ "ہم" ہی کا ایک حصہ ہے۔ میرے پڑوسی کا فائدہ میرا فائدہ ہے۔

بدھ مت کی ساری شکلیں یہی تعلیم دیتی ہیں کہ سخاوت دور رس رویوں کے کمال میں سے ایک ہے۔ اسی لیے بدھ مت کے عام پیروکاروں میں روایتی طور پر یہ رسم ہے کہ وہ راہبوں، راہباؤں اور ان کی خانقاہوں کو کھانا اور دیگر ضروریات زندگی فراہم کرتے رہتے ہیں تاہم ضرورت مند اور غریب محتاج لوگوں کی مدد اور ان کے لیے فیاضی کا رویہ بدھ مت کے عام پیروکاروں میں خاصا نایاب ہے۔ گوتم بدھ ایک وعظ میں کہتے ہیں:

سخی کی سب قدر کرتے ہیں اس سے پیار کیا جاتا ہے اور اس کی دوستی کو قابل فخر تصور کیا جاتا ہے۔ موت کے وقت ایسے شخص کا دل مطمئن، دماغ پر سکون اور وہ خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ انتشار حواس کا دکھ نہیں پاتا۔ ہم دوسروں کو اپنا کھانا دے کر زیادہ طاقت حاصل کرتے ہیں دوسروں کو کپڑے پہنا کر خود زیادہ خوبصورت ہو جاتے ہیں

---

[1] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*, 195.

اور راستی اور پاکیزگی کے لیے کچھ خرچ کر کے پہلے سے زیادہ دولت کے مالک بن جاتے ہیں۔ سخاوت کا اجر اور اس شخص کا ثواب جو گرد و پیش کے محتاجوں کی مدد کرتا ہے سائے، پھول اور پھل ہی کی طرح ہے یہی عظیم نجات (نروان) ہے۔[1]

بدھ ایک علاقے کے حاکم راجہ پرسن جیت سے ملاقات پر کہنے لگے جو لوگ اپنے گناہوں کے باعث گراوٹ کا شکار ہیں نیک آدمی سے فطری طور پر عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے برعکس ایک خود مختار حکمران کو تو اپنی طرز زندگی اور حالات کی وجہ سے بہت سے مواقع میسر ہوتے ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نیک کام کر سکتا ہے، لہٰذا اسے عام لوگوں سے کچھ بڑھ کر ہی عارفوں اور زاہدوں کا عقیدت مند ہونا چاہیے۔ اے راجا اب میں اجمالی طور پر دکھ کا ذکر کرتا ہوں میری باتیں توجہ سے سن کر غور و فکر کرنا اور انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔

"ہمارے گناہ اور نیکیاں سائے کی طرح ہمارے تعاقب میں رہتی ہیں۔ انسان کی سب سے بڑی ضرورت پیار بھرا دل ہے۔ اپنی رعایا کو اکلوتے فرزند کی طرح عزیز رکھو۔ ان پر ظلم مت کرو۔ انہیں تباہ و برباد کرنے کی حکمت عملی چھوڑ دو۔ دوسروں کو کچل کر اپنا قد نہ بڑھاؤ۔ مصیبت کے ماروں اور دکھ کے ستاؤں کا احترام کرو۔ ضرورت مند لوگوں کی مدد کرو۔"[2]

اسی طرح اشوک کے کتبوں سے بھی خاندانی زندگی کے متعلق یہ معلومات ملتی ہیں۔

"ماں باپ کی اطاعت، بزرگوں کی عزت، استادوں کی تعظیم ہر نوجوان کا فریضہ تھا۔ بوڑھوں، مفلسوں اور مفلوجوں کی خبر گیری لازمی تھی۔ ملازموں، کنیزوں اور غلاموں سے اچھے برتاؤ کا حکم تھا۔ جانوروں سے بھی انسانیت سے پیش آنے کی تاکید تھی۔"[1]

امبیڈکر کے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جو فعل انسانی فلاح و بہبود سے متعلق نہ ہو وہ بدھ مت کی تعلیمات نہیں ہو سکتی۔

> As Buddha and Buddhism is concerned, anything that does not relate to man's welfare cannot be accepted to the word of Buddha[2].

ترجمہ: جیسا کہ بدھ اور بدھ مت کا تعلق ہے، ہر وہ چیز جو انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق نہیں ہے اسے بدھ کے لفظ سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۳۷

[2] ایضاً، ۱۴۳

[1] محمد حسین، سید، اشوک اعظم، ۷۵

[2] Ambedkar BR (1984). The Buddha and his Dhamma, Third edition Bombay, Siddharth Publication.
http://www.worldcat.org/title/buddha-and-his-dhamma/oclc/21766929?referer=di&ht=edition
(Accessed July 17, 2020)

عدل وانصاف کو قائم رکھنے اور افراد اور طبقات کو ایک دوسرے کی زیادتی سے بچانے کے حوالے سے سب سے زیادہ ذمہ داری حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے۔ فلاحی مملکت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کو ان کے علاقہ میں ان تمام بیرونی اور اندرنی دشمنوں سے تحفظ فراہم کرے جو اُنہیں نقصان پہچانا چاہتے ہیں اور یہ وہ تمدنی حق ہے جس میں کوتاہی کو کسی صورت برداشت نہیں کی جاسکتی۔ برمی حکومت کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ روہنگیا برادری کی ہر طرح سے حفاظت کرے اور ان کی بنیادی انسانی حقوق ادا کرے۔

شادی کے مسائل:

شادی ایک سماجی تقریب ہے جو دنیا کے ہر مذہب، ہر خطے اور ہر قوم میں جاری وساری ہے کیونکہ اس کا تعلق زندگی کی بقا اور تسلسل کے اس مخصوص عمل سے ہے جسے چھوڑ دینے سے نسلِ انسانی ہی منقطع ہو کر رہ جائے گی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر ہر قوم اور ہر مذہب نے اس کے لیے اپنے اپنے معاشرتی اور مذہبی پس منظر میں طریقے وضع کر رکھے ہیں۔ یہ طریقے بہت سی رسومات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔

شادی ایک ایسی رسم ہے جس کو تمام مذاہب کے لوگ اپنی روایات اور ثقافت کو مد نظر رکھتے ہوئے انجام دیتے ہیں۔ بدھ مت، زیادہ تر شادی کو سیکولر یا معاشرتی معاہدے کا حامل سمجھا جاتا ہے اور یہ مذہبی معاملہ نہیں ہے۔ بدھ نے شادی سے انکار نہیں کیا، لیکن نہ ہی وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

"بدھ مت مذہب کی شادیاں نہایت ہی سادہ ہوتی ہیں جس میں کسی قسم کی مذہبی فرائض کو پورا نہیں کیا جاتا بلکہ صرف قریبی رشتہ دار اس موقع پر جمع ہوتے ہیں اور جوڑا خود مندر جاکر شادی کی تمام رسومات ادا کرکے آتا ہے۔"[1]

لیکن اس کے برعکس برمی حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کے لئے اس اہم کام کو نہایت مشکل بنا دیا ہے۔ مختلف قسم کے ٹیسٹ اور کئی قسم کے اسناد کی شرائط عائد کی ہیں۔ جن کو پورا کرنے کے بھاری رشوت دینا پڑتی ہیں۔ جو کہ بالکل ناجائز اور غلط ہے۔ ان تمام اسناد و شرائط کی پابندی ہٹا کر روہنگیا کو اپنے مذہب کے مطابق شادی کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔ کیونکہ یہ ایک ملک میں دو قسم کے قوانین ہیں باقی برادریوں کے لئے الگ قانون اور روہنگیا کے لئے الگ قانون ہے۔ اس امتیازی سلوک کو ختم کرکے پورے ملک میں مساوات قائم کرنی چاہیے۔

مساوات:

گوتم بدھ کے زمانے میں بھارت کا ہندو سماج اگرچہ ذات پات کے نظام میں بٹا ہوا تھا جس میں پنچ ذات کے کچھ طبقوں کو دوسرے لوگ اچھوت سمجھتے تھے۔ لیکن گوتم بدھ نے اعلان کر دیا کہ ان کے راہبوں کے گروہ میں ہر

[1] https://jang.com.pk/news/472696 (Accessed July 20, 2020)

کوئی برابر ہے۔ اس طرح گوتم بدھ نے ان لوگوں کے لیے ذات کا فرق مٹا دیا جو معاشرے کو چھوڑ کر خانقاہوں میں آ بسے تھے۔ اور جنھوں نے اپنی زندگی روحانیت کے لیے وقف کر دی تھی۔ خانقاہی اداروں میں فرق و مراتب کا نظام ان لوگوں کے احترام پر مبنی تھا جو راہبانہ طرز حیات کے لیے منتخب کر لیے گئے تھے۔ ایک کم عمر شخص جو کسی بڑی عمر کے آدمی سے پہلے راہب بن گیا ہو اسے عبادت کی صف بندی میں مؤخر الذکر سے اگلی صف میں جگہ ملتی ہے اور اسے کھانا اور چائے پہلے پیش کی جاتی ہے۔ اگر کسی اجتماع میں مرد و زن یکجا ہوں تو ایشیائی رواج کے مطابق دونوں الگ الگ بیٹھتے ہیں اور مردوں کی صفیں عورتوں سے آگے رکھی جاتی ہیں۔

Buddha and Buddhism not only successfully revolted against the institution of caste but also provided an alternate way of life culture which is based on equality.[1]

ترجمہ: بدھ اور بدھ مت نے نہ صرف ذات پات کے ادارہ کے خلاف کامیابی کے ساتھ بغاوت کی بلکہ زندگی کی ثقافت کا ایک متبادل طریقہ بھی فراہم کیا جو مساوات پر مبنی ہے۔

لیکن اگر یہی اصول ہم برما میں دیکھتے ہیں تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ روہنگیا برادری کے ساتھ امتیازی اور دوسرے درجے کے شہریوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ جو بدھ مت کی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ برمی حکومت کو یہ امتیازی رویہ ترک کر کے بدھ کی تعلیمات کے مطابق سب کے ساتھ مساوی رویہ اپنانا چاہیے۔ کیونکہ روہنگیا بھی برما کے شہری ہیں۔

شہریت:

لفظ "شہری" جمہوریت میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ سیاست کے لئے ہر سطح پر استعمال ہوتا ہے۔ شہری وہ شخص ہوتا ہے جو ریاستی حقوق سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ریاست میں اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ شہریت کسی بھی شخص کی ایک قانونی حیثیت ہوتی ہے جس سے ایک شخص کو کسی بھی ملک یا ریاست کا باشندہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی اس کو بے وطن شخص کہا جاتا ہے۔ بے وطنی سے مراد وہ کیفیت جس میں ایک شخص کسی بھی ریاست کا شہری نہیں ہوتا یا وہ شخص جس کا قانونی طور کسی بھی ملک سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ جبکہ ہر فلاحی معاشرہ ایک عام شہری کو ملکی معاملات میں شریک ہونے، ملک کے مشاورتی نظام کا حصہ بننے، خیر کے کاموں میں تعاون کے راستے تلاش کرنے اور شر کی راہ میں رکاوٹ بننے کا نہ صرف حق دیتا ہے، بلکہ اس کی تلقین کرتا ہے۔

عالمی سطح پر وراثت کے لحاظ سے، شادی، پیدائش، قدرتی ہونا ملک کا ایک تسلیم شدہ شہری بننے کے طریقے ہیں۔ لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ شہریت کا ہے، جس کی وجہ سے وہ دیگر بہت سارے حقوق

[1] Ambedkar BR. *Annhilation of Caste* (Govt. Maharashtra: Ambedkar's collected writings and speeches Education Depart. Govt. Maharashtra, 199), 35.

سے محروم ہیں۔ بدھ مت کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ ملک میں رہنے والے کسی بھی فرد کو ظلم وزیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ سب کے ساتھ ہمدردی ورواداری کا سلوک کیا جائے۔ گوتم بدھ جنگ وجدل اور فاتح ومفتوح کے بارے میں کہتے ہیں:

"اگر انسان اپنے آپ کو حد اعتدال میں رکھے۔ دل سے عداوت کا زہر نکال دے اپنے گرے ہوئے دشمن کا ہاتھ تھام کر کہے کہ آؤ ہم گلے لگ کر صلح کرلیں، اور بھائی بھائی بن جائیں تو یہ لافانی فتح ہو گی۔"[1]

ایک بار شاکیہ اور کلی خاندان میں سخت جھگڑا اور فساد اٹھ کھڑا ہوا، جس کی خبر پا کر وہاں گوتم بدھ پہنچے اور دونوں فریقوں کے لوگوں سے سوال کیا: کیا یہ زمین قیمتی ہے؟ یا یہ پانی قیمتی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہر گز نہیں۔ جس پر بدھ نے کہا کہ کیا تمہاری زندگی بھی قیمتی نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں زندگی تو بہت قیمتی چیز ہے اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔

اس کے بعد بدھ نے سب کو سمجھایا اور کہنے لگے:

"جس چیز کو تم خود قیمتی خیال کرتے ہو اسے کیوں ایسی چیزوں کے جھگڑے میں برباد کرنا چاہتے ہو جن کی تمہارے نزدیک کوئی خاص قیمت اور وقعت نہیں۔ فانی اور حقیر زمین اور پانی کے لیے دھرتی کے سینے پر اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانے پر کیوں تیار بیٹھے ہو۔ لڑائی سب کے لیے نقصان دہ ہے اور امن سب کے لئے بہتر ہے، اور پُر امن ہو جاؤ اور جھگڑا کرنے سے رک جاؤ یہ سب کے حق میں بہتر ہے۔"[1]

جس طرح پانی اور زمین فانی چیزیں ہیں۔ اسی طرح دنیا کی ہر چیز نے فنا ہونا ہے۔ بالکل اسی طرح کسی ملک کے باشندے کو اس ملک کی شہریت سے انکار بھی ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔ اور اس کے لئے اپنے ملک کے شہریوں کا خون بہانہ بھی ناحق ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ روہنگیا مسلمان صدیوں سے اراکان میں رہ رہے ہیں۔ اور یہ وہاں کے اصلی باشندے ہیں۔ اب یہ روہنگیا کا بنیادی حق ہے کہ ان کو برمی شہریت دی جائے۔ جس سے ان کی زندگی کی بقاء یعنی معاشی مسائل میں کمی آئے گی۔

معاشی مسائل کا حل:

انسانی زندگی میں معیشت کو بڑی اہمیت حاصل ہے، نہ صرف انسان کی ذاتی ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں بلکہ تمدن کی ساری ضرورتیں اسی کے فیض سے ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دولت کی پیدائش اور اس کی تقسیم کا کوئی ایسا طریقہ ہو جس سے نہ صرف انسان کی جائز معاشی ضرورتیں پوری ہوں بلکہ اس کی اجتماعی سرگرمیوں کے

---

[1] کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، ۱۵۰

[1] ایضاً:۱۵۶

لیے بھی مناسب مواقع اور اسباب ووسائل حاصل ہوں۔ بودھی اخلاقیات کی بنیاد عدم تشدد پر ہے۔ دنیا میں ہر کوئی خوشی کا خواہاں ہے اور کوئی بھی دکھ جھیلنا نہیں چاہتا۔ اگر ہم اپنے اعمال کی بنیاد اس اصول کو بنائیں اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے گریز کریں تو ہم ان کی حرمت اور اعتماد جیت سکتے ہیں۔

معاشی مسائل کو حل کرنے کے لئے سب سے پہلے محنت اور مزدوری کرنا ضروری ہے، سستی اور کاہلی سے گوتم بدھ نے بھی منع کیا ہے۔ دھماپدا میں گوتم بدھ کا قول ہے:

Wake up! Don't be lazy. Follow the right path, avoid the wrong. You will be happy here as well as hereafter.[1]

ترجمہ: جاگو! سست مت بنو۔ سیدھے راستے پر چلیں، غلط سے بچیں۔ آپ یہاں کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی خوش رہیں گے۔

اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ غلط راستے سے بچ کر سیدھے اور صحیح راستے پر چلنے کی کوشش کی جائے۔ جس کے نتیجے میں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی خوشی اور کامیابی ملے گی۔ لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کو مختلف معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جن میں سب سے اہم مزدوری کرنے اور مزدوروں کے حقوق کے مسائل اور جبری مشقت کے مسائل شامل ہیں۔ ان مسائل کا حل بدھ مت کی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مزدوری کرنا:

محنت کے ذریعہ کما کر کھانا انسانی حمیت و خودداری کا تقاضا ہے۔ آجر اور اجیر معیشت کی عمارت کے دو اہم ستون ہیں۔ ایک دولت کا امین، تو دوسرے کے پاس محنت اور قوت ہے۔ دونوں کے خوشگوار باہمی تعلقات معاشی استحکام کی بنیاد ہیں۔ لیکن برما میں روہنگیا مزدوروں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے۔ مقرر کردہ وقت سے بڑھ کر ان سے کام لیا جاتا ہے اور اجرت کے تقاضے پر بھی مزدور بے چارے کو طعنوں اور گالیوں سے نوازا جاتا ہے۔

گوتم بدھ نے لوگوں کو محنت مزدوری کرنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس پر ترغیب بھی دی ہے۔ بدھ نے بتایا کہ جس شخص نے دکھ، اس کی وجوہات، تدارک اور انجام کو دریافت کیا اس نے گویا چار بنیادی صداقتوں کا علم حاصل کیا۔ جس نے یہ علم حاصل کر لیا وہ ہمیشہ راہ راست پر چلا۔ ایسے شخص کی نسبت بدھ نے بھکشو سے مندرجہ ذیل باتیں کیں۔

"نیک چلنی کے لیے طمانیت کا کھلا دروازہ ہے۔ ایمانداری سے روزی کمانا اس کے لئے زادِ راہ کا درجہ رکھتا ہے۔"[1]

---

[1] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*, 161.

[1] حفیظ، محمد، گوتم سوانح حیات و تعلیمات، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۲ء)، ۹۸۔

گوتم بدھ نے اپنے پانچ سابقہ شاگردوں کو بتایا کہ ضرورت کی حد عبور کر کے آسائش کی طرف جانے سے نقاہت اور کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ عیش پسندی کا دلدادہ انسان اپنی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا ہے۔ عیش پسندی انسان کو پستی کی کھائی میں گر کر ذلیل اور گھٹیا بنا دیتی ہے۔ لیکن زندگی کی جائز اور ناگزیر ضروریات کو پورا کرنا برائی میں داخل نہیں۔ بلکہ جسم کو صحت مند حالت میں رکھنا ایک ضروری فرض ہے۔ اگر ہم اس فرض کی ادائیگی سے غافل ہو جائیں تو علم کا چراغ کبھی روشنی نہ دے سکے اور نہ ہی ہم اپنے دماغ کو کبھی اور فعال رکھنے کے قابل ہوں۔ بدھ بار بار اعتدال پر زور دیتے رہے۔ گوتم بدھ کا قول ہے:

"اے بھکشو! یہ اعتدال کا راستہ ہے جو انسان کو بے اعتدالی کی گمراہی کی طرف جانے سے روکتا ہے۔"[1]

ایک اور جگہ گوتم بدھ کا قول ہے:

"بدھ کے دریافت کردہ راستہ آٹھ اصولوں پر مشتمل ہے جس میں سچی زندگی یعنی جائز طریقے سے روزی کمانا اور ناپاک پیشوں (بدھ مت میں کچھ پیشے ممنوع ہیں مثلاً شراب، غلام، ہتھیار اور گوشت فروشی وغیرہ) کے اختیار کرنے سے اجتناب کرنا۔"[1]

ان تمام اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق مزدوری کرنا احسن کام ہے۔ اور کسی کے ساتھ بھی ظلم نہیں کرنا چاہیے، یہاں تک کہ کسی بھی جاندار پر ظلم کرنا منع ہے۔ برمی حکومت مزدوروں سے کام لیں لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے مشفقانہ اور ہمدردانہ رویہ رکھیں۔ انہیں بھی اپنی طرح کا گوشت پوست کا جیتا جاگتا جذبات و احساسات سے پُر انسان سمجھیں۔ مزدوروں کی طاقت سے بڑھ کر ان سے کام نہ لیں۔ اور ان کے حقوق کی پاسداری کا خیال رکھیں۔

مزدوروں کے حقوق:

کسی بھی معاشرے کی معیشت میں مزدور ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ جب معاشرے میں مزدوروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا تو معاشرہ ظلم و تشدد، بے راہ روی، افراتفری اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کے باعث اس کے مزدور اخلاق باختگی کا شکار ہو کر بنیادی حقوق کے حصول کی خاطر لوٹ مار، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری، غرضیکہ ہر قسم کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی وجہ سے قومیں معاشرتی زوال سے ہمکنار ہو جاتی ہیں اور اپنا وجود تک کھو بیٹھتی ہیں۔

---

[1] حفیظ، محمد، گوتم سوانح حیات و تعلیمات، ۹۷

[1] ایضاً: ۱۰۲

برما میں روہنگیا مسلمانوں سے مزدوری تو لی جاتی ہے مگر ان کو پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا یا کبھی کبھار بالکل بھی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ یہ ظلم وزیادتی ان رہنما اصولوں کے خلاف ہے جو گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو کہے تھے۔ گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو ہر طرح کی ظلم وزیادتی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں بدھ مت کے مذہبی رہنماء چودھویں دلائی لامہ نے کہا ہے:

"انہوں نے میانمار کی حکومت، فوج اور بدھ انتہا پسندوں کے حملوں کے خلاف بیان دیتے ہوئے کہا کہ روہنگیا کے مسلمان جس طرح کے مظالم بھگت رہے ہیں ایسے حالات میں بدھا کی مدد مسلمانوں کو ہی ملے گی۔"[1]

بدھوں کی تعلیم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے گوتم بدھ کہتے ہیں:

Avoid all evil, cultivate the good, purify your mind: this sums up the teaching of the Buddhas.[2]

ترجمہ: ہر طرح کی برائیوں سے پرہیز کریں، نیکی کاشت کریں، اپنے ذہن کو پاک کریں: یہ بدھوں کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔

اس میں ایک بہت بڑا اصول بیان ہوا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی نہ کریں۔ برائیوں سے منع اور نیکی کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مزدوروں کے حقوق میں سب سے پہلے تحفظ کو مِدِ نظر رکھتے ہوئے حفظانِ صحت کے اصولوں کے تحت کام کی جگہ اور کام کے دوران مزدوروں کی حفاظت کا فول پروف انتظام کرنا آجر کی ذمّے داری ہے۔ علاوہ ازیں، مزدوروں کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی آجر کے فرائض میں شامل ہے۔ فنی تربیت اور اعلیٰ وصاف ستھرا ماحول پیداواری صلاحیتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ ادارے کی ترقی، معاشی استحکام اور اقتصادی حالت کی بہتری اسی وقت ممکن ہے کہ جب مزدور خوش اور مطمئن ہوں۔

برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق روہنگیا مزدوروں کے لئے نیکی اور ہمدردی سے بھرپور ایسے قوانین بنائے کہ ان کے حقوق کا استحصال نہ ہو۔ اور ان کے مزدوروں کو پوری اجرت ملے۔ اور ان کے بچوں اور بڑوں سے جبری مشقت کو ختم کیا جائے۔

جبری مشقت:

مہاتما بدھ کا قول ہے کہ سچی خوشی کا سب سے بڑا منبع دوسروں کو عزیز جاننا ہے، جب ہم خلوصِ دل سے دوسروں کی بھلائی اور خوشی کے لئے کام کرتے ہیں، تو ہمارے دل نرم اور گرم ہو جاتے ہیں اور ہم ان سے تعلق جوڑتے ہیں، اور اس طرح ہمیں خود ایک سچی آسودگی کا احساس ہوتا ہے۔ ہم جسمانی طور پر بھی بہتر محسوس کرتے ہیں۔ دوسروں کی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم ان کی زیادہ سے زیادہ مدد کرتے ہیں اور ایسی کسی بھی چیز سے اجتناب

---

[1] https://jang.com.pk/news/373822 (Accessed July 27, 2020)
[2] Eknath Easwaran, *The Dhammapada*, 170.

کرتے ہیں جو انہیں نقصان دے۔ اس سے پر اعتماد دوستی جنم لیتی ہے جس سے ہماری زندگی اور بھی با مقصد ہو جاتی ہے۔ گھر والوں اور دوستوں کی جذباتی اعانت سے ہمیں وہ تقویت ملتی ہے جس سے ہم زندگی کے مسائل سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔

دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا اور ظلم و ستم سے دور رہنا گوتم بدھ کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کے جوانوں کے ساتھ ساتھ بچوں اور بوڑھوں سے بھی جبری مشقت لی جاتی ہے۔ اور یہ جبری مزدوری ہر کسی کے لئے لازم ہے چاہے وہ بیمار ہو، معذور ہو یا انتہائی کمزور ولاغر ہو۔ یہ ظلم وزیادتی روہنگیا مسلمانوں پر برمی حکومت کی سرپرستی میں ہو رہی ہے۔ گوتم بدھ اپنی تعلیمات میں کہتے ہیں:

"اے سنگھ میں ناپاک اعمال کے اس قدر خلاف ہوں کہ عمل تو کیا کلام اور خیال تک میں ان سے ہوشیار رہنے کی تعلیم دیتا ہوں۔ مگر اے سنگھ! میں تمام نیک اعمال کو فعل، کلام اور خیال تک بھی دیتا ہوں۔ میں ان کے کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔"[1]

بدھ کی تعلیمات یہ سکھاتی ہیں کہ دل کی اچھی حالتوں کو کیسے پیدا کرنا ہے تاکہ بری حالتیں ختم ہو سکیں۔ بدھ کی تعلیمات کہتی ہیں کہ فعل، کلام اور خیال کے ذریعے نشوونما پانے والے تمام برے جذبات اور اعمال ختم کر دیے جائیں۔ ایک اور جگہ گوتم بدھ کہتے ہیں:

"اے سنگھ! میں خودی، خواہشات، بدنیتی اور بدمعاشی کے فنا ہو جانے کی منادی کرتا ہوں مگر یہ نہیں کہتا کہ تحمل، محبت، سچائی اور پاکیزگی بھی نیست و نابود ہو جائیں گے۔ میں بُرے کاموں کو قابل نفرت بتاتا ہوں لیکن دھرم کی پاکیزگی کو قابل تعریف خیال کرتا ہوں۔"[2]

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق جنگ کرنا تو درکنار میدان جنگ کا نظارہ کرنا یا ان سپاہیوں تک کو دیکھنے میں بھی قباحت سمجھی گئی ہے جو جنگ کیلئے مستعد کھڑے ہوں، مگر ان مذہبی تعلیمات کے برعکس بدھ مت کے حاملین نے روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں کو ظلم وبربریت کا نشانہ بنایا۔ زندگی کا لازمی حصہ ذریعہ معاش ہے جس کے بغیر زندگی کا پہیہ چلنا ناممکن ہے۔ گوتم بدھ نے اپنے مریدوں کے دو گروہ کرکے دنیاداروں کو سچائی، نیکی اور پاک لین دین کی ترغیب دی۔ اور دوسروں کے حقوق کا استحصال کرنے سے سب کو منع کیا۔ اور برائی کے بارے میں کہا:

As long as the evil deed done does not bear fruit, the fool thinks it is like honey; but when it ripens, then the fool suffers grief.[3]

---

[1] علوی، منشی امیر احمد، گوتم، (لکھنؤ: دارالناظر پریس، ۱۹۶۲ء)، ۴۷

[2] ایضاً: ۴۸

[3] *Dhammapada* Chapter V- The fool, verse: 69.
http://www.maithri.com/dhammapada/(Accessed July 31, 2020)

ترجمہ: جب تک کہ برے کام کا نتیجہ نہیں نکلے گا، احمق سمجھتا ہے کہ یہ شہد کی مانند ہے۔ لیکن جب یہ پک جاتا ہے، تو بے وقوف کو غم ہوتا ہے۔

برمی حکومت اور بدھ مت کے تمام پیروکاروں کو اپنے مذہبی رہنما گوتم بدھ کی انہی تعلیمات پر علم پیرا ہو کر کو روہنگیا مسلمانوں کے تمام حقوق ادا کرکے ان کے تمام مسائل کو حل کرنا چاہیے۔ جس سے ان کے مذہب کی عزت واحترام سمیت ان کا ملک ومعاشرہ مزید ترقی کرے گا۔ برمی حکومت کو جبری مزدوری کو فوری طور پر ختم کرنی چاہیے۔ اس سے روہنگیا مسلمانوں کا معاشی استحصال ہورہا ہے۔ اور وہ روز بروز معاشی مسائل کی دلدل میں جارہے ہیں۔ اور یہ ظلم وزیادتی بدھ مت کی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔

مہاتما بدھ کی ساری تعلیمات زندگی کی مشکلات پر قابو پانے میں مدد دیتی ہیں۔ ان تعلیمات کو سمجھ کر اور ان پر عمل کرکے برمی حکومت اقلیتوں کے حقوق کو ادا کریں۔ برما کی آزادی کے ساتھ ہی بدھ بھکشوؤں نے مسلمانوں کو بدھ مت کیلئے سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے ان کی نسل کشی شروع کردی، اس کے علاوہ انھوں نے مساجد پر حملے کرنے، گھروں کو مسمار کرنے، مسلم خواتین کی عصمت دری کرنے اور یہاں کی مسلم آبادی کو بے جا ہراساں کرنا شروع کیا، جس کے باعث ہزاروں مسلمان اپنا گھر بار چھوڑ کر نقل مکانی کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ان پُر تشدد کاروائیوں کی روک تھام برمی حکومت کی اولین ترجیح ہونا ضروری ہے۔ برما کے بدھ بھکشو ایشیا میں بدھ مت کو زندہ رکھنے کی جو متشدد کوششیں کررہے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا قبل ازوقت نہیں کہ وہ ایک ایسے دھرم کی بقا کو خطرے میں ڈھال رہے ہیں جو اپنی امن پسندی اور محبت پر مبنی تعلیمات کے باعث تیزی سے پھیلا ہے۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق جنگ کرنا تو درکنار میدان جنگ کا نظارہ کرنا یا ان سپاہیوں تک کو دیکھنے میں بھی قباحت سمجھی گئی ہے جو جنگ کیلئے مستعد کھڑے ہوں، مگر ان مذہبی تعلیمات کے برعکس بدھ مت کے حاملین نے روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں کو ظلم وبربریت کا نشانہ بنایا۔ زندگی کا لازمی حصہ ذریعہ معاش ہے جس کے بغیر زندگی کا پہیہ چلنا ناممکن ہے۔ گوتم بدھ نے اپنے مریدوں کے دو گروہ کرکے دنیاداروں کو سچائی، نیکی اور پاک لین دین کی ترغیب دی۔ اور دوسروں کے حقوق کا استحصال کرنے سے سب کو منع کیا۔ اور برائی کے بارے میں کہا:

As long as the evil deed done does not bear fruit, the fool thinks it is like honey; but when it ripens, then the fool suffers grief[1].

ترجمہ: جب تک کہ برے کام کا نتیجہ نہیں نکلے گا، احمق سمجھتا ہے کہ یہ شہد کی مانند ہے۔ لیکن جب یہ پک جاتا ہے، تو بے وقوف کو غم ہوتا ہے۔

---

[1] *Dhammapada* Chapter V- The fool, verse: 69. http://www.maithri.com/dhammapada/(Accessed July 31, 2020)

برمی حکومت اور بدھ مت کے تمام پیروکاروں کو اپنے مذہبی رہنماء گوتم بدھ کی انہی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر روہنگیا مسلمانوں کے تمام حقوق ادا کر کے ان کے تمام مسائل کو حل کرنا چاہیے۔ جس سے ان کے مذہب کی عزت واحترام سمیت ان کا ملک و معاشرہ مزید ترقی کرے گا۔ اور روہنگیا مسلمانوں کو اپنے ملک کا بہترین شہری بنا کر پورے ملک کی معیار زندگی بہتر سے بہترین ہو سکتی ہے۔ گوتم بدھ نے ہمیشہ دوسروں کو تکلیف دینے سے منع کیا ہے اور دوسروں کو راحت وآسانی دینے کی تلقین کی ہے۔ تو گوتم بدھ کی انہی اخلاقی تعلیمات پر عمل کر کے تمام روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا مظاہرہ کریں۔

بدھ مت کی بنیادی اخلاقی تعلیمات اور برما میں ان کے پیروکاروں کی مخالفت:

دنیائے انسانیت کے ساتھ مذاہب عالم کا مطالعہ ہمیں اس بات کا پورا یقین دیتا ہے کہ جب سے اس دنیا میں انسانوں کے وجود کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک اس روئے زمین پر جتنے عالمی، علاقائی مذاہب نے جنم لئے ان سب میں بنیادی مذہبی تعلیم کے بعد جس چیز پر خاص توجہ دی گئی، وہ اخلاقی تعلیم ہے، چونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی بہتری کا انحصار ہی دراصل ان اخلاقی تعلیمات پر ہے، جن اخلاقی تعلیمات کے سانچے میں عام انسان زندگی امن وسکون کا ماحول محسوس کرتی ہے، اور سماج میں ایک ایسی یکسانیت کا احساس ہوتا ہے، جس میں ہر کسی کے حقوق و مفادات کے تحفظ کی جھلکیاں دکھائی پڑتی ہیں، اگر یہ بات اہم نہ ہوتی اور انسانی زندگی میں اخلاق کی معنویت کو تسلیم نہ کیا جاتا تو تمام مذاہب کے پیشوا اپنے ماننے والوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم نہیں دیتے، کیونکہ تمام مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان کے پیشواؤں نے اپنے ماننے والوں کو اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہوئے، آدمی کی انفرادی و اجتمائی حقوق کو بیان کرتے ہوئے انہیں حلال وحرام، جائز وناجائز اور اچھے بُرے کی تمیز بتائی، وہیں ان کو ایسے امور سے باز رہنے کا سبق دیا جس سے آدمی کی انفرادی یا معاشرتی زندگی غلط روش کا شکار ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمی مذاہب کی تعلیمات میں چاہے اس کا تعلق فرد سے ہو یا جماعت سے ہر جگہ ایسی حقیقت موجود ہے جس کی پیروی آدمی کی زندگی کو کارآمد بنانے کا کردار نبھاتی ہے۔

بدھ مت کو ایک انقلاب مذہب کہنا چاہیے جو آلام و مصائب، جسمانی کثافت، روحانی اسرار اور اور زندگی اور موت کی پیچیدگیوں کے حل کی تلاش کی صورت شروع ہوا تھا اور بالآخر ایک بے حد موثر اور منظم مذہب کے طور پر تشکیل پایا۔ بدھ مت نے لوگوں کو انسانی برابری، سماجی انصاف، عزت نفس اور زندگی کے منطقی اور روحانی طریقوں سے روشناس کرایا اور حسن اخلاق اور نیک اعمال کی ترغیب دی۔ اس نے ذات پات کی تفریق، عورت اور

مرد کی برتری اور کمتری اور مذہبی امور کی اجارہ داری کو بھی ختم کیا۔ بنیادی طور پر اس مذہب کی روح عمدہ خیالات، اچھے اخلاق اور صحیح اعمال میں پوشیدہ ہے۔

اب ہم بدھ مت کی وہ اخلاقی تعلیمات کو بیان کرتے ہیں جس کی مخالفت برما میں بدھ پیروکار کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ظلم وناانصافیاں کررہے ہیں۔

ان تعلیمات میں سب سے پہلے "نفرت نفرت سے نہیں مٹتی" کے بارے گوتم بدھ کا قول ذکر کرتے ہیں:

Verse 3: "He abused me, he ill-treated me, he got the better of me, he stole my belongings;"...
the enmity of those harbouring such thoughts cannot be appeased.[1]

اس نے مجھے برا بھلا کہا اس نے مجھے مارا اس نے مجھے زیر کر دیا اس نے مجھے لوٹا جو لوگ اندھے سے خیالات دل میں رکھتے ہیں وہ اپنی نفرت ختم نہیں کرسکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایٹمی ترقیات آج سے ہزار گنا زیادہ بھی ہو جائیں تو بھی انسان کو چین و سکون نصیب نہیں ہو گا۔ چین و سکون خارجی چیزوں میں نہیں بلکہ امن و سکون کے سرچشمے ''من کی دنیا'' اور اعلیٰ صفات سے پھوٹتے ہیں۔ انسانیت کی حقیقی بہاریں من کی دنیا آباد ہونے سے پیدا ہونگی اور دل بنے گا تو انسان بنے گا اور جب انسان بنے گا تو ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، جس سے انسانیت کو امن و سکون حاصل ہو گا۔ جس کا مطلب ہے کہ نفرت کو نفرت ختم نہیں کیا جاسکتا بلکہ پیار و محبت سے معاشرے میں امن وسکون قائم ہو گا۔

دھمپد میں گوتم بدھ کا قول برائی سے متعلق ہے۔

Verse 117: If a man does evil, he should not do it again and again; he should not take delight in it; the accumulation of evil leads to dukkha. [1]

اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس برے کام کو بار بار نہ دہرائے (اسے عبادت نہ بنائے) اس میں اپنی خوشی نہ پائے، کیونکہ برائی کا انبار (مجموعہ) تکلیف رساں ہوتا ہے۔

گوتم بدھ کا یہ قول معاشرے میں ایک بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے، کہ اگر کسی سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس پر دوام نہ اختیار کرے کیونکہ آخر میں یہ برائیوں کا ڈھیر اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے گا۔ اور اس کی برائیاں معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے گی۔

گوتم بدھ اپنے ایک قول میں معصوم اور بے ضرر انسان کو نقصان پہنچانے پر اس کے انجام کے بارے میں خبردار کرتا ہے:

---

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, Editorial Committee, Burma Tipitaka Association Rangoon, Burma, 1986,P:18
[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:304

Verse 125: If one wrongs a person who should not be wronged, one who is pure and is free from moral defilements, viz., an arahat, the evil falls back upon that fool, like fine dust thrown against the wind. [1]

جو کوئی بھی کسی معصوم پاک دامن اور بے ضرر انسان کو ضرر پہنچاتا ہے تو وہ ذرا سی نا سمجھ پر، ایسا ہی پلٹ کر آتا ہے جیسے دھول (تیز) ہوا میں جھاڑنا۔

اس قول میں گوتم بدھ نے بہت واضح الفاظ میں انسانوں کو تکلیف پہنچانے سے منع کیا ہے۔ اور اس کے انجام بد سے ڈرایا ہے کہ اگر تم کسی معصوم کو تکلیف پہنچاؤ گے تو وہ تمہاری طرف پلٹ کر واپس آئے گا۔ لہٰذا اس سے خود کو بچاؤ۔

اپنے اسی قول کے مطابق دوسرے قول میں گوتم بدھ کہتا ہے کہ بد اعمالیوں کے انجام سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

Verse 127: Not in the sky, nor in the middle of the ocean, nor in the cave of a mountain, nor anywhere else, is there a place, where one may escape from the consequences of an evil deed. [1]

نہ آسمان میں نہ سمندر کی تہہ میں اور نہ پہاڑ کے شگاف میں گھس کر، دنیا میں کہیں ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی شخص اپنے اعمال کے انجام سے بچ نکل جائے۔

پھر گوتم بدھ کہتا ہے کہ کسی کو نہ خود قتل کرو اور نہ قتل کرواؤ۔

Verse 129: All are afraid of the stick, all fear death. Putting oneself in another's place, one should not beat or kill others. [2]

سب انسان سختی کرنے سے تھرتھراتے ہیں۔ سبھی موت سے ڈرتے ہیں۔ خود کو دوسروں کی جگہ میں کھڑا کر کے (بھی یہی کیفیت خود میں پیدا کرے کہ) نہ کسی کو قتل کرے اور نہ کسی اور سے قتل کروائے۔

گوتم بدھ کسی کو بھی نہ صرف قتل کرنے سے بلکہ سخت لہجے میں کسی سے گفتگو کرنے سے بھی منع کرتے ہیں۔

Verse 133: Don't say anything harsh, spoken to they might answer back to you, arrogant talk brings misery, and they might strike you with a stick. [3]

کسی سے سخت لہجے میں کلام مت کرو کیوں کہ سامنے والا بھی ترکی بہ ترکی جواب دے سکتا ہے۔ غصہ بھرا گفتگو تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور شاید ان کا پلٹ کر جواب دینا آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

گوتم بدھ کے قول کے مطابق جو شخص معصوم کو آزار دیتا ہے پچھتاتا ہے۔

Verse 137: He who does harm with weapons to those who are harmless and should not be harmed will soon come to any of these ten evil consequences:
138, 139 & 140: He will be subject to severe pain, or impoverishment, or injury to the body (i.e., loss of limbs), or serious illness (e.g.,

---

[1] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES), A bilingual edition in Pali and English, evertype publishing Ireland, 2019,P:126

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:330

[2] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, Dharma Publishing Hauser Bridge Road, Cazadero, California 95421 USA, 2018, P:55

[3] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:135

leprosy), or lunacy, or misfortunes following the wrath of the king, or wrongful and serious accusations, or loss of relatives, or destruction of wealth, or the burning down of his houses by fire or by lightning. After the dissolution of his body, the fool will be reborn in the plane of continuous suffering (niraya). [1]

جو شخص نے ہفتوں پر تشدد کرتا ہے اور بے آزار لوگوں کو آزار دیتا ہے وہ جلد ان دس حالات میں سے کسی ایک کا سامنا کرے گا۔

بہت سخت درد، آفت، جسمانی چوٹ، سخت بیمار یا پاگل پن، یا مقتدر حلقوں سے مصیبت یا بہت بڑے جرم کا الزام یا پیارے کی موت کا صدمہ یا جائیداد سے محرومی یا اس کے گھر کو آگ لگنے سے تباہی اور اس کے جسم کے سڑنے کے بعد مغرور آدمی جہنم میں جائے گا۔

گوتم بدھ بھکشو کی تعلیمات میں کہتے ہیں کہ:

Verse 183: Not to do evil, to cultivate merit, to purify one's mind - this is the Teaching of the Buddhas. [1]

تمام برائیوں سے بچنا، اچھائی کو فروغ دینا اور اپنے نفس کا تزکیہ کرنا یہ بدھ کی تعلیمات ہیں۔

تزکیہ نفس سے مراد ہے کہ نفسِ انسانی میں موجود شر کے فطری غلبہ کو دور کرنا اور اسے گناہوں کی ان آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنا جو کہ روحانی نشوونما میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ ان تمام بدی کی خواہشات پر غلبہ پا لینے کا عمل تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔

دھمپد کے اگلے قول میں گوتم صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

Verse 184: Patience is the supreme austerity, Nibbāna is supreme say the Buddhas, for one gone forth does not hurt another, nor does an ascetic harass others. [2]

بہت زیادہ صبر کرنا بلند درجے کی عبادت ہے۔ "نروان سب سے اعلیٰ ہے۔" بھکشو کہتے ہیں۔ وہ حقیقی بھکشو نہیں جو دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ ہی وہ تارک الدنیا شخص ہے جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔

گوتم بدھ کے مطابق صبر کے بغیر نہ امیدیں پوری ہو سکتی ہیں، نہ مقاصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کوئی محنت اپنا پھل دیتی ہے۔ اگر صبر نہ ہو تو نہ کسان اپنی کھیتی کاٹ سکتا ہے، نہ درخت لگانے والا اس کا پھل توڑ سکتا ہے اور نہ کوشش کرنے والا اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ دنیا میں اپنے مقاصد کے بارے میں کامیابی حاصل کرنے والوں نے صبر کے ذریعہ سے اپنی امیدوں کو یقینی بنایا ہے۔

گوتم بدھ بھکشو کی تعلیمات میں بیان کرتے ہیں:

---

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:352
[1] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, P:73
[2] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:180

Verse 185: Not to revile, not to do any harm, to practise restraint according to the Fundamental Instructions for the bhikkhus, to be moderate in taking food, to dwell in a secluded place, to devote oneself to higher concentration - this is the Teaching of the Buddhas. [1]

نفرت نہ کرنا، ضرر نہ دینا، خانقاہی نظم وضبط کے قوانین کے مطابق پابندی کرنا، غذا میں اعتدال رکھنا، گوشہ نشینی اختیار کرنااور مراقبہ میں مصروف رہنا۔ یہ بدھ کی تعلیمات ہیں۔

گوتم اپنے ان تعلیمات میں بھکشوؤں کو تمام برائیوں سے دور رہنے اور خانقاہی زندگی اپنانے کے بارے میں تاکید کر رہے ہیں۔ اسی طرح گوتم بدھ تمام پیروکاروں کو دوسروں کو نقصان پہنچانے، جھوٹ بولنے، ناحق مال اور نشہ آور چیزوں کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ

Verse 223: Conquer the angry one by not getting angry (i.e., by loving-kindness); conquer the wicked by goodness; conquer the stingy by generosity, and the liar by speaking the truth.

Verse 224: One should speak the truth, one should not yield to anger, one should give when asked even if it is only a little. By means of these three, one may go to the world of the devas. [1]

جو شخص کسی کی زندگی تباہ کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیر مستحق چیز اٹھاتا ہے، دوسروں کی بیوی کے پاس آتا جاتا ہے اور نشہ آور چیزوں کا عادی ہے۔ اس جیسا آدمی اس دنیا میں اپنی ہی جڑیں کھو دیتا ہے۔

اس کے بعد گوتم بدھ بزرگ شخص کے بارے میں کہتا ہے:

Verse 238: Make a firm support for yourself; hasten to strive hard, and be wise. Having removed impurities and being free from moral defilements you will no longer be subject to rebirth and decay. [2]

جس شخص میں سچائی، نیکی، عدم جارحیت (کی صفات) ہو، اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو، جو باطنی گندگیوں سے پاک ہو اور دانش مند ہو، اسے بزرگ کہا جاتا ہے۔

اگلے قول میں گوتم بدھ نیک شخص کے بارے میں کہتا ہے:

Verses 246 & 247: He who destroys life, tells lies, takes what is not given him, commits adultery and takes intoxicating drinks, digs up his own roots even in this very life. [3]

وہ شخص معزز (عارف) نہیں جو جانداروں کو اذیت دیتا ہے۔ وہی معزز ہے جو تمام جانداروں (انسانوں، حیوانوں اور چرند پرند) کو ضرر نہیں دیتا۔

بہت سارے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ زبان کو قابو میں نہیں رکھ پاتے جبکہ اعضاء وجوارح میں زبان ہی ایک ایسا عضو ہے جو بہت زیادہ روک کے رکھنے کا محتاج ہے۔ جس طرح انسان کے اعضاء وجوارح سے سرزد ہونے والے

[1] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, P:75
[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:537-538
[2] Ibid:553
[3] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, P:97

اعمال وافعال قابل مواخذہ ہیں اسی طرح زبان سے نکلنے والے الفاظ وکلمات اور اقوال بھی قابل مواخذہ ہیں۔زبان کو روکے رکھنا، قابو میں رکھنا اور کچھ بولنے سے پہلے اسکے اخروی انجام کے بارے میں ہزار بار سوچنا از حد ضروری ہے۔

اس کے بعد گوتم بدھ اپنے تمام پیروکاروں کو کہتا ہے کہ اپنے خیالات، الفاظ اور اعمال کو پاک کرو۔

Verse 258: One is not a wise person merely because of speaking much; being safe, hatred-free, fearless, one is then called a wise person. [1]

آدمی کو اپنی گفتگو کا خیال رکھنا چاہیے۔ اپنے نفس پر قابو اور جسمانی کام میں برائی کے ارتکاب سے بچنا چاہیے۔ اسے عمل کے ان تینوں طریقوں کو سدھارنا چاہیے اور اس رشتے کو جیتنا چاہیے جو اسے بڑے بزرگ نے سکھایا ہے۔

اس کے بعد گوتم بدھ موت کے بارے میں ایک حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: موت کے وقت کوئی چیز حفاظت نہیں کرتی۔

Verse 265: He who has totally subdued all evil, great and small, is called a samana because he has overcome all evil. [1]

رشتہ دار اس شخص کی کچھ حفاظت نہیں کر سکتے جس پر موت حملہ آور ہوا ہو، کوئی اسے بچانے نہیں آتا نہ بچے، نہ ماں باپ اور رشتہ دار۔

گوتم بدھ اس اٹل، حتمی اور سب سے سچی چیز موت کے بارے میں کہتا ہے کہ اس میں کوئی فرد آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ آپ کی اولاد ہو، والدین ہو یا رشتہ دار آپ کو موت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

گوتم بدھ برے اعمال کو چھوڑنے اور نیک اعمال کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

Verse 291: He who seeks his own happiness by inflicting pain on others, being entangled by bonds of enmity, cannot be free from enmity. [2]

ایک برے عمل کو ناتمام چھوڑ دینا ہی بہتر ہے، کیوں کہ ایسا عمل انسان کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ البتہ اچھا عمل تمام کرنا بہتر ہے جسے سرانجام دینے سے انسان کو بعد میں پشیمان نہیں ہونا پڑتا۔

اس قول میں گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو برے افعال سے منع و متنبہ کرنا چاہتا ہے کہ برے بعل کو جتنی جلدی چھوڑ دیا جائے وہ اتنا بہتر ہے کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور اس کے برعکس اچھا عمل پورا کرنا بہتر ہے کیونکہ اس کے اختتام پر انسان کو کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا۔

آگے گوتم بدھ بھکشو کو ہدایات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ زبان پر قابو رکھنے والے شخص کی گفتگو شیریں ہوتی ہے۔

Verse 339: That monastic who controls mouth, who speaks well, and who is modest, who explains the meaning of the Dhamma, his speech is surely sweet. [3]

---

[1] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:233

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:593

[2] Ibid:637

[3] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:305

وہ عارف جو اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے۔ حکیمانہ افعال نقل کرتا ہے۔ نرم مزاج ہوتا ہے اور دھما(Dhamma) کی لفظاً و مفہوماً تشریح کرتا ہے۔ اس عارف کی گفتار شیریں ہوتی ہے۔

انسان کی زبان اس کی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ نرم اور پاک زبان کا استعمال انسان کو معاشرہ میں ہر دلعزیز بنا دیتا ہے لوگ ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں اس کی محفل اور مجلس کو پسند کرتے ہیں کیونکہ الفاظ کی نسبت لہجے کا اثر زیادہ ہوتا ہے دنیا میں زیادہ تر جھگڑے لہجے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان سے ہوتا ہے۔ اس لئے گوتم بدھ بھکشوؤں اپنی زبان کو بے فائدہ گفتگو سے پاک رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نرم مزاجی اور گفتگو کا کم ہونے سے عارف کی گفتار میٹھی ہوتی ہے۔

اسی طرح گوتم بدھ اپنے بھکشوؤں کو غصہ اور نفرت جیسے برے خصلتوں کو ترک کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

Verse 377: Just as striped jasmine casts off its withered flowers, so, monastics, cast off all passion and hatred.[1]

جس طرح جاسمین پودا اپنے مرجھائے ہوئے پتے خود جھاڑتا ہے، اسی طرح اے بھکشو تم مکمل طور پر غصہ اور نفرت کو جھاڑ دو۔

غصہ فطرت انسانی ہے تاہم اس پہ قابو نہ رکھنے سے بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔ میاں بیوی میں جدائی، اولاد و والدین میں دوری، بہن و بھائی میں اختلاف، فرد و معاشرہ میں بگاڑ، دنیا میں ظلم و بربریت اور فتنہ و فساد کی جڑ غصہ ہے۔ اس لئے گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو غصہ اور نفرت چھوڑنے کی تاکید کرتے ہیں۔

گوتم بدھ اپنے بھکشوؤں کو کہتے ہیں کہ ایک بدھ تمام برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔ گوتم بدھ کا قول ہے:

Verse 388: Because he has discarded evil he is called a 'brahmana'; because he lives calmly he is called a 'samana';* and because he gets rid of his impurities he is called a 'pabbajita'*.[2]

تمام برائیاں چھوڑنے کی وجہ سے آدمی مقدس انسان کہلاتا ہے۔ مذہبی کاموں کی وجہ سے آدمی کو مذہبی شخص کہا جاتا ہے اور باطنی گندگیوں سے پاک شخص کو صوفی کہا جاتا ہے۔

بدھ ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے آپ کو تمام برائیوں سے پاک رکھتا ہے۔ وہ ایک نیک چلن اور شریف النفس انسان ہے۔ اس لئے گوتم بدھ اپنے اگلے قول میں بدھ کو کلیف پہنچانے سے منع کرتا ہے:

---

[1] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:312

[2] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:786

* . samacariya: lit., living calmly, i.e., practising for eradication of moral defilements.

*. pabbajita: one who leaves the household life for the homeless life of a recluse; in Buddhism it means one who has given up the impurities of the *household* life to become a bhikkhu.

Verse 389: One should not strike a brahmana; a brahmana should not get angry with his assailant; it is shameful to strike a brahmana; it is more shameful to get angry with one's assailant.[1]

کسی انسان کو کسی مقدس ہستی کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے اور نہ اس مقدس انسان کو بنا غصہ اس تکلیف رساں شخص پر نکالنا چاہیے۔ اس شخص کو شرم آنی چاہیے جس نے کسی بزرگ انسان پر حملہ کیا اور اس سے زیادہ شرم اس شخص کو آنی چاہیے جو اپنا غصہ (دوسروں پر) اتارتا ہے۔

یہ بات بدھی احکام، اخلاقی قواعد اور لوگوں سے باہمی تعامل کا ایک ضابطہ فراہم کرتی ہے جو یہ ہے کہ لوگوں سے ہر قسم کے نقصان کو دور رکھا جائے۔ نقصان دینا حرام ہے اور اس کا دُور کرنا واجب ہے۔ نقصان کو نقصان دے کر نہیں زائل کیا جاسکتا۔ نقصان دہ اشیاء حرام ہیں۔ یہ بات بدھ مت کے قاعدوں میں سے ایک قاعدہ ہے۔ وہ یہ کہ بدھ مت نقصان پہنچانے کو درست نہیں سمجھتی اور نقصان پہنچانے کا انکار کرتی ہے۔

ان تمام تعلیمات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ایک اظہر من الشمس بات سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ گوتم بدھ نے والدین اور اولاد، استاد اور شاگرد، میاں بیوی، اور آقا و ملازم کے احکام و فرائض بھی متعین کیے ہیں۔ بعض پیشوں کی انھوں نے ممانعت کی ہے، مثلاً ہتھیار بیچنے، لونڈی اور غلام کو خریدنے اور بیچنے، شراب بنانے اور بیچنے، گوشت بیچنے اور زہر بیچنے سے۔ بدھ مت میں نسل، ذات، اور جنسی تفریق کو کوئی دخل نہیں ہے۔

بدھ مت کو ایک مذہبی انقلاب کہنا چاہیے جو آلام و مصائب، جسمانی کثافت، روحانی اسرار اور اور زندگی اور موت کی پیچیدگیوں کے حل کی تلاش کی صورت شروع ہوا تھا اور بالآخر ایک بے حد موثر اور منظم مذہب کے طور پر تشکیل پایا۔ بدھ مت نے لوگوں کو انسانی برابری، سماجی انصاف، عزت نفس اور زندگی کے منطقی اور روحانی طریقوں سے روشناس کرایا اور حسن اخلاق اور نیک اعمال کی ترغیب دی۔ اس نے ذات پات کی تفریق، عورت اور مرد کی برتری اور کمتری اور مذہبی امور کی اجارہ داری کو بھی ختم کیا۔ بنیادی طور پر اس مذہب کی روح عمدہ خیالات، اچھے اخلاق اور صحیح اعمال میں پوشیدہ ہے۔ لیکن اگر یہی تعلیمات ہم برما میں بدھ مسلم تعلقات کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو ان تعلیمات کے برعکس بدھ پیروکاروں کے اعمال نظر آتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بدھ پیروکاروں کو اپنے مذہبی رہنما گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اور نروان کے حصول کی خاطر روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کے بنیادی انسانی حقوق کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ گوتم بدھ نے ہمیشہ دوسروں کو تکلیف اور نقصان دینے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا برمی حکومت اور برمی بدھ عوام اپنے مذہبی پیشوا کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے روہنگیا برادری پر مظالم کا سلسلہ بند کر کے ان کو شہریت سمیت تمام بنیادی حقوق فراہم کرنے چاہیے۔

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:788

روہنگیا مسئلے کا مذہبی حل:

دنیا میں بدھ مت کی اشاعت کا سبب نہ تو فتوحات تھیں اور نہ ہی جنگ وجدل، بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ بدھ مت نے کسی بھی علاقے میں پہلے سے موجود علم ومذہب کی تضحیک کرنے کی بجائے ان سے ممکنا مدد لیتے ہوئے ان کا ہم پیالہ بنے۔ جس سے مناظرے کی بجائے مذاکرے، ٹاکرے کی بجائے میلاپ، فتح وجنگ کی بجائے امن ومحبت کی فضا بنی، بدھ کی انہی نظریات کو دوسرے مذاہب کے پیروکاروں میں بھی یہ افکار ونظریات عزت واحترام اور تقدس سے دیکھے جانے لگے۔ پانچ سو سال قبل مسیح میں وجود میں آنے والا مذہب بدھ مت اپنی ابتداء سے ہی ایک پُر امن مذہب کے طور پر مشہور ہوا۔ اس کی اخلاقی تعلیمات کی رو سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ کسی بھی جاندار کو نقصان پہنچانا بڑا گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ مگر برما میں اقلیتوں خصوصاً روہنگیا مسلمانوں کو مذہبی آزادی کا نہ ملنا، حقِ رائے دہی کا نہ ملنا، انصاف کا نہ ملنا، بنیادی انسانی حقوق (صحت، تعلیم، رہن سہن) سے محرومی، غربت، بے روزگاری، تشدد، دہشت گردی وانتہاء پسندی جیسے مسائل کا سامنا ہے جس کے خاتمے کیلئے برمی حکومت سنجیدہ نہیں، بلکہ نسلی تعصب کی بنا پر اقلیتوں کے حقوق کی کھلی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ انہی حقوق کو پورا کرنے کے لئے ممکنا مذہبی حل کے لئے بدھ مت کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں۔

بدھ مت کی مذہبی و نظری تعلیمات امن وامان اور عفو و درگزر کی داعی ہیں، اس کے علاوہ ہمدردی، غمگساری، دوسروں پر رحم کرنے جیسی اخلاقی صفات کا غلبہ ہے، اس کے برعکس ظلم وجور، قتل وغارت، سنگدلی و بے رحمی اور کسی بھی جاندار کو اذیت میں مبتلا کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ مگر روہنگیا کے خلاف ڈھائے جانے والے مظالم کا کوئی بھی جواز نہیں۔ یہ ایک معاشی اور نسلی مسئلہ ہے اور اس کی جڑ میانمار کے داخلی قوانین ہیں۔ اس مسئلہ کو روہنگیا کو انصاف اور بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی سے جلد از جلد حل کیا جانے چاہیے۔ ان کے حقوق کے ازالے کے لئے اس کا بہترین حل مذہبی ہو سکتا ہے۔ جس کا جائزہ درجہ ذیل سطور میں لیتے ہیں۔

گوتم بدھ کا قول ذکر کرتے ایکناتھ ایسووران دھماپدا میں لکھتے ہیں:

> 84.If one desires neither children nor wealth nor power nor success by unfair means, know such a one to be good, wise, and virtuous. [1]

ترجمہ: اگر کوئی غیر منصفانہ طریقے سے نہ اولاد، نہ دولت، نہ طاقت اور نہ ہی کامیابی کا خواہاں ہے، تو ایسے شخص کو نیک، عقلمند اور ہوشیار سمجھیں۔

---

[1] Eknath Easwaran, The Dhammapada, Nilgiri press Canada, 2007, P:127

اس کا مطلب ہے کہ ناجائز طریقے سے کسی کی مال و دولت کی خواہش نہیں رکھنی چاہیے۔ اور اگر کوئی بے گناہ انسان کے مال یا جان کو نقصان پہنچاتا ہے تو اس کو دس طریقوں سے تکلیف پہنچے گی۔ ایکناتھ ایسووران دھماپد کے ۱۳۷ تا ۱۴۰ امیں لکھتے ہیں:

> (137)If one harms the innocent, suffering will come in these ten w ays.(138) They may suffer grief, infirmity, painful accident, serious illness,(139)loss of mind, legal prosecution, fearful accusation, family bereavement, or financial loss;(140) or their house may burn down, and after death they may be thrown into the fire of suffering.[1]

ترجمہ: اگر کوئی معصوم کو نقصان پہنچاتا ہے تو، ان دس طریقوں سے تکلیف آ جائے گی۔ وہ غم، کمزوری، تکلیف دہ حادثے، سنگین بیماری کا شکار ہو سکتے ہیں، ذہنی نقصان، قانونی استغاثہ، خوفناک الزام، خاندانی سوگ، یا مالی نقصان یا ان کا گھر جل سکتا ہے، اور موت کے بعد وہ تکلیف کی آگ میں پھینکے جا سکتے ہیں۔

بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق برمی حکومت کو بھی مسلمانوں کی مال و املاک کو نہ نقصان پہنچانا چاہیے اور نہ ہی ناجائز قبضے کرنے چاہیے۔ کیونکہ یہ تمام کام بدھ مت کی مذہبی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اور اس میں مذہبی رہنماؤں کا بھی کردار ہونا چاہیے۔

اسی طرح دھماپدا میں گوتم بدھ کا قول ہے:

> Neither pleasant words nor a pretty face can make beautiful a person who is jealous, selfish, or deceitful.[1]

ترجمہ: نہ ہی خوشگوار الفاظ اور نہ ہی کوئی خوبصورت چہرہ شخص کو خوبصورت بنا سکتا ہے جو حاسد، خود غرض یا دھوکہ دہی کا شکار ہے۔

دھماپدا میں ایکناتھ ایسووران گوتم بدھ کا ۱۴۱ واں قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> Going about with matted hair, without food or bath, sleeping on the ground smeared with dust or sitting motionless - no amount of penance can help a person whose mind is not purified.[2]

ترجمہ: گندے ہوئے بالوں سے، بغیر کھانا یا نہانے، زمین پر سونے سے دھول کی بو آ رہی ہو یا بے حرکت بیٹھا ہو۔ کسی بھی شخص کی مذہبی ریاضت مدد نہیں کر سکتی ہے جس کا دماغ پاک نہیں ہوتا ہے۔

بدھ مذہب ایک پر امن مذہب ہے۔ اس میں ہر ذی روح شے کو معصوم قرار دیا ہے اور انسان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کیڑے تک ہر جاندار کی عصمت اس معنی میں تسلیم کی گئی ہے کہ اس پر کسی حال میں تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔ بودھ کے احکام عشرہ میں سب سے پہلا تاکیدی حکم یہ ہے کہ "کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو۔" جو بھکشو ارادتاً

---

[1] Eknath Easwaran, The Dhammapada, P:144
[1]Ibid, P:201
[2] Ibid,P:144

کسی جاندار شے کو اس کی زندگی سے محروم کرے وہ اس قانون میں ناقابل معافی جرم کا مرتکب ہوا۔ حد یہ ہے کہ وہ بھکشوؤں کو برسات کے تین مہینوں میں گوشہ عزلت سے باہر نکلنے کی ممانعت کرتا ہے تاکہ زمین پر چلنے سے حشرات الارض نہ کچلے جائیں۔ ان شدید اہنسائی احکام کے ساتھ جنگ کی اجازت تو درکنار، اس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ جب جان کا احترام اس کی نگاہ میں اس قدر بڑھا ہوا ہے تولا محالہ اسے ایک ایسے عمل کو شدید نفرت کی نظر سے دیکھنا چاہیئے جس میں کیڑوں کی نہیں آدمیوں کی، ایک دو نہیں ہزاروں لاکھوں جانیں تلوار کی دھار اور گھوڑوں کی ٹاپ کے نیچے قربان کی جاتی ہیں۔

بنیادی انسانی حقوق کے لئے قدرتی سچائی کے آسان اور واضح عناصر کا ذخیرہ دھماپدا کی شکل میں موجود ہیں۔ دھما کا مرکز انسان ہے، اور زمین پر اپنی زندگی میں انسان سے انسان کا رشتہ ہے۔ دنیا تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور اس تکلیف کو دنیا سے دور کرنا دھما کا واحد مقصد ہے۔ دھما کے مطابق اگر ہر فرد پاکیزگی، راستبازی اور فضلیت کے راستہ پر چلتا ہے تو اس سے تمام تکالیف کا خاتمہ ہو گا۔

گوتم بدھ کی انہی تعلیمات کی بنا پر میانمار میں موجود اقلیتوں اور خصوصاً روہنگیا مسلمانوں کو ان کے تمام بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔ جس کے لئے وہ شروع دن سے کوششیں کر رہے ہیں۔ جن میں ان کے بنیادی انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ وہ تمام حقوق شامل ہیں جو کسی بھی فلاحی معاشرے کے ہر شہری کو حاصل ہیں۔ اور اس میں برمی حکومت کے ساتھ بدھ بھکشوؤں کو بھی اپنا پورا کردار ادا کرنا چاہیے۔

مسائل کے تدارک کے لئے بدھ مت اور اسلام میں مشترکات:

بدھ مت کو ایک مذہبی انقلاب کہنا چاہیے جو آلام و مصائب، جسمانی کثافت، روحانی اسرار اور اور زندگی اور موت کی پیچیدگیوں کے حل کی تلاش کی صورت شروع ہوا تھا اور بالآخر ایک بے حد موثر اور منظم مذہب کے طور پر تشکیل پایا۔ بدھ مت نے لوگوں کو انسانی برابری، سماجی انصاف، عزت نفس اور زندگی کے منطقی اور روحانی طریقوں سے روشناس کرایا اور حسن اخلاق اور نیک اعمال کی ترغیب دی۔ اسی طرح دین اسلام نے بھی معاشرتی خامیوں اور کمی کوتاہیوں کو ختم کرنے اور ایک فلاحی معاشرے کی ترتیب کی بنیاد ڈالی۔ اب یہاں بدھ مت اور اسلام کے وہ مشترکات پیش کرتے ہیں جن کو بنیاد بنا کر برما کے روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

گوتم بدھ کے مطابق نفرت نفرت سے نہیں مٹتی۔ جیسا کہ گوتم بدھ کا قول ہے:

> **3.** "He abused me, he struck me, he overpowered me, he robbed me." Those who harbor such thoughts do not still their hatred.[1]

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, Editorial Committee, Burma Tipitaka Association Rangoon, Burma, 1986,P:18

اس نے مجھے برا بھلا کہا اس نے مجھے مارا اس نے مجھے زیر کر دیا اس نے مجھے لوٹا جو لوگ اندھے سے خیالات دل میں رکھتے ہیں وہ اپنی نفرت ختم نہیں کر سکتے۔

عالم انسان امن و سکون اور محفوظ و روشن مستقبل کے خواہاں ہیں۔ چین و سکون خارجی چیزوں میں سے نہیں بلکہ امن و سکون کے سرچشمے اور اعلیٰ صفات سے پھوٹتے ہیں۔ آج تک جتنے بھی مذہبی رہنما و مہاتمہ دنیا میں آئے، ان کی حیات و تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا لحاظ مذہب و ملت، قوم و نسل تمام بنی نوع کو محبت کا درس دیا۔

اسلام میں بھی تعصب اور نفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام ہمیشہ بہترین اخلاق اور پیار و محبت کا درس دیتا ہے۔ اسلام رحمت اور درگزر کرنے کا دین ہے۔ ایک دوسرے سے حسد کی اسلام میں اجازت نہیں۔ اور یہی درس ہمیں بدھ مت کے بنیادی تعلیمات میں ملتا ہے۔ یعنی پیار و محبت اور ہمدردی اور ایک دوسرے سے ایثار کا جذبہ اسلام اور بدھ مت کی مشترکہ قدر ہے۔

117. Should a person commit evil, let him not do it again and again. Let him not find pleasure therein, for painful is the accumulation of evil.[1]

اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس برے کام کو بار بار نہ دہرائے (اسے عبادت نہ بنائے) اس میں اپنی خوشی نہ پائے، کیونکہ برائی کا انبار (مجموعہ) تکلیف رساں ہوتا ہے۔

انسان سے گناہ ہوتے ہیں کیونکہ انسان کمزور ہے۔ لیکن ان گناہوں پر دوام کرنا یا ان گناہوں کو بار بار کرنا درست نہیں۔ تو اس کا علاج و حل بار بار توبہ و استغفار کرتے رہنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾[2]

بیشک اللہ کو محبوب ہیں توبہ کرنے والے بھی اور پسند آتے ہیں (گندگی و برائی سے) پاک رہنے والے بھی۔

اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو صغیرہ گناہ بار بار کیا جاتا ہے وہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔

((لَيْسَ صَغِيرٌ بِصَغِيرٍ مَعَ الْإِصْرَارِ))[3]

ترجمہ: صغیرہ (گناہ) صغیرہ نہیں رہتا بار بار کرنے سے۔

اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

---

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:304

[2] سورۃ البقرۃ: ۲۲۲

[3] طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، مسند الشامیین، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ لبنان، ۲۰۰۸ء)، ۳۶۰۶

((كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ))[1]

ترجمہ: ساری آدم کی اولاد خطاکار ہے، اور (ان میں) بہترین خطاکار (وہ ہیں جو) بہت توبہ کرنے والے ہیں۔

توگناہوں پر ہمیشگی اختیار کرنا دونوں مذاہب میں منع کیا گیا ہے۔ اس لئے برما میں بھی برمی حکام اور بدھ مت کے پیروکاروں کو اپنی ظالمانہ روش چھوڑ کر روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ اختیار کرنا چاہیے۔

125. Like fine dust thrown against the wind, evil falls back upon that fool who offends an inoffensive, pure and guiltless man.[2]

جو کوئی بھی کسی معصوم پاک دامن اور بے ضرر انسان کو ذرا پہنچاتا ہے تو وہ ذرا سی نہ سمجھ پر ایسے ہی پلٹ کر آتا ہے جیسے دھول (تیز) ہوا میں جھاڑنا۔

اس کائنات کا خالق عظیم عادل و منصف ہے، وہ اپنے عدل وانصاف سے دنیاوالوں کی نگرانی کر رہا ہے بلکہ کائنات کی ساری مخلوقات کے ساتھ انصاف کرتا ہے اور کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ شریعت اسلامیہ نے نہ صرف ظلم کی حرمت و نحوست کا بار بار ذکر کیا ہے اور اس کے برے انجام سے متنبہ کیا ہے بلکہ مظلوم کی مدد کرنے کی تعلیم و ترغیب بھی دی ہے اور مظلوم کی بددعا سے بھی سختی کے ساتھ بچنے کو کہا گیا ہے کیونکہ مظلوم کی بددعا اللہ کے دربار میں رد نہیں کی جاتی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور ان کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں پھر تمہیں بھی آگ چھوئے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے پھر کہیں سے مدد نہ پاؤ گے۔

اور یہی ظلم اور دوسرے کو تکلیف دینے سے دونوں مذاہب میں منع ہے۔ اس لئے برما میں موجود روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم اور ناانصافیاں ہو رہی ہیں اس کو بند ہونا چاہیے اور ان کے حقوق کو ادا کرنا چاہیے۔

گوتم بدھ کے قول کے مطابق کوئی بھی بداعمالیوں کے انجام سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ جیسا کہ:

127. Neither in the sky nor in mid-ocean, nor by entering into mountain clefts, nowhere in the world is there a place where one may escape from the results of evil deeds.[2]

---

[1] ترمذی:۲۴۹۹، ابن ماجہ:۴۲۵۱، حاکم:۷۶۱۷

[2] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES), A bilingual edition in Pali and English, evertype publishing Ireland, 2019,P:126

[1] ہود:۱۱۳

[2] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:330

ترجمہ: نہ آسمان میں نہ سمندر کی تہہ میں اور نہ پہاڑ کے شگاف میں گھس کر، دنیا میں کہیں ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی شخص اپنے اعمال کے انجام سے بچ نکل جائے۔

ظلم کا انجام بہت ہی بھیانک اور خطرناک ہے کوئی بھی دنیا میں چاہے کسی پر کتنا بھی ظلم کر لیں اور بے خوف ہو کر گھومتے پھریں مگر مرنے کے بعد ہر ظلم کا حساب دینا ہو گا۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ انسانوں کی عبرت کے لئے انسان کو اس کے ظلم کی سزا دنیا میں دے دیتا ہے اور اگر سزا دنیا میں نہیں ملی تو آخرت کی سزا یقینی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ فَلَوْلَآ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭوَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے گزر چکی ہیں پیغمبر بھیجے تھے، سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا، تاکہ وہ اظہار عجز کر سکیں۔ سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی تو انہوں نے عاجزی کیوں اختیار نہیں کی، لیکن ان کے قلوب سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر دیا۔ پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعتًا پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل مایوس ہو گئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی نوعِ انسان کو اس زمین میں اپنا نائب بنایا ہے اور اس کو مکمل ضابطہ حیات بھی عطا فرمایا اگر انسان اس میں اپنی مرضی کرتا ہے تو اس کائنات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے چونکہ انسان جب قانون شکنی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتا ہے تو سزاؤں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور احسان فراموشی کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ کو دعوت دیتا ہے۔

گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی کو نہ خود قتل کرو اور نہ قتل کرواؤ۔ جیسا کہ:

129. All tremble at violence; all fear death. Putting oneself in the place of another, one should not kill nor cause another to kill.[2]

---

[1] الانعام:۴۲-۴۵

[2] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, Dharma Publishing Hauser Bridge Road, Cazadero, California 95421 USA, 2018, P:55

ترجمہ: سب انسان سختی کرنے سے تھر تھراتے ہیں۔ سبھی موت سے ڈرتے ہیں۔ خود کو دوسروں کی جگہ میں کھڑا کر کے (بھی یہی کیفیت خود میں پیدا کرے کہ) نہ کسی کو قتل کرے اور نہ کسی اور سے قتل کروائے۔

بالکل یہی تعلیمات دین اسلام میں بھی موجود ہیں کہ تمام انسان تکلیف اور مصیبت سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور موت سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے دوسروں کے لئے بھی یہی احساسات اور جذبات ہونے چاہیے۔ نہ خود د کسی کو قتل کرے اور نہ کسی کو قتل کرنے کا حکم دیں۔ ناحق قتل پر اسلام میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔

((عن عبد الله بن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:"يجيءُ الرجلُ آخذًا بيدِ الرَّجلِ ، فيقولُ : يا ربِّ ! هذا قتلَني ، فيقولُ اللهُ لَهُ : لم قتَلْتَهُ ؟ فيقولُ : قتَلْتُهُ لتكونَ العزَّةُ لكَ ، فيقولُ : فإنَّها لِي ، ويجيءُ الرجلُ آخذًا بيدِ الرجلِ ، فيقولُ : أيْ ربِّ ! إنَّ هذا قتلَني ، فيقولُ اللهُ : لم قتلْتَهُ ؟ فيقولُ : لِتكونَ العزَّةُ لفلانٍ ! فيقولُ : إنَّها ليستْ لفلانٍ ، فيبوءُ بإثمِهِ)) [1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)" :قیامت کے دن (آدمی آدمی کا ہاتھ پکڑے آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب! اس نے مجھے قتل کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: تم نے اسے کیوں قتل کیا تھا؟ وہ کہے گا: میں نے اسے اس لیے قتل کیا تھا تا کہ عزت و غلبہ تجھے حاصل ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: وہ یقیناً میرے ہی لیے ہے، ایک اور شخص ایک شخص کا ہاتھ پکڑے آئے گا اور کہے گا: اس نے مجھے قتل کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تم نے اسے کیوں قتل کیا تھا؟ وہ کہے گا: تا کہ عزت و غلبہ فلاں کا ہو، اللہ فرمائے گا: وہ تو اس کے لیے نہیں ہے۔ پھر وہ) قاتل (اس کا) جس کے لیے قتل کیا اس کا (گناہ سمیٹ لے گا"۔

((عن عبد الله رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"لا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا، إلَّا كانَ علَى ابْنِ آدَمَ الأوَّلِ كِفْلٌ مِن دَمِها؛ لأنَّهُ أوَّلُ مَن سَنَّ القَتْلَ)) [2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب بھی کوئی انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے تو آدم علیہ السلام کے سب سے پہلے بیٹے) قابیل (کے نامہ اعمال میں بھی اس قتل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ قتل ناحق کی بنا سب سے پہلے اسی نے قائم کی تھی۔"

انہی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر برمی حکومت کو روہنگیا مسلمانوں کے ناحق قتل کرنے یا کروانے کے حکم کو بند کر کے ایک پر سکون زندگی گزارنے کا حق دینا چاہیے۔

گوتم بدھ بھکشو کی تعلیمات میں بیان کرتے ہیں:

---

[1] امام نسائی، سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، بَابُ: تَحْرِيمِ الدَّمِ، ح۳۹۹۰

[2] امام بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ، ح۳۳۳۵

183. To avoid all evil, to cultivate good, and to cleanse one's mind — this is the teaching of the Buddhas.[1]

تمام برائیوں سے بچنا، اچھائی کو فروغ دینا اور اپنے نفس کا تزکیہ کرنا یہ بدھ کی تعلیمات ہیں۔

تزکیہ نفس سے مراد ہے کہ نفسِ انسانی میں موجود شر کے فطری غلبہ کو دور کرنا اور اسے گناہوں کی ان آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک کرنا جو کہ روحانی نشوونما میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہیں۔ ان تمام بدی کی خواہشات پر غلبہ پالینے کا عمل تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔

انفرادی واجتماعی اصلاح اور الہامی ضابطۂ اخلاق میں تزکیہ نفس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ جہادِ اکبر در حقیقت تقویٰ ہی کے فروغ کا ایک ذریعہ ہے، اور تقویٰ ہی قلوبِ انسانی کے لیے منبعِ نور ہے۔ جیسے کہ سورۃ الشمس میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا۝فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا۝قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۝وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۝﴾[1]

ترجمہ: اور (قسم ہے) نفس کی، اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اسے الہام کیا بُرائی اور پرہیز گاری کا۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں رکھا۔

نفس کی ایسی صلاحیت کی بدولت ہی نیکی اور بُرائی کی پہچان انسانی شعور و لاشعور میں فطری طور پر موجود ہے۔ لیکن یہ پہچان اُس وقت تک کارآمد نہیں ہو سکتی جب تک کہ نفس کا رجحان بُرائی سے اچھائی کی طرف نہ موڑا جائے۔ اسی موڑنے کے عمل کو تزکیہ نفس کہا جاتا ہے۔

اور یہی تعلیمات دونوں مذاہب میں واضح طور پر موجود ہیں۔ اس لئے بدھ مت کے پیروکاروں کو ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر روہنگیا برادری کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

گوتم بدھ کے مطابق بہت زیادہ صبر کرنا بلند درجے کی عبادت ہے۔ جیسا کہ:

184. Enduring patience is the highest austerity. "Nibbana is supreme," say the Buddhas. He is not a true monk who harms another, nor a true renunciate who oppresses others.[2]

نروان سب سے اعلیٰ ہے۔ "بھکشو کہتے ہیں۔ وہ حقیقی بھکشو نہیں جو دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ ہی وہ تارک الدنیا شخص ہے جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔

دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ صبر کے بغیر نہ امیدیں پوری ہو سکتی ہیں، نہ مقاصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کوئی محنت اپنا پھل دیتی ہے۔ اگر صبر نہ ہو تو نہ کسان اپنی کھیتی کاٹ سکتا

[1] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, P:73

[1] الشمس: ۷-۱۰

[2] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:180

ہے، نہ درخت لگانے والا اس کا پھل توڑ سکتا ہے اور نہ کوشش کرنے والا اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ دنیا میں اپنے مقاصد کے بارے میں کامیابی حاصل کرنے والوں نے صبر کے ذریعہ سے اپنی امیدوں کو یقینی بنایا ہے۔

صبر اچھی صفت، عمدہ عمل اور مضبوط رسی ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔ صبر، اخلاص اور یقین کی علامت ہے۔ صبر ایک ایسی عبادت ہے جس کا انجام سعادت ہے اور اس کا اجر بے حساب ہے۔

185. Not despising, not harming, restraint according to the code of monastic discipline, moderation in food, dwelling in solitude, devotion to meditation — this is the teaching of the Buddhas. [1]

نفرت نہ کرنا، ضرر نہ دینا، خانقاہی نظم و ضبط کے قوانین کے مطابق پابندی کرنا، غذا میں اعتدال رکھنا، گوشہ نشینی اختیار کرنا اور مراقبہ میں مصروف رہنا۔ یہ بدھ کی تعلیمات ہیں۔

ان تعلیمات میں کسی سے نفرت نہ کرنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا اور غذا میں اعتدال اسلام کے عین اصول ہیں۔ اگر برمی حکومت گوتم بدھ کی یہ تعلیمات اپنے معاشرے میں رائج کریں تو ان معاشرہ امن و محبت کا گہوارہ بن جائے گا۔ اور روہنگیا مسلمانوں کی مشکلات و مصائب میں بہت حد تک کمی آجائے گی۔

246-247. One who destroys life, utters lies, takes what is not given, goes to another man's wife, and is addicted to intoxicating drinks — such a man digs up his own root even in this world. [1]

جو شخص کسی کی زندگی تباہ کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیر مستحق چیز اٹھاتا ہے، دوسروں کی بیوی کے پاس آتا جاتا ہے اور نشہ آور چیزوں کا عادی ہے۔ اس جیسا آدمی اس دنیا میں اپنی ہی جڑیں کھو دیتا ہے۔

اسلام ہمیں دوسروں کو تکلیف دینے، جھوٹ بولنے اور ناحق کسی کے مال کو لینے، بدکاری کرنے اور نشہ آور اشیاء کو استعمال کرنے سے منع کرتا ہے۔ ااور اس طرح یہ تمام گناہ کے کاموں کی ممانعت ان دونوں مذاہب میں مشترک ہیں۔ اس لئے برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا کے ساتھ تمام مظالم کو چھوڑ کر اچھائی کا سلوک رکھے۔

اسی طرح یہ تعلیمات بھی بالکل عین اسلامی اسول کے مطابق ہیں۔ گوتم بدھ کے تعلیمات یہ ہیں:

261. One in whom there is truthfulness, virtue, inoffensiveness, restraint and self-mastery, who is free from defilements and is wise — he is truly called an Elder. [2]

جس شخص میں سچائی، نیکی، عدم جارحیت (کی صفات) ہو، اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو، جو باطنی گندگیوں سے پاک ہو اور دانش مند ہو، اسے بزرگ کہا جاتا ہے۔

270. He is not noble who injures living beings. He is called noble because he is harmless towards all living beings. [3]

---

[1] Acharya Buddharakkhita, The Dhammapada, P:75

[1] Ibid, P:97

[2] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:261

[3] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:591

وہ شخص معزز (عارف) نہیں جو جانداروں کو اذیت دیتا ہے۔ وہی معزز ہے جو تمام جانداروں (انسانوں، حیوانوں اور چرند پرند) کو ضرر نہیں دیتا۔

اسلامی تعلیمات کی طرح گوتم بدھ بھی سچائی، نیکی، عدم جارحیت، تزکیہ نفس اور کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچانے کا درس دیتا ہے۔ گوتم بدھ بھکشو کو اپنے خیالات، الفاظ اور اعمال کو پاک کرنے کا درس دیتا ہے:

293. The cankers cease for those mindful and clearly comprehending ones who always earnestly practice mindfulness of the body, who do not resort to what should not be done, and steadfastly pursue what should be done. [1]

آدمی کو اپنی گفتگو کا خیال رکھنا چاہیے۔ اپنے نفس پر قابو اور جسمانی کام میں برائی کے ارتکاب سے بچنا چاہیے۔ اسے عمل کے ان تینوں طریقوں کو سدھارنا چاہیے اور اس رشتے کو جیتنا چاہیے جو اسے بڑے بزرگ نے سکھایا ہے۔

گوتم بدھ اخلاقی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے غصہ اور نفرت کو ترک کرنے کا حکم دیتا ہے:

377. Just as the jasmine creeper sheds its withered flowers, even so, O monks, should you totally shed lust and hatred! [1]

جس طرح جاسمین پودا اپنے مرجھائے ہوئے پتے خود جھاڑتا ہے، اسی طرح اے بھکشو تم مکمل طور پر غصہ اور نفرت کو جھاڑ دو۔

غصہ فطرت انسانی ہے تاہم اس پہ قابو نہ رکھنے سے بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔ جب تک غصہ دبا ہوتا ہے تب تک فتنہ دبا ہوتا ہے اور جب غصہ بے قابو ہو جاتا ہے تو فتنہ وفساد بھی اپنا منہ کھول لیتا ہے۔ غصہ کو قابو رکھنے کا درس دونوں مذاہب میں موجود ہے۔ لہٰذا برمی حکومت اور بدھ مت کے پیروکاروں کو صبر و تحمل اور برداشت کے ساتھ معاشرے کو پروان چڑھانا چاہیے۔ اور روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کرنا چاہیے۔

گوتم بدھ کہتا ہے کہ بدھ شخص جذبات نہیں رکھتا:

407. He whose lust and hatred, pride and hypocrisy have fallen off like a mustard seed from the point of a needle — him do I call a holy man. [2]

وہ شخص جس سے غصہ، نفرت، غرور اور منافقت سے الگ ہو گئے ہوں جیسے رائی کا دانہ سوئی کی نوک سے (گر کر الگ ہو جاتا ہے) میں اسی کو مقدس انسان کہتا ہوں۔

گوتم بدھ کے مطابق بدھ شخص روشن ضمیر ہوتا ہے:

422. He, the Noble, the Excellent, the Heroic, the Great Sage, the Conqueror, the Passionless, the Pure, the Enlightened one — him do I call a holy man. [3]

---

[1] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:635
[1] Ānandajoti Bhikkhu, DHAMMAPADA (DHAMMA VERSES),P:312
[2] Daw Mya Tin,The Dhammapada: Verses and Stories, P:707
[3] Ibid, P:737

وہ شخص جو واجب التعظیم، اعلیٰ، نڈر، بہت زیادہ نیکوکار، فاتح، بے جذبہ، پاکیزہ نفس اور روشن ضمیر ہو میں اسی مقدس انسان مانتاہوں۔

جس طرح گوتم بدھ ایک نیک انسان کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتاہے کہ اس میں غصہ، نفرت، غرور اور منافقت جیسے خبیث خصائل نہیں ہونے چاہیے اس کے ساتھ ساتھ نیک خصائل کو بیان کرتے ہوئے کہتاہے نڈر، بہت زیادہ نیکوکار، فاتح، پاکیزہ نفس اور روشن ضمیر شخص کو مقدس انسان مانتاہے۔ اور یہی تمام صفات اسلام میں بھی ایک نیک شخص کے لئے گنوائے جاتے ہیں۔

مہاتمابدھ نے اپنے ماحول میں دکھوں اور گناہوں کا طوفان دیکھا تو ان کے شفیق دل میں عوام کی اصلاح کا جذبہ موجزن ہوا۔ اپنے تمام آرام اور آسائش کو خیر آباد کہہ کر دکھوں اور گناہوں کا حقیقی علاج معلوم کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑے۔ آخر کار ایک بڑ کے درخت کے نیچے گیان اور روشنی نصیب ہو گئی اور لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں نکل پڑے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی فضا میں فسق وفجور، بدکاری اور اخلاقی ضعف کے بادل منڈلاتے دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر راحت سے اٹھ کر غار حرا میں چلے گئے۔

گوتم بدھ نے مذہبی رسوم اور عبادات کو بغیر اصلاح نفس کے عبث اور بے سود ٹھہرایاہے۔ ان کے پیغام کا نقطہ مرکزی ہیں اصلاح نفس ہے۔ قرآن مجید نے بھی اسلامی عبادات کی غرض وغایت تقوی اور اصلاح نفس کو قرار دیاہے۔ اسی طرح گوتم بدھ نے حرص وہوا کو تمام تکالیف اور مصائب کا منبع قرار دیاہے۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے متبعین کو حرص وہوا کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرنے کی تعلیم دی۔ قرآن مجید میں بھی اس تعلیم کو نہایت ہی عمدہ رنگ میں بیان فرمایاہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى○وَاٰثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا○فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى○وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّه○ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى○فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى○﴾[1]

ترجمہ: سو جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ سو بے شک اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔ اور لیکن جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور اس نے اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا۔ سو بے شک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔

---

[1] النازعات:۳۷-۴۱

دونوں مذاہب میں کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنا بڑا ظلم ہے۔ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو نقصان پہنچائے۔ اس لئے برمی حکومت بھی گوتم بدھ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے روہنگیا کے تمام حقوق ادا کریں۔

روہنگیا مسلمانوں اور بدھ مت پیروکاروں کے درمیان بہتر تعلقات کے لئے اقدامات:

برما کی مسلم اقلیت روہنگیا پر ہونے والے مظالم میں مزید اضافہ دیکھنے میں آیا۔ اس وقت روہنگیا دنیا کی ان دس اقوام میں شامل ہے جن کا وجود دنیا سے مٹ جانے کا خطرہ ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق روہنگیا دنیا میں بے ریاست لوگوں کا سب سے بڑا گروہ ہے۔ ہم یہاں پر روہنگیا مسلمانوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان اچھے تعلقات کو ہموار کرنے کے لئے مختلف اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں:

اراکان پر سینکڑوں سال تک مسلم حکمرانی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان علاقوں میں اقلیت کی بجائے جزولاینفک تسلیم کیے جاتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران برما کی آزادی کے لیے انہوں نے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا۔ چونکہ روہنگیا لوگوں کو ہمیشہ سے نظر انداز کیا گیا۔ اس لیے ان واقعات کو سرکاری طور پر کبھی ریکارڈ پر نہیں لایا گیا حالانکہ ہاروے کے مطابق:

Mention of his bravery and deeds should have been recorded in Burma Resonance.[1]

ترجمہ: ان کی بہادری اور کارناموں کا ذکر برمار زاون میں ضرور ریکارڈ ہونا چاہیے تھا۔

روہنگیا مسلمان امن پسند ہیں اور معاشرہ میں باہمی آہنگی کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے بچوں کے نام رکھتے ہوئے دو نام لکھواتے ہیں، نام کا پہلا حصہ اسلامی جبکہ دوسرا برمی گھ ہوتا ہے۔ جیسے صالح تون سین، احمد موآنگ موآنگ وغیرہ۔

روہنگیا کی تہذیب وثقافت اور زبان وادب اسلامی تہذیب کے بل بوتے پر پروان چڑھے۔ قدیم دور سے مسلمان مصنّفین اور شعراء روہنگیا زبان میں فارسی وعربی حروفِ تہجی کا استعمال کیا کرتے تھے۔ کبھی برما براڈ کاسٹنگ سروس سے روہنگیا موسیقی اور روہنگیا آرٹ سے متعلق شروع ہوا کرتے تھے جو کہ اب قصہ پارینہ بن چکا ہے۔

اسی طرح کبھی اراکان میں خوشحالی اور فارغ البالی شہرہ آفاق تھی کہ اطرافِ عالم سے غریب لوگ اپنی غربت اور افلاس کو دور کرنے کے لیے یہاں آتے تھے تاکہ محنت مزدوری کر کے اپنی قسمت آزمائی کر سکیں کیونکہ ۱۹۵۰ء تک اکیاب (موجودہ اسٹیوے) پچاس رائس ملوں کا شہر رہا ہے۔ ایک ایک مل سے لاکھوں من چاول تیار ہوتے تھے۔ اس وقت گھر گھر بھوک ناچ رہی ہے۔ بوڑھے، بچے، جوان، خواتین سبھی لوگ غلہ کے ایک ایک دانہ کو ترس رہے

---

[1] G. E. Harvey, History of Burma; From the Earliest Times to March 1824 The Beginning of the English Conquest. London: Frank Cass & Co. Ltd. 1967, P: 32

ہیں۔ زراعت سے وابستہ مسلمانوں پر اتنی پابندیاں لگادی گئی ہیں کہ وہ اپنی کھیتوں کو دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ مختصر یہ کہ اراکانی مسلمانوں کو اتنا بے دست و پا کر دیا گیا ہے کہ وہ آئے روز اپنے آبائی علاقہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہیں۔ بدھ حکومت ان کی جائیدادیں ضبط کر کے بودھوں میں تقسیم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اور ضبط شدہ زمینوں پر نئی بدھ بستیوں کا قیام عمل میں لارہی ہے۔

مقام صد حیرت ہے کہ کبھی اراکان میں روہنگیا مسلمانوں اور بدھ مگھوں کے درمیان باہمی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری بے مثل رہی ہے۔ باہمی معاملات، حکومتی تعلقات، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ میں مسلم وغیر مسلم بلاامتیاز رنگ و نسل اور بلاامتیاز مذہب وملت دوش بدوش چلتے تھے۔ اراکانی سلاطین بودھ اور مسلم رعایا میں ہم آہنگی کی خاطر دو دو القاب (مسلم اور بدھ) استعمال کیا کرتے تھے لیکن شاہ شجاع کے قتل ناحق کے بعد دونوں اقوام کے باہمی تعلقات میں پہلی جیسی ہم آہنگی باقی نہ رہی تھی۔ چنانچہ اپنے لیے سازگار داخلی صورتحال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے برمی بادشاہ بوداپایہ نے حملہ کر دیا اور ۱۷۸۴ء میں اراکان پر قبضہ کر لیا۔ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم کا آغاز اسی برمی بادشاہ نے کیا جو ہنوز جاری ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی آج کے دور کا مقبول بیانیہ ہے جسے بہت سی بین الاقوامی تنظیموں نے اپنا رکھا ہے۔ ہمارے بہت سے دانشوروں کا خیال ہے کہ ڈاکٹر آشین سیتاگو سیاداؤ (Sitagu Sayadaw) اور یو آئے لیون (U Aye Lwin) ایسے چند ناموں میں سے ہیں جو میانمار میں بین المذاہب ہم آہنگی کے علمبردار ہیں اور میانمار کو ایک پُرامن کثیر النسلی اور کثیر المذہبی ملک کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں اور روہنگیا ان کو ہم نوا بنا کر ان کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔[1]

اس پیچیدہ مسئلے کے بارے میں ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ روہنگیا کے ساتھ دشمنی برمی معاشرے میں سینکڑوں سال پرانی ہے لہٰذا کسی ایسے معاشرے میں فوری تبدیلی کی توقع کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ مسئلہ راتوں رات حل نہیں ہو سکتا تاہم یہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک وقت میں ایک قدم اُٹھایا جائے۔ برما جیسے تکثیری معاشرے میں بین المذاہب ہم آہنگی اور باہمی اتحاد اس بات کے متقاضی ہیں کہ انصاف کی طلب کو اقوام عالم میں پھیلا جائے۔

آنگ سان، میانمار کے بانی والد، تمام نسلی اور مذہبی اقلیتوں کی طرف انتہائی جامع اور اعتدال پسندانہ رویہ رکھتے تھے۔ تاہم، جب جنرل نی ون کے اقتدار میں آیا تو اس میں تبدیلی آئی۔ فوجی جنتا نے برمی نسل اور بدھ مذہب پر مبنی قوم پرستی کے نظریہ کی پالیسی اپنائی۔

---

[1] https://naibaat.pk/2021/10/04/19000/(Accessed May 25, 2022)

گذشتہ تین دہائیوں کے دوران میانمار کی فوج نے منظم طور پر ان کے گھروں سے باہر دھکیل دیا ہے جبکہ ان کے حقوق، حیثیت اور شناخت کی مکمل نفی کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ میانمار میں سو سے زائد نسلی گروہ ایک طویل عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے رہے ہیں۔ لیکن اب ایسا نظر نہیں آتا۔ بدھ اکثریت اور مسلم اقلیت کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی ہے۔ اور اس کا سبب قوم پرستی کی روز بروز بڑھتی ہوئی گونج ہے۔ آشین وراتھو کی شعلہ بیانیوں نے داش چن چین پی جیسوں کو خوفزدہ کر رکھا ہے جو ان کے مٹھ سے زیادہ دور نہیں رہتیں۔

ان کی تین نسلیں مانڈلے میں رہتی آئی ہیں اور مصنف اور شاعر ہونے کے علاوہ ان کا تعلق مسلم اقلیتی برادری سے بھی ہے۔ چین پی نے کہا:

پہلے یہاں مذہبی ہم آہنگی تھی لیکن اب سب ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ بڑھتی ہوئی دوریوں اور مذہب کی بنیاد پر منقسم لوگوں کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بدھ مت کے زیادہ تر پیروکار اچھے ہیں۔ لیکن بعض رہنما بہت جارحانہ بات کرتے ہیں۔ [1]

اس شہر میں ہر دور میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد رہے ہیں۔ لیکن اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں اور اس کا سبب سنہ ۲۰۱۴ء میں ہونے والا تشدد ہے جس میں بدھ مت کے ماننے والے اور مسلمان دونوں کی جانیں تلف ہوئیں۔

میانمار کے صدر مقام ینگون میں ایک غیر روہنگیا مسلمان یوے پی لوین (UA Ye Lwin) مسلمانوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان بہتر تعلقات کار کے لئے بہت مفید کام کر رہے ہیں۔ وہ بین المذاہب مکالمے کے پلیٹ فارم سے خاصے فعال ہیں۔ ان کی کوششوں کی حمایت کی جانی چاہیئے۔ ینگون کے بدھ حلقوں اور پالیسی سازوں میں ان کو بہت احترام حاصل ہے۔

میانمار میں 88 Generation Group ایک بہت مضبوط گروپ ہے۔ یہ ان سیاسی کارکنوں پر مشتمل ہے جنہوں نے ۱۹۸۸ء میں فوجی حکمرانوں کے خلاف تحریک چلائی اور بے انتہا مظالم کا نشانہ بنے۔ اس گروپ کے قائدین کی جوانیاں میانمار میں قانون کی حکمرانی کی بحالی کی تحریک میں صرف ہوئیں اور وہ اب بھی ایک خوشحال معاشرے کی تشکیل کو یقینی بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ روہنگیا لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس گروپ کا حصہ بنیں اور ان کی جدوجہد میں تعاون کرکے اپنے لئے مقام پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

میانمار میں اکثریتی گروپ (برمن) کے رویّے سے غیر مطمئن گروپوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ ان میں مونگ، کوکن، شان، چن اور کیچن خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ برمن اکثریتی گروپ دوسرے

---

[1] https://www.urducolumn.pk/2020_09_09_archive.html(Accessed May 25, 2022)

[1]https://www.bbc.com/urdu/world%DB%9442134302(Accessed May 25, 2022)

گروپوں کی ثقافت، تاریخ اور سیاسی جدوجہد کو نظر انداز کررہا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں صرف برمن ہیروز کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے نسلی گروہوں کو نمائندگی نہیں دی جاتی۔ ان گروپوں میں مسلمان اور مسیحی شامل ہیں۔

روہنگیا کو چاہیے کہ وہ ان گروپوں کے ساتھ قریبی تعلقات کار قائم کریں اور اپنے لئے سیاسی و معاشرتی ہمدردی کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کریں۔[1]

تبتی بدھ بھکشوؤں کے روحانی پیشوا دلائی لامہ نے روہنگیا بحران پر پہلی دفعہ بات کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس وقت بدھا موجود ہوتے، تو وہ روہنگیا مسلمانوں کی مدد کر رہے ہوتے۔ تشدد کی وجہ سے فرار ہونے والے معصوم مسلمان روہنگیا کی مدد کرنی چاہیے کیونکہ بدھ مت کی تعلیم یہی ہے۔

روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کے خلاف پہلی بار بدھ مت رہنما دلائی لامہ کا بیان سامنے آیا ہے۔ غیر ملکی میڈیا کے مطابق دلائی لامہ نے کہا کہ بدھ اکثریتی ملک میانمار میں صورتحال سے گہرا دکھ پہنچا ہے، روہنگیا مسلمانوں پر ظلم کرنے والے بدھا کی تعلیمات کو یاد رکھیں۔ دلائی لامہ کا کہنا تھا کہ:

روہنگیا مسلمان جس صورتحال سے گزر رہے ہیں انہیں بدھا کی مدد بھی ملے گی۔[1]

دلائی لامہ نے صحافیوں سے بات چیت میں کہا:

وہ لوگ جو مسلمانوں کو دھمکا رہیں ہیں، انہیں بدھا کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ ایسی حالت میں بدھا نے یقیناً ان غریب مسلمانوں کی مدد کی ہوتی۔ میں اس بابت بے انتہا دکھ محسوس کر رہا ہوں۔[2]

میانمار میں روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ جاری ہے جس میں اب تک ایک ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کیا جاچکا ہے جب کہ متعدد کے گھر بھی نذر آتش کر دیئے گئے۔

چین کے مذہبی رہنما دلائی لامہ نے سان سوکے کو روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جبر اور تشدد کو ختم کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے برمی حکومت کو راخائن میں جاری فسادات کا پُرامن حل ڈھونڈنے کی تجویز دی ہے۔

دلائی لامہ برمی حکومت کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ:

سماجیات کے زریں اصولوں کو اپناتے ہوئے شناخت سے محروم روہنگیا مسلمانوں کے تنازعے کو پُرامن اور غیر جانبداری سے حل کیا جائے یہ ایک افسوسناک انسانی المیہ ہے۔ جو بدھسٹ روہنگیا مسلمانوں پر ظلم کرنے کے مرتکب ہورہے ہیں انہیں بدھا کو یاد کرنا چاہیے جن کی تعلیمات امن اور سلامتی کے سوا کچھ نہیں اور جو حقیر سے جانور پر بھی تشدد کے خلاف تھے۔[3]

---

[1] http://alsharia.org/2017/oct/burma-musalman-asal-masala-dr-qibla-ayaz(Accessed May 26, 2022)
[1] https://urdu.geo.tv/latest/172664(Accessed May 26, 2022)
[2] https://www.dw.com/ur/بدھا-ہوتے-تو-روہنگیا-کی-مدد-کر-رہے-ہوتے-دلائی-لامہ/a40444854-(Accessed May 26, 2022)
[3] https://urdu.arynews.tv/dalai-lama-says-buddha-wil-help-rohingya-muslisms/(Accessed May 27, 2022)

بدھوں کے مذہبی پیشوا کا کہنا تھا کہ بدھا کے ماننے والے ملک میں کسی اقلیت کے ساتھ انسانیت سوز سلوک خود اس ملک کے اخلاقی اور مذہبی حالت زار کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔

موجودہ دلائی لامہ ۱۹۵۰ء کے بعد بھارت منتقل ہو گئے تھے ان کا موقف تھا کہ تبت ایک علیحدہ ریاست ہے جس پر چین نے قبضہ کیا ہوا ہے چنانچہ انہوں نے بھارت ہی میں اپنی ایم عارضی ریاست کا مرکزی دفتر بنا رکھا ہے جہاں سے وہ تبت اور دنیا بھر میں موجود اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

میانمار میں روہنگیا مسئلے پر پہلی بار لب کشائی کرتے ہوئے نوبل انعام یافتہ دلائی لامانے میانمار حکومت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ: مظالم کے باعث نقل مکانی کرنے والے معصوم روہنگیا مسلمانوں کی مدد کی جائے کیوں کہ بدھ مت کی یہی تعلیم ہے۔[1]

بدھ مت کے مذہبی پیشوا دلائی لامہ نے روہنگیا کے خلاف حکومت میانمار کے اقدامات کو غیر انسانی قرار دیا ہے۔

دلائی لامانے روہنگیا مسلم اقلیت کے خلاف میانمار کی فوج اور انتہا پسند بدھ ملیشیا کے حملوں کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ حکومت میانمار کے مجرمانہ اقدامات پر انہیں دلی صدمہ پہنچا ہے۔

بدھ مت کے مذہبی پیشوا دلائی لامانے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف حکومت میانمار کے اقدامات کو غیر انسانی قرار دیا ہے۔ بدھ مت کے مذہبی رہنما دلائی لامانے روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کی مذمت کی۔[2]

روہنگیا مسلمانوں کو چاہیے کہ برمی بدھ مت کے پیروکاروں کے ساتھ پانے تعلقات کی بہتری کے لئے دلائی لامہ کہ ان بیانات کو مختلف حلقوں میں بیان کریں کہ آپ کے معتدل مذہبی پیشوا مسلمانوں کے لئے اپنے دل میں درد رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگوں کو بھی مسلمانوں کے ساتھ بہتر تعلقات کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ ہم سب ایک پر امن اور خوشحال معاشرے میں اپنی زندگی بسر کریں۔

ہماری قوم کا المیہ یہ ہے کہ ہم سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کے علاوہ مزید کچھ کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ چند ماہ قبل جس شدت سے روہنگیا مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے واقعات پر آواز اٹھائی گئی وہ اب اس طرح دب کر رہ گئی ہے جیسے کسی آگ کو پانی سے ٹھنڈا کر دیا جائے، جبکہ یہ آگ اسی طرح بھڑکی ہوئی ہے اور روہنگیا مسلمانوں کی مشکلات اسی طرح موجود ہیں جس طرح پہلے تھیں۔ پاکستان سمیت تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس وقت تک خاموش نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک ان معصوم مسلمانوں کو ہر طرح کا امن نصیب نہ ہو جائے اور وہ انسان نہ سمجھے جانے لگیں ورنہ جو قیامت ان پر ٹوٹی ہوئی ہے وہ کبھی نہ ٹل سکے گی۔

---

[1] https://www.express.pk/story/930646/(Accessed May 27, 2022)

[2] https://ur.abna24.com/news/وسطی-ایشیا-اور-برصغیر/بدھ-مت-کے-مذہبی-رہنما-دلائی-لاما-نے-روہنگیا-مسلمانوں-کے-قتل_854562.html
(Accessed May 27, 2022)

ان تمام مظالم کو روکنے اور روہنگیا مسلمانوں و برمی بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان بہتر تعلقات کے لئے چند اہم اقدامات پیش کرتے ہیں:

حکومت پر پریشر ڈالنا:

مسلم ممالک کی مذہبی اور سیاسی پارٹیاں رائے عامہ کو ہموار کر کے حکومت پر پریشر ڈالیں تا کہ وہ میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کی مدد کرے۔ حکومت کی طرف سے سفارتی، مالی، بنیادی انسانی ضروریات اور دوسری مدد ہو سکتی ہے۔ انٹرنیشنل کمیونٹی، اقوام متحدہ، اسلامی ممالک کی تنظیم اور ممالک کی طرف سے حکومت برما پر اخلاقی، انسانی، معاشی دباو ڈالا جا سکتا ہے۔

او آئی سی (OIC) مسلمانوں کے خلاف مظالم بند کرا سکتی ہے۔

دنیا میں مسلمان اقلیت کے خلاف انسانیت سوز سلوک کا سلسلہ جاری ہے ہمیں اب یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ اقوام متحدہ اپنے ۱۹۴۸ء کے نسل کشی سے متعلق کنونشن کے اصولوں کے نفاذ میں ناکام رہی ہے۔ اس لئے او آئی سی اس معاملے میں مزید مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ دنیا کی دوسری بڑی بین الحکومتی تنظیم ہے۔ڈاکٹر یوسف بن احمد جیسے فعال شخصیت کی قیادت میں یہ تنظیم روہنگیا کے مسئلے میں مداخلت کر سکتی ہے اور وہ کام کر سکتی ہے جو اقوام متحدہ نہیں کر سکی ہے۔ او آئی سی درج ذیل بعض سادہ اقدامات کر سکتی ہے:

اخلاقی و مذہبی پہلو:

روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کا ایک فرقہ وارانہ پہلو بھی ہے کیونکہ بعض بدھا کی تعلیمات کی غلط تشریح کر کے تشدد کو ہوا دے رہے ہیں۔ او آئی سی ایک مذہبی تنظیم ہے اور وہ بین المذاہب مکالمے کے ذریعے تنازعات کے حل کے لیے از سر نو کوششیں کر سکتی ہے۔ او آئی سی مسلمانوں کی عالمی آواز ہونے کی نمائندہ ہے۔ اس کو ایسی عالمی مسلم شخصیات کو قائدانہ کردار کے لیے آگے لانا چاہیے جو اس ملک کے بدھ مت لیڈروں کے لیے بھی قابل قبول ہوں گے۔

معاشی پہلو:

او آئی سی میانمار کے ہمسایہ ممالک پر روہنگیا مسلمانوں کے بوجھ کو بھی کم کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ بنگلہ دیش، تھائی لینڈ اور ملائشیا نے اس وقت ہزاروں روہنگیا مہاجرین کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔ بنگلہ دیش کی حکومت یہ بھی یقین دہانی کرانے کی کوشش کر رہی ہے کہ روہنگیا مستقل طور پر اس ملک میں نہ رہیں کیونکہ اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ جانیں بچا کر آنے والے ہزاروں روہنگیا کو اپنے ہاں مستقل طور پر پناہ نہیں دے سکتا ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کی ذمہ داری:

۱۔ روہنگیا مسلمان اپنی تمام تر توانائیوں کا رخ اپنی تعمیر کی طرف کر دے۔

۲۔ اپنے آپ کو، اپنی قوم کو اور اپنے ملک کو دینی، اخلاقی، علمی، سیاسی، معاشی غرض یہ کہ ہر پہلو سے مضبوط بنائے اور عوام اپنی حکومت کا ساتھ دیں۔

۳۔ اگر مسلمانوں نے شریعت، حکمت اور حقیقت پر مبنی اس روش کو اختیار نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ ان پر ظلم کا سلسلہ جاری رہے گا اور ان کے مسائل میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔

فصل سوم

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل عصری قوانین کے تناظر میں:

اکیسویں صدی میں دنیا جیسے جیسے گلوبلائز ہوتی گئی اور مادی ترقی بڑھتی گئی تو ساتھ ہی انسانی حقوق کے خدشات نے بھی عالمی جگہ لے لی، جس میں بالخصوص ناپاک سیاسی عزائم کی تکمیل اور قومی مفاد کی خاطر انسان نسل پرستانہ و شدت پسندانہ نظریات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اور نسلی بنیادوں پر انسانی استحصال و نسل کشی محض فیشن بن کر رہ گیا۔ اگر اقلیتوں کی بات کی جائے تو اس وقت برما میں مختلف مذہبی اقلیتیں بستی ہیں، جو اپنے جان و مال کے تحفظ، مذہبی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے لئے برمی حکومت اور بدھ مت کے بھکشوؤں کے رحم و کرم پر ہیں۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے حل کے لئے عصری قوانین کا جائزہ لیتے ہیں۔ جس میں برمی قوانین اور عالمی قوانین کے تناظر میں حل کے لئے ان سے استفادہ کیا جائے گا۔

اقلیتوں کے حقوق اور عصری قوانین:

انسانی حقوق کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان کا وجود، انسان کے خالق و مالک نے اسے معاشرتی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ضابطہ حیات بھی آغاز زندگی کے ساتھ ہی عطا کر دیا تھا۔ انسانی حقوق ان حقوق کو کہا جاتا ہے جو انسان کو انسان ہونے کی بناء پر حاصل ہیں۔ ان حقوق کو بنیادی حقوق بھی کہا جاتا ہے۔ جدید نظریہ قانون کے تحت انسانی حقوق سے مراد انسان کے وہ تمام حقوق ہے جو اسے دائرہ قانون میں رہتے ہوئے حاصل ہیں۔ یہ حقوق فرد کو عالمگیر انسانی برادری کا رکن ہونے کی بنا پر حاصل ہوتے ہیں۔ یہ رنگ، نسل، علاقے، زبان اور دوسرے تمام امتیازات سے ماوراء ہیں اور انسان کو محض انسان ہونے کی بنا پر حاصل ہیں۔

"اقوام متحدہ کی دستاویزات میں لفظ "انسانی حقوق" کو لفظ قوم پر فوقیت حاصل ہے جس میں امتیازی سلوک سے اجتناب اور اقلیتوں کے تحفظ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان دستاویزات میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ قوم سے مراد مذہب و زبان اور نسل کی بنیاد پر جو سائز میں چھوٹا مگر قومی تشخص کا حامل ہو اور اپنی اس حیثیت کو برقرار رکھنے پر آمادہ ہو۔"[1]

آئین ملک کا بنیادی قانون ہے۔ آئین میں عام طور پر ایک ملک کا سماجی نظام اور قومی نظام کے بنیادی اصول، ریاستی اداروں کی تنظیموں اور سرگرمیوں کے بنیادی اصول، شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی ذمہ داریوں سمیت دیگر اہم مواد شامل ہوتے ہیں۔ جبکہ آئین کے بڑے حصے میں قومی پرچم، قومی ترانہ، قومی نشان، دارالحکومت نیز

[1] Masud, Dr. Muhammad Khalid, *Minority in Islamic History: An Analytical Study of Four Documents,* (South Africa: Journal for Islamic Studies, 2000), Vol.2O, 125-134.

حکمران طبقے کے خیال میں دوسرے اہم نظام جو ملک کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں بھی طے کرتے ہیں۔ آئین کو اعلیٰ درجے کے قانون کی حیثیت حاصل ہے اور دوسرے تمام قواعد وضوابط آئین کے مطابق مرتب کئے جاتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ نمبر ا کے مطابق تمام انسان برابر ہیں:

> All human beings are born free and equal in dignity and rights. They are endowed with reason and conscience and should act towards one another in a spirit of brotherhood.[1]

ترجمہ: تمام انسان آزاد پیدا کئے گئے ہیں۔ عزت و آبرو اور حقوق کے حوالے سے تمام انسان برابر ہے، انسان کو چونکہ عقل اور ضمیر (کی نعمت) دی گئی ہے اس وجہ سے اُس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے انسان کے ساتھ برادرانہ سلوک رکھیں۔

اسی طرح برمی آئین ۲۰۰۸ء کے مطابق تمام لوگ مساوی حقوق، یکساں طور پر قانونی تحفظ، غیر امتیازی سلوک اور مساوی طور پر ملازمت، پیشہ، کاروبار و تجارت کے حقدار ہیں۔ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۴۷، ۳۴۸اور۳۴۹میں لکھا ہے:

> 347. The Union shall guarantee any person to enjoy equal rights before the law and shall equally provide legal protection.

ترجمہ: یونین کسی بھی شخص کو قانون کے سامنے مساوی حقوق سے لطف اندوز ہونے کی ضمانت دے گی اور یکساں طور پر قانونی تحفظ فراہم کرے گی۔

> 348. The Union shall not discriminate any citizen of the Republic of the Union of Myanmar, based on race, birth, religion, official position, status, culture, sex and wealth.

ترجمہ: یونین جمہوریہ میانمار کے کسی بھی شہری کو نسل، پیدائش، مذہب، سرکاری مقام، حیثیت، ثقافت، جنس اور دولت کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرے گا۔

ان تمام عصری قوانین کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو دُنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کے ساتھ بھی امتیازی سلوک روا رکھنے سے منع کرتا ہے۔ اس لئے برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا کے ساتھ امتیازی سلوک کو ختم کرکے ان کے تمام جائز اور بنیادی انسانی حقوق ادا کریں۔ کیونکہ آج کی مہذب دنیا کا مقبول ترین نعرہ اور ساتھ ہی اس کا اہم ترین مسئلہ انسانی عزت وو قار کی بحالی، بنیادی حقوق کا تحفظ، احترام انسانیت اور مساوات اور برابری کا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو ایک نظر سے دیکھا جائے اور رنگ و نسل کی بنیاد پر ان کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہے۔ اور بنیادی انسانی حقوق میں سب سے پہلے انسان کی مذہبی آزادی ہے جس کی روسے تمام انسان اپنے عقیدے میں آزاد ہیں۔

---

[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) (United Nations 2015), 4. https://www.un.org/en/universal-declaration-human-rights/(Accessed July 30, 2020)

عقیدے کی آزادی اور عصری قوانین:

عقیدہ ہر شہری کا بنیادی اور انفرادی حق ہے۔ چنانچہ کسی شہری کے عقیدے کی نوعیت یا ماہیت پر ریاست یا کسی دوسرے شہری کو سوال اٹھانے کا حق نہیں اور نہ ہی کسی شہری کو اپنے عقیدے کی بنیاد پر کسی امتیاز کا شکار ہونا چاہیے۔ مہذب معاشروں میں آئین، قانون اور تمام ریاستی اداروں اور پالیسیوں میں عقیدے سے قطع نظر ہر شہری کو برابر کا رتبہ، حقوق، احترام اور مواقع ملنے چاہیں۔ عقیدہ فرد کے ضمیر سے تعلق رکھتا ہے۔ ریاست میں رہنے والے تمام شہری عقیدے کی آزادی کا حق رکھتے ہیں۔ عقیدے کی آزادی کا احترام ایک بنیادی انسانی حق ہے۔ بقائے باہمی، باہم احترام اور شخصی آزادی کے اصولوں کا تقاضا ہے کہ عقیدے کی بناء پر مخاصمت یا دشمنی کو ترک کر دیا جائے۔ دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزارے۔ جہاں مذہب، اظہار رائے، صحافت اور پُر امن اجتماع کی آزادیوں پر حملے کئے جاتے ہوں وہاں پر ہمیں تصادم، عدم استحکام اور دہشت گردی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کے برعکس ایسی حکومتیں اور ایسے معاشرے جو ان آزادیوں کے علم بردار ہوتے ہیں وہ زیادہ محفوظ، مستحکم اور پُر امن ہوتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق کے عالمی منشور کے دفعہ نمبر ۱۸ کے مطابق تمام انسانوں کو عقیدے کی آزادی حاصل ہے:

> Everyone has the right to freedom of thought, conscience and religion; this right includes freedom to change his religion or belief, and freedom, either alone or in community with others and in public or private, to manifest his religion or belief in teaching, practice, worship and observance.[1]

ترجمہ: ہر انسان (چاہے مرد ہو یا عورت) کو فکر، ضمیر اور مذہب کی آزدی کا پورا حق حاصل ہو گا۔ اور اس حق میں ہر انسان آزاد ہو گا کہ وہ مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور عوام میں یا انفرادی طور، اکیلے میں یا معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ مل کر اپنے عقیدے کی تبلیغ، اُس پر عمل، عقیدے پر ایمان لانے کی صورت میں اُس پر مقرر شدہ عبادات اور مذہبی رسومات آزادی کے ساتھ پورا کرنا بھی شامل ہے۔

دُنیا کے ہر مذہب معاشرے میں تمام انسانوں کو اپنے مذہب وعقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۴ کے پہلے حصے کے مطابق:

> 354. Every citizen shall be at liberty in the exercise of the following rights, if not contrary to the laws, enacted for Union security, prevalence of law and order, community peace and tranquility or public order and morality: a. to express and publish freely their convictions and opinions;[2]

---

[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 18.

[2] Myanmar's constitution of 2008, 98. https://www.constituteproject.org/constitution/Myanmar_2008.pdf?lang=en (Accessed July 31, 2020)

ترجمہ: یونین کی سلامتی، امن وامان کی وسعت، معاشرتی امن وسکون یا عوامی نظم وضبط اور اخلاقیات کے لئے نافذ کردہ قوانین کے برخلاف ہر شہری کو درج ذیل حقوق کے استعمال میں آزادی حاصل ہوگی۔ آزادانہ طور پر ان کے عقائد اور آراء کا اظہار اور شائع کرنا۔

ان عصری قوانین کی روشنی میں روہنگیا مسلمانوں کو مذہبی آزادی ملنی چاہیے۔ کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔ اور اپنی مذہبی عبادات، رسوم ورواج اور تہواروں میں مکمل طور پر آزاد ہوں۔ یہ برمی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ روہنگیا برادری کو مذہبی حقوق فراہم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس میں سب سے پہلے انسانی جان کی حفاظت ہے۔ کیونکہ مذہبی عبادات ادا کرنے میں بہت سے روہنگیا مسلمان شہید ہوئے ہیں۔

جان کی حفاظت اور عصری قوانین:

حقوق کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے اور اس کی بنیاد مختلف مذہبی، ثقافتی، فلسفیانہ اور قانونی نظریات پر ہے۔ بہت سی قدیم دستاویزات اور بعد میں آنے والے مذاہب اور فلسفوں میں مختلف تصورات پائے جاتے ہیں، جنھیں انسانی حقوق کہا جاسکتا ہے۔ کسی قوم کے حقوق بنیادی طور پر تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جان، مال اور مذہب ان کے علاوہ باقی حقوق ان کے تحت آجاتے ہیں۔ اس میں سب سے پہلا حق انسانی جان کی حفاظت ہے۔ جس کے بعد باقی تمام حقوق انسانی جان کے تحفظ کے بعد آجاتے ہیں۔ کیونکہ انسانی جان کی بقاء کے بعد ہی انسان باقی حقوق حاصل کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا حقدار بنتا ہے۔ انسانی جان کی حفاظت کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی عالمی منشور کی دفعہ نمبر ۳ میں لکھا ہے:

Everyone has the right to life, liberty and security of person.[1]

ترجمہ: ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

دنیا میں رہنے والے تمام انسانوں کا یہ بنیادی حق ہے کہ اس کی جان کی حفاظت کی جائے۔ اور یہی شق دنیا کی تمام آئین وقوانین کا حصہ ہے۔ جیسا کہ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۳ میں لکھا ہے:

353. Nothing shall, except in accord with existing laws, be detrimental to the life and personal freedom of any person. [2]

ترجمہ: موجودہ قوانین کے علاوہ کچھ بھی کسی بھی شخص کی زندگی اور شخصی آزادی کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا۔

برمی عوام کی جان کی حفاظت برمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے برمی حکومت کا فرض ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت کریں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے مال کا تحفظ بھی برمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

---

[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 8.
[2] Myanmar's constitution of 2008, 98.

مال کا تحفظ اور عصری قوانین:

انسان کے وہ بنیادی حقوق جو تمدنی زندگی میں انتہائی ضروری ہیں اور معاشرے کا کوئی فرد بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا، وہ یہ ہیں: انسانی جان کا تحفظ، مال کا تحفظ اور عزت کا تحفظ۔ ان بنیادی ضرورتوں کا تحفظ جو قومیں کرتی ہیں وہ ہر دور میں مہذب اور ترقی یافتہ کہلاتی ہیں۔ دنیا کے ہر قانون اور ہر نظام نے مال کے تحفظ پر زور دیا ہے۔ لوگ مال سے محبت کرتے ہیں اسی وجہ سے اس کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں۔ مال کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان اپنی حاجات پوری کرے۔ مال کمانا یا معاش کے ذرائع تلاش کرنا ہر معاشرے میں اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ زندگی کی بقاء جڑی ہوئی ہے۔

اگرچہ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے مال و جائیداد کو تحفظ حاصل نہیں لیکن یہ برمی آئین کا حصہ ہے کہ وہ اپنے عوام کے مال کی حفاظت کرے گی۔ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۶ میں لکھا ہے:

> The Union shall protect according to law movable and immovable properties of every citizen that are lawfully acquired. [1]

ترجمہ: یونین ہر شہری کو قانون کے مطابق منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی حفاظت کرے گی جو قانونی طور پر حاصل کی گئی ہو۔

اس قانون کے تحت روہنگیا مسلمانوں کا حق ہے کہ برمی حکومت ان کے مال وجائیداد کی حفاظت کرے۔ اور یہ نہ صرف برمی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے مال و جائیداد کی حفاظت کرے بلکہ بدھ مذہبی رہنما بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرے۔ کیونکہ معاشرے میں حکام کے بعد عوام کی اصلاح اور فلاح وبہبود کا کام مذہبی رہنماؤں کی ذمہ داری ہے۔

مذہبی رہنماؤں کا کردار اور عصری قوانین:

تمام مذاہب کے مذہبی پیشوا پر اگر طائرانہ نظر دوڑائی جائے تو ہدف اور مقصد یہی ہے کہ جامع پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرہ کی اصلاح ہے۔ ان مذہبی پیشواؤں کے بعد ان کے پیروکاروں کا بھی یہی مشن ہے کہ مذہبی، سماجی وسیاسی طور پر سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کرنا، معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں کا خاتمہ کرنا، قوم کے ہر فرد میں شعور پیدا کرنا اور معاشرے میں مسائل ومشکلات کو اجاگر کرکے ان مسائل کا حل ڈھونڈنا ان مذہبی رہنماؤں کا فریضہ ہے۔ ہر معاشرے میں حیات انسانی کو ایک ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ کی طرح مذہبی رہنما کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جو عوام کی زندگیوں کو نکھارنے، سجانے اور سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

---

[1] Myanmar’s constitution of 2008, 98.

برما میں بدھ بھکشوؤں کی ایسی تنظیم موجود ہے جو روہنگیا مسلمانوں کے مسائل میں اضافہ کر رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے مذہبی رہنما بھی موجود ہیں جو ان ظالم بدھ بھکشوؤں کے خلاف ہیں۔ اور وہ واقعی معاشرے کی اصلاح کے خواہاں ہیں۔ اور وہ کسی پر بھی ظلم کرنے یا ہونے کے خلاف ہیں۔ وہ اپنے مذہبی پیشوا گوتم بدھ کے اصولوں اور تعلیمات کے مطابق تمام جانداروں سے محبت اور ان پر رحم کرتے ہیں۔ ان کا مقصد معاشرے سے برائیاں ختم کرکے ایک پُر امن معاشرے کی بنیاد رکھنے میں ہے۔ ایسے رہنماؤں کا خصوصی کردار معاشرے سے نفرت اور تعصب کر ختم کرنے میں ہونا چاہیے۔ جس سے معاشرے میں امن و بھائی چارے کی فضا قائم ہو سکے۔

مذہبی تعصب اور عصری قوانین:

سیلاب، آندھی طوفان اور دوسری قدرتی آفات سے عمارتوں اور شہروں کو نقصانات پہنچتے ہیں لیکن وہ نقصان جو انسان نے مذہبی تعصب اور نسلی اور گروہی منافرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کو پہنچایا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ برما کی موجودہ صورتحال پر یہ قول صادق آتا ہے۔ برائیوں اور تعصب پر مبنی کوئی بھی نظام دنیا میں امن قائم نہیں کر سکتا ہے بلکہ انصاف اور سچ ہی سے امن قائم کیا جاسکتا ہے۔ اب جبکہ برمی معاشرے میں مذہبی تعصب بہت زیادہ ہے لیکن برمی قانون کے مطابق نسلی یا مذہبی برادریوں اور فرقوں کے مابین نفرت، دشمنی یا اختلافات کے جذبات کو فروغ دینا برمی آئین کے منافی ہے۔ جس کی سزا کے لئے ایک قانون نافذ کیا جاسکتا ہے۔ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۶۴ کے مطابق:

> 364. The abuse of religion for political purposes is forbidden. Moreover, any act which is intended or is likely to promote feelings of hatred, enmity or discord between racial or religious communities or sects is contrary to this Constitution. A law may be promulgated to punish such activity. [1]

ترجمہ: سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کا غلط استعمال منع ہے۔ مزید یہ کہ کوئی بھی عمل جس کا ارادہ ہے نسلی یا مذہبی برادریوں یا فرقوں کے مابین نفرت، دشمنی یا اختلافات کے جذبات کو فروغ دینے کا ارادہ ہے وہ اس آئین کے منافی ہے۔ اس طرح کی سرگرمی کو سزا دینے کے لئے ایک قانون نافذ کیا جاسکتا ہے۔

اس قانون کے تحت ان برمی بدھ بھکشوؤں کو سزا ملنی چاہیے جو نفرت انگیز تقاریر سے بدھوں بھکشوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت اور تعصب پھیلا رہے ہیں۔ اور ان کے درمیان دشمنی کو ہوا دینے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے برمی معاشرے میں مسائل کا انبار کھڑا ہو گیا ہے۔ اور ان مسائل میں ایک اہم مسئلہ روہنگیا مسلمانوں کا سیاسی مسئلہ ہے۔

---

[1] Myanmar's constitution of 2008, 99.

سیاسی مسائل اور عصری قوانین:

برمی حکمرانوں نے ہمیشہ سیاسی مسائل اور روہنگیا کے جائز تقاضوں کو جمہوری اور سیاسی بنیادوں پر طے کرنے کی بجائے تشدد کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔ برما میں جمہوریت کے نام پر ووٹوں کے ذریعے برسر اقتدار آنے والے آج غیر جمہوری اقدامات اور ظالمانہ تشدد کے چیمپئن بنے ہوئے ہیں۔ تشدد اور دباؤ کی یہ پالیسی کس قدر غیر مؤثر ہے۔ عوام کے مسائل دیکھ لیں وہ اپنی جگہ ساکت ہیں جبکہ ان مسائل کا حل ڈھونڈنے والوں کی سیاست ان کے مفادات کی چوکیدار ہے۔ دن بدن بڑھتی ہوئی مہنگائی، غربت و بیروزگاری، سیاسی و معاشی عدم استحکام، اور سیاستدانوں کی اخلاقی گراوٹ جیسے مہلک مسائل عوام کے لئے مزید تلخی کا باعث بن رہے ہیں۔

جمہوریت ایک بہترین نظام ہونے کے ناتے حکومت، ریاست اور عوام پر کچھ غیر معمولی ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے۔ سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ عوام روشن خیال، تعلیم یافتہ اور باشعور ہوں تاکہ وہ کسی بھی قیمت پر اپنے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے انہیں پامال نہ ہونے دیں اور اپنے حق حکمرانی کے تحفظ کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں، جبکہ ریاست کے اعضاء اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ریاست کی بہتری کے لئے کوشاں رہیں۔

برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی تنظیموں کو ختم کرنا انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے خلاف ہے۔ جس کے مطابق انجمنیں قائم کرنا یا زبردستی کسی کو کسی انجمن میں شامل کرنا بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ دفعہ نمبر ۲۰ میں لکھا ہے:

> (1) Everyone has the right to freedom of peaceful assembly and association. (2) No one may be compelled to belong to an association.[1]

(۱) امن کے ساتھ رہتے ہوئے ہر شخص کا یہ حق ہے کہ وہ آزادانہ طور پر دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور انجمنیں قائم کر سکتا ہے۔ (۲) کسی بھی شخص پر زبردستی نہیں کی جاسکتی وہ کسی تنظیم / انجمن میں شامل ہو جائے۔

اس سلسلے میں برمی حکومت کو چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو اپنی سیاسی تنظیمیں بنانے کی اجازت دے دیں۔ اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے سیاسی نمائندے منتخب کرکے اسمبلی میں بھیجے۔ اور یہی طریقہ عالمی جمہوریت میں رائج ہے۔

جمہوریت اور عصری قوانین:

دنیا بھر میں روز بروز اکثریت اور اقلیت کے تعلقات کار کی اہمیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ماضی میں جمہوریت کی تعریف کچھ یوں کی جاتی تھی کہ یہ ایسا نظام ہے جس میں عوام کی اکثریت کے منتخب کردہ نمائندے اقلیت پر حکومت کرتے ہیں یا پھر یوں بھی کہا جاتا ہے کہ جمہوریت عوام کی وہ حکومت ہوتی ہے جسے عوام ہی منتخب کرتے ہیں

[1]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 42.

اور عوام ہی چلاتے ہیں۔ مگر آج کل کی دنیا میں جمہوریت کی تعریف بھی تبدیل ہو رہی ہے اور اب یہ کہا جاتا ہے کہ جمہوریت ایسا نظام ہے جس میں حکومت تو اکثریت کی رائے کی بنیاد پر بنتی ہے لیکن یہ حکومت اس بات کی پابند ہوتی ہے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرے۔ تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں جب سے انسانی حقوق کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے اس وقت سے بہتر ملک وہ قرار دیا جاتا ہے جس میں اقلیت خوشحال زندگی ان کے سیاسی، معاشی اور مذہبی حقوق کا خیال رکھا جائے۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جسے آسان الفاظ میں عوام کی حکومت کہا جا سکتا ہے۔ آمریت کے برخلاف اس طرزِ حکمرانی میں تمام فیصلے عوامی نمائندے کرتے ہیں۔ لیکن برمی حکومت میں فوج کا غلبہ زیادہ ہے اور جنرل نیون کے اقتدار میں آنے کے بعد سے لے کر اب تک کی تمام جمہوری اور غیر جمہوری حکومتوں پر فوج کا اثرورسوخ بھاری رہا ہے۔ جس میں اقلیتوں کے جمہوری حقوق کو پامال کیا گیا۔ اور ان کی جمہوری رائے کو یکسر ختم کر دیا گیا۔ روہنگیا کو اپنی جمہوری رائے کے استعمال پر بھی پابندی لگا دی۔ اس لئے نہ تو وہ خود کسی الیکشن میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

جبکہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی عالمی منشور کی دفعہ نمبر ۲۱ کے مطابق:

> Everyone has the right to take part in the government of his country, directly or through freely chosen representatives.[1]

ترجمہ: ملکی حکومت میں براہ راست یا جمہوری طور پر منتخب نمائندوں کے ذریعے ہر شخص کو حصہ لینے کا پورا حق حاصل ہے۔

بالکل اسی طرح برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۶۹ میں بھی لکھا ہے:

> 369. a. Subject to this Constitution and relevant laws, every citizen has the right to elect and right to be elected to the Pyithu Hluttaw, the Amyotha Hluttaw, and the Region or State Hluttaw. [2]

ترجمہ: اس آئین اور متعلقہ قوانین کے تابع، ہر شہری کو پائیتو ہلٹو، امیوتھہ ہلٹو، اور ریجن یا اسٹیٹ ہلٹو میں منتخب ہونے کا حق حاصل ہے۔

اسی قانون کے تحت روہنگیا مسلمانوں کو بھی سیاست میں حصہ ملنا چاہیے۔ اور نہ صرف سیاست میں حصہ ملنا چاہیے بلکہ ان کو اپنی سیاسی تنظیمیں بنانے کا حق بھی ملنا چاہیے۔ اور برمی حکومت کو ان کے وہ تمام سیاسی حقوق جن کے وہ حقدار ہیں ان کو ادا کرنے چاہیے۔ جس سے روہنگیا مسلمانوں کے معاشرتی حقوق میں بھی کچھ حد تک ازلہ ہو جائے گا۔

---

[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 44.
[2] Myanmar's constitution of 2008, 99.

معاشرتی حقوق:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرما کر مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم فرما دیا پھر یہ انسان مل جل کر زندگی گزارنے لگا، یہاں سے سماجی زندگی کا آغاز ہوا۔ یہی سماج، معاشرہ اور سوسائٹی کہلاتا ہے۔ اس میں رہنے والے افراد فطری طور پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے زندگی گزارنے لگے۔ اب انسان میں جہاں تعاون کے مثبت جذبات ہیں جیسے ہمدردی، محبت، بھائی چارہ، ایثار و قربانی وغیرہ اسی طرح انسان میں منفی جذبات بھی ہیں جیسے نفرت، خودغرضی، لالچ، نفرت، حسد، کینہ وبغض اور دشمنی وغیرہ ان آپس میں ٹکرانے والے جذبات کے نتیجہ میں انسانوں کو ایسے اصولوں پر عمل کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس کے نتیجہ میں انسانوں کو سماجی تحفظ یعنی سوشل سیکورٹی حاصل ہو۔ ان معاشرتی حقوق کے حوالے سے برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۴ میں لکھا ہے:

> 354. Every citizen shall be at liberty in the exercise of the following rights, if not contrary to the laws, enacted for Union security, prevalence of law and order, community peace and tranquility or public order and morality:
> a. to express and publish freely their convictions and opinions;
> b. to assemble peacefully without arms and holding procession;
> c. to form associations and organizations; [1]

ترجمہ: یونین کی سلامتی، امن وامان کی وسعت، معاشرتی امن وسکون یا عوامی نظم وضبط اور اخلاقیات کے لئے نافذ کردہ قوانین کے برخلاف ہر شہری کو درج ذیل حقوق کے استعمال میں آزادی حاصل ہوگی۔

(a) آزادانہ طور پر ان کے عقائد اور آراء کا اظہار اور شائع کرنا۔

(b) پرامن طریقے سے بغیر ہتھیاروں کے جمع ہوں اور جلوس نکالیں۔

(c) انجمنوں اور تنظیموں کی تشکیل کے لئے

برمی آئین میں یہ تمام حقوق ہونے کے باوجود روہنگیا مسلمان ان تمام حقوق سے محروم ہیں۔ جبکہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۸ میں لکھا ہے:

> Everyone has the right to an effective remedy by the competent national tribunals for acts violating the fundamental rights granted him by the constitution or by law.[2]

ترجمہ: ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون کے خلاف دیے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے مؤثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

برمی حکومت کو چاہیے کہ وہ روہنگیا کے تمام معاشرتی حقوق ادا کریں۔ ان تمام معاشرتی حقوق میں ایک اہم حق انتظامی عہدے بھی ہیں جس سے روہنگیا مسلمان معاشرے میں اپنا مقام واضح کرسکتے ہیں۔

---

[1] Myanmar's constitution of 2008, 98.
[2]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 18.

انتظامی عہدوں پر اقلیتیں اور عصری قوانین:

دنیا میں کسی بھی ملک کا آئین شہریوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کی وضاحت کرتا ہے، اور گورننس، انتظامی اور قانون سازی کے طریقہ کار کے معاملے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن برمی حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کے شہری حقوق اور آزادی سلب کی ہے۔

حالانکہ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۲ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

> 352. The Union shall, upon specified qualifications being fulfilled, in appointing or assigning duties to civil service personnel, not discriminate for or against any citizen of the Republic of the Union of Myanmar, based on race, birth, religion, and sex. However, nothing in this Section shall prevent appointment of men to the positions that are suitable for men only. [1]

ترجمہ: مخصوص قابلیت کی تکمیل کے بعد، سول سروس کے اہلکاروں کو تقرری یا فرائض کی فراہمی میں میانمار کی جمہوریہ یونین کے کسی بھی شہری کے ساتھ، نسل، پیدائش، مذہب اور جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرے گی۔ تاہم، اس سیکشن میں کوئی بھی چیز ان عہدوں پر مردوں کی تقرری سے نہیں روکے گی جو صرف مردوں کے لئے موزوں ہیں۔

اسی طرح برمی آئین کے شق نمبر ۳۶۸ میں لکھا ہے:

> 368. The Union shall honour and assist citizens who are outstanding in education irrespective of race, religion and sex according to their qualifications. [2]

ترجمہ: یونین ان شہریوں کا اعزاز اور امداد کرے گی جو تعلیم، نسل، مذہب اور جنس سے قطع نظر ان کی اہلیت کے مطابق تعلیم میں نمایاں ہیں۔

انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ ۲۱ کے دوسرے حصے میں لکھا ہے:

> Everyone has the right to equal access to public service in his country.[3]

ترجمہ: اپنے ملک میں سرکاری نوکری حاصل کرنے کا حق ملک کے تمام باشندوں کو یکساں طور پر حاصل ہے۔

ان قوانین سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی عہدے کے لیے نسل، مذہب اور جنس سے قطع نظر اہلیت و قابلیت ہی کو دیکھا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں اقلیت و اکثریت کے مابین نفرت و تعصب کا قلع قمع کیا جاتا ہے۔ اور اقلیت و اکثریت کے مابین مسائل کو بڑھنے سے روکا جاتا ہے۔ اور اس سے ایک بہترین معاشرہ وجود میں آئے گا۔

---

[1] Myanmar’s constitution of 2008, 98.
[2] Ibid, 99.
[3] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 32.

اقلیت و اکثریت کے مابین مسائل کا حل اور عصری قوانین:

ایک انسان کا دوسرے کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے لئے لازمی ہے کہ وہ معاشرے میں اپنے فرائض کی بجاآوری کے لیے ہمہ وقت تیار رہے کیونکہ ایک انسان کے فرائض دوسرے انسان کے حقوق ہوا کرتے ہیں۔ معاشرے میں اقلیت اور اکثریت موجود ہوتے ہیں جن میں مختلف قسم کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ اگر برما میں اقلیت و اکثریت کا تناسب دیکھا جائے تو وہ کچھ اس طرح سے ہے۔ کہ برما کی ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ کی آبادی میں ۸۹ فیصد بودھ مت، ۴ فیصد مسلمان تقریباً ساڑھے ۲۲ لاکھ، ۴ فیصد عیسائی، ۱ فیصد ہندو اور ۲ فیصد دوسری قومیں آباد ہیں۔ معاشرے میں سب کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے جس کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۲۲ میں لکھا ہے:

> Everyone, as a member of society, has the right to social security and is entitled to realization, through national effort and international cooperation and in accordance with the organization and resources of each State, of the economic, social and cultural rights indispensable for his dignity and the free development of his personality.[1]

ترجمہ: ہر شخص کو معاشرے کے رکن کی حیثیت سے باقاعدہ معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اسی طرح یہ حق بھی ہے کہ مذکورہ شخص ملکی نظام اور فراہم شدہ وسائل کے موافق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے معاشی، معاشرتی اور تہذیبی حقوق حاصل کرے، جس کے بعد اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشوونما ممکن ہو۔

اس سلسلے میں برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۴ میں درج ہے:

> 354. Every citizen shall be at liberty in the exercise of the following rights, if not contrary to the laws, enacted for Union security, prevalence of law and order, community peace and tranquility or public order and morality: to develop their language, literature, culture they cherish, religion they profess, and customs without prejudice to the relations between one national race and another or among national races and to other faiths. [2]

ترجمہ: ہر شہری کو مندرجہ ذیل حقوق کے استعمال میں آزادی حاصل ہوگی، اگر وہ قوانین کے منافی نہ ہو، اگر وہ یونین کی سلامتی، امن وامان کی توسیع، معاشرتی امن وسکون یا عوامی نظم واخلاقیات کے لئے نافذ کیا گیا ہو: اپنی زبان، ادب، ثقافت کو فروغ دینے کے لئے وہ ایک قومی نسل اور دوسری قوم کے مابین یا قومی نسلوں اور دوسرے عقائد کے مابین تعلقات کو تعصب کے بغیر مذہب کے بارے میں دعوی کرتے ہیں، اور رواج رکھتے ہیں۔

اسی طرح برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳ میں درج ہے:

---

[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 46.
[2] Myanmar’s constitution of 2008, 98.

361. The Union recognizes special position of Buddhism as the faith professed by the great majority of the citizens of the Union.
362. The Union also recognizes Christianity, Islam, Hinduism and Animism as the religions existing in the Union at the day of the coming into operation of this Constitution.
363. The Union may assist and protect the religions it recognizes to its utmost.[1]

۳۶۱: یونین کے شہریوں کی اکثریت کے ماننے والے عقیدے کی حیثیت سے بدھ مت کے خصوصی مقام کو تسلیم کرتا ہے۔

۳۶۲: یونین آئین کے نفاذ کے دن سے عیسائیت، اسلام، ہندو مت اور ایمنزم کو مذاہب کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔

۳۶۳: یونین ان مذاہب کی مدد اور حفاظت کر سکتا ہے جو اسے اپنے اعلیٰ حد تک تسلیم کرتے ہیں۔

اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ برما میں اکثریت و اقلیت کو مانا گیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ برما میں اقلیتیں اور خصوصاً روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر حل کیا جائے۔ اور روہنگیا کے انسانی حقوق کے استحصال کو روکا جائے۔

انسانی حقوق کا استحصال اور عصری قوانین:

انسان اس دنیا میں تنِ تنہا نہیں رہ سکتا، وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے۔ اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور آفات و مصائب کے ازالے کے سلسلے میں دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے، اس قضیے کے پیش نظر ہر انسان کا یہ عقلی و طبعی حق بنتا ہے کہ دوسرا اس کی مدد کرے، اس کے حقوق و فرائض کا لحاظ رکھے۔ چونکہ ذاتی طور پر انسان کی حرمت، عزت اور ان کے برابری کے بنیاد پر ناقابل انتقال حقوق کو تسلیم کرنا دنیا میں آزادی، انصاف اور امن کی بنیاد ہے، اور انسانی حقوق سے لاپرواہی اور اُن کی بے حرمتی اکثر ایسے وحشیانہ افعال کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے جن سے انسانیت کے ضمیر کو سخت صدمے پہنچے ہیں۔ اور عام انسانوں کی بلند ترین آرزو یہ رہی ہے کہ ایسی دنیا وجود میں آئے جس میں تمام انسانوں کو اپنی بات کہنے اور اپنے عقیدے پر قائم رہنے کی آزادی حاصل ہو اور خوف اور احتیاج سے محفوظ رہیں، اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ انسانی حقوق کو قانون کی عملداری کے ذریعے محفوظ رکھا جائے۔ اس لیے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' منظور کر کے اس کا اعلانِ عام کیا۔ اس تاریخی کارنامے کے بعد اسمبلی نے اپنے تمام ممبر ممالک پر زور دیا کہ وہ بھی اپنے یہاں اس کا اعلانِ عام کریں اور اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لیں۔ اسی حوالے سے برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۴۸ میں درج ہے:

---

[1]Myanmar's constitution of 2008, 99.

348. The Union shall not discriminate any citizen of the Republic of the Union of Myanmar, based on race, birth, religion, official position, status, culture, sex and wealth.[1]

ترجمہ: یونین جمہوریہ میانمار کے کسی بھی شہری کو نسل، پیدائش، مذہب، سرکاری مقام، حیثیت، ثقافت، جنس اور دولت کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرے گا۔

اس سے مراد ہے کہ کسی بھی شخص کے حقوق کا استحصال نہیں کیا جائے گا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ برمی حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے آئین و قانون کی پیروی کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کے بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کریں۔ اور معاشرتی حقوق میں اہم حق آزادئ نقل و حرکت کی اجازت فراہم کریں۔

آزادانہ نقل و حرکت اور عصری قوانین:

دنیا میں ہر انسان آزاد رہنا چاہتا ہے اُس کی آزادی پر روک اُس کو گوارا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ آزادی انسانی فطرت کا ایک انمول پہلو ہے۔ آزادئ نقل و حرکت ہر انسان کا بنیادی حق ہے اسے قید کرنا دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۵ کے مطابق تمام برمی شہریوں کو نقل و حرکت اور ملک کے کسی حصے میں سکونت اختیار کرنے اور آباد ہونے کی مکمل آزادی دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی بھی شہری کو ملک میں کہیں جانے سے بلاوجہ روکنا غیر قانونی ہے۔

355. Every citizen shall have the right to settle and reside in any place within the Republic of the Union of Myanmar according to law. [2]

ترجمہ: ہر شہری کو قانون کے مطابق میانمار کی جمہوریہ یونین کے اندر کسی بھی جگہ آباد اور رہائش کا حق حاصل ہو گا۔

اسی طرح انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۹ اور ۱۳ کے مطابق:

9: No one shall be subjected to arbitrary arrest, detention or exile.[3]

ترجمہ: کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی سے گرفتار، نظر بند یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

13: (1) Everyone has the right to freedom of movement and residence within the borders of each State. (2) Everyone has the right to leave any country, including his own, and to return to his country.[4]

ترجمہ: (۱) ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور سکونت اختیار کرنے کی آزادی ہو۔

(۲) ہر ایک کو اپنے ملک سمیت کسی بھی ملک کو چھوڑنے اور اپنے ملک واپس جانے کا حق حاصل ہے۔

---

[1]Myanmar's constitution of 2008, 98.
[2]Ibid, 98.
[3]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 20.
[4]Ibid, 28.

جس سے واضح ہوتا ہے کہ ریاست کے اندر کسی بھی شہری پر بلا جواز قید و بند لاگو نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے آزادیٔ نقل و حرکت پر پابندی ہٹالیں۔ تاکہ وہ باقی امور کے ساتھ اپنی تعلیم کو مکمل کر سکیں۔

تعلیم اور عصری قوانین:

انسان میں شعور علم ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے اور شعور ہی کی کسوٹی پر کسی انسان کو تولا جاتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز علم و تعلیم کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہر عقل مند انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو علم و تعلیم کے زیور سے آراستہ کرے۔ اور اس میں کسی کو بھی کوئی رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اور ان کو ہائی سکول اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے روکا جاتا ہے۔ جبکہ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۶۶ میں ہے:

366. Every citizen, in accord with the educational policy laid down by the Union:
a. has the right to education;
b. shall be given basic education which the Union prescribes by law as compulsory;
c. have the right to conduct scientific research explore science, work with creativity and write to develop the arts and conduct research freely other branches of culture. [1]

ترجمہ: ہر شہری، یونین کے ذریعہ وضع کردہ تعلیمی پالیسی کے مطابق:

(a) تعلیم کا حق ہے۔

(b) بنیادی تعلیم دی جائے گی جسے یونین لازمی طور پر قانون کے ذریعہ لکھتا ہے۔

(c) سائنسی تحقیق کرنے، سائنس کو دریافت کرنے، تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ کام کرنے اور فنون کی نشوونما کے لکھنے اور ثقافت کی دوسری شاخوں کو آزادانہ طور پر تحقیق کرنے کا حق ہے۔

مرد ہو یا عورت، ہر انسان اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے تعلیم پانے کا حق رکھتا ہے۔ ہر فرد اپنی شخصیت کی تعمیر و ترقی کے لیے تمام مواقع میں آزاد ہے کہ کوئی بھی پیشہ اختیار کرے۔ اس کو انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۲۶ میں ایسے لکھا گیا ہے:

26(1) everyone has the right to education. Education shall be free, at least in the elementary and fundamental stages. Elementary education shall be compulsory. Technical and professional education shall be made generally available and higher education shall be equally accessible to all on the basis of merit. (2) Education shall be directed to the full development of the human personality and to the strengthening

[1] Myanmar's constitution of 2008, 99.

of respect for human rights and fundamental freedoms. It shall promote understanding, tolerance and friendship among all nations, racial or religious groups, and shall further the activities of the United Nations for the maintenance of peace. (3) Parents have a prior right to choose the kind of education that shall be given to their children.[1]

ترجمہ:(۱) ہر ایک کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہو گی، کم از کم ابتدائی اور بنیادی مراحل میں۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہو گی۔ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم عام طور پر دستیاب کی جائے گی اور میرٹ کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم سب کے لئے یکساں طور پر قابل رسائی ہو گی۔

(۲) با مقصد تعلیم ہو گی جس سے انسان کی شخصیت کی پوری نشوونما ہو گی۔ جو انسان کے حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ، اقوام عالم اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی رواداری، مفاہمت اور دوستی کو ترقی دینی والی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کے سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(۳) بچوں کے بارے میں والدین یہ حق محفوظ رکھتے ہیں کہ وہ اُن کو کس قسم کی تعلیم دیتے ہیں۔

ان قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے برمی حکومت کو چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے کر برمی معاشرے میں روہنگیا کا مقام بلند کریں۔ جس سے برمی معاشرے کی ترقی میں اضافہ ہو گا۔ عوام کی معیارِ زندگی بلند ہو گی اور برمی حکومت فلاحی ریاست بنا کر عوامی ٹیکسوں سے عوام کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرے گی۔

من مانی ٹیکس اور عصری قوانین:

فلاحی ریاست کے مالی نظام میں حکومت کی آمدنی کا انحصار پبلک فنڈ زیعنی ٹیکسوں اور دیگر محصولات پر ہوتا ہے۔ اور یہی آمدنی شہریوں کی فلاح و بہبود کے پروگراموں اور انفراسٹرکچر کی ترقی پر خرچ کی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر کامیاب فلاحی ریاست کی بنیاد جمہوریت پر قائم ہوتی ہے۔ چونکہ حکومت کی آمدنی کا انحصار پبلک فنڈز پر ہوتا ہے لہٰذا حکومتیں عوام کے سامنے جواب دِہ ہوتی ہیں۔ فلاحی ریاستوں کے مالیاتی نظام میں پبلک سے فنڈز وصول کرتے وقت پروگریسوِ ٹیکس سسٹم کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے تاکہ امیروں سے زیادہ سے زیادہ اور غریبوں سے کم سے کم ٹیکس وصول کیا جائے۔ اور اس رقم سے غریبوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات بہم پہنچائی جاسکیں تاکہ دولت کی مساوی اور وسائل کی منصفانہ تقسیم ہو سکے اور طبقاتی فرق کو ختم کیا جاسکے۔

برما میں روہنگیا مسلمان چونکہ انتہائی غربت کی زندگی گزار رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان سے من مانی ٹیکس اور بلاجواز جرمانے لیے جاتے ہیں۔ جو کہ ایک غیر قانونی اور غیر آئین امر ہے۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۸۹، اور ۳۷۳ میں درج ہے:

[1]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 54.

389. Every citizen has the duty to pay taxes to be levied according to the law. [1]

ترجمہ: ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ قانون کے مطابق ٹیکس ادا کرے۔

373. Any person who committed a crime shall be convicted only in accord with the relevant law then in operation. Moreover, he shall not be penalized to a penalty greater than that is applicable under that law.[2]

ترجمہ: کوئی بھی شخص جس نے کوئی جرم کیا ہے، اس کے متعلقہ قانون کے مطابق ہی کارروائی کی جائے گی۔ مزید یہ کہ اس قانون سے اس کا اطلاق اس سے زیادہ جرمانے میں نہیں ہوگا۔

جس سے صاف پتا چلتا ہے کہ نہ تو کسی سے غیر قانونی ٹیکس لیا جاسکتا اور نہ ہی بلاجواز جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ ان قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے روہنگیا سے من مانی ٹیکس اور جرمانے ختم کریں۔ اور کے ساتھ ساتھ ان کی ملکیتی زمین پر ناجائز قبضے ختم کریں۔ جس سے روہنگیا مسلمانوں کی زندگیوں میں بہتری آئے۔

ملکیتِ زمین کا مسئلہ اور عصری قوانین:

ہر عقل مند انسان اپنی محنت اور جائز کمائی کے ذریعے اپنے لیے جائیداد بنانا چاہتا ہے۔ اس کو اپنی جائیداد کے استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ یہ مالک جائیداد کا تسلیم شدہ حق ہے۔ لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کے ملکیتی زمینوں پر برمی حکام نے ناجائز قبضے کیے ہیں۔ جس کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۱۷ میں درج ہے:

(1) Everyone has the right to own property alone as well as in association with others.
(2) No one shall be arbitrarily deprived of his property.[3]

ترجمہ: (۱) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق حاصل ہے۔

(۲) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۶ اور ۳۵۷ میں درج ہے:

356. The Union shall protect according to law movable and immovable properties of every citizen that are lawfully acquired. [1]

ترجمہ: یونین ہر شہری کو قانون کے مطابق منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کی محافظ ہے جو قانونی طور پر حاصل کی گئی ہو۔

357. The Union shall protect the privacy and security of home, property, correspondence and other communications of citizens under the law subject to the provisions of this Constitution. [2]

---

[1]Myanmar's constitution of 2008, 101.
[2]Ibid, 100.
[3]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 36.
[1]Myanmar's constitution of 2008, 98.
[2]Ibid, 99.

ترجمہ: یونین اس آئین کی شقوں کے تحت قانون کے مطابق شہریوں کی گھر، جائیداد، خط و کتابت اور دیگر مواصلات کی رازداری اور حفاظت کا تحفظ کرے گی۔

ان قوانین کی رو سے برمی حکومت بھی روہنگیا مسلمانوں کے ملکیتی زمینوں پر ناجائز قبضہ چھوڑ کر ان کو ان کی زمینیں واپس کریں۔ جس سے ان کے معاشرے میں امن ترقی ہو گی اور برمی معاشرہ میں فلاحی نظام قائم ہو گا۔

فلاحی نظام اور عصری قوانین:

فلاحی ریاست ایسی مملکت کو کہا جاتا ہے جس میں شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق اور اُن کی سماجی ترقی، معاشی خوش حالی اور زندگی گزارنے کے لئے بنیادی سہولیات کی فراہمی ریاست کی اوّلین ذمّہ داری ہوتی ہے۔ فلاحی ریاست کا ڈھانچہ، ایسے جمہوری اصولوں پر استوار کیا جاتا ہے، جن میں اس امر کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ ریاست کا کوئی بھی شہری بنیادی انسانی حقوق، اور شہری آزادیوں سے محروم نہ رہے اور ہر شہری کو زندگی کی بنیادی سہولیات بلا امتیاز میسّر ہوں۔

اس برعکس برما میں روہنگیا مسلمانوں پر عرصہ دراز سے انتہائی سنگین اور انسانیت سوز مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ انسانی حقوق کی چیمپئن نوبل انعام یافتہ اور برما میں جمہوریت کی علامت آنگ سان سوچی محض فوجی حکام کی خوشنودی اور بدھ اکثریت کے خوف سے اس صورتحال پر خاموش ہے، کیونکہ پارلیمانی انتخابات میں وہ بدھ اکثریت کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتی۔ فلاحی ریاست کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۱۹ میں درج ہے:

> Everyone has the right to freedom of opinion and expression; this right includes freedom to hold opinions without interference and to seek, receive and impart information and ideas through any media and regardless of frontiers.[1]

ترجمہ: تمام انسان اپنی مرضی کی رائے رکھنے اور اس کے اظہار کا مکمل اور پورا حق رکھتے ہیں۔ اس حق میں یہ صورت بھی شامل ہے کہ بغیر کسی دباؤ کے آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا قیام اور ہر ممکن طریقوں سے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے، علم اور خیالات کی جستجو کر کے اس علم و خیال کی اشاعت کرے۔

معاشرہ ہی میں رہ کر انسانی شخصیت کی آزادانہ نشو و نما ہوتی ہے اس لیے انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور میں درج ہے:

> 29.(1) Everyone has duties to the community in which alone the free and full development of his personality is possible. (2) In the exercise of his rights and freedoms, everyone shall be subject only to such limitations as are determined by law solely for the purpose of securing

[1]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 40.

due recognition and respect for the rights and freedoms of others and of meeting the just requirements of morality, public order and the general welfare in a democratic society.[1]

ترجمہ:۲۹(ا) ہر ایک کے فرائض اس برادری کے ساتھ ہیں جس میں صرف اس کی شخصیت کی آزاد اور مکمل ترقی ممکن ہے۔(۲) ہر انسان پر اتنی سی پابندی ہے کہ آپنی ازادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں یہ بات ملحوظ نظر ہو کہ اس سے دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کا احترام کرے اور انہیں تسلیم کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کئے گئے ہیں۔ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۶۰(b) اور ۳۷۰ میں درج ہے:

360. b. The freedom of religious practice so guaranteed shall not debar the Union from enacting law for the purpose of public welfare and reform.[2]

ترجمہ: ۳۶۰(b) اس بات کی ضمانت دی گئی کہ مذہبی رواج کی آزادی یونین کو عوامی فلاح وبہبود اور اصلاح کے مقصد سے قانون بنانے سے منع نہیں کرے گی۔

370. Every citizen has, in accord with the law, the right to conduct business freely in the Union, for national economic development.[3]

ترجمہ: ہر شہری کو، قانون کے مطابق، قومی معاشی ترقی کے لئے یونین میں آزادانہ طور پر کاروبار کرنے کا حق ہے۔

ان قوانین کی رو سے اگر برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دیتے ہیں تو وہ بھی برمی معاشرے کے مفید باشندے بن سکتے ہیں۔ اور یہ حقوق ان کے عالمی سطح پر تسلیم شدہ قانونی اور آئینی حقوق ہیں۔ اور اس سے برمی ریاست ایک کامیاب فلاحی ریاست بنے گی۔ جس میں ہر شخص کو اپنے حقوق وفرائض کا علم ہونے کے ساتھ اس سے مستفید ہو گا۔ فلاحی ریاست میں عوام کو اپنے مذہب کے مطابق اپنے رسوم ورواج، شادی بیاہ وغیرہ ادا کرنے میں آزادی ہوتی ہے۔

شادی کے مسائل اور عصری قوانین:

ایک پاکیزہ سماج میں یہ ضروری ہے کہ شادی کے قابل لوگ زیادہ دیر مجرد نہ رہیں تاکہ بلاوجہ کی شہوانی لہر سماج کی فضا کو زہر آلودہ نہ کر سکے۔ شادی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے لئے سکون واطمینان کے ساتھ مودت و رحمت وہ بنیادی چیز ہے جو انسانی نسل کے برقرار رہنے کے علاوہ انسانی تہذیب وتمدن کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس کی بدولت گھر بنتا ہے، خاندان اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔ اور اس کی بدولت انسانی زندگی میں تمدن کا نشو ونما ہوتا ہے۔ اسی لئے شادی ایک سماجی حق بھی ہے۔

[1]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 60.
[2]Myanmar's constitution of 2008, 99.
[3]Ibid, 100.

جبکہ برمی حکومت نے روہنگیا مسلمانوں کی شادی کے لیے مختلف قسم کے قانون وضوابط طے کیے ہیں جو کہ نامناسب اور غیر قانونی ہیں۔اس کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے دفعہ نمبر ۱۲ میں لکھا ہے:

> No one shall be subjected to arbitrary interference with his privacy, family, home or correspondence, nor to attacks upon his honour and reputation. Everyone has the right to the protection of the law against such interference or attacks.[1]

ترجمہ: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائی گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کئے جائیں گے، ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

اس قانون کے تحت برمی حکومت کو بھی روہنگیا مسلمانوں کی شادی میں غیر قانونی پابندیاں اور رکاوٹیں ہٹانی چاہیے۔اور ان کو اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مذہب اور رسوم ورواج کے مطابق اپنی شادیوں کا اہتمام کریں۔مذہب معاشروں میں شادی جیسے اہم فریضے کو سرانجام دینے کے لیے جتنے بھی قوانین بناتے ہیں اس میں اس برادری کے مذہب کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس کے لیے اصول وضوابط طے ہوتے ہیں جس کے مطابق ان کی شادیاں طے پاتی ہیں۔

عصری قوانین میں نکاح کو انجام دینے کیلئے اہم امور:

شادی کا مفہوم مختلف معاشروں میں مختلف ہوتا ہے۔البتہ شادی کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی بھی معاشرے میں وہ رسوم یا قانونی معاہدہ جس کی وجہ سے معاشرہ، قانون اور مذہب مرد وعورت کے مابین ازدواجی تعلق کو قبول کرتا ہے۔اور ان سے پیدا ہونے والے بچوں کو شناخت اور قانونی تحفظ ملتا ہے۔

مختلف معاشروں میں شادی کے امور مختلف ہوتے ہیں۔لیکن عمومی طور پر اس کی دو مشہور اقسام مذہبی شادی اور سیول شادی ہیں۔مذہبی شادی مذہب کے اصول و قوانین کے تحت طے پاتی ہے جبکہ سیول شادی میں مذہبی اجازت کو شامل نہیں کیا جاتا۔

شادی میں فریقین کی رضامندی اور مذہبی امور کو مدنظر رکھ کر شادیاں ہوتی ہیں۔انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۱۶ میں اس حوالے سے درج ہے:

> (1) Men and women of full age, without any limitation due to race, nationality or religion, have the right to marry and to found a family. They are entitled to equal rights as to marriage, during marriage and at its dissolution. (2) Marriage shall be entered into only with the free and full consent of the intending spouses. (3) The family is the natural and fundamental group unit of society and is entitled to protection by society and the State.[1]

---

[1]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 26.
[1]Ibid, 34.

(۱) انسان (چاہے مرد ہو یا عورت) جب بالغ ہو جائے تو اسے یہ حقوق حاصل ہونگے۔ نکاح (شادی)، گھر بسانا اور طلاق۔ اور اس باب میں رنگ، نسل، مذہب اور قوم رکاوٹ نہیں بن سکتی، نکاح اور طلاق کے معاملہ میں مرد و عورت برابر کے حقوق رکھنے والے ہوں گے۔ (۲) نکاح فریقین کی پوری اور آزاد رضامندی سے ہو گا۔ (۳) خاندان، معاشرے کی ایک فطری اور اہم اکائی کی حیثیت سے خاندان کی تحفظ ریاست اور معاشرے دونوں کی ذمہ داری ہے۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۴۸ میں امتیازی سلوک روانہ رکھنے کے بارے میں درج ہے:

> 348. The Union shall not discriminate any citizen of the Republic of the Union of Myanmar, based on race, birth, religion, official position, status, culture, sex and wealth.[1]

ترجمہ: یونین جمہوریہ میانمار کے کسی بھی شہری کو نسل، پیدائش، مذہب، سرکاری مقام، حیثیت، ثقافت، جنس اور دولت کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرے گا۔

اس قانون کے تحت صرف روہنگیا مسلمانوں پر عائد پابندیاں ہٹا کر ان کے مذہب کے مطابق شادی کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔ جس سے ان کے معاشرے میں مساوات پروان چڑھ کر ایک پُر امن اور خوشحال معاشرہ بنے گا۔ کیونکہ یہ مساوات کے خلاف ہے کہ اقلیت کے لئے الگ قانون اور اکثریت کے لیے الگ قانون ہو۔

مساوات اور عصری قوانین:

مساوات تمام انسانوں کی برابری کا تصور دیتی ہے۔ جس میں انسانوں کو معاشی، سیاسی، سماجی، مذہبی، فکری اور صنفی ہر اعتبار سے برابری کا تصور دیتی ہے اور یہ انسان کا بنیادی حق ہے۔ دنیا میں بہترین نظام وہ ہے جس میں سب کے حقوق یکساں ہوں۔ یہ نہیں کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر کے کسی کو مراعات و امتیازات سے نوازا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر دبایا، پیسا اور لوٹا جائے۔ اس کے برعکس برما میں روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اور ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ جس کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۷ میں درج ہے:

> All are equal before the law and are entitled without any discrimination to equal protection of the law. All are entitled to equal protection against any discrimination in violation of this Declaration and against any incitement to such discrimination.[1]

ترجمہ: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور قانون کے اندر سب بغیر کسی تفریق کے اس بات میں یکساں حق رکھتے ہیں کہ وہ امان پائے۔ عالمی منشور کے اعلان کے خلاف جس طریقے سے بھی تفریق کا معاملہ کیا گیا یا اس کی ترغیب دی گئی، تو اس سے تمام انسان بچاؤ کے برابر کے حق دار ہیں۔

---

[1] Myanmar's constitution of 2008, 98.
[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 16.

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۴۷ میں درج ہے:

347. The Union shall guarantee any person to enjoy equal rights before the law and shall equally provide legal protection. [1]

ترجمہ: یونین کسی بھی شخص کو قانون کے سامنے مساوی حقوق سے لطف اندوز ہونے کی ضمانت دے گی اور یکساں طور پر قانونی تحفظ فراہم کرے گی۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کے مطابق تمام انسان برابر ہیں لیکن برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتی ہے جو کہ ان کے آئین کی خلاف ورزی ہے۔ برمی حکام کو چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرے جیسے باقی برمی عوام کو ان کے جائز حقوق میسر ہیں، اسی طرح روہنگیا مسلمانوں کو بھی وہی حقوق ملنے چاہیے۔ معاشرتی حقوق میں سب سے اہم شہریت ہے کہ روہنگیا مسلمان صدیوں سے برما کی ریاست اراکان کے مستقل باشندے ہیں۔ اور یہ ان کا بنیادی انسانی حق ہے کہ ان کو برمی شہریت دی جائے۔

شہریت اور عصری قوانین:

برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو برمی شہری نہیں مانتی اور اس وجہ سے مسلمان نفرت، امتیازی سلوک اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا شکار ہیں۔ یہ قانون ۱۹۸۲ء میں جنرل نیون نے وضع کر کے روہنگیا مسلمانوں کو بے وطن کر دیا تھا۔ جس کے بعد وہ دنیا کے کسی بھی ملک کے شہری نہیں رہے۔ اور وہ دنیا کے مختلف ممالک کو ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور برمی حکام روہنگیا کو دوسرے ممالک میں پناہ لینے پر مجبور کر رہے ہیں۔ برما کے صدر تھین سین نے اقوام متحدہ سے کہا کہ:

"برما میں موجود دس لاکھ مسلمانوں کو دوسرے ملکوں میں بسایا جائے جبکہ دوسرا کوئی ملک انھیں اپنانے کو تیار ہی نہیں۔"[1]

انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۱۵ کے مطابق:

(1) Everyone has the right to a nationality. (2) No one shall be arbitrarily deprived of his nationality nor denied the right to change his nationality.[2]

ترجمہ: (۱) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (۲) کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۴۵، ۳۴۶ کے مطابق شہریت کے لیے وضع کردہ قانون اس طرح ہے:

345. All persons who have either one of the following qualifications are citizens of the Republic of the Union of Myanmar:

---

[1]Myanmar's constitution of 2008, 98.
[1] https://www.mukaalma.com/8967/(Accessed August 10, 2020)
[2]Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 32.

a. person born of parents both of whom are nationals of the Republic of the Union of Myanmar;
b. person who is already a citizen according to law on the day this Constitution comes into operation. [1]

ترجمہ: وہ تمام افراد جن میں سے کسی ایک میں بھی ایک اہلیت ہے وہ میانمار کی یونین کے جمہوریہ کے شہری ہیں:

(a) پیدا ہونے والے کے والدین دونوں ہی میانمار کے یونین کے جمہوریہ کے شہری ہوں۔

(b) اس آئین کے نفاذ آنے کے دن جو شخص قانون کے مطابق پہلے ہی شہری ہے۔

346. Citizenship, naturalization and revocation of citizenship shall be as prescribed by law. [2]

ترجمہ: شہریت، شہریت دینے کا عمل اور شہریت کو منسوخ کرنا قانون کے مطابق مقرر ہو گا۔

اس قانون کے مطابق روہنگیا مسلمان جو صدیوں سے ریاست اراکان کے شہری ہیں ان کی شہریت کو ختم کر کے ان کو غیر قانونی بنگالی مہاجرین کہا گیا۔ بین الاقوامی قانون کے مطابق روہنگیا مسلمان برمی شہریت کی صحیح حقدار ہیں۔ ان کو برمی شہریت دے کر معاشرے کا مفید شہری بنایا جائے۔ تاکہ وہ ملکی معیشت میں حصہ لے کر ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اور ملکی معاشی مسائل کو حل کرنے میں ممدومعاون ثابت ہو سکے۔

معاشی مسائل کا حل اور عصری قوانین:

انسانی زندگی میں معاشی جدوجہد کی اہمیت کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ دنیاوی زندگی میں سب سے اہم اور ضروری چیز جس کی بدولت تمدن میں انسان کی منزلت قائم ہوتی ہے اور جس کے ذریعے وہ اپنی منزلت کو برقرار رکھتا ہے۔ وہ اس کی معاشی حیثیت کی مضبوطی ہے۔ فلاحی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کو بنیادی معاشی ضروریات اور معاشی حقوق فراہم کرے۔ لیکن برما میں روہنگیا مسلمانوں کو معاشی طور پر بہت کمزور کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے

بیرونی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ جبکہ برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۴۹ کے مطابق:

349. Citizens shall enjoy equal opportunity in carrying out the following functions:
a. public employment; b. occupation; c. trade; d. business; e. technical know-how and vocation.[1]

ترجمہ: شہری مندرجہ ذیل کاموں کو انجام دینے میں یکساں مواقع سے لطف اندوز ہوں گے۔(a) سرکاری ملازمت،(b) پیشہ، (c) تجارت،(d) کاروبار۔

اسی طرح انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۲۳(۱،۲) میں درج ہے:

[1]Myanmar's constitution of 2008, 97.
[2]Ibid, 98.
[1]Ibid.

(1) Everyone has the right to work, to free choice of employment, to just and favourable conditions of work and to protection against unemployment. (2) Everyone, without any discrimination, has the right to equal pay for equal work.[1]

ترجمہ:(۱) ہر شخص کو کام کاج اور اس کی معقول و مناسب شرائط، آزادانہ طریقے سے روزگار کے انتخاب، اور ہر مرحلے پر بے روزگاری کے خلاف حق تحفظ حاصل ہے۔(۲) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی بدلے کا حق ہے۔

برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے معاشی مسائل حل کرنے میں سنجیدگی سے کام لیں۔ روہنگیا مسلمانوں کے بچوں، بوڑھوں اور جوانوں سے جبری مشقت کو ختم کر کے ان کے معاشی حقوق کو ادا کریں۔

جبری مشقت اور عصری قوانین:

برمی حکام نے ہزاروں کی تعداد میں روہنگیا مسلمانوں کو وحشیانہ حالات میں جبری مشقت پر معمور کیا ہے۔ مہاجرین کیمپوں اور قید خانوں کی اولین تنصیبات کے قیام سے ہی جبری مشقت عقوبتی کیمپوں کے نظام کا خاصہ رہا ہے۔ یہ جبری مشقت اکثر بے معنی اور ذلت آمیز ہوتی ہیں اور قیدیوں کو بغیر کسی مناسب ساز و سامان، کھانا کپڑا اور آرام کے مشقت پر مجبور کیا جاتا ہے۔

جبری مشقت کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۲۳(۳) میں درج ہے:

(3) Everyone who works has the right to just and favourable remuneration ensuring for himself and his family an existence worthy of human dignity, and supplemented, if necessary, by other means of social protection.[1]

(۳) بندہ جو کام کرتا ہے اس کام کے بدلے کے طور پر وہ معقول و مناسب تنخواہ کا حق رکھتا ہے، جس میں خود اس کے اور اس کے زیر نگرانی تمام افراد کے لیے ایک باعزت زندگی کی ضمانت ہو۔ اور اگر ضرورت محسوس کی جائے تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذرائع سے اس کی تنخواہ میں اضافہ کیا جا سکے۔

جبری مشقت غلامی کی ہی ایک قسم ہے جس کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۴ میں درج ہے:

No one shall be held in slavery or servitude; slavery and the slave trade shall be prohibited in all their forms.[2]

ترجمہ: کسی بھی انسان کو غلام نہیں بنایا جائے گا اسی طرح لونڈی بنانے کی بھی اجازت نہیں ہو گی۔ انسانی جانوں کی تجارت اور غلامی کی جو بھی شکل ہو، قطعاً ممنوع ہو گی۔

---

[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 48.
[1] Ibid.
[2] Ibid, 10.

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۹ میں واضح طور پر جبری مشقت سے منع کیا گیا ہے:

359. The Union prohibits forced labor except hard labor as a punishment for crime duly convicted and duties assigned by the Union in accord with the law in the interest of the public. [1]

ترجمہ: یونین جبری مزدوری سے منع کرتی ہے سوائے اس سخت مزدوری کے جو ثابت شدہ جرم کی پاداش میں سزا کے طور پر یا پھر یونین کی طرف سے قانون کے مطابق عوامی مفاد میں جاری کردہ ذمہ داری کے طور پر دی جائے۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۸ میں افراد کو غلامی میں رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے:

358. The Union prohibits the enslaving and trafficking in persons. [2]

ترجمہ: یونین افراد میں غلامی اور اسمگلنگ کی ممانعت کرتا ہے۔

ان تمام قوانین کی رو سے برمی حکومت کو روہنگیا مسلمانوں سے جبری مشقت ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اور ان کو معاشی مواقع دینے کے لیے پالیسی بنانی چاہیے۔ روہنگیا برادری کے کچھ افراد مزدوری کر کے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ جس میں ان پر ظلم و جبر کیا جاتا ہے۔ ان کو پوری مزدوری نہیں ملتی یا مزدوری کے عوض ان سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ جو کہ ملکی آئین و قانون کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی قوانین کے بھی خلاف ہے۔ اس سلسلے میں برمی حکومت کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کے معاشی مسائل حل ہونے میں مدد مل سکے۔

مزدوروں کے حقوق اور عصری قوانین:

کسی ملک کی معاشی ترقی میں مزدور طبقہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مزدوروں کی صحت اور فلاح و بہبود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کو آرام، کھانے اور مذہبی سرگرمیوں کے مناسب وقفوں کی سہولت لازمی ملنی چاہیے۔ کیونکہ پائیدار امن صرف معاشرتی انصاف کے ذریعے ہی دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بارے میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کی دفعہ نمبر ۲۴ میں درج ہے:

Everyone has the right to rest and leisure, including reasonable limitation of working hours and periodic holidays with pay.[1]

ترجمہ: (انسان کی بنیادی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے) ہر انسان کو فرصت کے لمحات اور آرام کا حق ہے جس میں (کسی کے پاس کام کرتے ہوئے) کام کے اوقات کی حد بندی اور معاوضے کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

---

[1] Myanmar’s constitution of 2008, 99.
[2] Ibid.
[1] Universal Declaration of Human Rights (UDHR) United Nations 2015, 50.

اس قانون میں مزدوروں کے بنیادی حقوق بیان ہوئے ہیں کہ ان کی چھٹی اور دوران کام کچھ وقت کے لیے آرام کرنے، کام کرنے کے اوقات اور تنخواہ کا تعین ضروری ہے۔ جس سے مزدور طبقہ کو سہولیات میسر آسکیں اور وہ بھی اپنی زندگی میں خوشی اور آرام سے لطف اندوز ہو سکیں۔

برمی آئین ۲۰۰۸ء کی دفعہ نمبر ۳۵۰ میں کام کرنے والی خواتین کے بارے میں درج ہے:

350. Women shall be entitled to the same rights and salaries as that received by men in respect of similar work. [1]

ترجمہ: عورتیں وہی حقوق اور تنخواہوں کے حقدار ہوں گی جو مردوں کو ملتے جلتے کاموں کے سلسلے میں ملتی ہیں۔

برمی آئین میں عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرکے کام کرنے والی خواتین کے حقوق کو واضح کیا گیا ہے۔ کام کرنے والوں اور مزدوروں میں مردوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور عموماً ان کے حقوق کی ادائیگی بھی خواتین کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن برمی معاشرے میں روہنگیا مسلمان مزدوروں پر جو ظلم وستم جاری ہے۔ اس کو ختم کرکے برمی حکومت ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ جس سے برمی معاشرے میں امن وخوشحالی کے ساتھ ترقی کرے گی۔ اور برمی عوام کی معیار زندگی بلند ہو گی۔

عقیدہ ہر شہری کا بنیادی اور انفرادی حق ہے۔ ریاست میں رہنے والے تمام شہری عقیدے کی آزادی کا حق رکھتے ہیں۔ کسی قوم کے حقوق بنیادی طور پر تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جان، مال اور مذہب ان کے علاوہ باقی حقوق ان کے تحت آجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی رہنماؤں کا کردار معاشرے میں مذہبی، سماجی وسیاسی طور پر سوئے ہوئے ضمیروں کو بیدار کرنا اور معاشرے میں مسائل ومشکلات کو اجاگر کرکے ان مسائل کا حل ڈھونڈنا ہے۔ اور معاشرے سے مذہبی تعصب کو دور کرکے ایک خوش حال اور پُر امن معاشرے کو پروان چڑھانا ہے۔ برمی حکمرانوں نے ہمیشہ سیاسی مسائل اور روہنگیا کے جائز تقاضوں کو جمہوری اور سیاسی بنیادوں پر طے کرنے کی بجائے تشدد کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی تنظیموں کو ختم کرنا انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے خلاف ہے۔ آزادئ نقل وحرکت ہر انسان کا بنیادی حق ہے اسے قید کرنا دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کی آزادی کو سلب کرکے ان پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند کردیے گئے ہیں۔ فلاحی ریاست کے مالی نظام میں حکومت کی آمدنی کا انحصار ٹیکسوں اور دیگر محصولات پر ہوتا ہے۔ اور یہی آمدنی شہریوں کی فلاح وبہبود کے پروگراموں اور انفراسٹرکچر کی ترقی پر خرچ کی جاتی ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں پر من مانی ٹیکسوں پر پابندی ہونی چاہیے۔ ہر عقل مند انسان اپنی محنت اور جائز کمائی کے ذریعے اپنے لئے جائیداد بنانا چاہتا ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے املاک پر ناجائز قبضہ اور من مانی ٹیکسوں کا خاتمہ ہونا چاہیے۔

---

[1]Myanmar's constitution of 2008, 98.

ایک پاکیزہ سماج میں یہ ضروری ہے کہ شادی کے قابل لوگ زیادہ دیر مجرد نہ رہیں تاکہ بلاوجہ کی شہوانی لہر سماج کی فضا کو زہر آلودہ نہ کر سکے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کی شادیوں پر ناجائز روکاوٹوں کو ختم ہونا چاہیے۔ برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کو برمی شہری نہیں مانتی اور اس وجہ سے مسلمان نفرت، امتیازی سلوک اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا شکار ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت انتہائی خراب ہے اور وہ زیادہ تر بیرونی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ برمی حکام نے ہزاروں کی تعداد میں روہنگیا مسلمانوں کو وحشیانہ حالات میں جبری مشقت پر معمور کیا ہے۔ مزدور پیشہ افراد برما میں بہت مشکل حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عصری قوانین کی روشنی میں روہنگیا مسلمانوں کو ان کے تمام بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔ کیونکہ یہ برمی آئین و قوانین کے ساتھ بین الاقوامی قوانین بھی روہنگیا کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ادا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

فصل چہارم

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل میں مسلم ممالک اور عالمی برادری کا کردار:

برما کے صوبے اراکان میں روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر اب عالمی برادری کا ضمیر کسی حد تک بیدار ہو چکا ہے۔ اقوام متحدہ نے اراکان کی صورت حال کو انتہائی خطرناک اور افسوسناک قرار دیتے ہوئے علاقے کو 'ایشیا کا فلسطین' قرار دیا ہے۔ یہ گویا اس امر کا اعتراف ہے کہ برمی حکومت اور فوج روہنگیا کے مسلمانوں پر سنگین مظالم ڈھا رہی ہے۔ امت مسلمہ کو اس حوالے سے زیادہ بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے ایک بیان میں برمی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی مذمت کی تھی۔ روہنگیا مسلمان جن ناقابلِ بیان حالات و واقعات سے گزر رہے ہیں یہ صرف امتِ مسلمہ ہی نہیں، بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے بھی بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ ان روہنگیا مسلمانوں پر جنگِ عظیم دوم کے موقع پر ۱۹۴۲ء سے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، ہر دس پندرہ سال میں نسل کشی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اُس وقت سے یہ مسلمان بے آسرا اور بے سہارا، ایسی دنیا میں رہتے ہیں جہاں سے کسی قسم کی کوئی خبر مہذب دنیا کی طرف پہنچ نہیں پاتی، ظلم و جبر کی وہ وہ داستانیں وہاں رقم کی جا رہی ہیں جو کسی بھی دور میں کسی فرعونِ وقت نے بھی نہیں رقم کیں۔

اگرچہ میانمار ایک کثیر النسل اور کثیر مذہبی ملک ہے، اس کے باوجود برمی اس ملک کی کل آبادی کا تقریباً ۸۹ فیصد ہے۔ میانمار میں بہت سے نسلی گروہوں میں سے مسلمان روہنگیا بنیادی طور پر راکھائن ریاست میں موجود ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کی حیثیت کو ایک الگ نسلی گروہ کی حیثیت سے اُونو حکومت (۱۹۴۸-۱۹۶۲ء) نے تسلیم کیا تھا، لیکن ملک کی فوجی حکومت کے ذریعہ ۱۹۸۲ء میں شہریت ایکٹ متعارف کروانے سے، ان کو بے ریاست کر دیا گیا ہے۔ میانمار کے حکام کی جانب سے انسانی حقوق کی منظم پیمانے پر ہونے والی خلاف ورزیوں کے تحت اکثر روہنگیا بنگلہ دیش کے ساتھ ساتھ خطے اور اس سے باہر کے متعدد دیگر ممالک میں بھی پناہ گزین ہیں۔ بیشتر ریاستوں اور بین الاقوامی تنظیموں نے اس مسئلے پر پوری طرح سے رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ جن میں خاص طور پر روہنگیا کے ساتھ سلوک کے لئے برمی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ تاہم اس مسئلے کا مستقل حل تلاش کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ لہٰذا اس فصل کا مقصد روہنگیا مسلمانوں پر انسانی حقوق کی پامالیوں اور میانمار سے ان لوگوں کے نتیجے میں ہونے والے انخلا کے معاملے پر مسلم ممالک اور عالمی برادری کے کچھ طبقات کے کردار کا تجزیہ کرنا ہے۔ اس فصل میں مسلم ممالک میں ترکی، بنگلہ دیش، سعودی عرب، پاکستان، ملائشیا، گیمبیا اور عالمی برادری کے کردار کا جائزہ لیا جائے گا۔

مسلم ممالک:

اسلامی دنیامیں ترکی، ایران، بنگلہ دیش، پاکستان اور سعودی عرب نے برمی مسلمانوں کے حق میں آواز بلند کی ہے۔ ترکی کا موقف ہے کہ برمی مسلمانوں کے مسائل کو بین الاقوامی اداروں میں اٹھایاجائے اور ان پر بحث کر کے برمی حکومت کو اصلاح کی طرف مائل کیا جائے۔ انسانی حقوق کی پامالی ایسا معاملہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں اس حوالے سے قراردادِ مذمت بھی منظور کی جاچکی ہے۔ ایران نے برمی حکومت سے مطالبہ کیاہے کہ مسلمانوں کا قتل عام روکا جائے اور اب تک کی صورت حال کے حوالے سے غیر جانبدار تفتیش کرائی جائے۔ ایرانی وزارتِ خارجہ کے ترجمان رامین مہمان پرست نے ایک بیان میں کہا کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو عالمی برادری کا ضمیر جھنجھوڑنا چاہیے۔ روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے مسلم ممالک اور عالمی برادری کے کردار کا جائزہ مندرجہ ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

ترکی:

۱۹۹۰ء کی دہائی سے روہنگیا کے معاملات نمٹانے کے لئے ترکی بنگلہ دیش کا مرکزی شراکت دار ہے۔ بنگلہ دیش کے کاکس بازار میں روہنگیا مہاجرین کے لئے مختلف سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ترکی کے وزیر اعظم، خاتون اول، نائب وزیر اعظم، وزیر خارجہ اور مختلف عہدیداروں نے بنگلہ دیش میں روہنگیا کیمپوں کا دورہ کیاہے۔ ترکی نئے آنے والے مہاجرین کے لئے کیمپوں اور اسپتالوں کی تعمیر کے لئے مالی اعانت فراہم کر رہا ہے۔

ترکی صدر رجب طیب اردگان صرف اپنے ملک میں ہی مقبول نہیں، بلکہ پوری دنیا میں ان کی مقبولیت کا چرچاہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیامیں جہاں کہیں مظلوم مسلمانوں کی بات ہوتی ہے تو ظلم کے خلاف اور مظلوم کے حق میں طیب اردگان ضرور آواز بلند کرتے ہیں۔ اس کی تازہ مثال میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کو میانمار میں گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے۔ ان حالات میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلم ممالک کے تمام حکمران مل بیٹھ کر مختلف عوامل پر عمل کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کے لیے بنیادی انسانی حقوق کی راہ ہموار کرتے، لیکن چند ایک کے سوا تقریباً تمام نے چند بیانات دے کر خود کو بری الذمہ سمجھ لیا۔ ایسے میں مظلوم روہنگیا کے حق میں سب سے توانا آواز اور مضبوط اقدامات اور سب سے اہم کردار ترکی کے صدر طیب اردگان کا ہے، جنھوں نے روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کو نسل کشی قرار دیتے ہوئے اس پر خاموشی اختیار کرنے والوں کو بھی ذمے دار ٹھہرایا۔ اس حوالے سے مسلم دنیا کے متعدد ممالک کے رہنماؤں سے رابطہ کیا۔ آنگ سان سوچی کو فون کر کے مظالم کی شدید الفاظ میں مذمت کی اور بنگلا دیش میں آنے والے تمام روہنگیا مہاجرین کے نہ صرف تمام اخراجات

برداشت کرنے کا اعلان کیا، بلکہ فوری طور پر اپنی اہلیہ امینہ اردگان، اپنی بیٹی اور کئی کابینہ ممبران کو امداد کے ساتھ بنگلادیش بھیجا، جنھوں نے مہاجرین کے کیمپوں کا دورہ کیا اور امدادی سرگرمیوں کو آگے بڑھایا۔

عالمی برادری کی مجرمانہ خاموشی کے جلو میں اگر کوئی توانا آواز ابھر کر سامنے آئی تو وہ ترک صدر رجب طیب اردگان کی ہے، جنہوں نے میانمار کی خاتون لیڈر آن سانگ سوچی سے ٹیلیفون پر بات کی۔ اردگان نے روہنگیا مسلمانوں کے مظالم پر نہ صرف بات کی بلکہ اس پر باقاعدہ احتجاج کیا اور کہا کہ روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے غیر انسانی سلوک پر پوراعالم اسلام پریشان ہے۔ صدر اردگان کے بیان کے جواب میں جمہوریت اور انسانی حقوق کی بنی چیمپیئن سوچی کا کہنا تھا کہ میانمار میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا جارہا بلکہ ذرائع ابلاغ نے رائی کا پہاڑ بنا رکھا ہے۔ گویا انہوں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ریاستی جبر و تشدد سے صرف دو ہفتوں کے دوران ایک لاکھ ۲۳ ہزار مسلمانوں کی نقل مکانی کو بھی بھلا دیا۔

صدر اردگان نے وعدہ کیا کہ رواں ماہ جنرل اسمبلی کے اجلاس کی صدارت ترکی کے پاس ہوگی اور وہ اس دوران ہونے والے اجلاسوں میں روہنگیا کے مسلمانوں کو پہلی ترجیح دیں گے۔ ترک صدر اب تک پہلے عالمی رہنما ہیں جو روہنگیا مسلمانوں کے لیے عملاً متحرک ہیں۔ انہوں نے باضابطہ طور پر روہنگیا مسلمانوں پر مظالم پر احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔[1]

ترک صدر طیب اردگان نے روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار اور ان کی نسل کشی پر عالمی برادری کو سخت پیغام دیا۔ دنیا میں بے وطنی کی زندگی گزارنے والی سب سے بڑی برادری روہنگیا مسلمان ہیں۔ اپنی صدارت کے تین سال مکمل ہونے پر ایک ٹی وی انٹرویو میں طیب اردگان کا کہنا تھا کہ:

"یہ بدقسمتی ہے کہ عالمی برادری کو روہنگیا مسلمانوں کی تکالیف نظر نہیں آرہی اور ان کی چیخ و پکار سنائی نہیں دے رہی۔ ہم روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور اقوام متحدہ سمیت ہر عالمی فورم پر اس حوالے سے آواز بلند کریں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پوری انسانیت اس مسئلے کے خاتمے کے لیے کردار ادا کرے۔"[1]

طیب اردگان نے کہا کہ انہیں بحیثیت مسلمان اور انسان روہنگیا مسلمانوں پر تشدد سے دلی آزاری ہورہی ہے۔ ترکی نے میانمار کے بدھ مت شہریوں کے ہاتھوں بے زمین اور بے گھر ہونے والے روہنگیا مسلمانوں کی مدد کی۔ دوسرے تمام مسلم ممالک اور برادریوں میں یہ ملک روہنگیا مسلمانوں کے بارے میں زیادہ حساس اور ہمدرد ہے۔ ترکی نے اسلامی تعاون تنظیم سے بات کی اور ان سے حل تلاش کرنے اور غریب عوام خصوصاً خواتین اور بچوں

[1] http://iblagh.com/139375(Accessed August 14, 2020)
[1] https://www.dailyqudrat.pk/16629(Accessed August 14, 2020)

کے خلاف ہونے والے تشدد کو ختم کرنے کے لیے درخواست کی۔ترکی کے صدر زندگی، صحت کی دیکھ بھال، خوراک اور بنیادی طور پر پانی کے مسئلے سے زیادہ پریشان ہیں، جن کا سامنا روہنگیا مسلمان کر رہے ہیں۔

"سرکاری میڈیا کے مطابق آنگ سان سوچی نے صدر اردگان کو بتایا کہ ان کی حکومت نے راکھائن صوبے کے تمام افراد کو تحفظ فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔"[1]

روہنگیا مسلمانوں کے لیے صرف ایک ہی مرد مجاہد کی آواز بلند ہوئی جس کا نام رجب طیب اردگان ہے، جنہوں نے اپنی کوششوں سے اقوام متحدہ و مغربی دنیا کے بے جان ضمیروں کو اس بحران کے خلاف جھنجوڑنے کی کوشش کی۔

ترک وزیر خارجہ احمد داؤد اوغلو نے روہنگیا مسلمانوں اور فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے میانمار کا دورہ کیا تھا۔ جس میں وزیر اعظم کی اہلیہ ایمن اردگان، ان کی بیٹی سمیعہ اردگان اور داؤد اوغلو کی اہلیہ سارہ بھی شامل تھیں۔ان لوگوں نے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کی امداد کے لیے تنظیم اسلامی کانفرنس کا ایک دفتر کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا جس کی اجازت برمی حکومت نے نہیں دی۔

"برما کے صدر تھین سین نے اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کو روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنے ملک میں دفتر کھولنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔"[2]

"ترکی اس وقت میانمار اور بنگلہ دیش کے روہنگیا مسلمانوں کو امداد بھیجنے والا سب سے بڑا ملک ہے۔ترکی کی خاتون اوّل امینہ اردگان نے دو وزراء کے ہمراہ بذات خود حالات کے مشاہدے کے لئے بنگلہ دیش کا دورہ کیا۔"[3]

ترک وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ میانمار سے ہجرت کر کے آنیوالے مسلمانوں کے لیے بنگلہ دیش اپنے دروازے کھول دے تو وہ تمام اخراجات پورے کرنے کو تیار ہیں۔

"ترکی نے بنگلہ دیش سے روہنگیا مسلمانوں کیلئے سرحد کھولنے کے جواب میں مالی امداد کی پیشکش کر کے دنیا بھر کے امن پسندوں کے دِل جیت لیے ہیں۔"[1]

انہوں نے بتایا کہ ترک صدر نے روہنگیا میں ہونے والے مظالم کا نوٹس لے لیا اور ہم نے فوری طور پر اسلامی تعاون تنظیم کو متحرک کیا ہے، اسی مسئلے پر ایک کانفرنس کا انعقاد بھی کیا جائے گا۔

---

[1] https://www.bbc.com/urdu/world-41170580(Accessed August 15, 2020)

[2]http://www.fikrokhabar.com/ur/content-details/164/essays/ahinsa-ke-pujari-burma-budh-rahib-news.html(Accessed August 15, 2020)

[3]https://www.trt.net.tr/urdu/slslh-wr-prwgrm/2017/09/18/qwm-mthdh-wr-lmy-dm-twzn-809422 (Accessed August 15, 2020)

[1] https://jang.com.pk/news/371589 (Accessed August 15, 2020)

"ہم اس مسئلے کا فیصلہ کن حل چاہتے ہیں، برما کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم روکنے کے لیے ترک حکومت نے اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا ہے۔"[1]

سمندر پار ترکوں کی فلاح و بہبود کے ادارے اور ترک ریڈیو، ٹیلی ویژن کے زیر اہتمام روہنگیا مسلمانوں کے ۱۵ روزہ تربیتی پروگرام کا آغاز انقرہ میں ہوا۔ اس پروگرام میں ۱۲ ممالک سے ۲۰ روہنگیا افراد نے شرکت کی۔ یہ تربیتی پروگرام انقرہ اور استنبول میں ۱۵ روز تک جاری رہا۔ شرکاء نے اس پروگرام کے تحت متعلقہ اداروں کا دورہ بھی کیا۔ تربیتی پروگرام کے آغاز پر خطاب کرتے ہوئے ادارے کے سربراہ عبداللہ ایرین نے کہا کہ:

"میانمار میں ۵۵ ملین کی آبادی میں ۱۰ لاکھ مسلمان بستے ہیں، جنہیں وہاں کی شہریت اور بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ اس مسئلے کو عالمی سطح پر آواز اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ان مسلمانوں کی بڑی تعداد، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب اور ملائشیا میں مقیم ہے، جن میں سے بعض کو ہم اپنے ادارے میں اس وقت تربیتی پروگرام فراہم کرنے جا رہے ہیں۔"[2]

آستانہ میں ہونے والی او آئی سی کی میٹنگ میں طیب اردگان نے روہنگیا مسلمانوں کے حق میں بھرپور آواز اٹھائی۔ اس کے بعد ترک صدر نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ۷۲ ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"میانمار کے مسلم اکثریتی ریاست اراکان میں مسلمان آبادی کا صفایا کیا جا رہا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے گاؤں جو پہلے ہی انتہائی غربت میں جی رہے ہیں۔ انھیں اپنا خطہ اور آبائی وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ بنگلا دیش میں روہنگیا مسلمانوں کے کیمپوں میں بنیادی انسانی ضروریات تک موجود نہیں ہیں۔ اراکان کے المیے پر عالمی برادری ناکام ہو چکی ہے۔ جب تک میانمار میں جاری انسانی بحران کو روکا نہیں جاتا، تاریخ کے ایک اور سیاہ داغ پر انسانیت کو شرمناک زندگی گزارنا پڑے گی۔"[3]

دنیا کے مظلوم مسلمانوں کے حوالے سے طیب اردگان نے پہلی بار قائدانہ کردار ادا نہیں کیا، بلکہ اس سے پہلے بھی جب دنیا کے کسی خطے میں مسلمانوں پر مشکل وقت آتا ہے تو ان کے حق میں بلند ہونے والی سب سے پہلی آواز طیب اردگان کی ہی ہوتی ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں زلزلہ، طوفان، قحط سالی، سیلاب آئے یا دہشت گردی و مسلم کشی کی لہر ہو طیب اردگان اور ان کی کابینہ کے ارکان سب سے آگے ہوتے ہیں۔ طیب اردگان نے روہنگیا مظلوموں کو گلے لگایا اور اپنی بیوی اور حکومتی وزراء کو بنگلہ دیش کے کیمپوں میں روہنگیا مہاجرین کے حالات معلوم کرنے اور ان کی مدد کیلئے بھیجا۔

---

[1] https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/ (Accessed August 16, 2020)

[2] https://www.trt.net.tr/urdu/fn-w-thqft/2019/04/25/chyn-myn-dn-dgny-rt-chgny-trqy-khrt-trkh-msnw-t-kh-bzr-1189753(Accessed August 16, 2020)

[3] https://www.express.pk/story/945032/(Accessed August 16, 2020)

"ترکی نے بنگلا دیش میں کاکس بازار کے پناہ گزیں کیمپوں میں مقیم روہنگیا مسلمانوں تک امداد پہنچا دی۔ ترک کوآپریشن اینڈ کوآرڈینیشن ایجنسی نے پناہ گزینوں میں ۵۰۰۰ امدادی پیکیج تقسیم کیے، جن میں حفاظتی ماسک، صابن، شیمپو، ڈٹرجنٹ، ٹوتھ پیسٹ اور دیگر سامان موجود ہے۔"[1]

"ترکی سے روانہ کردہ امدادی سامان سے پہلے مرحلے میں ۵۰ ہزار افراد استفادہ کر سکتے ہیں۔"[2]

ترک وزیر خارجہ نے روہنگیا مسلمانوں کی رہائش کے لئے بنگلہ دیشی وزیر اعظم شیخ حسینہ واجد سے جگہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے اسلامی تعاون تنظیم کی طرف سے روہنگیا مسلمانوں کی صورتحال پر غور کے لئے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں حسینہ واجد بھی شریک ہوئیں۔ ترک وزیر خارجہ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے بنگلہ دیش کے ساتھ تعاون پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش نے لاکھوں روہنگیا مہاجرین کو پناہ دی ہے لیکن یہ بحران بنگلہ دیش کے وسائل اور صلاحیت سے بہت بڑھ کر ہے۔ کاکس بازار کے مہاجر کیمپ میں مقیم روہنگیا مسلمانوں کو فوری امداد کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی برادری کو اس بحران کے پائیدار حل کے لئے میانمار حکومت پر دباو ڈالنے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ روہنگیا مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں سے اس ظلم کا حساب لیا جانا چاہیے۔ ترکی روہنگیا مسلمانوں کی مدد جاری رکھے گا۔

"ترک وزیر خارجہ نے حسینہ واجد سے مہاجر کیمپ کی تعمیر کے لئے جگہ کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ہمیں کوئی جگہ فراہم کرتی ہیں تو ہم ان مہاجرین کے لئے بھی رہنے کی زیادہ موزوں جگہیں تعمیر کرنے کے لئے تیار ہیں۔"[3]

ترکی میانمار میں پُر تشدد واقعات سے متاثرہ ریاست راکھائن کے مسلمانوں کے لیے ایک طرف انسانی امداد جمع کر رہا ہے تو دوسری جانب نئے امدادی منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ ترکی کی جانب سے فراہم کردہ انسانی امداد کے ایک بڑے حصے کا بندوبست کرنے والے کی جانب سے امدادی سامان کی تقسیم کا عمل جاری ہے۔ تاہم علاقے سے موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق فوج کے آپریشن کی بناء پر یہ عمل وقتاً فوقتاً التوا کا شکار بن رہا ہے۔ دوسری جانب اقوام متحدہ نے اعلان کیا ہے کہ میانمار میں حکومتی و فوجی جارحیت سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے مسلمانوں کی تعداد دو لاکھ ۷۰ ہزار تک ہو گئی ہے۔

---

[1] https://www.jasarat.com/2020/05/01/200501-03-7/ (Accessed August 16, 2020)
[2] https://www.trt.net.tr/urdu/jnwby-yshy/2017/09/09/trkhy-sy-rwhngy-mslmnwn-khw-mdd-khy-trsyl-kh-khm-sr-t-sy-jry-804006(Accessed August 16, 2020)
[3] https://baaghitv.com/rohingya-muslims-residence-tukey-big-announcement/
(Accessed August 16, 2020)

بنگلہ دیش:

برما کے سب سے قریبی مغربی ہمسایہ ملک کی حیثیت سے بنگلہ دیش روہنگیا مسئلے سے کئی طرح سے متاثر ہوا ہے۔ بنگلہ دیش نے نہ صرف اپنے علاقوں میں لاکھوں روہنگیا پناہ گزینوں کی رہائش برداشت کی بلکہ یہ معاملہ برما کے ساتھ اس کے تعلقات پر بھی منفی اثر انداز ہوا۔ اگرچہ بنگلہ دیش نے ۱۹۷۰ء کی دہائی کے آخر میں روہنگیا مہاجرین کی مسلسل ہجرت کی میزبانی کی ہے۔ اس کے باوجود اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے محدود وسائل کی وجہ سے ملک کے حکام نے اکثر ان لوگوں کو وطن واپسی کی کوشش کی ہے۔

بنگلہ دیش میں مہاجرین زیادہ تر عارضی کیمپوں میں قابل رحم حالات میں رہ رہے ہیں، جن میں اکثر صاف پانی اور صحت کی دیکھ بھال جیسی بنیادی سہولیات کی کمی ہے۔ بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں کی پہلی لہر ۱۹۷۸ء میں شروع ہوئی تھی، اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں آزادی کے بعد اپنے پہلے اور سنگین ترین پناہ گزین بحران کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ۱۹۸۸ء کے مظاہروں کے بعد برمی مہاجرین کی ایک دوسری لہر اس وقت آئی جب ملک کے ہزاروں لوگ برما سے فرار ہو کر بنگلہ دیش آ گئے۔ تاہم، مارچ تا اپریل ۱۹۹۱ء تک روہنگیا پناہ گزینوں کی ایک اور بڑی لہر بنگلہ دیش پہنچ گئی، جب برما کی فوج نے راکھائن ریاست میں انسدادِ بغاوت کی بڑی مہم چلائی، جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمان بے گھر ہوئے۔

> "This flow continued well into the 1990s such that by July 1992 the number of Rohingya refugees in Bangladesh stood at 250,877." [1]

ترجمہ: یہ بہاؤ ۱۹۹۰ء کی دہائی تک اس طرح جاری رہا کہ جولائی ۱۹۹۲ء تک بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں کی تعداد ۲۵۰،۸۷۷ ہو گئی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق:

> "While the episode in 1978 witnessed some 200,000 Rohingya fleeing Myanmar into Bangladesh, the 1991-1992 military campaigns in the Rakhine State saw a quarter of million Rohingya leaving the country."[1]

ترجمہ: جب ۱۹۷۸ء میں اس واقعہ سے تقریباً ۲۰۰،۰۰۰ روہنگیا برما سے بنگلہ دیش فرار ہو رہے تھے، ۱۹۹۱ء-۱۹۹۲ء میں ریاست راکھائن میں فوجی مہمات میں ۲۵۰،۰۰۰ روہنگیا ملک چھوڑ کر جا رہے تھے۔

بنگلہ دیش پہنچنے پر ان میں سے زیادہ تر مہاجرین کو ٹیکناف سے کاکس بازار تک سڑک کے ساتھ دس کیمپوں میں رکھا گیا تھا جو اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین کے زیر انتظام تھے۔ تب سے بنگلہ دیش کو برما سے آنے

---

[1] Morshe, K. Bangladesh-Burma Relations. Challenges to democratization in burma: perspectives on multilateral and bilateral responses. Stockholm: (International Institute for Democracy and Electoral Assistance (International IDEA). 2001), 61-62.

[1] Amnesty International, Myanmar – The Rohingya minority: Fundamental rights denied. London: Amnesty International, 2004), 5-6.

والے روہنگیا پناہ گزینوں کے مسلسل بہاؤ کا سامنا ہے۔ اگرچہ ابتدائی طور پر بنگلہ دیش کی حکومت نے ان لوگوں کے لئے مہاجر کیمپس فراہم کیا، لیکن خود اس ملک کی سنگین معاشی صورتحال کی وجہ سے اس نے ان لوگوں کی وطن واپسی کے لئے برمی حکام سے بات چیت کا آغاز کیا۔ روہنگیا کی وطن واپسی کے بارے میں بنگلہ دیش اور برما کی حکومتوں کے مابین مفاہمت کی پہلی یادداشت پر اپریل ۱۹۹۲ء میں دستخط ہوئے تھے۔ چونکہ معاہدے پر یو این ایچ سی آر کی محدود شمولیت کی اجازت تھی اور بین الاقوامی تنقید کے نتیجے میں مئی ۱۹۹۳ء میں بنگلہ دیش، برما اور یو این ایچ سی آر کے مابین ایک اور مفاہمتی یادداشت پر دستخط ہوئے، جس نے اس عمل میں مؤخر الذکر کی شمولیت کی اجازت دی۔

"۲۸ ستمبر ۲۰۱۸ء کو، بنگلہ دیش کی صدر شیخ حسینہ واجد نے ۷۳ ویں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش میں اب ۸ لاکھ روہنگیا پناہ گزین ہیں۔"[1]

بنگلہ دیشی وزیر اعظم حسینہ واجد نے کہا کہ روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کے لیے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ایک محفوظ علاقہ تشکیل دیا جائے، غیر ملکی میڈیا کے مطابق:

"نیویارک میں جنرل اسمبلی کے دوران بنگلہ دیشی وزیر اعظم نے اس بات کی ضرورت پر زور دیا کہ روہنگیا مسلمانوں کی نسلی صفائی روکی جائے، انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش میں واقع کاکس بازار میں روہنگیا کیمپ کا دورہ کرتے ہوئے میرا دل خون کے آنسو رو گیا، جہاں یہ لوگ انتہائی کسمپرسی، غربت اور بھوک پیاس سے زندگی کی ڈور تھامے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے ملک میں ۸ لاکھ روہنگیا موجود ہیں۔ بنگلہ دیش اور میانمار کے درمیان سرحد کی صورتحال ان مہاجرین کی وجہ سے بحران کی شکل اختیار کر چکی ہے، جس کے خاتمے کے لیے میری اقوام متحدہ سے گزارش ہے کہ وہ ایک محفوظ علاقہ قائم کرتے ہوئے ان مہاجرین کو آباد کرے۔"[2]

روہنگیا مسلمانوں کے لیے بنگلادیش کے کمشنر برائے امداد و بحالی عبدالکلام نے کہا کہ بنگلادیشی کیمپوں میں موجود کسی بھی روہنگیا مسلمان کو زبردستی میانمار واپس نہیں بھیجا جائے گا، یہ واپسی میانمار حکومت کے ساتھ معاہدے کے بعد ہی عمل میں لائی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ:

"روہنگیا مسلمانوں کو میانمار میں مظالم کا سامنا کرنا پڑا، لہذا ان کے لیے واپسی کا عمل آسان نہیں ہوگا۔ تاہم ہمیں امید ہے کہ میانمار کی حکومت معاہدے پر قائم رہتے ہوئے ان کی محفوظ واپسی کو یقینی بنائے گی۔"[1]

---

[1] https://apnews.com/547ffef101804bba8170cf044d122e51/Bangladesh-pointfinger-at-Myanmar-for-Rohingya-%E2%80%99genocide%E2%80%99(Accessed August 17, 2020)

[2] http://jehanpakistan.pk/news-detail/اقوام-متحدہ-روہنگیا-مسلمانوں کیلئے-محفوظ-علاقہ-تشکیل-دے-حسینہ-واجد
(Accessed August 17, 2020)

[1] http://jehanpakistan.pk/news-detail/روہنگیا-مسلمانوں-کو جبرا-میانمار واپس-نہیں-بھیجیں-گے-بنگلہ-دیش
(Accessed August 17, 2020)

اس سے قبل بنگلا دیش اور میانمار کی حکومتوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کے تحت ابتدائی طور پر ۲۲۶۰ مسلمانوں کو واپس میانمار بھیجا جائے گا، تاہم اقوام متحدہ نے اس جبری بے دخلی کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کی میانمار واپسی کا عمل روکنے کا مطالبہ کیا تھا۔

میانمار کی فوج کی جانب سے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف کریک ڈاؤن کے بعد ۷ لاکھ ۳۰ ہزار سے زائد افراد نقل مکانی کر کے بنگلہ دیش کے سرحدی علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔پناہ گزینوں کی امداد اور ان کی وطن واپسی کے لیے قائم کمیشن کے سربراہ محبوب عالم تعلق دار کا کہنا ہے کہ:

"یہ بات درست نہیں کہ بنگلہ دیش میں مقیم پناہ گزین بچوں کو کیمپوں میں تعلیم سے روکا جارہا ہے۔ بلکہ ان پناہ گزین کیمپوں میں تقریباً ۴۰۰۰ سیکھنے سکھانے کے مراکز قائم کیے گئے ہیں۔"[1]

اس وقت ۱.۱ ملین روہنگیا مہاجرین بنگلہ دیش میں پناہ لیے ہوئے ہیں اور اس جنوبی ایشیائی ملک کا ایک حصہ دنیا کا سب سے بڑا مہاجر کیمپ بن کر رہ گیا ہے۔ ان نتیجے روہنگیا مہاجرین کا حال ناگفتہ بہ اور مستقبل تاریک ہے۔ روہنگیا مہاجرین کے میانمار واپسی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

روہنگیا مہاجرین کے لیے ایک خوشخبری یہ ہے کہ بنگلہ دیشی حکومت نے ۲۴ اگست ۲۰۱۹ء کو اعلان کر دیا کہ:

"ان مہاجرین کے کیمپوں میں تیز رفتار موبائل انٹرنیٹ پر لگی پابندی جلد ہٹا دی جائے گی۔ حکام نے یہ پابندی گزشتہ برس یہ کہہ کر لگائی تھی کہ انہیں خدشہ تھا کہ ان کیمپوں میں سوشل میڈیا کو خوف و ہراس پھیلانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا۔"[2]

بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ عبدالحسن محمود علی نے بین الاقوامی برادری کی تقلید میں کہا ہے کہ میانمار کے صوبے راکھائن میں روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی جاری ہے۔انہوں نے صحافیوں کو بتایا کہ:

"ہمسایہ ملک میانمار میں جاری تازہ تشدد کے نتیجے میں کم از کم تین لاکھ روہنگیا باشندے بنگلہ دیش پہنچ چکے ہیں، جبکہ ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء سے اب تک تقریباً تین ہزار مسلمانوں کو ہلاک کیا جاچکا ہے۔"[1]

بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ نے مغربی ممالک اور عرب ریاستوں کے سفارتکاروں سے ملاقات میں روہنگیا مہاجرین کے لیے فوری امدادی کارروائیوں کے موضوع پر بھی بات چیت کی۔

بنگلہ دیش دنیا کا پہلا ملک ہے جس نے روہنگیا پناہ گزینوں کو جگہ دی اور ان کو اپنے ملک میں بسایا۔ روہنگیا مسئلے پر اگرچہ بنگلہ دیش اور میانمار کے درمیان تعلقات خراب ہوئے ہیں، لیکن بنگلہ دیش نے روہنگیا کی مدد کی ہے۔

---

[1] https://taasir.com/2019/12/ر-سے-پڑھائی-کو-بچوں-روہنگیا-پر-دیش-بنگلہ/(Accessed August 18, 2020)
[2] https://urdu.millattimes.com/archives/60030(Accessed August 18, 2020)
[1] https://www.trt.net.tr/urdu/jnwby-yshy/2017/09/11/lmy-brdry-rwhngy-mslmnwn-khy-nsl-khshy-bnd-khry-y-bnglh-dysh-804490(Accessed August 18, 2020)

اور عالمی سطح پر ان کے مسائل کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان کے بنیادی حقوق اور مسائل کو حل کرنے کے لیے کئی بار اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر بحث کی ہے۔

سعودی عرب:

ماضی میں بھی روہنگیا مہاجرین نے سعودی عرب میں پناہ حاصل کی تھی اور موجودہ بحران میں بھی سعودی حکومت نے روہنگیا مہاجرین کے لیے امدادی پیکج کا اعلان کیا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں سعودی بادشاہ شاہ فیصل کے دورِ حکومت میں ہزاروں روہنگیا مسلمان برما کے مغربی صوبے اراکان سے ہجرت کر کے سعودی عرب کے شہر مکہ پہنچے تھے۔

"۴ لاکھ کے قریب برمی مسلمان سعودی عرب میں بستے ہیں اور سعودی حکومت پچھلے ۶۰ سال سے ان کی کفالت کر رہی ہے اور مختلف قسم کی سہولیات فراہم کر رہی ہے۔"[1]

کئی برس سے روہنگیا مسلمان برما کے مغربی صوبے اراکان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچے۔ دو برس جاری رہنے والے اس سفر کا مقصد ان کے ملک میں حکومت کی جانب سے ظلم و زیادتی اور نسل کشی کی کارروائیوں سے فرار حاصل کرنا تھا۔ اس سلسلے میں العربیہ ڈاٹ نیٹ سے گفتگو کرتے ہوئے روہنگیا میڈیا سینٹر کے ڈائریکٹر صلاح عبدالشکور نے بتایا کہ:

" حکومتی ظلم و زیادتی سے تنگ آ کر بعض روہنگیا مسلمانوں نے سعودی عرب ہجرت کی اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ سعودی فرماں روا شاہ فیصل مرحوم نے ان لوگوں کو "عبادت کے لیے قیام" کے ویزے جاری کیے۔ ان کے مطابق برمی برادری کو سعودی عرب میں ہر قسم کی دیکھ بھال، سرپرستی اور ہمدردی ملی، جو انہوں نے اپنے وطن میانمار میں کبھی دیکھی نہ تھی۔ چار سال قبل مملکت میں برمی برادری کے حالات کی درستی کے لیے سب سے بڑا منصوبہ شروع کیا گیا۔ اس دوران انہیں بنا فیس کے چار سالوں کی مدت کے اقامے جاری کیے گئے جن کے تحت ان کو تعلیم، علاج اور نوکریوں کے مواقع میسر آئے۔"[1]

مکہ مکرمہ کی انتظامیہ نے جس منصوبے پر عمل درآمد کی ذمہ داری سنبھالی اسے پناہ گزینوں سے متعلق اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن کی تصدیق کی بنیاد پر انسانی تہذیب کا سب سے بڑا منصوبہ قرار دیا گیا۔ اس کے تحت دو لاکھ ۵۰ ہزار سے زیادہ برمی مسلمانوں کو استحکام بخشا گیا۔ سعودی عرب روہنگیا مسلمانوں کے مسئلے کا ایک بڑا حمایتی ہے۔ مملکت نے انہیں استحکام بخشا اور تعلیم کے مواقع فراہم کیے۔ مملکت میں مقیم برادری سے ہی ایسے تعلیم یافتہ اور

---

[1]https://mazameen.com/muslim-world/روہنگیا-مسلمانوں-کا-مسئلہ-اور-ہمارا-کر.html
(Accessed August 19, 2020)

[1]http://urdu.alarabiya.net/ur/international/2017/09/08/سعودی-عرب-میں-مقیم-روہنگیا-مسلمانوں-کی-کہانی.html
(Accessed August 19, 2020)

دانش ور افراد سامنے آئے جنہوں نے اراکان صوبے میں اپنے معاملے کی ذرائع ابلاغ، قانون اور انسانی حقوق کے ذریعے نمائندگی کی۔

سعودی عرب نے میانمار کے روہنگیا پر تشدد کی مذمت کرتے ہوئے اقوام متحدہ میں روہنگیا پر مظالم رکوانے کیلئے قرارداد لانے کا اعلان کیا ہے۔ قرارداد میں مظالم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مذمت کی جائے گی اور مطالبہ کیا جائے گا کہ روہنگیا پر وحشیانہ مظالم کا نوٹس لیا جائے۔ سعودی عرب کے اقوام متحدہ کے مشن نے کہا ہے کہ:

"روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل کی خاطر اور بے بسی کے خاتمے کیلئے اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔ سعودی عرب نے سکیورٹی کونسل کے ارکان سے رابطہ کیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کا نوٹس لے، جس کے بعد اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری نے برمی حکومت کی مذمت کی۔"[1]

سعودی عرب نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ روہنگیا کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کرے۔ میانمار کی حکومت کو مسلم اقلیت کے حقوق پامال کرنے سے روکنے کے لیے کوششیں تیز کی جائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سعودی حکومت نے روہنگیا پناہ گزینوں کی امداد کا اعلان کیا۔

"سعودی عرب روہنگیا پناہ گزینوں کے بحران کے حل کیلئے ۲۰ ملین ریال کا اعلان کیا۔ یہ اعلان سعودی عرب نے جنیوا میں روہنگیا پناہ گزینوں کے بحران کے حل کیلئے امدادی ممالک کی کانفرنس میں کیا۔ کنگ سلمان سینٹر برائے امداد انسانی خدمات کے نمائندہ وفد نے واضح کیا کہ سعودی عرب اپنے اس وعدے کو پورا کرے گا۔"[2]

سعودی عرب نے روہنگیا اقلیت کے انسانی حقوق کی پامالی اور انہیں مشکلات کے بھنور میں ڈالنے پر میانمار کی مذمت کی ہے۔ سعودی پریس ایجنسی کے مطابق اقوام متحدہ میں سعودی سفارتی مشن کے ماتحت انسانی حقوق کے ادارے کے سربراہ مشعل البلوی نے کہا کہ سعودی عرب روہنگیا مسئلے کا حامی ہے۔ اور ان کے المیے کو اپنی اولین انسانی ترجیحات میں شامل کیے ہوئے ہیں۔

"سعودی عرب نے میانمار کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ روہنگیا کے متاثرین کے لیے امدادی سامان کی محفوظ ترسیل کو یقینی بنائے۔ سعودی عرب ۱۹۴۸ء سے روہنگیا پناہ گزینوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں۔[1]

سعودی عرب نے میانمار سے کہا کہ وہ سال ۲۰۲۰ء کے شروع میں عالمی عدالت انصاف سے جاری ہونے والے فیصلے کی تعمیل کرے۔

[1]https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/(Accessed August 20, 2020)
[2] http://dailyaghaz.com/story/126412(Accessed August 20, 2020)
[1] https://www.spa.gov.sa/viewstory.php?lang=en&newsid=2045211(Accessed August 20, 2020)

"شاہ سلمان مرکز برائے امداد وانسانی خدمات نے حال ہی میں روہنگیا کے لیے ۱۰ ملین ڈالر کے عطیے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعلان نیویارک میں روہنگیا سے متعلق امداد دینے والے ممالک کی کانفرنس میں شرکت کے موقع پر کیا گیا تھا۔[1]

سعودی عرب نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کرے۔ میانمار کی حکومت کو مسلم اقلیت کے حقوق پامال کرنے سے روکنے کے لیے کوششیں تیز کی جائیں۔ سعودی پریس ایجنسی کے مطابق:

"سعودیہ کا یہ مطالبہ اقوام متحدہ میں متعین سعودی سفیر عبداللہ المعلمی کی اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل سے ملاقات میں سامنے آیا ہے۔"[2]

سعودی عرب کی زیر قیادت اسلامی تعاون تنظیم کی کمیٹی کے ارکان ملاقات میں شریک تھے۔ کمیٹی میں ترکی، بنگلہ دیش، ملائیشیا، انڈونیشیا شامل تھے۔ عبداللہ المعلمی نے یو این سیکریٹری جنرل سے کہا کہ میانمار میں جبر و تشدد سے دوچار مسلمانوں کے جائز حقوق کے لیے آپ کی کوششیں قابل تعریف ہے۔ المعلمی نے اس حوالے سے عالمی عدالت انصاف کے اس فیصلے کا تذکرہ کیا جس میں میانمار کی حکومت سے کہا گیا ہے کہ وہ روہنگیا اقلیت کے تحفظ سے متعلق اپنے عہد وپیمان پورے کرے۔ سعودی سفیر نے مزید کہا کہ عالمی عدالت انصاف کا یہ فیصلہ نیویارک میں او آئی سی کی سرگرمیوں کا ثمر ہے۔

"یو این سیکریٹری جنرل نے روہنگیا کے مسلمانوں سے متعلق عالمی عدالت انصاف کے فیصلے کو تاریخی قرار دیا اور کہا کہ میانمار کی حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کی پابندی کرے۔"[3]

سعودی عرب نے روہنگیا مسلمان پناہ گزینوں کے لیے ایک کروڑ ڈالر امداد کا اعلان کیا ہے۔ سعودی خبر رساں ادارے کے مطابق:

"سعودی وزیر خارجہ ڈاکٹر ابراہیم بن عبدالعزیز العساف نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سالانہ اجلاس کے موقع پر روہنگیا مسلمان پناہ گزینوں کے لیے ایک کروڑ ڈالر امداد کا اعلان کیا۔"[1]

اس سے قبل سعودی عرب نے جنیوا میں روہنگیا پناہ گزینوں کے بحران کے حل کے لیے امدادی ممالک کی کانفرنس میں ۲۰ ملین ڈالر امداد کا اعلان کیا تھا۔ شاہ سلمان فلاحی و امدادی مرکز کی ٹیموں نے امدادی سامان کے ہمراہ

---

[1] https://www.urdunews.com/node/489356 (Accessed August 20, 2020)
[2] https://www.spa.gov.sa/viewstory.php?lang=en&newsid=2042011(Accessed August 21, 2020)
[3] https://www.urdunews.com/node/462411(Accessed August 21, 2020)
[1] https://www.nawaiwaqt.com.pk/26-Sep-2019/1065176(Accessed August 21, 2020)

بنگلہ دیش میں قائم روہنگیا متاثرین کے کیمپوں کا دورہ بھی کیا تھا۔ سعودی عرب کی جانب سے بھیجے جانے والے امدادی سامان میں کمبل، دوائیں، عارضی خیمے اور اشیائے خورد ونوش شامل تھیں۔

۱۹ جولائی ۲۰۱۸ء میں شاہ سلمان مرکز برائے امداد و انسانی خدمات کے اہلکار بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں کے خیموں کا دورہ کیا۔ مرکز کی جانب سے راشن کے تھیلے اور ایک ہزار بیگ بھی تقسیم کئے گئے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹ کے مطابق:

"۸ لاکھ کے قریب روہنگیا مسلمان کا کس بازار میں زندگی گزار رہے ہیں، جہاں انہیں کئی سارے مسائل کا سامنا ہے، مختلف ممالک سے ان کے لئے وقتاً فوقتاً امداد فراہم کی جاتی ہے۔"[1]

سعودی عرب حکومت نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کی امداد کے لئے ۱۵ ملین ڈالر کی رقم دینے کا اعلان کیا ہے واشنگٹن میں عرب ممالک اور امریکہ کے درمیان تعلقات پر ہوئی کانفرنس میں شرکت کے بعد سعودی عرب کے مشیر عبداللہ الرابیعہ نے واشنگٹن میں واقع گلف کو آپریشن کونسل کے دفتر میں اعلان کیا کہ:

" سعودی عرب، بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگیا مسلمانوں کی امداد کے لئے ۱۵ ملین ڈالر دے گا۔ اور بہت جلد سعودی عرب کی ایک ٹیم بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگیا مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لے گی۔ ان کی سفارش پر یہ امداد مختلف مقاصد کے لئے خرچ کی جائے گی۔"[2]

خبر رساں ادارے ایسوسی ایٹڈ پریس کے مطابق:

"سعودی حکومت نے میانمار بحران کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ہنگامی بنیادوں پر ۱۵ ملین ڈالر کی امداد روہنگیا پناہ گزینوں کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔"[3]

سعودی عرب کے قربانی پروگرام کے تحت بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں میں چالیس ہزار مویشیوں کا گوشت تقسیم کیا گیا ہے۔ ذبیحوں کی تقسیم کا عمل بنگلہ دیش میں موجود سعودی سفارتکاروں کی زیر نگرانی عمل میں آیا ہے۔ ملک میں قربانی پروگرام کے سپروائزر رحیمی احمد نے سعودی پریس ایجنسی کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"گزشتہ حج سیزن کے بعد قربانی کے گوشت کی تقسیم کا یہ دوسرا بڑا مرحلہ ہے، جس کے تحت بنگلہ دیش کے کیمپوں میں میانمار کے روہنگیا پناہ گزینوں میں گوشت تقسیم کیا گیا۔"[1]

---

[1] http://www.fikrokhabar.com/ur/content-details/22442/news/shah-salman-news.html (Accessed August 22, 2020)
[2] http://urduleaks.com/27388(Accessed August 22, 2020)
[3]https://www.dw.com/ur/روہنگیا-مسلمانوں-کی-سعودی-امداد-اقتصادی-مفادات-کا-تحفظ/a-40647705
((Accessed August 22, 2020)
[1] https://www.urdunews.com/node/459896 (Accessed August 22, 2020)

سعودی فرماں روا شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے میانمار میں نسل کشی اور تشدد سے تنگ آ کر بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے روہنگیا مسلمانوں کے لیے بھاری مالی امداد کا اعلان کیا ہے۔

"۲۰ ستمبر ۲۰۱۷ء کو سعودی حکومت نے بنگلہ دیش میں پناہ گزین روہنگیا مسلمانوں کے لیے ڈیڑھ کروڑ ڈالر کی امداد کا اعلان کر دیا۔"[1]

سعودی حکام کے مطابق شاہ سلمان سینٹر کی ٹیم بنگلہ دیش روانہ ہو گی۔ تاکہ روہنگیا مسلمانوں کے حالات سے آگاہ ہو۔ اس کے بعد ان کے لیے فوری نوعیت کی ہنگامی امداد فراہم کی جائے گی۔ سعودی حکومت نے ہمیشہ روہنگیا برادری کی حمایت اور مدد کی ہے۔ اور ان کے مسئلے کو اپنی ترجیحات میں شامل کیا ہے۔

پاکستان:

پاکستان نے ہمیشہ روہنگیا برادری کی حمایت کی ہے۔ ماضی میں پاکستان نے روہنگیا مسلمانوں پر کیے جانے والے مظالم میں کمی کے لیے مؤثر کردار ادا کیا۔ پاکستان کی آزادی کے وقت روہنگیا برادری پاکستان میں شامل ہونا چاہتی تھی۔ آنگ سان سوچی کے والد آنگ سان کے قائدِ اعظم سے دیرینہ تعلقات تھے۔ دونوں رہنماؤں کے مابین اس معاملے پر تبادلہ خیال ہوا اور آنگ سان نے روہنگیا برادری کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی۔ پاکستان بھی ان ممالک میں شامل ہے جس نے روہنگیا برادری کو اپنے ملک میں بسنے کی اجازت دی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق:

پاکستان ۳ لاکھ ۵۰ ہزار سے زائد روہنگیا مسلمانوں کو پناہ دینے والا دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔[2]

پاکستان کے ساحلی علاقوں خصوصاً کراچی میں برمی روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ غیر ملکیوں کی رجسٹریشن کے قومی ادارے کے اعداد و شمار کے مطابق:

"لگ بھگ پانچ لاکھ روہنگیا کراچی میں بن قاسم اور اورنگی کے علاقوں میں آباد ہیں۔ ان میں سے کچھ تو تقسیم کے وقت سے کراچی میں مقیم ہیں جبکہ ایک بڑی تعداد اسی کی دہائی میں یہاں منتقل ہوئی۔"[1]

حکومت پاکستان نے روہنگیا مسلمانوں کے لیے پچاس لاکھ ڈالر کی خصوصی امداد فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ فیصلہ روہنگیا مسلمانوں کے لیے قائم پاکستانی کابینہ کی خصوصی کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق پاکستانی کابینہ کی خصوصی کمیٹی کی پاس کردہ تجاویز کے تحت عالمی خوراک پروگرام کے ذریعے انڈونیشیا، ملائیشیا اور تھائی لینڈ میں قائم روہنگیا کیمپوں میں خوراک کا بندوبست کرنے کے لیے پچاس لاکھ ڈالرز کی خصوصی مدد فراہم کی جائے گی۔ پاکستان نے تباہ حال اور مظلوم روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار کو تمام سطحوں پر اجاگر کرنے کیلئے سفارتی

---

[1] http://urdu.abbtakk.tv/سعودی-عرب-کا-روہنگیا-مسلمانوں-کیلئے-ڈی/ (Accessed August 22, 2020)
[2] https://jang.com.pk/news/371589 (Accessed August 24, 2020)
[1] https://www.humsub.com.pk/75921/jalal-uddin-mughal/(Accessed August 24, 2020)

کوششیں تیز کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ اجلاس میں روہنگیا مسلمانوں کو مساوی شہری حقوق دینے اور ان کا تحفظ یقینی بنانے کیلئے میانمار حکومت پر دباؤ ڈالنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

"پاکستان کے وزیر اعظم اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اور سلامتی کونسل کے صدر کو ایک خط لکھ کر اس انسانی بحران کو اجاگر کرتے ہوئے حکومت میانمار پر سفارتی اور اخلاقی دباؤ بڑھانے کی اپیل کریں گے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کو عالمی قوانین کے تحت مناسب شہری حقوق مل سکیں۔ دوسری جانب، پاکستان کے وزیر اعظم کے مشیر او آئی سی کی سیکریٹری جنرل کو ایک خط لکھ کر روہنگیا مسلمانوں کی خوراک اور معاونت کے لیے او آئی سی کا خصوصی فنڈ قائم کرنے کی تجویز دیں گے۔"[1]

پاکستان نے عالمی برادری پر زور دیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف برمی سیکیورٹی فورسز اور بدھ مت انتہا پسندوں کی تشدد آمیز کارروائیوں کے خاتمے کے لیے میانمار پر دباؤ ڈالے۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کا المیہ دنیا کے ضمیر کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور پاکستان انھیں انسانی امداد مہیا کرے گا۔ پاکستان کی سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے حالیہ دنوں میں روہنگیا مسلمانوں سے اظہار یک جہتی کے لیے ملک بھر میں ریلیاں نکالی ہیں اور انھوں نے روہنگیا کی جبری بے دخلی پر میانمار کی لیڈر آنگ سان سوچی کی خاموشی اختیار کرنے پر مذمت کی ہے۔

پاکستانی سینیٹر طلحہ محمود نے کہا کہ روہنگیا مسلم مہاجروں کی حالت بہت خراب ہے، ان کے پاس نہ خیمے ہیں اور نہ ہی پہننے کو کپڑے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ بنگلا دیش اور برما کی سرحد پر قائم مہاجر کیمپوں میں روہنگیا مسلمان کھلے آسمان تلے بیٹھے ہیں، جبکہ وقفے وقفے سے برسات بھی ہوتی ہیں۔ سینیٹر طلحہ محمود نے یہ بھی کہا کہ:

"کیمپوں میں کافی لوگ زخمی ہیں اور وہ امداد کے منتظر ہیں، سرحد تھوڑی دیر کے لئے کھولی جاتی ہے اور پھر بند ہو جاتی ہے اس دوران امداد پہنچانا بہت مشکل کام ہے۔"[1]

پاکستان نے میانمار کے حکام پر زور دیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کی خبروں کی تحقیقات کرائے۔ ایک بیان میں دفتر خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ:

"روہنگیا مسلمانوں کے قتل کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ان کی جبری نقل مکانی پر ہمیں گہری تشویش ہے۔ پاکستان نے قتل عام کے ذمہ داروں کو کٹہرے میں لانے اور روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے اقدامات کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔"[2]

---

[1] http://www.taghribnews.com/ur/news/194422/حکومت-پاکستان-روہنگیا-مسلمانوں-کے-لیے-خصوصی-امداد (Accessed August 25, 2020)

[1] http://baadban.tv/2017/09/11/سینیٹر-طلحہ-محمود-امداد-ی-سامان-لیکر-رو/ (Accessed August 25, 2020)

[2] https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/ (Accessed August 25, 2020)

قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ نے برما کے مسلمانوں پر مظالم کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ:

"حیرت کی بات ہے کہ جو مغربی معاشرہ جانوروں کے حقوق اور احترام کا علمبردار بنا ہوا ہے، اس نے برما اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم پر آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔"[1]

پاکستان تحریک انصاف نے روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کے خلاف قومی اسمبلی میں باضابطہ طور پر تحریک التواء جمع کرادی۔ "تحریک انصاف نے برما میں مسلمانوں پر سنگین ظلم و ستم پر فوری بحث کا مطالبہ کیا۔"[2]

پاکستان، ملائیشیا اور ترکی نے بین الاقوامی اسلامی تنظیم کے مرکزی کردار کو اہمیت دیتے ہوئے مسلم دنیا کی سماجی و اقتصادی بہتری کے لیے مشترکہ کوششیں جاری رکھنے پر اتفاق کیا ہے۔

"اعلامیے میں اس بات پر زور دیا گیا کہ کشمیر، فلسطین اور روہنگیا مسلمانوں کے مسائل اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیے جائیں۔"[3]

اس وقت دنیا بھر کے عدل پسند میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ برما میں بدھ بھکشوؤں کی جانب سے وہاں کی مسلم اقلیت پر مظالم کی نئی داستانیں رقم ہو رہی ہیں، اور عالم اسلام سمیت ہر عدل پسند انسان خواہ اس کا مذہب کوئی بھی ہے، وہ غصہ میں ہے۔ روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے پُر تشدد حملوں کی تاریخ طویل ہے جس کے ساتھ مذہبی، نسلی اور سیاسی معاملات جڑے ہوئے ہیں۔ حالیہ حملوں کے بعد دنیا بھر میں روہنگیا مسلمانوں کے حق اور ان کی نسل کشی کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں۔

۲۰۱۷ء کے حملوں کے بعد اب تک ۳لاکھ سے زائد روہنگیا مسلمان بنگلہ دیش کی طرف ہجرت کر چکے ہیں، جبکہ کئی بے چارے بے یار و مددگار دریاؤں کی لہروں کے سہارے ہیں۔ پاکستان کے دفتر خارجہ نے اس حوالے سے سرکاری موقف اپنایا ہے اور میانمار کے سفیر کو طلب کر کے باقاعدہ احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔ دفتر خارجہ کی جانب سے جاری کردہ اعلامیے کے مطابق پاکستان کی سیکریٹری خارجہ تہمینہ جنجوعہ نے میانمار کے سفیر یو ون مائینٹ کو دفتر خارجہ طلب کر کے روہنگیا مسلمانوں پر جاری ظلم و بربریت کے خلاف شدید احتجاج ریکارڈ کرا دیا۔ سیکریٹری خارجہ نے میانمار کے سفیر سے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جاری ظلم و بربریت کو ختم کرنے کے حوالے سے مناسب اقدامات کا مطالبہ بھی کیا۔ اعلامیے کے مطابق:

[1] https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/ (Accessed August 25, 2020)
[2] https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/ (Accessed August 26, 2020)
[3] https://www.humnews.pk/latest/229667/(Accessed August 26, 2020)

"سیکریٹری خارجہ نے میانمار کے سفیر سے ریاست راکھائن میں روہنگیا مسلمانوں کو سیکیورٹی فراہم کرنے، ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ اور انھیں بلا امتیاز اور بغیر کسی خوف کے نقل و حمل کی اجازت دینے کا بھی مطالبہ کیا۔پاکستانی وزارت خارجہ نے میانمار کے سفیر سے مطالبہ کیا کہ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جاری ظلم کی تحقیقات کرائی جائے اور ان کی خون ریزی میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔"[1]

راکھائن میں جاری تنازع کے پائیدار حل کے لیے اقوام متحدہ کے سابق سیکریٹری جنرل کوفی عنان کے کمیشن کی سفارشات پر فوری عمل درآمد پر بھی زور دیا گیا۔خیال رہے کہ اس کمیشن کی سفارشات میں میانمار کی ریاست راکھائن میں فوری طور پر جاری شورش کو ختم کرنے کے لیے اقدامات، امن بحال رکھنے، رضاکارانہ مصالحت، غیر جانبدارانہ طور پر متاثرہ لوگوں تک رسائی اور شہریت کے مسائل کے حل پر مشتمل تجاویز بھی شامل ہیں۔میانمار کے سفیر یو ون مائینٹ نے سیکریٹری خارجہ کو یقین دہانی کرائی کہ وہ میانمار حکومت تک پاکستانی حکومت اور پاکستانی عوام کے تحفظات پہنچائیں گے۔بدھ مت اکثریت کے حامل اس ملک کی فورسز کی نہتے مسلمانوں پر جاری مظالم کے خلاف پوری دنیا کی جانب سے شدید ردِ عمل سامنے آرہا ہے اور بین الاقوامی فورم پر میانمار کو شدید تنقید کا نشانہ بھی بنایا جارہا ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف نے روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے لئے پچاس لاکھ ڈالرز کی خصوصی امداد کرنے کا اعلان کردیا ہے۔وزیر اعظم نے روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے لئے وفاقی کابینہ کی تین رکنی کمیٹی کی تمام تجاویز کو منظور کر لیا، کمیٹی میں وزیرِ داخلہ چوہدری نثار علی خان، خارجہ امور کے خصوصی مشیر سر تاج عزیز اور طارق فاطمی پر مشتمل ہے۔تجاویز کے مطابق:

"وزیرِاعظم اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اور سلامتی کونسل کے صدر کو خط لکھ کر برما حکومت پر سفارتی اور اخلاقی دباؤ بڑھانے کو کہیں گے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کو عالمی قوانین کے تحت مناسب شہری حقوق مل سکیں۔"[1]

دوسری جانب وزیر اعظم کے مشیر او آئی سی کے سیکریٹری جنرل کو ایک خط لکھ کر روہنگیا مسلمانوں کی خوراک اور معاونت کیلئے ایک خصوصی اوآئی سی فنڈ قائم کرنے کی تجویز دیں گے، اسی طرح پاکستان وزرائے خارجہ پر مشتمل اوآئی سی کی ایک تین رکنی کمیٹی کی بھی تجویز دے گا، جو برما کا دورہ کرکے وہاں کی حکومت پر مظلوم برادری کے بنیادی حقوق بحال کرنے پر زور دیں گے۔

کمیٹی کی تجاویز میں عالمی خوراک کے پروگرام کے ذریعے انڈونیشیا، ملائشیا اور تھائی لینڈ میں قائم روہنگیا مسلمانوں کے کیمپوں میں خوراک کا بندوبست کرنے کیلئے پچاس لاکھ ڈالرز کی خصوصی مدد فراہم کرنا بھی شامل ہے۔

---

[1] https://www.mukaalma.com/8489/(Accessed August 26, 2020)

[1]https://urdu.arynews.tv/96153/(Accessed August 27, 2020)

نیویارک میں تنظیم کے رابطہ گروپ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی نے پاکستان کے اس عزم کا اعادہ کیا کہ:

"روہنگیا مسلمانوں کی مدد کیلئے اسلامی تعاون تنظیم یا اقوام متحدہ کی کوششوں میں بھرپور حصہ لیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ حالیہ واقعات نسلی تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔"[1]

وزیر اعظم پاکستان نے کہا کہ عالمی برادری کو روہنگیا مسلمانوں پر ظلم وستم بند کرانے کیلئے میانمار کی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیے۔ انہوں نے اقوام متحدہ سے بھی مطالبہ کیا کہ عالمی ادارے کی جانب سے حقائق معلوم کرنے کا مشن فوری طور پر میانمار بھیجا جائے ساتھ ہی وزیر اعظم نے متاثرہ علاقوں میں امداد کی فوری رسائی کا بھی مطالبہ کیا۔ اس سے قبل سعودی عرب نے بھی عالمی برادری پر میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کیخلاف مظالم روکنے کیلئے فوری کارروائی کرنے پر زور دیا، خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی زیر صدارت سعودی وزراء کی کونسل نے جدہ میں ایک اجلاس میں مطالبہ کیا کہ کسی نسلی امتیاز کے بغیر روہنگیا مسلمانوں کو اُن کے حقوق دیئے جانے چاہئیں۔

پاکستان کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کے ایجنڈے کو اپنے بنیادی پروگراموں میں مقدم رکھے ہیں اور ترجیحی بنیادوں پر اس معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان کی تمام مؤثر شخصیات سے خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی ہوں انسانیت کی بنیاد پر روہنگیا کے مسلمانوں کے دُکھ اور مصائب کے ازالہ کے سلسلے میں اپنا کردار ضرور ادا کیا۔ تاہم تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں، نیز با اثر شخصیات اور مقتدر علماء کرام ایک ایسی مشترکہ کمیٹی تشکیل دیں جو حکومتی کمیٹی اور بین الملکی اعلیٰ سطحی کمیٹی کے کاموں کے تسلسل پر نظر رکھ سکے اور کسی قسم کے تساہل کی صورت میں عمل درآمد کرا سکے۔

ملائشیا:

۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل میں جب روہنگیا مسائل نے جنوب مشرقی ایشیائی علاقائی برادری کی توجہ اس وقت کھینچ لی تھی جب راکھائن ریاست میں فوجی مہم کے نتیجے میں برما کی فوج کے ظلم وستم کے سبب تقریباً ۲۵۰،۰۰۰ روہنگیا برما سے بنگلہ دیش فرار ہوگئے تھے۔ اس خروج کے بارے میں مارچ ۱۹۹۲ء میں، ملائشیا کے وزیر خارجہ عبداللہ احمد بدوی نے سخت الفاظ میں ایک بیان جاری کیا جب اس حوالے سے کہا گیا کہ:

"اس مسئلے کو اب برما کا گھریلو مسئلہ نہیں سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ برمی فوجیوں کی کارروائی پر بوجھ پڑا ہے۔ پڑوسی ممالک اور علاقائی استحکام میں خلل پڑ سکتا ہے۔"[1]

---

[1]https://urdu.abbtakk.tv/pm-urges-oci-to-play-role-for-rohingya-muslims20092017/ (Accessed August 27, 2020)

[1] ALTSEAN Burma, Rohingya, asylum seekers and migrants from Burma: (A human security priority for ASEAN. Bangkok: ALTSEAN-Burma.2009), 3.

جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کی تنظیم آسیان نے اس معاملے میں سنگ دلی کا مظاہرہ کر دیا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کو تنہا چھوڑتے ہوئے ان پر ہونے والی جبر اور ستم کی اس قیامت کو میانمار کا اندورانی معاملہ کہہ کر جان چھڑا لی گئی ہے۔ جبکہ ملائشیا نے آسیان کے اس اعلامیہ سے لاتعلقی ظاہر کی ہے۔ وزیر برائے امور خارجہ انیفا امان کہتے ہیں کہ ملائشیا کی نگاہ میں آسیان کا یہ بیان حقیقت کے بر خلاف ہے۔

ملائشیا نے میانمار میں سکیورٹی فورسز اور بدھ مت انتہا پسندوں کی تشدد آمیز کارروائیوں سے جانیں بچا کر آنے والے روہنگیا مسلمانوں کو عارضی پناہ مہیا کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے ساحلی محافظ بحری راستے سے آنے والے برمی مسلمانوں کو واپس نہیں لوٹائیں گے۔

ملائشیا کی میری ٹائم ایجنسی کے ڈائریکٹر جنرل ذوالکفل ابو بکر نے جمعہ کو ایک بیان میں کہا ہے کہ:

"میانمار میں تشدد کے نئے واقعات کے بعد آئندہ ہفتوں اور مہینوں کے دوران میں مزید روہنگیا مہاجرین کشتیوں کے ذریعے آسکتے ہیں۔ ہم انھیں بنیادی ضروریات مہیا کرنے کے پابند ہیں تاکہ وہ آگے کا اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔ البتہ ابھی تک نئے روہنگیا مہاجرین کی آمد نہیں ہوئی ہے۔"[1]

ملائشیا بحیرہ انڈمان سے سیکڑوں میل دور واقع ہے۔ اس پر خطر بحری سفر کے راستے پہلے قریباً ایک لاکھ روہنگیا مسلمان ملائشیا پہنچے تھے اور اس وقت وہ وہاں عارضی طور پر قیام پذیر ہیں۔

ملائشیا میانمار سے نقل مکانی کرنے والوں کے لئے ایک پسندیدہ منزل ہے کیونکہ یہ ایک مسلم اکثریتی قوم ہے۔ جہاں ظلم کے ستائے روہنگیا پناہ لیتے ہیں اور اس سلسلے میں ملائشیا نے اپنا دامن بھی کشادہ رکھا ہے ماضی میں بڑی تعداد میں روہنگیا ملائشیا میں پناہ لیتے آئے ہیں۔

گیمبیا:

گیمبیا میانمار اور روہنگیا سے ۱۰،۰۰۰ کلومیٹر دور واقع ایک افریقی ملک ہے جو روہنگیا کے خلاف ہونے والے ظلم وستم میں اہم ثابت ہوا ہے۔ ۱۱ نومبر ۲۰۱۹ء کو گیمبیا نے میانمار کے خلاف عالمی عدالت انصاف کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ اس نے میانمار پر نسل کشی کے جرائم کی روک تھام اور سزا سے متعلق ۱۹۴۸ء کے کنونشن کی خلاف ورزی کا الزام عائد کیا تھا، جس میں درخواست دہندہ اور مدعی دونوں فریق ہیں۔ گیمبیا نے میانمار کو نسل کشی اور اسی جرم کے ارتکاب سے روکنے میں ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ درخواست میں روہنگیا کے تحفظ کی درخواست بھی شامل ہے۔ اگرچہ اس تنازعہ کی باضابطہ طور پر فریق نہیں ہے، لیکن اسلامی تعاون تنظیم (او آئی سی) نے درخواست میں گیمبیا کی حمایت

[1] http://urdu.alarabiya.net/ur/international/2017/09/08/ملائشیا-جانیں-بچا-کر-آنے-والے-روہنگیا-مسلمانوں-کو-پناہ-دینے-کو-تیار.html (Accessed August 28, 2020)

کی ہے۔ عالمی عدالت انصاف جو اقوام متحدہ کا بنیادی عدالتی حصہ ہے، صرف بین الاقوامی تنازعات کو ہی سنبھالتا ہے اور وہ ریاستی سطح کی ذمہ داری کے بارے میں نتائج تلاش کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

گیمبیا نے نسل کشی کنونشن میں بطور ریاستی پارٹی کی حیثیت سے معاملہ شروع کیا حالانکہ اسے خود میانمار سے کوئی مادی چوٹ نہیں پہنچی تھی۔ عارضی اقدامات کے بارے میں عالمی عدالت کے فیصلے کو عام طور پر گیمبیا کی فتح سمجھا جاتا تھا، حالانکہ عدالت نے درخواست گزار کی تمام درخواستوں کو منظور نہیں کیا تھا۔ اس ابتدائی کامیابی کے باوجود، کیس کی خوبیوں کے بارے میں کسی تیز فیصلوں کی توقع نہیں کی جانی چاہئے کیونکہ عالمی عدالت انصاف عام طور پر کئی سال لگاتے ہیں۔

عالمی عدالت انصاف نے میانمار حکومت کو روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کا حکم دے دیا ہے، نسل کشی کے خلاف ۱۹۴۸ء کے کنونشن کے تحت افریقی ریاست گیمبیا کی درخواست پر اقدامات کی منظوری دیتے ہوئے عالمی کورٹ کے جج عبد القوی احمد یوسف نے درخواست گزار ملک کو مقدمے کی کاروائی مزید آگے بڑھانے کی اجازت دے دی ہے، عدالت نے میانمار کی حکومت کو پابند بنایا کہ وہ مسلمان برادری کے خلاف اپنی فوج کے ظالمانہ اقدامات روکے، برمی حکومت کو روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کے لئے چار ماہ کے اندر تمام اقدامات کر کے رپورٹ جمع کرانے، اور ہر چھ ماہ بعد اس حوالہ سے رپورٹ دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مقدمے کی سماعت کے دوران میانمار کی حکومت نے موقف اختیار کیا کہ:

"عالمی عدالت انصاف اس کیس کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی جس پر گیمبیا کے دلائل سن کر عدالت نے قرار دیا کہ روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کے حوالے سے مقدمہ سننے کی یہ عدالت مجاز ہے۔"[1]

اس کے بارے میں اقوام متحدہ کے علاوہ متعدد دیگر عالمی ادارے اور مسلم ممالک کی باہمی تعاون کی تنظیم مختلف مواقع پر رپورٹیں پیش کرتے ہوئے آواز اٹھاتے رہے ہیں، مگر توجہ دلانے اور آواز اٹھانے سے آگے کوئی عملی جدوجہد کسی طرف سے اب تک سامنے نہیں آئی۔ اس لیے اب گیمبیا کی حکومت نے عالمی عدالت انصاف کا دروازہ کھٹکھٹا کر مظلوم اراکانی مسلمانوں کی دادرسی کی کوئی صورت نکالی ہے۔

"گیمبیا واحد مسلمان اکثریتی افریقی ملک ہے جس نے تمام پناہ گزینوں کو اپنے ہاں بسنے کی پیشکش کی ہے۔ لیکن ان ہزاروں بھوکوں ننگوں بیماروں کو ہزاروں میل دور گیمبیا کون پہنچائے کہ جس کا اپنا شمار دنیا کے دس غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے۔"[2]

---

[1] http://zahidrashdi.org/2915(Accessed August 28, 2020)
[2] https://www.mukaalma.com/7823/(Accessed August 28, 2020)

برما پر نسل کشی کا مقدمہ درج کرنے کے عمل میں گیمبیا کو تنظیم برائے اسلامی تعاون کے ۵۷ ممالک کی حمایت حاصل ہے۔ ۹ جنوری، ۲۰۲۰ء کو کنیڈا اور نیدرلینڈ کی حکومتوں جو نسل کشی میثاق کی فریق ہیں، نے کہا، وہ سمجھتی ہیں کہ:

"عالمی عدالت انصاف کے سامنے گیمبیا کی حمایت کرنا ان کا فرض ہے کیونکہ تمام انسانوں کو اس معاملے کی فکر ہونی چاہیے۔ ۹ جنوری، ۲۰۲۰ء کو برطانوی حکومت نے میانمار کے خلاف گیمبیا کے مقدمے کو خوش آئند قرار دیا۔"[1]

ہیومن رائٹس واچ نے کہا ہے کہ میثاق کے دیگر فریقین کو میانمار پر عدالتی حکمنامے کی پاسداری کے لیے دباؤ ڈالنا چاہیے۔ اگر میانمار پاسداری کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو پھر گیمبیا میانمار کی عدم پاسداری کا معاملہ یواین کے منشور کے آرٹیکل ۹۴ کے تحت سلامتی کونسل میں اٹھا سکتا ہے۔ گیمبیا کے مقدمے کے لیے عالمی برادری کی بڑھتی ہوئی حمایت کی وجہ سے میانمار کے لیے ضروری ہے کہ وہ عالمی عدالت انصاف کی کاروائی میں بامعنی انداز میں شامل ہو اور روہنگیا کے حوالے سے اپنا طرز عمل تبدیل کرے۔

عالمی برادری کا کردار:

۱۹۸۸ء سے میانمار میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر مغربی ریاستوں، بین الاقوامی حمایتی گروپوں اور یہاں تک کہ بین الاقوامی تنظیموں، یعنی اقوام متحدہ کی طرف سے کافی توجہ حاصل کی گئی ہے۔ ان پیشرفتوں کی روشنی میں، برما میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق معاملات یا تو وہ دوطرفہ یا کثیر الجہتی فورموں میں مغربی ریاستوں اور اقوام متحدہ کی طرف سے اٹھائے گئے ہیں، میانمار کی فوجی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ انسانی حقوق کی پامالیوں کو روکیں اور اپنے انسانی حقوق کو بہتر بنائے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوٹیرس نے کہا ہے کہ میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جاری تشدد کا خاتمہ اولین ترجیح ہے۔ غیر ملکی میڈیا کے مطابق صحافیوں سے بات چیت میں اقوام متحدہ کے سربراہ نے میانمار کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ:

"تشدد کی شکار ریاست راکھائن کے تمام علاقوں تک امدادی اداروں کو رسائی دی جائے۔ انتونیو گوٹیرس نے ریاست راکھائن کی صورت حال ایک سانحے سے تشبیہ دی۔ اگست ۲۰۱۷ء کے اواخر سے راکھائن میں جاری خون ریز کارروائیوں کے تناظر میں ۶ لاکھ سے زائد روہنگیا باشندے سرحد عبور کر کے بنگلہ دیش میں پناہ لے چکے ہیں۔"[1]

---

[1] https://www.hrw.org/ur/news/2020/01/23/338154(Accessed August 28, 2020)

[1]http://jehanpakistan.pk/news-detail/روہنگیا-مسلمانوں-کیخلاف-جاری-تشدد-کا-خاتمہ-اولین-ترجیح-ہے-انتونیو-گوٹیرس
(Accessed August 29, 2020)

پناہ گزینوں سے متعلق فلاحی ادارے ریفیوجیز انٹرنیشنل کے صدر ایرک شوارٹز نے کہا ہے کہ:

"وہ گذشتہ ۳۰ برس سے پناہ گزینوں کے حوالے سے فلاحی کام کر رہے ہیں لیکن انہوں نے اب تک کہیں بھی پناہ گزینوں کی ایسی حالت نہیں دیکھی، جیسی میانمار کی ریاست نے کی ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اربوں روپے کی ضرورت ہوگی۔"[1]

اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوٹیرس کا کہنا ہے کہ:

"میانمار میں روہنگیا مسلمان تباہ کن انسانی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں۔ سیکیورٹی فورسز کی جانب سے روہنگیا دیہات پر مبینہ حملے مکمل طور پر ناقابل قبول ہیں۔ اور انھوں نے فوجی طاقت کا استعمال روکنے کا مطالبہ کیا۔"[2]

میانمار کی فوج کا کہنا ہے کہ وہ عسکریت پسندوں سے لڑ رہی ہے اور عام شہریوں کو نشانہ بنانے کی تردید کرتی ہے۔ اگست ۲۰۱۷ء سے شروع ہونے والے پُر تشدد واقعات کے بعد تقریباً تین لاکھ ۹۷ ہزار روہنگیا مسلمانوں نے بنگلہ دیش نقل مکانی کی ہے۔ کچھ دیہات مکمل طور پر نذر آتش کر دیے گئے ہیں۔ بڑی تعداد میں روہنگیا مسلمان آج بھی خستہ کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ انھیں وسیع پیمانے پر امتیازی سلوک اور زیادتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں بغیر دستاویزات والے روہنگیا بنگلہ دیش میں رہ رہے ہیں جو دہائیوں پہلے میانمار چھوڑ کر وہاں آئے تھے۔

اقوام متحدہ کے ترجمان اسٹیفن دوجارک کے مطابق عالمی خوراک پروگرام نے بنگلہ دیش میں کیمپوں میں مقیم روہنگیا مہاجرین کو خوراک مہیا کرنے کے لیے ایک کروڑ تیرہ لاکھ ڈالرز کی امداد کی اپیل کی ہے۔ اور اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوٹیریس نے میانمار کی صورت حال سے متعلق سفارتی روابط جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اگست ۲۰۱۸ء میں اقوام متحدہ نے روہنگیا ظلم و ستم کو نسل کشی اور نسلی صفائی کے طور پر تسلیم کیا، اور انسانیت کے خلاف جرائم کے ذمہ دار میانمار کے اعلیٰ جنرلوں کی گرفتاری اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا مطالبہ کیا۔[1]

ناروے کے وزیر خارجہ نے میانمار کی لیڈر آنگ سان سوچی اور ان کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کے گروپوں کو تشدد سے متاثرہ ریاست راکھائن میں امدادی سامان تقسیم کرنے کی اجازت دے۔ ناروے کے وزیر خارجہ بورثے بریندی نے ایک بیان میں کہا کہ:

"ان کی حکومت کو روہنگیا کی بگڑتی ہوئی صورت حال اور ان کے خلاف تشدد میں اضافے پر گہری تشویش لاحق ہے۔ انھوں نے کہا کہ تمام گروپوں کو ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ مگر انھوں نے آنگ سانگ سوچی کی

---

[1] http://jehanpakistan.pk/news-detail/روہنگیا-سے-بدتر-حالت-کسی-کی-نہیں-دیکھی-عالمی-ادارہ
(Accessed August 29, 2020)
[2] https://www.okaz.com.sa/urdu/na/1572226 (Accessed August 29, 2020)
[1] https://www.theguardian.com/world/2018/aug/27/myanmars-military-accused-of-genocide-by-damning-un-report(Accessed August 30, 2020)

قیادت میں حکام پر زور دیا ہے کہ شہریوں کو تشدد آمیز کارروائیوں سے بچانا اور ان کے انسانی حقوق کا تحفظ ان کی خصوصی ذمے داری ہے۔"[1]

اس نے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا کہ آنگ سان سوچی کی حکومت روہنگیا کے خلاف جرائم کی کوریج کر رہی ہے اور انہیں تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔

یورپی کونسل کے اعلامیے میں آیا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف مغربی میانمار کے صوبہ راکھائن میں انسانی حقوق کی کھلی اور سنگین خلاف ورزیوں کے پیش نظر یہ کونسل، اس ملک کے بعض فوجی حکام کے خلاف مزید پابندیاں عائد کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ یورپی کونسل کے اعلامیے میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف انجام پانے والے جرائم کی تحقیقات کے لئے ایک مستقل وخود مختار تکنیکی پہلو تشکیل دینے کی ضرورت پر تاکید کی گئی ہے۔

"اس وقت یورپی یونین نے بھی میانمار کے سات فوجی حکام پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں کہ جس کی بنیاد پر ان فوجیوں کے اثاثوں کو منجمد کر دیا جائے گا اور انھیں یورپی ممالک کا سفر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سے پہلے اقوام متحدہ کی تحقیقاتی کمیٹی نے بھی میانمار کی فوج کے کمانڈر اور پانچ دیگر فوجی جنرلوں پر نسل کشی اور انسانیت کے خلاف جرائم کے ارتکاب کا الزام لگایا تھا اور ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا تھا۔"[2]

سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ میانمار حکومت کے خلاف یورپی کونسل کا اعلانیہ اگرچہ سیاسی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے تاہم یہ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف حکومت کے جرائم کا سلسلہ روکنے میں زیادہ موثر ثابت نہیں ہوگا۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی انسانی حقوق کمیٹی نے ۱۰ کے مقابلے میں ۱۴۲ ووٹوں سے روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کی خلاف ورزی کی مذمت میں قرارداد منظور کی جبکہ ۲۶ اراکین نے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔

اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کمیٹی نے میانمار میں فوج کی جانب سے پرتشدد مہم چلانے اور روہنگیا مسلمانوں پر مسلسل تشدد اور حقوق کی خلاف ورزیوں پر مذمتی قرارداد منظور کرلی اور ان کارروائیوں کو انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی اور توہین قرار دیا۔ قرارداد میں روہنگیا کے خلاف میانمار کی فوج کی پرتشدد کارروائیوں پر تشویش کا اظہار کیا گیا جس کے نتیجے میں اگست ۲۰۱۷ء کے بعد ۷ لاکھ ۲۳ ہزار روہنگیا مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر بنگلہ دیش کی جانب ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ میانمار کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ:

"فوری طور پر امتیازی سلوک ختم کر کے روہنگیا کو برابر کے شہری حقوق دیئے جائیں۔ روہنگیا کے حقوق کی خلاف ورزی پر مذمتی قرار کو اسلامی تعاون تنظیم کے ۵۷ ممالک، یورپین یونین اور کینیڈا کے تعاون سے پیش کیا گیا تھا۔"[1]

---

[1] https://www.okaz.com.sa/urdu/na/1570928 (Accessed August 30, 2020)
[2] https://urdu.sahartv.ir/news/annalys-i340141(Accessed August 31, 2020)
[1] https://urdu.sahartv.ir/news/islamic_world-i338772 (Accessed August 31, 2020)

قرار داد میں میانمار کے حوالے سے اقوام متحدہ کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے شدید تشویش ظاہر کی گئی، اقوام متحدہ کی رپورٹ میں سفارش کی گئی تھی کہ میانمار کے فوجی حکام پر انسانیت کے خلاف جرائم اور روہنگیا نسل کشی پر عالمی عدالت میں مقدمات قائم کیے جائیں۔

ہیومن رائٹس واچ نے کہا ہے کہ عالمی عدالت انصاف نے ۲۳ جنوری، ۲۰۲۰ء کو حکم صادر کرتے ہوئے میانمار کو ہدایت کی کہ وہ ریاست راکھائن میں باقی ماندہ روہنگیا برادری کے تحفظ کے لیے روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کو روکے۔

ہیومن رائٹس واچ کے ایسو سی ایٹ ڈائریکٹر برائے عالمی انصاف پرم پریت سنگھ نے کہا ہے کہ:

"روہنگیا کی نسل کشی روکنے کے لیے میانمار کو عالمی عدالت انصاف کا حکم نامہ روہنگیا آبادی کے خلاف مزید مظالم کی روک تھام میں اہم پیش رفت ہے۔ اب متعلقہ حکومتوں اور اقوام متحدہ کے اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ اس اَمر کو یقینی بنانے کے لیے کہ جوں جوں نسل کشی کا مقدمہ آگے بڑھتا ہے حکمنامے پر عملدرآمد ہو۔"[1]

حکم نامے سے پہلے گیمبیا نے ۱۱ نومبر ۲۰۱۹ء کو عدالت میں ایک درخواست دائر کی تھی جس میں مؤقف اختیار کیا گیا تھا کہ ریاست راکھائن میں روہنگیا پر میانمار فوج کے مظالم نسل کشی کے جرم کی روک تھام اور سزا کے میثاق کی خلاف ورزی ہے۔ اور درخواست میں فوری طور پر عبوری اقدامات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

"برطانوی وزیر اعظم تھریسامے اور ریاستہائے متحدہ کے سکریٹری برائے خارجہ ریکس ٹلرسن نے اسے "نسلی صفائی" قرار دیا جبکہ فرانسیسی صدر ایمانوئل میکرون نے اس صورتحال کو "نسل کشی" کے طور پر بیان کیا۔"[1]

"نومبر ۲۰۱۷ء میں، بنگلہ دیش اور میانمار کی حکومتوں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس سے روہنگیا پناہ گزینوں کو ان کی آبائی ریاست راکھائن میں دو ماہ کے اندر اندر واپسی کی سہولت دی گئی، جس سے بین الاقوامی برادریوں کی طرف سے ملاجلا ردعمل سامنے آیا۔"[2]

فلپائن کے صدر روڈریگو ڈویٹرٹے نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کے قتل کو نسل کشی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ فلپائن روہنگیا مسلمان برادری کو اپنے ملک میں پناہ دینے کیلئے تیار ہے۔

"رومن کیتھولک اکثریتی ملک فلپائن نے انسانی ہمدردی کے تحت روہنگیا کو اپنے ہاں آنے کی اجازت دے دی ہے۔"[3]

> "I'm willing to accept refugees Rohingyas, yes. I will help but we should split them with Europe." [4]

---

[1] https://www.hrw.org/ur/news/2020/01/23/338154(Accessed August 31, 2020)
[1] https://www.sbs.com.au/news/french-president-labels-attacks-on-rohingya-minority-as-genocide (Accessed August 31, 2020)
[2] https://www.bbc.com/news/world-asia-42094060(Accessed August 31, 2020)
[3] https://www.mukaalma.com/7823/(Accessed August 31, 2020)
[4]https://myanmarcrimes.com/duterte-cites-genocide-in-myanmar-says-phl-will-take-rohingya-refugees/ (Accessed August 31, 2020)

ترجمہ: "میں مہاجرین روہنگیا کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں، ہاں۔ میں مدد کروں گا لیکن ہمیں انہیں یورپ کے ساتھ تقسیم کرنا چاہیئے۔

فلپائن کے صدر روڈریگو ڈویٹرٹے نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کا قتل نسل کشی قرار دیا، ان کا کہنا تھا کہ فلپائن روہنگیا مسلمان برادری کو اپنے ملک میں پناہ دینے کیلئے تیار ہیں۔

روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کے خلاف دنیا بھر میں ہونیوالے احتجاج کے علاوہ اقوام متحدہ کے سب سے مقتدر ادارے سلامتی کونسل نے میانمار کی حکومت سے یہ تو کہا ہے کہ وہ روہنگیا بحران پر فوری قابو پائے مگر وہ مسلم اقلیت کی نسلی صفائی مہم کو بند کرانے کے لیے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کر سکی۔ روہنگیا کے خلاف ڈھائے جانے والے مظالم کا کوئی بھی جواز نہیں۔ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے اور اس کی جڑ میانمار کے داخلی قوانین ہیں۔ عالمی برادری کو فوری طور پہ میانمار کی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا جلد از جلد سدباب کرے۔ مختصراً روہنگیا کے مسلمانوں کے مسئلہ کو عالمی سطح پہ ایک سنگین انسانی المیہ کے طور پہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور روہنگیا کے مسلمانوں کو شہریت کا حق ملنا چاہیے۔ مسلم ممالک کو میانمار حکومت پہ سفارتی دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ روہنگیا کے مسلمانوں پہ ڈھائے جانے والے مظالم کو روکے۔

روہنگیا مسلمانوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کے تعلقات کی بہتری کے لئے مسلم امہ کا ممکنہ کردار

مسلم اکثریتی ممالک میں اس مسئلے کو مسلمانوں کا مسئلہ تو کہا جارہا ہے لیکن مسئلے کو مستقل طور پر حل کرانے کے لیے عملی اقدامات نظر نہیں آرہے۔ کوئی ایک ملک یہ مسئلہ حل کر بھی نہیں سکتا اس کے لیے اجتماعی سوچ اور کوششیں درکار ہیں جن کا فی الوقت فقدان ہے۔ روہنگیا مسلمان دنیا کے مظلوم ترین انسان ہیں جن کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر بنادی گئی ہے۔ اس گمبھیر صورتحال کا تقاضہ ہے کہ دنیا بالعموم اور اسلامی ممالک بالخصوص روہنگیا کے مسلمانوں کے مسئلہ کا مستقل حل نکالیں، اگر آج اسلامی ممالک نے متحد ہو کر میانمار کا ہاتھ نہ روکا تو پھر میانمار میں مسلمانوں کی "نسلی صفائی" کا سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ عالمِ اسلام بلکہ پورے عالم کے انسان دوست ممالک سے مطالبہ ہے کہ وہ فوری طور پر برما کی حکومت پر سفارتی اور اخلاقی دباؤ ڈالے تاکہ وہ انسانیت کُش حرکتوں سے باز آئے۔

مقبوضہ کشمیر اور مقبوضہ فلسطین تو دنیا بھر میں انتہائی حساس موضوع بنے ہوئے ہیں اور ان پر ہر بڑے عالمی پلیٹ فارم پر بات بھی ہوتی ہے لیکن میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کا عالم یہ ہے کہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں لیکن ان کے لیے آواز عالمی سطح پر اس طرح نہیں اٹھائی جارہی جس طرح اٹھائی جانی چاہیے۔ روہنگیا مسلمانوں کا سرکاری طور پر قتل عام کیا جارہا ہے لیکن عالمی برادری کو تو چھوڑیں مسلم امہ بھی اپنے اپنے مسائل میں اتنی پھنسی ہوئی ہے کہ وہ ان مظلوموں کے لیے صحیح طرح صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کر پارہی۔ پچھلے کئی سال

سے بدھسٹوں نے روہنگیا کے مسلمانوں کی جس طرح نسل کشی کی ہے اس جیسی مثال نہیں ملتی پر نہ تو اقوام متحدہ کا کوئی زور ہے اور نہ مسلم حکمرانوں کا جذبہ۔ روہنگیا مسلمانوں پر ظلم و ستم کوئی نئی بات نہیں۔ یہ مسئلہ کئی دہائیوں سے چلا آرہا ہے، جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میانمار کے حکمرانوں اور وہاں رہنے والی دیگر قومیتوں نے روہنگیا مسلمانوں کو کبھی دل سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ روہنگیا مسلمانوں کو میانمار پر ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے اور ان سے نفرت کا اظہار مختلف مواقع پر مظالم کر کے کیا جاتا ہے۔

اسلامی ملکوں کو روہنگیا کے مسلمانوں کی حالت زار کا بھرپور اور فوری نوٹس لینا چاہیے، گو کہ تمام اسلامی ملک اپنے اپنے مسائل اور بحرانوں سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اس خطے کی بات ضرور کریں اور اس کے لیے آواز لازمی اٹھائیں جس کے باسی صرف مسلمان ہونے کے "جرم" میں حکومتی مظالم کا شکار ہیں۔ اگر تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر اقدامات کریں تو میانمار کی حکومت روہنگیا مسلمانوں پر توڑے جانے والے مظالم اور زیادتیوں کا سلسلہ روک سکتی ہے ورنہ روہنگیا مسلمانوں کا خون بہتا ہی رہے گا۔

روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار پر مسلم امہ کی خاموشی افسوسناک کو شرمناک ہے۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین نے فرمایا تھا:

"مجھے اتنی تکلیف کربلا میں نہیں ہوئی جتنی کوفہ والوں کے خاموش رہنے پر ہوئی۔ کوفہ ایک شہر کا نام نہیں بلکہ خاموش امت کا نام ہے۔ جہاں پر بھی ظلم ہوا اور امت خاموش رہے وہ جگہ کوفہ ہے اور لوگ کوفی ہیں۔"[1]

یہی حالت اس وقت پوری امت مسلمہ کا ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ظلم و ستم کا جو بازار گرم ہے۔ اور جس بربریت اور سفاکی کا مظاہرہ بدھ مت کے بدھ بھکشوؤں نے میانمار حکومت کی سرپرستی میں پولیس اور فوج کے ساتھ مل کر روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے اس کی نظیر ڈھونڈ کر لانا مشکل ہے اور جس بے ضمیری، بے شرمی اور بے حسی سے بزدلانہ خاموشی سے مسلم امہ نے یہ سب کچھ دیکھا سنا ہے اس کی مثال بھی نہیں مل سکتی۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تمام مسلم امہ کے جسم میں درد کی ٹھیسیں اٹھیں اور سارا بدن شدید بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان امت مسلمہ جسد واحد کی طرح ہے، اگر جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو سارا بدن اس درد کو محسوس کرتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا یہاں امت مسلمہ سے میری مراد مسلم امہ کے حکمرانوں سے ہے، ایک عام اور سیدھا سادھا مسلمان تو تڑپ اٹھتا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ کتنے بینر اٹھا کر احتجاج کر سکتے ہیں یا ریلیاں نکال سکتے ہیں جس کا ایک فیصد بھی کوئی اثر برما حکومت پر نہیں ہو سکتا۔ جس ہٹ دھرمی اور بے شرمی سے معاملہ کے سکیورٹی اہلکار ایک منظم منصوبہ بندی سے مسلمانوں کے قتل اور نسل

---

[1] امام شمس الدین الذہبی، تاریخ الإسلام ووفیات المشاهیر والأعلام، (مصر: مکتبہ نور)، ۲۰۰۳ء، ص:٦/ ۴۳۲

کشی کا بازار گرم رکھے ہوئے ہیں آنگ سان سوچی ڈھٹائی اور بے شرمی سے معنی خیز خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہ سمجھ لینے کے لیے کافی ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے اور پہلے سے طے شدہ ایجنڈے کا نتیجہ ہے۔ اور صرف زبانی کلامی مذمت ناکافی ہے کیونکہ عالمی طاقتیں مسلمانوں سے متعلق ہر مسئلے کو اپنے مفادات کی عینک سے دیکھتی ہیں۔ اور اس عینک سے دیکھنے پر نہ توانہیں انسانی حقوق کی خلاف ورزی نظر آسکتی ہیں اور نہ ہی برما میں جاری بربریت سے ان کی آنکھیں نم ہوسکتی ہیں، یہ درد تو مسلمانوں کے محسوس کرنے کے لئے تالے کے دکھ اور افسوس کا مقام ہے کہ سوائے ترک صدر طیب اردگان کے کسی نے ان لاچار اور بے کس روہنگیا مسلمانوں کے زخموں پر مرہم پٹی رکھنے کی کوشش نہیں کی۔

یہ بات حیران کن ہے کہ مسلمانوں کو کچلنے کے لئے اور نقصان پہنچانے کے لیے غیر مسلم ممالک کے ہو جاتے ہیں اور گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں۔ اور ان کی سازش عیاں بھی ہو رہی ہوتی ہیں۔ لیکن مسلم ملکوں کے حکمران کسی جائز مسئلے پر بھی ایک نہیں ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے جس سے مسلمانوں کی دنیا بھر میں آج جو صورت حال کا پورا جواب مل جاتا ہے۔ اس وقت کی کیفیت کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

((عَنْ ثَوْبَانَ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا ، فَقَالَ قَائِلٌ : وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ ؟ قَالَ : بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزَعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ ، فَقَالَ قَائِلٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْوَهْنُ ؟ قَالَ : حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ))[1]

ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ `رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے پیالوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں "تو ایک کہنے والے نے کہا: کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت ہو گے، لیکن تم سیلاب کی جھاگ کے مانند ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں (وہن) ڈال دے گا "تو ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کے رسول (!وہن) کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔"

[1] امام ابوداَد، سنن ابی داَد، كِتَاب الْمَلَاحِمِ، باب فِي تَدَاعِي الأُمَمِ عَلَى الإِسْلَامِ، حدیث نمبر: ۴۲۹۷

یہی نقشہ آج کل امت مسلمہ کا ہے جس پر اقوام عالم ایک دوسرے کو ٹوٹ پڑنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ آج پورے عالم اسلام کی یہی کیفیت ہے دنیا جو چاہے ہمارے ساتھ سلوک کرتی رہے۔ لیکن ہم مکمل طور پر بے حس ہو چکے ہیں۔ ہماری غیرت اور حمیت ماضی کا قصہ بن چکی ہے۔ نہ کوئی تڑپ باقی ہے نہ احساس بلکہ امت مسلمہ کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا ہے۔

اس بے وفائی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ۵۷ مسلمان ممالک ہیں۔ اور مسلم امہ کی ایک تنظیم او آئی سی بھی ہے۔ لیکن ہر طرف سکوت طاری ہے اور مسلمان حکمران اپنے اپنے محلات کے ٹھنڈے کمروں کے نرم نرم گدوں پر محو استراحت ہیں اور اقتدار کی دیوی کے تلوے چاٹ رہے ہیں اور مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ او آئی سی سے تو اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ بنگلہ دیش کو مجبور کرے کہ وہ برما کے مہاجرین پر اپنے دروازے بند نہ کرے اور ان مظلوموں کی مدد کرے۔ مسلمان ممالک کی تنظیم او آئی سی کا کردار ہمیشہ سے ہی غیر فعال اور غیر موثر تنظیم کے طور پر سامنے آیا ہے۔ مسلمانوں سے متعلق کسی بھی بڑے واقعے کے بعد ایک اجلاس چھوٹا موٹا محتاط مذمتی بیان آجاتا ہے۔

اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اقوام متحدہ سمیت کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ حالانکہ اقوام متحدہ کی قرارداد میں واضح لکھا ہے کہ جنگ ہو یا عام نسل کشی کسی دور میں بھی ناقابل معافی جرم تصور ہو گی اور اسے ہر صورت روکا جائے گا۔ لیکن غیروں سے کیا گلہ کریں کہ میں عمر میں ہونے والے اس ظلم عظیم پر محض تشویش کا اظہار کرنا ہی تھا جبکہ تمام غیر مسلم ایک ہو رہے ہیں۔

روہنگیا مسلمان دنیا کی مظلوم ترین انسان ہے جن کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر بنادی گئی ہے۔ اس گندی صورتحال کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا بالعموم اور اسلامی ممالک بالخصوص روہنگیا کے مسلمانوں کا مستقل حل نکالیں۔ اگر آج اسلامی ممالک نے متحد ہو کر برما حکومت کا ہاتھ نہ روکا تو پھر برما میں مسلمانوں کی نسل تطہیر کا سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ ستاون اسلامی ملکوں پر مشتمل او آئی سی پوری عالمی برادری کی نمائندہ انجمن اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی درجنوں تنظیموں کو زبانی جمع خرچ سے آگے بڑھ کر عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ بصورت دیگر یہ تاریخ کے بدترین انسانی المیوں میں سے ایک اور اضافہ ثابت ہو گا۔ عالمی برادری اور مسلم امہ کا فرض ہے کہ میانمار کی حکومت کو روہنگیا مسلمانوں کو مکمل شہری حقوق دینے پر مجبور کرے اور اس کے لئے تمام تر ضروری اقدامات عمل میں لائے۔ کیونکہ یہی اس مسئلہ کا واحد قابل عمل اور منصفانہ حل ہے۔[1]

[1] محمد فاروق عزمی، مسلمانوں کی قتل گاہ برما، ص:۱۳۴-۱۴۲

اقوامِ متحدہ کے مطابق دنیا میں مسلم ممالک کی تعداد ۵۷ کے قریب ہے۔ اس وقت دنیا کا نظام مین پاور، ربڑ، تیل اور آئی ٹی کے بزنس سے چل رہا ہے۔ آئی ٹی کے سوا باقی تینوں چیزیں مسلم ممالک کے پاس ہیں۔ اسلام دنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے لیکن مسلم ممالک کے حکمرانوں کی نااتفاقی اور نااہلی کے باعث پوری دنیا کے مسلمان پریشان اور بدحال ہیں جن میں فلسطین، افغانستان، یمن اور برما (میانمار) شامل ہیں۔ گزشتہ کئی سال سے برما میں مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے تشدد کر کے قتل کیا جارہا ہے۔ ظلم وستم کی یہ فلمیں (ویڈیوز) ہر روز سوشل میڈیا سے منظرِ عام پر آتی ہیں تو ہر دردِ دل رکھنے والا مسلمان چیخ اُٹھتا ہے کہ برما میں کس طرح مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا جارہا ہے؟ کتنے مسلمانوں کی لاشیں جلادی گئیں یا دریائوں میں بہادی گئیں، اس کے اعدادوشمار کسی کے پاس موجود نہیں۔ ایسے خوفناک اور عبرتناک واقعات کے بعد مسلمان ممالک کو عملی اقدامات اٹھانے چاہئیں تھے تاکہ اس قسم کے واقعات دنیا میں دوبارہ رونما نہ ہوتے، لیکن مسلمانوں کی وہی ازلی تن آسانی کی عادت اور ہمیشہ کی سستی، کاہلی، غفلت اور لاپرواہی یہاں بھی دیکھنے میں آئی، کسی فرد ادارے یا حکمران نے تو کجا اقوام متحدہ جیسے ادارے نے بھی کوئی عملی اقدام نہ اٹھایا جو خود کو انسانی حقوق کے عالمی منشور کا خالق اور چیمپین گردانتا ہے اور اس کا دعویٰ بھی کرتا ہے کہ وہ اقوام عالم کے حقوق کا پاسدار ہے۔ اقوام متحدہ کے ممبر ارکان ممالک میں وہ یورپی ممالک کثیر تعداد میں شامل ہیں جو خود کو انسانی حقوق کا علمبردار سمجھتے ہیں۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ انہیں برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے بے پناہ ظلم وستم مطلق نظر نہیں آتے۔ اقوام متحدہ عالم اسلام اور دنیا نے ان لاچار و بے کس مظلوم مسلمانوں سے ایسا اغماض برتا اور آنکھیں چرا لیں کہ آج کسی کو یاد بھی نہیں کہ ہزاروں بے گناہ کمزور اور مجبور مسلمانوں کو، میانمار (برما) کی سیکورٹی فورسز، افواج اور بدھ مت کے پیروکار کس بے دردی اور پر تشدد طریقے سے ذبح کر رہے ہیں۔ ان کے گاؤں کے گائوں نذرِ آتش کیے جارہے ہیں، ان کی شہریت ختم کر دی گئی ہے، بچوں اور خواتین کی عصمت دری ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں یہ دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم اقلیت ہجرت کرنے پر مجبور ہے، لیکن ستم بالائے ستم انہیں کوئی ملک پناہ دینے کیلئے راضی نہیں ہے۔ میڈیا میں کچھ دنوں کے لیے ایک ابال اٹھا تھا جو سمندر کی جھاگ کی طرح ختم ہو گیا۔ چند ٹاک شوز اور کچھ کالم لکھنے کے بعد الیکٹرک اور پریس میڈیا برما کے مسلمانوں سے لاتعلق ہو گیا اور اب یہاں مکمل خاموشی ہے۔

میانمار میں کئی دہائیوں سے سرکاری فوج نے ظلم و بربریت کی انتہا کر دی ہے۔ افسوسناک امر تو یہ ہے کہ مسلم امہ کی جانب سے اب تک ان واقعات کا کوئی خاطر خواہ نوٹس نہیں لیا گیا۔ عالمی میڈیا بھی برما کے مسلمانوں کی نسل کشی کو صحیح طریقے سے نہیں دکھا رہا، یہ نہ صرف غیر منصفانہ اور شرمناک طرز عمل ہے بلکہ انسانیت اور انسانی ہم آہنگی کے متصادم رویہ ہے، ایسے میں لازم ہے کہ مسلم امہ روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

میانمار میں جاری ظلم و ستم کی داستانیں جب سے سوشل میڈیا پر عیاں ہوئی ہیں میانمار حکومت کے خلاف احتجاج اور مظاہرے کیے جا رہے ہیں، دنیا بھر میں لوگ روہنگیا مسلمانوں کے حق میں سڑکوں پر نکل آئے، پاکستان، ترکی، چیچنیا، روس، بھارت اور انڈونیشیا سمیت کئی ممالک میں مظاہرے ہوئے۔

مسلمان حکمرانوں کو اگر ان کے شوق حکمرانی سے کچھ فرصت ملے تو خدارا اس مسئلہ پر بھی تھوڑی توجہ دیں۔ ایسٹ تیمور کے صرف دس گیارہ لاکھ لوگوں کے لئے ایک الگ ملک بن سکتا ہے تو آخر برما کے ان مسلمانوں کے لئے اور ان کے حقوق کے لئے کیوں بات نہیں کی جاتی، ویسے بھی روہنگیا اپنے آپ کو عرب سمندری سیاحوں کی نسل کہتے ہیں۔ اب تک کسی جانب سے بھی کوئی ایسا منصوبہ سامنے نہیں آیا جو کہ ان روہنگیا مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلوا سکے اور اس قتل عام سے انہیں بچایا جا سکے۔ دنیا بھر کا الیکٹرونک میڈیا مجرمانہ طور پر خاموش ہے اگر وہ اپنا کردار ادا کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو سکے۔ اگر عالمی ضمیر کو جھنجوڑنے کے لئے میڈیا زندہ جلتے ہوئے مسلمانوں کے کلپس دکھاتا ان روتے بلکتے بچوں اور بے آبرو عورتوں کے کرب میں ڈوبے ہوئے چہرے دکھاتا تو شاید یہ ظلم بند ہو جاتا۔ شاید امن کی نوبل انعام یافتہ برمی آن سان سوچی بھی اپنے نوبل امن کی کوئی لاج رکھ لیتیں اور ان مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے لئے بول پڑتی۔

اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی نمائندہ خصوصی برائے میانمار یانگ ہی لی نے ملک میں روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم کی مذمت کرتے ہوئے ملک کی رہنما آنگ سان سوچی کو روہنگیا مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ:

راکھائن میں حالات نہایت خراب ہیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ آنگ سان سوچی اس معاملے کے حل کے لیے قدم اٹھائیں۔[1]

افسوس جب کسی کے پاؤں کے نیچے سے اس کی زمین کھینچ لی جاتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی ہے جو روہنگیا مسلمانوں کو ان کے پاؤں کے نیچے کی زمین واپس دلوا سکے۔

ملائیشیا کے وزیر اعظم نجیب رزاق نے اس بات پر زور دیا ہے کہ میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کی حالتِ زار پر بین الاقوامی اقدامات کی قیادت مسلم ممالک کریں۔ میانمار کی صورتِ حال پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے نجیب رزاق کا کہنا تھا:

میانمار میں اب تک متعدد افراد ہلاک ہو چکے ہیں جب کہ زندہ بچ جانے والوں کو ناقابل بیان مظالم کا سامنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس پر خاموش نہیں رہ سکتے۔[2]

---

[1] https://www.bbc.com/urdu/world-41149838(Accessed April 20, 2022)
[2] https://www.bbc.com/urdu/world-38678706(Accessed April 20, 2022)

مسلم امہ پر ایک ہیجانی اور ویرانی کی طاری کیفیت کا سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ بے حسی اور بے ہمتی کے سائے ہیں۔ ہر جانب پسپائی ہے کہیں سے اچھی خبر ملتی ہے نہ آپس میں اتحاد و اشتراک کا سوچتے ہیں۔ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی ۵۷ ممالک پر مشتمل او آئی سی عضو معطل کی شکل اختیار کئے ہیں۔

یہود اور ہنود اور امریکہ کا اتحاد ثلاثہ ہر مقام اور ہر سطح پر مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کئے ہوئے ہیں۔ فلسطین میں ہونے والی بربریت اور منہ زوریاں اقوام عالم کو دکھائی دیتی ہیں نہ جنت نظیر کشمیر کی سرزمین کا مقتل نما نظارہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کے دلوں کو دہلاتا ہے مگر تیمور اور سوڈان کی اقلیتوں کے حقوق دلانے کے لئے یہ لوگ ڈٹ جاتے ہیں اکڑ جاتے ہیں۔ آخر یہ کھیل کب تک چلے گا۔ مسلم دنیا کب ہوش کے ناخن لے گی کون انہیں خواب خرگوش سے بیدار کرے گا۔

میانمار کی لیڈر آنگ سان سوچی کے خلاف آن لائن پٹیشن پر 4 لاکھ سے زائد دستخط ہو چکے ہیں اور آنگ سان سوچی سے نوبل امن انعام واپس لینے کا مطالبہ زور پکڑتا جارہا ہے۔

Petition to revoke Nobel. More than 400,000 people have signed an online petition in 2017 to strip her of the peace prize.[1]

ترجمہ: نوبل کو منسوخ کرنے کی درخواست۔ ۴۰۰،۰۰۰ سے زیادہ لوگوں نے ۲۰۱۷ء میں اس سے امن انعام لینے کے لیے ایک آن لائن پٹیشن پر دستخط کیے ہیں۔

میانمار میں آنگ سان سوچی نے فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا، اس بربریت پر بین الاقوامی اداروں کی خاموشی لمحہ فکریہ ہے، اقوام متحدہ اس نسل کشی کو رکوانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ اقوام متحدہ کا ادارہ تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کا نگہبان ہونا چاہیے۔ پاکستان نے روہنگیا میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا معاملہ او آئی سی اور اقوام متحدہ میں اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ قیادت نے روہنگیا میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر تفصیلی غور کیا ہے، اس مشاورت میں طے کیا گیا ہے کہ پاکستانی حکام اقوام متحدہ اور او آئی سی کے خصوصی اجلاس منعقد کرانے کے لیے مکتوب ارسال کریں گے۔

The ambassadors' meeting discussed the situation of the beleaguered Rohingya community at the request of Pakistan's Ambassador to the UN, Maleeha Lodhi, who opened the discussion by underscoring the urgency of the issue and the need to evolve a "collective response to this great tragedy.[2]

---

[1] https://www.aljazeera.com/news/2018/3/22/aung-san-suu-kyi-the-lady-of-myanmar(Accessed April 22, 2022)

[2] https://www.dawn.com/news/1188560(Accessed April 22, 2022)

ترجمہ: سفیروں کی میٹنگ میں اقوام متحدہ میں پاکستان کی سفیر ملیحہ لودھی کی درخواست پر مصیبت زدہ روہنگیا کمیونٹی کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا گیا، جنہوں نے اس مسئلے کی فوری ضرورت اور اس عظیم سانحے پر "اجتماعی رد عمل" تیار کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے بحث کا آغاز کیا۔

دوسری جانب میانمار کے روہنگیا مسلمانوں پر جاری ظلم و ستم کے خلاف قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینیٹ میں جمع کرائی گئی مختلف قراردادوں اور تحاریک التوا میں کہا گیا ہے کہ میانمار میں مسلمانوں پر بدھ مت دہشت گرد اور فوج مظالم کر رہی ہے، روزانہ سیکڑوں روہنگیا مسلمانوں کو شہید اور خواتین کی عصمت دری کی جا رہی ہے، ہزاروں سربریدہ لاشیں کھلے آسمان تلے مظالم کی داستان سنا رہی ہیں لیکن وہاں کی جمہوریت پسند نوبل انعام یافتہ سیاسی رہنما آنگ سان سوچی اس قتل عام پر مجرمانہ طور پر خاموش ہے۔ میانمار کے مسلمانوں کو انسانیت سوز مظالم سے بچانے کے بجائے عالمی ضمیر بھی سویا ہوا ہے۔ وزیر خارجہ خواجہ آصف نے ایک ٹی وی پروگرام میں کہا ہے کہ پاکستان میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کی سیاسی، اخلاقی اور سفارتی حمایت جاری رکھے گا۔

علاوہ ازیں میانمار میں قتل عام سے بچ کر بنگلہ دیش جانے والے روہنگیا مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کی ہجرت اور پناہ کی تلاش اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ہے، میانمار فوج اور دہشت گردوں کے مظالم سے راہ فرار اختیار کرنے والوں کو قریبی ممالک میں جائے پناہ نہیں مل رہی۔ عالمی اداروں کو اس معاملہ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

ترک صدر رجب طیب اردوان نے کہا ہے کہ میانمار کے معاملے کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جامع طور پر ایجنڈے میں لایا جائے گا۔ امید کی جانی چاہیے کہ یہ معاملہ عالمی فورم پر موثر انداز میں پیش کیا جائے گا۔ مالدیپ نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں پر جاری ظلم و ستم کے خلاف بڑا قدم اٹھاتے ہوئے اس کے ساتھ تجارتی تعلقات ختم کر دیے ہیں، دیگر ممالک کو بھی میانمار حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایسا ہی کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ اسلامی ملکوں کو بھی روہنگیا کے مسلمانوں کی حالت زار کا بھرپور اور فوری نوٹس لینا چاہیے۔ روہنگیا مسلمانوں کو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہر ممکن مدد فراہم کی جائے۔

۱۹۸۷ء میں آمریت کے تسلط سے پرامن ملک سیاسی اقتصادی اور معاشرتی و مذہبی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتا چلا گیا۔ لوگ تقسیم در تقسیم ہونے لگے۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنا محال باہم نفرتوں کے باعث شبہات اور الزامات جنم لینے لگے۔ ۲۰۱۲ء میں بدھ مت کی خاتون سے زیادتی کے شبے میں مسلمانوں سے تصادم کے واقعات کا آغاز ہوا۔ چند دنوں میں مختلف مواقعوں پر درجن بھر مسلمان قتل ہوئے۔ یہ قیامت خیز سلسلہ بڑھتا ہوا ۲۰۱۳ء میں شدت اختیار کر گیا جو تاحال جاری ہے۔

ان مظالم کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ تو دکھائی دیتا ہے مگر آنگ سوکی کی چشم پوشی کے باعث عالمی ادارے بھی بے بس نظر آتے ہیں۔ یاد رہے کہ راکھائن ریاست میں حکومت کی جانب سے انسانی حقوق کی علمبردار شخصیات اور تنظیموں کا داخلہ سختی سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ میانمار کی حکومت کے ظلم و ستم اور وحشیانہ رویوں سے تنگ روہنگی مسلمان جب ہمسایہ ملک بنگلہ دیش کا رخ کرتے ہیں تو وہ جائے پناہ دینے پر آمادہ نہیں۔

کشتیوں کا ایک قافلہ گزشتہ دنوں بنگلہ دیشی سرحد پر پہنچا تو سرحدی محافظوں نے داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ وہاں کی اپوزیشن پارٹیوں کی جانب سے ان مجبور مسلمانوں کو پناہ دینے کا پرزور مطالبہ ہوا۔[1]

امت مسلمہ کی بے بسی اور ناتوانی کے اسباب مسلم ممالک کے حکمران تو ہیں مگر اس سے زیادہ ذمہ داری اولاً مسلکی علماء کی وہ فوج ظفر موج ہے جو اتحاد امت کے راستے میں خودرو جھاڑ اور پہاڑ بنے ہوئے ہیں۔ دوم وہ آسائش زدہ سکالرز اور دانشور طبقہ جو فاسق اور فاجر حکمرانوں کے درباروں میں مدح سرا اور قصیدہ گوئی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مسلم دنیا کی تمام بدبختیوں پسپائیوں اور زوالی کیفیات انہی کی بدولت ہیں۔ اگر یہ دو طبقات اپنا قبلہ درست کر پائیں تو نیل کے ساحل سے تابخاک کاشغر کسی مسلم پر کسی غیر مسلم کی جانب سے اذیت وارد ہونا ممکن ہی نہیں۔

دہشت گردی کا خاتمہ اور امن و سلامتی کا قیام ہر ایک کی خواہش ہے مگر یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب قول اور فعل کا تضاد اور منافقت کا خاتمہ ہو، اور کمزور ہو یا طاقتور ہر ملک و قوم کے ہر ایک فرد کے ساتھ انصاف ہو۔ وہ وقت ماضی کا حصہ بن چکا جب طاقت کے بل بوتے پر قوموں کو زیر رکھا جاتا تھا۔ موجودہ وقت میں تمام اقوام عالم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اقوام متحدہ کے ادارے کو بااثر بنایا جائے تاکہ پوری دنیا میں بلاامتیاز قانون و انصاف کی بالادستی اور پائیدار امن قائم ہو سکے۔

میانمار کی سفاکی تو سب کے سامنے کھل کر عیاں ہے جو کہ تیرہ لاکھ سے زائد آبادی والے روہنگیا کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے لیکن عالمی دنیا کی مجرمانہ خاموشی اس مسئلے کو مزید گھمبیر کر رہی ہے۔[1]

میانمار کی نسل پرستانہ اور روہنگیا دشمن پالیسی کو مزید نظرانداز کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا، میانمار پر عالمی دنیا زور دے کہ انسانیت سوز پالیسیاں تبدیل کرے اور روہنگیا مسلمانوں کو حقوق دے، کشتیوں میں پھنسے افراد کو فوری طور پر خشکی پر لا کر آباد کیا جائے، انہیں شہریت ملنی چاہئے اور مساوی حقوق بھی۔ اقوام متحدہ اور عالمی امن فوج اس ضمن میں بہترین کردار ادا کر سکتی ہے، عالمی برادری اور مسلم امہ خواب غفلت سے جاگے اور اپنا کردار ادا کرے۔

---

[1] https://www.nawaiwaqt.com.pk/05-Dec-2016/539278(Accessed April 25, 2022)
[1] https://blogs.dunyanews.tv/urdu/?p=9301(Accessed April 25, 2022)

اراکان کے مسلمانوں کی اس حالت زار کی چھوٹی موٹی خبریں کبھی کبھار اخبارات میں نظر سے گزرتی رہتی ہیں لیکن وہ انسانی حقوق کے اداروں، این جی اوز، خاص طور پر مسلم حکمرانوں کی سنجیدہ توجہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہیں۔ اور کوئی فورم ان مظلوموں کے انسانی اور شہری حقوق کے لیے آواز اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مظلوموں کی دادرسی یا ان کے حقوق کی بحالی میں کسی عالمی طاقت یا پڑوسی ملک کا اپنا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ ورنہ جس فورم (اقوام متحدہ) پر مشرقی تیمور کی آزادی کے معاملات تیزی کے ساتھ نمٹائے جانے کا منظر سب کھلی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور جو فورم خود کو اقوام و ممالک کے حقوق کا علمبردار اور محافظ قرار دیتا ہے، اس فورم پر اراکان کے مظلوم اور ریاستی جبر کے شکار مسلمانوں کے انسانی، شہری اور بنیادی حقوق کے لیے کسی طرف سے کوئی آواز سامنے نہ آنے کا کوئی اور جواز کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

اگرچہ دنیا نے روہنگیا پناہ گزینوں کی ہجرت کو ایک سنگین انسانی بحران قرار دیا تھا لیکن بین الاقوامی برادری میانمار کی حکومت پر یہ دباؤ ڈالنے میں ناکام رہی کہ وہ اپنے موقف پر دوبارہ غور کرے، اس طرح روہنگیا قوم کے مصائب کیخلاف ریاست کا غیر لچک دار رویہ جاری رہا۔ پناہ دینے والے ممالک بڑی تعداد کے بوجھ تلے دب گئے اور تمادا و (میانمار کی مسلح افواج) پر علاقائی و عالمی تنقید اثرانداز نہ ہو سکی۔ اسی کے ساتھ ساتھ نیشنل لیگ برائے جمہوریت کی منتخب حکومت کو بھی میانمار کی اقلیت یا قومیتوں کے حقوق میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

محدود حمایت کے وجوہات

ایک طرف جہاں بین الاقوامی برادری نے روہنگیا بحران کو حل کرنے کے لیے میانمار پر زور ڈالنے کی کوشش کی ہے وہیں غیر ریاستی عناصر بشمول ایکٹوسٹ، ذرائع ابلاغ، اور دیگر متعدد پریشر گروہوں کی ریاستی رویہ پر اثرانداز ہونے کی صلاحیت محدود رہی۔ ریاستی سطح پر دباؤ کی نسبت حکومت، دیگر قوموں اور متاثرہ آبادی کے درمیان خلیج کو پر کرنے کے لیے مقامی سطح کی سفارتی کوششیں زیادہ موثر ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ دائرہ اختیار رکھنے والے تمام اداروں تک پہنچ سکتے ہیں نیز وہ اس روایتی نظام سے ہٹ کے کام کر سکتے ہیں جس کے تحت قومی حکومتیں روایتی طور پر کام کرتی ہیں۔ تاہم روہنگیا بحران کی شدت کے باوجود میانمار اور جنوبی ایشیا میں شہری حقوق کی تنظیموں اور حمایتی گروہوں کی مقامی سطح کی سفارتی کوششیں اتنی موثر نہیں تھیں۔ ادارہ جاتی سطح پر عسکری موجودگی نے میانمار کے اندر مقامی سطح پر سفارت کاری کے امکانات بہت محدود کر دیے ہیں۔

ملک میں موجود انسانیت اور صحت کے لیے کام کرنے والے بین الاقوامی کارکنوں کو بھی طویل عرصے سے عائد پابندیوں کے سبب مقامی گروہوں کے ساتھ شراکت داری کے ذریعے کام کرنا پڑتا ہے۔[1]

---

[1] https://southasianvoices.org/روہنگیا-قوم-کی-ہجرت-جنوبی-ایشیا-کی-حالت/(Accessed April 26, 2022)

یہ ملک میں مقامی سطح پر کام کرنے والے بین الاقوامی کرداروں کو دستیاب محدود مواقع کی کیفیت کو واضح کرتا ہے۔ یہ واضح دکھائی دیتا ہے کہ پڑوسیوں نے بھی روہنگیا کا کھلے دل سے خیر مقدم نہیں کیا۔ راکھائنی خطے کی نامساعد صورتحال، میزبان ممالک کی جانب سے روہنگیا قوم کی وطن واپسی کی کوششوں کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ مزید براں بھارت اور خطے میں روہنگیا مسلمانوں کو "دہشت کی نگاہ" سے دیکھے جانے کے عمل نے ان کی حیثیت کو مشکوک بنادیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ، جنوبی ایشیائی ریاستیں میانمار کیخلاف ایسا کوئی ہتھیار نہیں رکھتی ہیں جس کے ذریعے اس کی پالیسیوں اور باعزت وطن واپسی کے لیے درکار تبدیلیاں کرواسکیں۔

عالمی برادری نے ۲۰۱۷ میں ہونے والی تازہ ترین ہجرت کو رنجیدگی سے دیکھا، جبکہ متعدد بین الاقوامی تنظیموں اور ایجنسیوں نے روہنگیا کیلیے آواز اٹھائی جس میں اقوام متحدہ، اسلامی تعاون کی تنظیم، نارویجن رفیوجی کونسل اور ۲۰۲۰ء انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس شامل ہے جس نے میانمار کو حکم دیا کہ وہ روہنگیا اقلیتی گروہوں کا تحفظ کرے اور ہنگامی طور پر "عبوری اقدامات" کرے۔ ماضی میں میانمار کی فوج کیخلاف عائد کی گئیں معاشی پابندیاں غالباً اس لیے کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکیں کہ میانمار کی منافع بخش تیل اور گیس کی صنعتوں تک رسائی سمیت بین الاقوامی کاروباری تعلقات کی وجہ سے ان کی سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ بدقسمتی سے عالمی برادری بشمول علاقائی تنظیمیں جیسا کہ آسیان مذمت پر مبنی کھوکھلے بیانات کے علاوہ مداوے کیلئے کوئی بھی اقدام اٹھانے میں ناکام رہی تھیں۔ میانمار، بھارت، بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال، بھوٹان اور تھائی لینڈ پر مشتمل تکنیکی و معاشی اتحاد بمسٹیک بھی اس مسئلے سے نمٹنے میں ناکام رہا ہے۔ درحقیقت، بین الاعلاقائی بات چیت زیادہ سے زیادہ غیر رسمی نوعیت کی رہی ہے اور سختی سے پیغام دینے میں ناکام رہی ہے۔ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے روہنگیا آبادی کو مقامی مسلم آبادیوں کی حمایت حاصل رہی ہے لیکن بعض صورتوں میں وہ مذہب، معاشی خدشات، ماحولیاتی خرابی اور دیگر عناصر کے سبب وجہ تنازعہ بھی رہے ہیں۔

روہنگیا مسائل کے حل میں عصری قوانین کے نفاذ میں مسلم ممالک کا کردار:

برما میں روہنگیا مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کا بڑا مقصد مسلمانوں کو اس خطہ سے مکمل طور پر نکالنا ہے۔ مسلمانوں کے دیہات کے دیہات نیست ونابود کردیے گئے، ہزاروں کو قتل، ہزاروں کو جیل میں بند اور لاکھوں کو بنگلہ دیش کی طرف دھکیل دیا گیا۔ تشدد، قتل، گرفتاریاں، خواتین کی عصمت دری، جائیدادوں پر قبضہ، تعلیم اور نقل وحمل پر پابندیاں، شادی اور مذہبی رسوم کی ادائیگی پر ناروا پابندیاں غرضیکہ وہ مظالم ڈھائے جارہے ہیں جن کا کوئی مہذب انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل میں عصری قوانین کے نفاذ میں مسلم ممالک کا کردار کی وضاحت میں عصری قوانین سے مراد برما کا آئین و قانون اور اقوام متحدہ کا عالمی منشور

ہے۔روہنگیاکے مسائل کے حل میں مسلم ممالک عصری قوانین کے نفاذ میں کیا کردار ادا کرسکتے ہیں اس ضمن میں برمی آئین و قانون اور اقوام متحدہ کے وہ قوانین جو مشترک ہیں جس سے روہنگیا برادری کے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ اس کے نفاذ میں مسلم ممالک کے کردار کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ترکی:

اسلامی ممالک میں ترکی نے سب سے زیادہ روہنگیاکے مسائل کے حل کے لئے اپنا کردار ادا کیا۔ترکی نے حکومتی سطح پر روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے میانمار کی اسٹیٹ کونسلر آنگ سان سوچی کے ساتھ ٹیلفون پر رابطہ کیا۔

ترک صدر کا سوچی کو فون،روہنگیا کے خلاف تشدد کی مذمت:

ترک صدر رجب طیب ایردوان نے میانمار کی سیاست دان اور اسٹیٹ کونسلر آنگ سان سوچی کو فون کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف ہونے والی بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مذمت کی۔ترکی نے میانمار میں انسانی بحران کے حل کے لیے اپنی سفارتی کوششوں کا سلسلہ تیز تر کر دیا ہے۔ترک صدر نے عید الاضحیٰ کے دوران بھی مسلم دنیا کے متعدد رہنماؤں سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا تھا تاکہ روہنگیا مسلمانوں کی سلامتی کو یقینی بنایا جاسکے۔ترک صدر نے ٹیلی فون پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انٹونیو گوٹیرش سے بھی بات چیت کی تھی تاکہ میانمار حکومت پر دباؤ بڑھایا جاسکے۔

رجب طیب ایردوآن نے آنگ سان سوچی سے کہا ہے کہ:

تمام دنیا روہنگیا کے خلاف ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے شدید فکرمند ہے۔ہم ہر طرح کی دہشت گردی اور عام شہریوں کے خلاف ہونے والے آپریشن کی مذمت کرتے ہیں۔میانمار میں انسانی صورتحال انتہائی سنگین ہوتی جارہی ہے، جس سے نفرت جنم لے رہی ہے۔[1]

آنگ سان سوچی اس وقت سے شدید بین الاقوامی دباؤ میں ہیں، جب سے انہوں نے روہنگیا کے حق میں بات کرنے سے انکار کیا ہے۔اس سے قبل ترکی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ رواں ماہ کے اواخر تک یہ معاملہ سلامتی کونسل میں لے کر آئے گا۔ترک صدر نے میانمار کی حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ روہنگیا کے قتل عام پر دنیا خاموش رہے تو بھی ترکی خاموش نہیں رہے گا۔

ترک صدر نے عید کے موقع پر اپنی جماعت کے اراکین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

---

[1] https://www.dw.com/ur/ترک-صدر-کا-سوچی-کو-فون-روہنگیا-کے-خلاف-تشدد-کی-مذمت/a-40367588 (Accessed May 20, 2022)

میں اسلامی تعاون تنظیم کے موجودہ چیئر مین کی حیثیت سے تین دن سے روہنگیا کے بارے میں تنظیم کے رکن ممالک کے صدور کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کر رہا ہوں، میں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بھی ٹیلی فون کیا ہے اور روہنگیا پر ہونے والے ظلم و ستم کو فوری طور پر رکوانے کے لئے حرکت میں آنے کی اپیل کی ہے۔[1]

دنیا میں نہ مسلم ملکوں کی آبادی کی کمی ہے اور نہ مسلم ممالک کی کمی ہے۔ اگر کمی ہے تو ان کے ایمان، شجاعت اور بہادری کی کمی ہے، جس کی وجہ سے وہ آزاد نہیں۔ ترکی تنہا ملک ہے جس کے صدر رجب طیب اردوغان برما پہنچے اور برمی حکومت کو مسلمان پر جبر و ظلم بند کرنے کا پرزور مطالبہ کیا۔

مسلم ملکوں خاص طور سے بنگلہ دیش کو برما کے مظلوم مسلمانوں کیلیے سرحدیں کھول دینے کیلئے کہا اور یہ بھی کہا کہ ان پر جو خرچ ہو گا ترکی برداشت کرے گا۔[1]

ترکی نے میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی ظلم وزیادتیوں کی مذمت کرتے ہوئے بنگلا دیش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے اپنی سرحد کھولے جو بھی اخراجات ہوں گے وہ ترکی ادا کرے گا۔ میانمار کی ریاست راکھائن میں پر تشدد فسادات سے جان بچا کر نقل مکانی کرنے والے مہاجرین کے لیے بنگلا دیشی حکومت اپنے دروازے کھولے اور اخراجات کی فکر نہ کرے، مہاجرین پر جتنے بھی پیسے خرچ ہوں گے وہ ترکی برداشت کرے گا۔ رجب طیب ایردوان نے آنگ سان سوچی سے کہا ہے کہ:

تمام دنیا روہنگیا کے خلاف ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے شدید فکر مند ہے۔ ہم ہر طرح کی دہشت گردی اور عام شہریوں کے خلاف ہونے والے آپریشن کی مذمت کرتے ہیں۔ اس دوران آنگ سانگ سوچی نے راکھائن میں عالمی امداد کی اجازت بھی دے دی جبکہ ترک صدر نے ایک ہزار ٹن امداد بھیجنے کا اعلان کر دیا۔[2]

ترک صدر رجب طیب اردگان بھی روہنگیا مسلمانوں کے مسئلے پر عالم اسلام کے اہم رہنماؤں سے رابطے میں ہیں اور ان سے اس مسئلے کے حل کی کوششیں تیز کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ترک صدر عید الاضحیٰ کے موقع پر ۱۳ سربراہان مملکت سے گفتگو کر چکے ہیں اور انہیں راکھائن کی صورتحال سے آگاہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ترک وزیر خارجہ چاوش اوغلو خود بھی اقوام متحدہ کے سابق سیکریٹری جنرل اور ریاست راکھائن ایڈوائزری کمیشن کے سربراہ کوفی عنان سے ٹیلی فون پر رابطہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ترک صدر نے ٹیلی فون پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوٹریش سے بھی بات چیت کی تھی تاکہ میانمار حکومت پر دباؤ بڑھایا جا سکے۔

---

[1] https://jang.com.pk/news/371105-dr-furqan-hameed-column-2017-09-06-rohingya-musalmanoon-par-zulm-o-sitam-aur-turkey (Accessed May 20, 2022)

[1] https://mazameen.com/muslim-world/روہنگیا-مسلمانوں-کا-مسئلہ-اور-ہمارا-کر.html (Accessed May 20, 2022)

[2] https://www.neonetwork.pk/06-Sep-2017/29872 (Accessed May 20, 2022)

پاکستان:

برما میں بدھ بھکشوؤں کی جانب سے وہاں کی مسلم اقلیت پر مظالم کی نئی داستانیں رقم ہو رہی ہیں اور عالم اسلام سمیت ہر عدل پسند انسان خواہ اس کا مذہب کوئی بھی ہے، وہ غم وغصہ میں ہے۔روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے پر تشدد حملوں کی تاریخ طویل ہے جس کے ساتھ مذہبی، نسلی اور سیاسی معاملات جڑے ہوئے ہیں۔

پاکستان کے دفتر خارجہ نے اس حوالے سے سرکاری موقف اپنایا ہے اور میانمار کے سفیر کو طلب کر کے باقاعدہ احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔ دفتر خارجہ کی جانب سے جاری کردہ اعلامیے کے مطابق پاکستان کی سیکریٹری خارجہ تہمینہ جنجوعہ نے میانمار کے سفیر یو ون مائینٹ کو دفتر خارجہ طلب کر کے روہنگیا مسلمانوں پر جاری ظلم وبربریت کے خلاف شدید احتجاج ریکارڈ کرادیا۔سیکریٹری خارجہ نے میانمار کے سفیر سے روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جاری ظلم و بربریت کو ختم کرنے کے حوالے سے مناسب اقدامات کا مطالبہ بھی کیا۔اعلامیے کے مطابق سیکریٹری خارجہ نے میانمار کے سفیر سے ریاست راکھائن میں روہنگیا مسلمانوں کو سیکیورٹی فراہم کرنے، ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ اور انھیں بلاامتیاز اور بغیر کسی خوف کے نقل وحمل کی اجازت دینے کا بھی مطالبہ کیا۔پاکستانی وزارت خارجہ نے میانمار کے سفیر سے مطالبہ کیا کہ:

> روہنگیا کے خلاف جاری ظلم کی تحقیقات کرائی جائے اور ان کی خون ریزی میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔میانمار کے سفیر یو ون مائینٹ نے سیکریٹری خارجہ کو یقین دہانی کرائی کہ وہ میانمار حکومت تک پاکستانی حکومت اور پاکستانی عوام کے تحفظات پہنچائیں گے۔[1]

پاکستان صرف اتنا احتجاج ریکارڈ کرانے پہ ہی اکتفانہ کرے بلکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو بھی خط لکھے کہ وہ میانمار کے علاقے راکھائن، جسے رکھائن بھی لکھا اور کہا جارہا ہے(سابقہ اراکان)، وہاں اپنا ایک فیکٹ فائینڈنگ کمیشن بھی بھیجے۔میانمار کی حکومت اس وقت عالمی برادری کی تنقید کی زد میں ہے۔اس پر جس قدر سفارتی دبائو ممکن ہو بڑھایا جائے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کی سفارتی مدد کرکے ان کے دکھ کو کم کیا جاسکے۔ پاکستان اور عالم اسلام کے بااثر ممالک سمیت خطے اور دنیا بھر کے فیصلہ ساز ممالک کو میانمار کی حکومت پر سفارتی دباؤ بڑھا کر اس مسئلے کو حل کرنا چاہیے۔

پاکستان اور ترکی کا اقوام متحدہ میں روہنگیا مسلمانوں کا معاملہ اٹھانے پر اتفاق:

پاکستان کے وزیر اعظم نے نیویارک میں ترک صدر رجب طیب اردگان سے ملاقات کی۔ جس میں روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر اظہار افسوس کیا گیا۔ترکی اور پاکستان نے اس بات پر اتفاق کیا کہ روہنگیا مسلمانوں

---

[1] https://www.mukaalma.com/8489/ (Accessed May 22, 2022)

کے مسائل حل کرنے کے لیے اقوام متحدہ پر دباو ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ دونوں رہنماوں نے علاقائی صورتحال پر بھی تبادلہ خیال کیا۔

دونوں ممالک کے سربراہان نے اس بات پر اتفاق کیا کہ روہنگیا کے مسائل کو اقوام متحدہ کے فورم پر اٹھایا جائے۔[1]

اس کے علاوہ روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار پر اسلامی تعاون تنظیم کے کنٹیکٹ گروپ کا خصوصی اجلاس بھی نیویارک میں ہوا جس میں ترکی اور پاکستان نے مل کر روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا۔

پاکستان نے میانمار کے حکام پر زور دیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کی خبروں کی تحقیقات کرائے۔ روہنگیا مسلمانوں کے قتل کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ان کی جبری نقل مکانی پر گہری تشویش ظاہر کی۔پاکستان نے قتل عام کے ذمہ داروں کو کٹہرے میں لانے اور روہنگیا مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے اقدامات کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کی ہلاکتوں اور پر تشدد کارروائیوں کی خبروں پر پاکستان نے اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ترجمان دفتر خارجہ کی جانب سے جاری ہونے والے بیان میں کہا گیا ہے کہ:

میانمار حکومت مسلمانوں کے حقوق کے لئے اقدامات کرے اور بے گناہ افراد کے قتل اور نقل مکانی کے معاملے کی تحقیقات کرائے اور ذمہ داروں کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے۔پاکستان عالمی برادری اور بالخصوص او آئی کے ساتھ مل کر مسلم اقلیتوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرے گا۔[1]

قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف نے برما کے مسلمانوں پر مظالم کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ حیرت کی بات ہے کہ جو مغربی معاشرہ جانوروں کے حقوق اور احترام کا علمبردار بنا ہوا ہے، اس نے برما اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم پر آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔[2]

پاکستان تحریک انصاف نے روہنگیا مسلمانوں پر مظالم کے خلاف قومی اسمبلی میں باضابطہ طور پر تحریک التواء جمع کرادی، اور برما میں مسلمانوں پر سنگین ظلم و ستم پر فوری بحث کا مطالبہ کیا۔ عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ:

---

[1] https://dailypakistan.com.pk/20-Sep-2017/645476 (Accessed May 22, 2022)

[1] https://www.islamtimes.org/ur/article/666321/روہنگیا-مسلمانوں-کی-حالت-زار-اور-عالم-اسلام-ذمہ-داری (Accessed May 23, 2022)

[2] https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/ (Accessed May 23, 2022)

اگر راکھائن کے روہنگیا کے مسلمانوں کو بروقت میڈیکل سہولت اور اشیاءخورد نوش کی سہولت فراہم نہ کی تو ہلاکتوں میں لاکھوں کا اضافہ ہو سکتا ہے، تنظیم کے بیان کے مطابق برما کے ۷ لاکھ سے زائد افراد مختلف علاقوں میں گھروں سے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔[1]

پاکستان نے سفارتی سطح پر میانمار میں روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے کو رکوانے اور ان کے بنیادی انسانی حقوق دلوانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ملائشیا:

مسلم ملکوں کو اس وقت چند بڑے انسانی مسائل درپیش ہیں جن پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ان میں روہنگیا مہاجرین کا بحران بہت نمایاں ہے۔ ان مسلمان پناہ گزینوں کا تعلق میانمار سے ہے۔ میانمار کی حکومت انھیں غیر قانونی مہاجرین قرار دے کر ظلم وجبر کا نشانہ بناتی ہے۔ سات لاکھ سے زیادہ روہنگیا مسلمان اپنی جان بچاکر بنگلہ دیش میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ملائشیا نے بھی دو لاکھ سے زیادہ روہنگیا مہاجرین کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔

ملائیشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد نے کہا ہے کہ آسیان میں میانمار کی رکنیت ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایرانی نیوز ایجنسی کے مطابق ملائشیا کے اسلامک آرٹ میوزیم میں ہفتے کے دن "انسانیت پر ظلم" کے زیر عنوان ایک روزہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ ملائیشیا کے سابق وزیر اعظم نے اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ میانمار کی حکومت کے رویے پر تنقید کی، مہاتیر محمد نے کہا کہ:

آسیان میں میانمار کی رکنیت ختم کردی جانی چاہیے۔ روہنگیا مسلمان آٹھ صدیوں سے میانمار میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور صرف نسلی بنیاد پر ان کو اس ملک سے نکالنا غیر قانونی ہے۔[1]

میانمار کے روہنگیا مسلمان تاحال دربدر ہیں، عالمی برادری کی بے حسی ختم نا ہوئی، ملائیشیا کے سابق صدر مہاتیر محمد نے میانمار کے خلاف فوری کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ بے رحم موجیں، بھوک اور پیاس، روہنگیا مسلمان نڈھال، روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ ظلم پر عالمی برادری کی بے حسی، کھانے پینے کی قلت، ادویات کا نام نشان نہیں، کچھ سمندر میں دربدر تو کچھ کیمپوں میں امداد کے منتظر، بے بسی کی علامت بنے روہنگیا مسلمان تاحال عالمی برادری کے کردار پر سوالیہ نشان ہیں۔ ملائیشین دارالحکومت کوالالپور میں روہنگیا مسلمانوں کیلئے عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جہاں سابق ملائیشین صدر مہاتیر محمد نے عالمی رہنماؤں سے میانمار کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ:

---

[1] https://dailykhabrain.com.pk/2017/09/05/65035/ (Accessed May 24, 2022)
[1] https://dailypakistan.com.pk/15-Jun-2015/235454(Accessed May 24, 2022)

تارکین وطن کے معاملے میں میانمر کی خود مختاری کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ یہ تارکین وطن کا مسئلہ نہیں، مسئلہ میانمار کے اندر ہے۔[1]

ملائشیا کی انسانی حقوق کی تنظیموں نے بھی روہنگیا کے مسلمان مہاجرین کے ساتھ پیش آنے والے غیر انسانی رویے پر سخت تنقید کی ہے۔[2]

کوالالمپور سمٹ میں ملائشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد اور ترک صدر رجب طیب اردوان نے خطاب کیا۔ عرب ٹی وی کے مطابق:

کانفرنس میں اقتصادی معاملات کے ساتھ مسلم امّہ کو درپیش مسائل بشمول کشمیر، شام، یمن کے تنازعات اور میانمار میں روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ سلوک پر بھی تبادلہ خیال کیا گیا۔[3]

جنوب مشرقی ایشیا کے ایک سو بتیس عوامی نمائندوں نے اپنے مشترکہ بیان میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے اپیل کی ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کے خلاف جرائم کے ارتکاب میں ملوث میانمار کے اعلیٰ حکام کے خلاف عالمی عدالت انصاف میں مقدمہ دائر کرے۔

اس بیان پر انڈونیشیا، ملائشیا، فلپائن، سنگاپور اور مشرقی تیمور کے ارکان پارلیمنٹ نے دستخط کیے ہیں۔[1]

ملائشیا نے میانمار میں سکیورٹی فورسز اور بدھ مت انتہا پسندوں کی تشدد آمیز کارروائیوں سے جانیں بچا کر آنے والے روہنگیا مسلمانوں کو عارضی پناہ مہیا کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے ساحلی محافظ بحری راستے سے آنے والے برمی مسلمانوں کو نہیں لوٹائیں گے۔

کوالالمپور میں ہونے والے سہ فریقی مذاکرات میں ملائشیا اور انڈونیشیا نے اپنی سمندری حدود میں موجود تارکین وطن کو عارضی پناہ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے۔[2]

سمندر میں خوراک اور پانی کو ترستے اور بھوک سے مرتے ہوئے لاچار روہنگیا تارکین وطن کی تصاویر ذرائع ابلاغ میں آنے کے بعد امریکا اور مغربی ممالک نے علاقائی قوتوں سے اس معاملے پر دست تعاون بڑھانے پر زور دیا تھا جب کہ ملائشیا اور انڈونیشیا کے وزرائے خارجہ نے اس مسئلے پر اہم ملاقات کی جس میں روہنگیا مسلمانوں کی جانیں بچانے کے حوالے سے طریقہ کار پر بات کی گئی جس کے بعد دونوں ممالک میں اتفاق ہو گیا ہے کہ وہ تارکین وطن کو اپنے ملک میں پناہ دیں گے۔

---

[1] https://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/World/284003(Accessed May 24, 2022)
[2] https://ur.abna24.com/service/west-asia/archive/2014/12/03/655683/story.html
(Accessed May 24, 2022)
[3] https://urdu.geo.tv/latest/210769(Accessed May 24, 2022)

[1] https://defapress.ir/ur/news/2297/عالمی-رہنما-روہنگیا-مسلمانوں-پر-ظلم-وستم-بند-کرانے-میں-ناکام(Accessed May 24, 2022)
[2] https://www.nawaiwaqt.com.pk/21-May-2015/386457(Accessed May 24, 2022)

غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق:

ملائشین وزیر اعظم نے بحری افواج کو سمندر میں موجود ہزاروں روہنگیا تارکین وطن کی تلاش اور ان کی جان بچانے کے احکامات جاری کئے تھے جس کے پیش نظر ابتدائی طور پر ۴ جہاز سمندر میں روانہ کر دیئے گئے ہیں۔ [1]

جو کچھ میانمار میں ہو رہا ہے وہ سب عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ یہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے قطعی طور پر بر عکس ہے اور انسانی حقوق کے کنونشنز کی بھی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ مثال کے طور پر بچوں کے حقوق کے کنونشن کے مطابق جو بچہ جہاں پیدا ہوتا ہے اس کو اسی ملک کی شہریت کا حق ہے۔ یہاں صورتحال بالکل بر عکس ہے کہ جب ان بے چارے لوگوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں تو ان کو میانمار کی شہریت کا کوئی حق حاصل نہیں۔ یہ بچوں کے حقوق کے کنونشن کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ پھر اقوام متحدہ نے ایک اور نہایت اہم اصول اپنایا ہے جو 'تحفظ کا حق' ہے۔ یعنی اگر کوئی ملک اپنے شہریوں کے تحفظ کے قابل نہیں تو عالمی برادری کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مداخلت کرے اور وہاں کے شہریوں کو تحفُّظ فراہم کروائے۔ مزید بر آں عالمی برادری نے اپنے لئے ایک اور اصول بھی بنایا ہے کہ ایسے لوگوں کو تحفظ فراہم کیا جائے جو اپنی ہی حکومتوں کی بد سلوکی کا شکار ہیں۔ مندرجہ بالا تمام کوائف کی روشنی میں روہنگیا کے ساتھ میانمار حکومت کا سلوک تمام انسانی قوانین اور انسانی حقوق کے کنونشنز کی خلاف ورزی ہے۔ جس پر عالمی برادری کی خاموشی سمجھ سے بالاتر ہے۔

سعودی عرب:

سعودی عرب نے میانمار کے روہنگیا مسلمانوں پر تشدد کی مذمت کرتے ہوئے اقوام متحدہ میں روہنگیا مسلمانوں پر مظالم رکوانے کیلئے قرارداد لانے کا اعلان کیا ہے۔ قرارداد میں مظالم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مذمت کی جائے گی اور مطالبہ کیا جائے گا کہ روہنگیا مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کا نوٹس لیا جائے۔

سعودی عرب کے اقوام متحدہ کے مشن نے ایک ٹویٹ میں کہا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل کی خاطر اور بے بسی کے خاتمے کیلئے اپنی کوششیں جاری رکھیں گے۔ سعودی عرب نے سیکیورٹی کونسل کے ارکان سے رابطہ کیا ہے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے پر وحشیانہ مظالم کا نوٹس لے جس کے بعد اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری نے روہنگیا حکومت کی مذمت کی ہے۔

سعودی عرب نے برما میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف اقوام متحدہ میں قرارداد لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ [1]

سعودی عرب نے ایک اعلامیہ جاری کیا ہے کہ ہم گذشتہ ساٹھ ستر برسوں سے روہنگیا مسلمانوں کی خبر گیری کر رہے ہیں، پیغام واضح ہے اب اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ پھر ہونا کیا چاہیے؟ مسلم امہ کے قابل ذکر ممالک کو

---

[1] https://www.express.pk/story/359409/ (Accessed May 24, 2022)

[1] https://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/World/404000 (Accessed May 24, 2022)

دنیا کے فیصلہ ساز ممالک کے ساتھ مل کر میانمار کی حکومت پر دباؤ بڑھانا چاہیے کہ وہ اس مسئلے کا سیاسی حل نکالے اور اقوام عالم کو یہ ضمانت دے کہ روہنگیا مسلمانوں کی جان ومال، عزت و آبرو اور معاش و رہائش کا تحفظ ریاست میانمار کی ذمہ داری ہو گی۔

مسلم ممالک اقوام عالم کے ساتھ مل کر روہنگیا مسلمانوں کی قومیت و شہریت کا مسئلہ بھی حل کرائیں۔ پاکستان سمیت دیگر پر اثر مسلم ممالک کو روہنگیا مسلمانوں کا کیس سفارتی محاذ پر ہی لڑنا ہو گا اور اسی میں جیت کا امکان بھی ہے۔[1]

یہ افسوس ناک واقعات ہیں جو روہنگیا کے ساتھ پیش آرہے ہیں۔ اسلامی ممالک کے عوام اگرچہ روہنگیا پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کرتے رہے ہیں مگر اسلامی ممالک کے بادشاہ اس حوالے سے قابل ساعت مذمت نہیں کر پائے، کہ دنیا کے عدل پسند اس حوالے سے متوجہ ہو سکیں۔ اگرچہ اس امر میں کلام نہیں کہ دنیا بھر میں پناہ گزینوں نے ممالک کے لیے مسائل کھڑے کیے ہیں۔ مگر روہنگیا مسلم کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔

عالم اسلام کو اقوام متحدہ سمیت دنیا بھر کے فیصلہ ساز ممالک کے ساتھ اس مسئلے کو ہنگامی بنیادوں پر اٹھانا چاہیے اور یہ یقین حاصل کرنا چاہیے کہ روہنگیا کا کم از کم جسم و جان کا رشتہ بر قرار رکھنے میں عالمی برادری ان کا ساتھ دے گی۔[1]

میانمار حکومت اور اس کی بھرپور حمایت کے ساتھ وہاں کی فوج، پولیس، عوام، بدھ بھکشو اور دہشتگرد تنظیمیں روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی کے درپے ہیں، لہذا ان کی نسل کشی بند کی جائے اور اس سلسلے میں مسلم ممالک اور اقوام متحدہ اپنا کردار ادا کرے اور فوری طور پر وہاں اپنی امن فوج بھیجے، وہاں کے بچے کھچے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرے اور ان کی فوری آباد کاری کا انتظام کرکے زندگی کی تمام تر بنیادی ضروریات و سہولیات انہیں بہم پہنچائی جائیں۔ اور عالم اسلام بلکہ پورے عالم کے انسان دوست ممالک سے مطالبہ ہے کہ وہ فوری طور پر میانمار کی حکومت پر سفارتی اور اخلاقی دباؤ ڈالے تاکہ وہ انسانیت کش حرکتوں سے باز آئے۔ روہنگیا مسلمانوں کو شہریت سے محروم کرنے والے انسانیت سوز اور ظالمانہ قانون کو ختم کرے اور ان کی شہریت اور حقوق کو بحال کرے۔

---

[1] https://www.mukaalma.com/8566/ (Accessed May 24, 2022)
[1] https://www.mukaalma.com/545/ (Accessed May 24, 2022)

فصل پنجم

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل میں رفاہی تنظیموں کا کردار:

رفاہی تنظیموں کا تصور صدیوں پرانا ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اس نوعیت کی تنظیمیں عوام کی جانب سے مہیا کردہ چندوں اور عطیات کے ذریعے فلاحی کام سرانجام دیتی ہیں۔ این جی اوز سے مراد وہ غیر سرکاری تنظیمیں ہیں جو سرکاری نظم و نسق سے ہٹ کر رضاکارانہ بنیادوں پر سوسائٹی میں عام لوگوں کے فائدہ کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ عرف عام میں جب این جی اوز کہا جاتا ہے تو اس سے وہ تنظیمیں اور ادارے مراد ہوتے ہیں جو تعلیم، صحت اور رفاہ عامہ کے کسی عنوان سے معاشرہ میں کام کر رہے ہیں۔ اپنے بنیادی اہداف کے حوالے سے یہ خدمات کسی بھی سوسائٹی کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں کہ اس سے عام شہریوں کو بہت سے فوائد اور سہولتیں حاصل ہونے کے علاوہ ریاستی اداروں کا بوجھ بھی کم ہو جاتا ہے کیونکہ عوامی ضرورت و مفاد کے بہت سے کام جو سرکاری ادارے تمام تر وسائل کے باوجود نہیں کر پاتے ان غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حکومتیں ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی، سرپرستی، ان کی مالی معاونت اور انہیں تحفظ بھی فراہم کرتی ہیں۔ حتی کہ بین الاقوامی طور پر ان این جی اوز کی حوصلہ افزائی، سرپرستی اور تحفظ کے سلسلہ میں قوانین موجود ہیں جن کی نگرانی اقوام متحدہ اور اس کے ادارے کرتے ہیں اور اس طرح غیر سرکاری تنظیموں کا ایک عالمگیر نظام ہے جو اقوام متحدہ کے اداروں اور دیگر عالمی مالیاتی اداروں کے ذریعے دنیا بھر میں کام کر رہا ہے۔ بین الاقوامی تنظیمیں اور ادارے ان غیر سرکاری تنظیموں کی بھرپور مالی معاونت اور پشت پناہی کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان روابط و تعلقات کی راہ بھی ہموار کرتے ہیں۔

میانمار میں مقیم بہت سے روہنگیا غیر منافع بخش عالمی اداروں کی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ ۲۰۱۲ء سے کیمپوں میں رہنے والے افراد کھانے اور ادویات کے لیے انہی اداروں کی جانب دیکھتے ہیں لیکن جب سے اراکان آرمی کا معاملہ شروع ہوا ہے بہت کم امداد ان تک پہنچ پا رہی ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں نے روہنگیا سمیت ریاست راکھائن میں متاثرہ خاندانوں کی حفاظت کے بارے میں سخت خدشات کا اظہار کیا، کیونکہ تنازعہ بڑھتا ہے اور انسانیت تک رسائی محدود ہے۔ پچھلے دو سالوں سے، غیر سرکاری تنظیموں نے بنگلہ دیش کی حکومت اور اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کی مدد کی ہے تاکہ وہ دنیا کے سب سے بڑے مہاجر کیمپ میں رہنے والے لوگوں کو مؤثر طریقے سے زندگی کی مدد فراہم کر سکیں۔ ان کی اجتماعی کوششوں سے کیمپ کے حالات مستحکم ہوئے، مون سون کی تیاری کو تقویت ملی اور بیماریوں کے پھیلنے سے بچنے میں مدد ملی۔ اس فصل میں روہنگیا مسلمانوں کی زیادتیوں پر رفاہی تنظیموں کے کردار کا جائزہ لیا جائے گا۔

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل میں رفاہی تنظیموں کا سیاسی کردار:

فلاحی تنظیم اس ادارے کے لیے استعمال کی جانے والی اصطلاح ہے جو وسیع پیمانے پر سماجی خدمات سر انجام دیتی ہیں۔ ان سماجی خدمات کا تعلق سیاسی رجحان سے بھی ہوتا ہے مگر سیاسی جماعتوں کا ان ادارہ جات کی خدمات میں عمل دخل ممنوع ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ رفاہی تنظیمیں غیر سرکاری اور غیر سیاسی ہوتی ہیں، لیکن یہ حالات و واقعات کو دیکھ کر قومی اور بین الاقوامی سطح پر حکومتوں سے اپیل کرتے ہیں۔ میانمار میں اگرچہ رفاہی تنظیموں کو روہنگیا کے پاس جانے کے لئے بہت سے مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے مگر کسی نہ کسی حد تک رفاہی تنظیمیں ریاست اراکان میں امداد پہنچاتے رہتے ہیں۔

میانمار کی حکومت ہمیشہ ہی روہنگیا کو شہریت دینے سے گریزاں ہے، لہٰذا ۲۰ لاکھ سے زیادہ آبادی پر مشتمل اس نسلی گروہ کو تعلیم، میڈیکل اور روزگار سمیت تمام بنیادی ضروریات سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چونکہ میانمار کی حکومت ایک طویل عرصے سے روہنگیاؤں پر تشدد کر رہی ہے، اس لئے اس کا امکان نہیں ہے کہ ان کی طرف سے کسی مؤثر کارروائی کی توقع کی جاسکے۔ لہٰذا اس محروم نسلی گروہ کو بیرونی ممالک کے علاوہ مختلف غیر سرکاری اور ترقیاتی تنظیموں کے مؤثر پروگراموں کی اُمید ہے۔

اس سلسلے میں پاکستان کی الخدمت فاؤنڈیشن کے سربراہ عبد الشکور بنگلہ دیش پہنچے اور کاکس بازار میں روہنگیا کے مہاجر کیمپوں کا دورہ کیا۔ ان کے مسائل معلوم کئے۔ اس وقت بنگلہ دیش میں روہنگیا مہاجرین کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر رہی ہے۔ ترکی میں دنیا بھر کی مسلم این جی اوز کے اجلاس میں الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں ایک فریم ورک آف ایکشن بھی طے کیا جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ روہنگیا کے مسلمانوں کی متحدہ پلیٹ فارم سے مدد کی جائے اور تمام این جی اوز کے وسائل ایک جگہ مجتمع کئے جائیں۔ اس اجلاس میں ایک تاریخی اعلامیہ بھی منظور کیا جس میں برمی حکومت پر زور دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا قتل عام بند کرے اور ملک کے اندر ایسے پُر امن حالات پیدا کرے کہ روہنگیا مہاجرین کی اپنے گھروں میں واپسی ممکن ہو سکے۔ اجلاس میں حکومت بنگلہ دیش کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ایک بھاری بوجھ برداشت کیا ہے اور روہنگیا مہاجرین کے لئے کیمپ قائم کئے ہیں، بنگلہ دیش حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مسلم تنظیموں کو ان مہاجرین تک رسائی دے تاکہ ان کی خاطر خواہ مدد کی جاسکے اور ان کے لئے راشن پانی، علاج معالجے اور کپڑوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ اجلاس میں کہا گیا:

"برما میں آنگ سو چی کی حکومت ہے جسے وہاں کی فوج نے برسوں قید میں رکھا اور پاکستان نے اس خاتون کی قید و بند پر سخت احتجاج کیا اور دنیا نے اسے نوبل انعام سے نوازا، اس خاتون کے ہاتھ میں آج طاقت آئی ہے تو اسے احساس دلانا چاہیئے کہ وہ اپنے برے دنوں کو یاد کرے اور روہنگیا کو برے دنوں سے نکالے۔"[1]

میانمار کے رہائشی انسانی حقوق کی تنظیموں اور فلاحی اداروں کے منتظر محرومی و مجبوری کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ آمریت اور انتہا پسندی کے پروردہ حیوانوں نے روہنگیا مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ ان خیالات کا اظہار چیئرپرسن بنات المسلمین برطانیہ سمیرا فرخ نے روہنگیا مسلم کمیونٹی کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ برما کے اندر بنتے اور مظلوم مسلمانوں کے ساتھ جو ناروا اور انسانیت سوز سلوک کیا جارہا ہے اس پر اقوام عالم کی خاموشی ایک لمحہ فکریہ ہے۔ برما کے مسلمان بنیادی انسانی حقوق اور ضروریات سے بالکل لاتعلق ہیں۔ ان سے تعلیم اور صحت کے ساتھ ساتھ جینے کا حق بھی چھینا جارہا ہے۔ اس انسانیت سوز ظلم و جبر اور ناانصافی کے خلاف آج بھی اگر ہم یک زبان نہ ہوئے تو دنیا میں امن و آشتی کا دم بھرنے والے ختم ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ:

تمام سیاسی و ذاتی مفادات کو بالا طاق رکھتے ہوئے بالعموم اہل برطانیہ اور بالخصوص مسلم امہ روہنگیا مسلم کمیونٹی کے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر کے خلاف اپنی آواز ذمہ داران تک ضرور پہنچائیں تاکہ دنیا میں امن اور سلامتی کے علمبردار روہنگیا مسلم کے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر کے خلاف بھی اپنا موثر کردار ادا کرسکیں۔"[1]

بحیثیت انسان ہم سب کا یہ اولین فریضہ ہے کہ اپنی اپنی بساط اور دائرہ کار کے مطابق دنیا کے اندر امن و امان اور رواداری کو فروغ دینے کے لیے مثبت کردار ادا کریں۔ ہمارا ہر عمل روہنگیا مسلم کی زندگی کی چند سانسیں محفوظ بنانے کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔ یورپی کمشنر برائے امداد انسانیت نے روہنگیا کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

> The growing humanitarian crisis is in dire need of a political solution, says Christos Stylianides, European Commissioner for Humanitarian Aid.[2]

ترجمہ: یورپی کمشنر برائے امداد انسانیت کرسٹوس اسٹائلینائیڈز کا کہنا ہے کہ بڑھتے ہوئے انسانیت سوز بحران کو سیاسی حل کی اشد ضرورت ہے۔

---

[1] http://www.millat.com/?ghalibcolumn=روہنگیا-کے-لئے-الخدمت-فاؤنڈیشن-کی-خدم (Accessed November 1, 2020)

[1] http://fqdupdates.com/برطانیہ-میں-مقیم-انسانیت-کا-درد-رکھنے-و/(Accessed November 1, 2020)

[2] https://www.euronews.com/2017/11/23/ngos-scale-up-humanitarian-aid-for-rohingya-refugees (Accessed November 1, 2020)

میانمار اور بنگلہ دیش میں کام کرنے والی ۶۱ مقامی، قومی اور بین الاقوامی رفاہی فلاحی تنظیموں نے مطالبہ کیا کہ وہ راکھائن ریاست میں سب کے لئے انسانی حقوق کو تسلیم کریں اور روہنگیا پناہ گزینوں کو اپنی زندگیوں کے بارے میں فیصلہ سازی میں کردار ادا کرنے دیں جن میں میانمار میں ان کی واپسی کے لئے شرائط بھی شامل ہیں۔

The NGOs voiced strong concerns about the safety of affected families in Rakhine State, including Rohingya, as the conflict escalates and humanitarian access remains limited.[1]

ترجمہ: غیر سرکاری تنظیموں نے روہنگیا سمیت ریاست راکھائن میں متاثرہ خاندانوں کی حفاظت کے بارے میں سخت خدشات کا اظہار کیا کیونکہ تنازعہ بڑھ رہا ہے اور انسانی امداد تک رسائی محدود ہے۔

On August 23, 61 local, national and international NGOs raised concerns because of the future generations and current humanitarian crisis of the Rohingya refugees.[2]

ترجمہ: ۲۳ اگست کو ۶۱ مقامی، قومی اور بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں نے روہنگیا پناہ گزینوں کی آئندہ نسلوں اور موجودہ انسانی بحران کی وجہ سے تشویش کا اظہار کیا۔

They urged the Governments of Bangladesh and Myanmar to ensure that any return process be safe, voluntary and dignified, as news of the possible expedited repatriation of 3,450 Rohingya refugees circulated this week. [1]

ترجمہ: انہوں نے بنگلہ دیش اور میانمار کی حکومتوں پر زور دیا کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ واپسی کے کسی بھی عمل کو محفوظ، رضاکارانہ اور وقار سے محفوظ رکھا جائے۔

پچھلے دو سالوں سے رفاہی تنظیموں نے بنگلہ دیش کی حکومت اور اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کی مدد کی ہے تاکہ وہ دنیا کے سب سے بڑے مہاجر کیمپ میں رہنے والے لوگوں کو مؤثر طریقے سے زندگی کی مدد فراہم کر سکیں۔ ان کی اجتماعی کوششوں سے کیمپ کے حالات مستحکم ہوئے، مون سون کی تیاری کو تقویت ملی اور بیماریوں کے پھیلنے سے بچنے میں مدد ملی۔ لیکن مہاجرین کو نہ صرف بقا کی بلکہ وقار کی بھی ضرورت ہے۔

رفاہی تنظیموں نے بین الاقوامی برادری سے مطالبہ کیا کہ وہ میانمار میں انسانیت سوز ردعمل کے لئے فنڈز میں اضافہ کریں تاکہ مہاجرین اور بنگلہ دیش میں میزبان برادریوں کے ساتھ ساتھ اندرونی طور پر بے گھر افراد کی زندگیاں بھی بہتر ہو سکیں۔ اگرچہ بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں کی موجودہ صورتحال زیادہ پائیدار نہیں ہے، لیکن ان کے

---

[1]https://www.savethechildren.net/news/61-ngos-warn-worsening-crisis-myanmar (Accessed November 2, 2020)

[2]Tylor, E. & Garmirian, C, *Sixty-one NGOs Warn of Worsening Crisis in Myanmar, Call for Refugees' Engagement on Safe, Voluntary, 2019)* 2. https://www.savethechildren.org/us/about-us/media-and-news/2019-pressreleases/ngos-warn-of-worsening-crisis-in-myanmar(Accessed November 2, 2020)

[1]https://www.savethechildren.net/news/61-ngos-warn-worsening-crisis-myanmar (Accessed November 2, 2020)

فیصلوں میں ان سے مشورہ کیا جانا ضروری ہے۔اور یہ کہ وہ وقت سے پہلے ایسی صورتحال میں واپس نہیں جانا چاہتے جہاں ان کے بنیادی حقوق اور حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے۔ ڈینش ریفیوجی کونسل[1] کے ریجنل ڈائریکٹر میکل ٹرولے نے کہا:

> "Through our work in the refugee camps and the host communities in Cox's Bazar, we've witnessed how the joint efforts of the Government of Bangladesh, UN agencies and NGOs have saved lives, but now it's time to ensure that they also live in dignity and are self-reliant. Medium- and long-term solutions are urgently needed to protect the refugees and affected host community. Education, skills building and livelihoods are essential for any successful durable solution including reintegration to take place."[2]

ترجمہ: کاکس بازار میں مہاجر کیمپوں اور میزبان برادریوں میں اپنے کام کے ذریعے، ہم نے گواہی دی ہے کہ کس طرح بنگلہ دیش حکومت، اقوام متحدہ کی ایجنسیوں اور غیر سرکاری تنظیموں کی مشترکہ کوششوں سے جانیں بچ گئیں، لیکن اب وقت آگیا ہے کہ وہ بھی وقار کے ساتھ زندگی بسر کریں اور خود انحصاری کریں۔مہاجرین اور متاثرہ میزبان برادری کے تحفظ کے لئے درمیانے اور طویل مدتی حل کی فوری ضرورت ہے۔کسی بھی کامیاب پائیدار حل کے لئے تعلیم، ہنروں کی تعمیر اور ذرائع معاش ضروری ہے، جس میں دوبارہ شامل ہوسکے۔

رفاہی تنظیموں کا کہنا ہے کہ میانمار حکومت ریاست راکھائن کے روہنگیا مسلم اکثریتی علاقے میں شہریوں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ آنگ سان سوچی کی حکومت کی جانب سے تشکیل دیئے گئے کمشن نے اپنے نتائج جاری کیے جس میں دانستہ سیکیورٹی فورسز کا دفاع کرتے ہوئے شہریوں سے بدسلوکی کے تمام الزامات کو مسترد کیا گیا تھا۔میانمار پولیس کے اہلکاروں کی جانب سے روہنگیا مسلمانوں کو مارنے پیٹنے کی ویڈیو سامنے آنے کے بعد انتظامیہ اب بھی تفتیش میں مصروف ہے۔نیویارک کی انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیم کے نائب ڈائریکٹر فل رابرٹ سن نام نہاد کمشن کی رپورٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

"پینل کی رپورٹ میانمار حکومت کے 'وائٹ واش میکانزم' کی مانند معلوم ہوتی ہے جس کا ہمیں خدشہ تھا اور اس کی اہم وجہ پینل کے نائب صدر ہیں جو کہ لیفٹیننٹ جنرل ہیں۔"[1]

---

[1] ڈینش ریفیوجی کونسل (DRC):۱۹۵۶ء میں قائم ہونے والی ڈینش ریفیوجی کونسل (DRC) ڈنمارک کی سب سے بڑی، اور ایک بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیم ہے۔جو مہاجرین اور دیگر بے گھر ہونے والے متاثرہ افراد اور برادریوں کے لئے پائیدار مستقبل کی حفاظت اور حمایت کرتے ہیں۔

[2] https://www.savethechildren.net/news/61-ngos-warn-worsening-crisis-myanmar (Accessed November 3, 2020)

[1] https://www.nawaiwaqt.com.pk/06-Jan-2017/550498(Accessed November 3, 2020)

امارات ریڈ کریسنٹ (ای آر سی) کے ترقی اور بین الاقوامی تعاون کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل فہد عبدالرحمان بن سلطان نے امارات خبر ایجنسی وام کو بتایا کہ:

"مہم کے دوران عالمی برادری کی توجہ بھی روہنگیا کے بحران کی جانب مبذول کرائی جائے گی۔ متحدہ عرب امارات نے اس بحران کے شروع سے ہی خصوصاً بنگلا دیش، بھارت اور کچھ دیگر ممالک میں پناہ گزینوں کی قابل قدر مدد کی ہے۔ ای آر سی نے پچاس لاکھ درہم فراہم کئے جس سے سات لاکھ سے زائد روہنگیا پناہ گزینوں کو فائدہ پہنچا اور ہم امداد کی فراہمی جاری رکھیں گے"۔[1]

دو ہفتوں تک جاری رہنے والی اس مہم کے ذریعے عرب امارات کے عوام کو اس میں شرکت اور امداد دینے کا موقع ملے گا۔ عرب امارات کی امدادی ٹیموں سے ملنے والی رپورٹس کے مطابق مہم کے دوران خواتین اور بچوں پر خصوصاً تعلیم سے محروم کئی سالوں سے کیمپوں میں مقیم بچوں کو تعلیم دینے کے لئے توجہ مرکوز رکھی جائے گی۔ جس میں خواتین کی بھی تعلیم، صحت، شیلٹر اور خوراک کے لئے مدد کی جائے گی۔

انٹرنیشنل کمیشن آف جسٹس نے میانمار میں کام کرنے والی دیگر بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں میں شمولیت اختیار کی جس میں فوجی 'کلیئرنس آپریشنز' شروع ہونے کے ایک سال کے بعد سے پڑوسی بنگلہ دیش میں لگ بھگ ۷۰۰،۰۰۰ روہنگیاؤں کی نقل مکانی ہوئی۔ میانمار میں کام کرنے والی بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں (آئی این جی اوز) کا کہنا ہے کہ میانمار میں رہائش پذیر ۶۰۰،۰۰۰ روہنگیا کو روزانہ امتیازی سلوک اور انسانی حقوق کی پامالی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مہاجرین کی واپسی کے لئے حالات غیر محفوظ ہیں۔

> INGOs urge the Security Council to use the one-year anniversary as an opportunity to step up pressure on the government of Myanmar to take action on three critical areas: addressing the root causes of the crisis in Rakhine State; ensuring accountability for human rights violations and improving humanitarian access.[1]

ترجمہ: آئی این جی اوز سلامتی کونسل پر زور دیتے ہیں کہ وہ ایک سال کی برسی کے موقع پر میانمار کی حکومت پر دباؤ بڑھانے کے طور پر تین اہم علاقوں پر کارروائی کرنے کا مطالبہ کرے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے لئے جوابدہی کو یقینی بنانا اور انسان دوستی تک رسائی کو بہتر بنانا۔

امتیازی پالیسیوں کا مطلب یہ ہے کہ راکھائن ریاست میں روہنگیا برادری کو اپنی بے وطنی کا سامنا ہے جس کی وجہ سے نقل و حرکت کی آزادی پر پابندیاں، اسکول جانے، طبی دیکھ بھال کرنے، ملازمت تلاش کرنے یا دوستوں اور

[1] http://wam.ae/ur/details/1395302764357 (Accessed November 4, 2020)
[1]International-NGOs in Myanmar call for UN Security Council action on Rohingya crisis, (2018), 1. https://www.icj.org/wp-content/uploads/2018/08/Myanmar-RohingyaJointNGOstatement-News-webstory-2018-ENG.pdf(Accessed November 4, 2020)

اہل خانہ سے ملنے سے روکنا ہے۔ ریاست راکھائن میں کام کرنے والی انسان دوست تنظیمیں متاثرہ برادریوں تک ان کی رسائی پر شدید پابندیوں کا سامنا ہے اور بیوروکریٹک اور انتظامی رکاوٹیں ان کے روزمرہ کے کام کو انجام دینے سے روکتی ہیں۔ اگرچہ شمالی راکھائن میں دونوں ایجنسیوں کو کاروائی دوبارہ شروع کرنے کے قابل بنانے کے مقصد سے جون میں یو این ایچ سی آر، یو این ڈی پی اور حکومت میانمار کے مابین مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کیے گئے تھے، لیکن وہ ابھی تک مکمل، غیر جانبدار رسائی کے منتظر ہیں اور ابھی تک وہ کام شروع نہیں کر سکے ہیں۔

آئی این جی اوز میانمار کی حکومت کی طرف سے کچھ سفارشات پر عمل درآمد میں ہونے والی پیشرفت کا خیر مقدم کرتے ہیں، جن میں ترقی اور بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانے سے متعلق، جیسے کہ نئی سڑکیں، اسکول اور اسپتال بنانا شامل ہیں، لیکن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ساختی انسانوں سے نمٹنے میں خاطر خواہ پیشرفت نہیں ہوئی ہے۔ حقوق سے متعلق امور یا ایسا ماحول پیدا کرنے میں جہاں تمام برادریوں کو بلا تفریق ان پیشرفتوں سے فائدہ ہو۔

شہریت کے حقوق اور آزادی کی نقل وحرکت کے بغیر ریاست راکھائن میں روہنگیا برادری بہتر ترقی سے یکساں طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتی ہیں اور بنگلہ دیش میں پناہ گزینوں کی واپسی محفوظ نہیں ہوگی۔ آئی این جی اوز نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ میانمار کی حکومت کو ان تینوں شعبوں میں معنی خیز پیشرفت کرنے اور بحران سے متعلق باقاعدہ اجلاس کرنے کے لئے مقررہ اور پیمائش کے اہداف طے کرے۔ خاص طور پر سلامتی کونسل کو میانمار کی حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ مشاورتی کمیشن کی سفارشات کو پوری طرح نافذ کریں، جس میں امتیازی سلوک کے مسائل، نقل مکانی پر پابندی اور روہنگیا برادریوں کو درپیش شہریت سے انکار شامل ہیں۔

ایڈوائزری کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد کے لئے بھی راکھائن کے تمام نسلی گروہوں کے نظریات کو سننے کی ضرورت ہے تاکہ برادریوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کرنے والے فرقوں کو ختم کیا جاسکے۔ دوسرا سلامتی کونسل میانمار کی حکومت سے درخواست کرے کہ وہ راکھائن ریاست کے تمام حصوں میں انسانی ہمدردی کی تنظیموں کے لئے مکمل رسائی کے ساتھ ساتھ آزاد میڈیا اور صحافیوں کو مکمل رسائی فراہم کرے۔ اور آخر کار اسے میانمار کی حکومت کے ساتھ کوششیں تیز کرنا چاہئیں تاکہ انسانی حقوق کی آزادانہ تحقیقات کاروں کو انسانی حقوق کی پامالیوں کی تحقیقات کے لئے مکمل اور غیر جانبدار رسائی کی اجازت دی جاسکے، غیر منظم ثبوت اکٹھے کیے جائیں اور مقدمات کو بین الاقوامی ٹریبونل کے پاس بھیج دیا جائے۔ استثنیٰ ختم کرنے اور آئندہ ہونے والی خلاف ورزیوں کو روکنے کے لئے سلامتی کونسل کو حکومت میانمار کو ایک سخت پیغام بھیجنا ہوگا۔ جب تک کہ ان اقدامات پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا ہے، بین الاقوامی برادری کئی دہائیوں تک ریاست راکھائن میں مستثنیٰ سلوک برقرار رکھنے اور علیحدگی کو مستحکم کرنے کا خطرہ ہے۔

روہنگیا مسلمانوں مسائل کے حل میں رفاہی تنظیموں کا معاشی کردار:

کسی شخص کی ذاتی ضرورت کے وقت اس کا کام کر دینا یا معاشرے کی اجتماعی ضرورتوں اور سہولتوں کو فراہم کرنے کی کوشش کرنا چاہے وہ کوشش مال کے ذریعے ہو چاہے خدمت اور محنت کے ذریعے چاہے معاشرے کو اس کی ضرورتوں اور اس سہولتوں کے شعور کو عام کرنے کے لیے معلوماتی تحریریں فراہم کی جائیں، ان سب کا نام رفاہی کام ہے جسے خدمت خلق بھی کہا جاتا ہے۔ اورانسان اپنی فطری، طبعی، جسمانی اور روحانی ساخت کے لحاظ سے سماجی اور معاشرتی مخلوق ہے۔ اسی طرح میانمار اور بنگلہ دیش میں روہنگیا مسلمانوں کے لئے ان رفاہی تنظیموں کا معاشی کردار بھی ہے۔ جس سے روہنگیا برادری کی معاشی حالات کو بہتر کرنے میں مدد فراہم کی۔

برما میں ریاستی دہشت گردی کے نتیجے میں ملک چھوڑ کر بنگلہ دیش میں پناہ لینے والے ۱۴۰۰ روہنگیا مسلمان خاندانوں کے لیے فلسطینی امدادی تنظیموں کی طرف سے مالی امداد فراہم کی گئی ہے۔ یہ امداد ترک فاؤنڈیشن کے ذریعے بنگلہ دیش میں قائم روہنگیا مسلمانوں تک پہنچائی جائے گی۔

خبر رساں ادارے "اناطولیہ" کے مطابق ترکی کے امدادی ادارے 'حجر الصدقہ' اور فلسطینی تنظیم 'جمعیہ القلوب الرحیمہ' نے جنوب مشرق بنگلہ دیش میں کاکس بازار میں قائم بالوکالی کیمپ میں موجود روہنگیا مسلمانوں تک نقد امداد اور غذائی سامان فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے۔

"فلسطینی اور ترک تنظیموں کے تعاون سے روہنگیا کے ۴۰۰ خاندانوں کو غذائی سامان جب کہ ایک ہزار سے زائد خاندانوں کو نقد امداد فراہم کی جائے گی۔"[1]

بنگلہ دیش میں 'بالوکالی' پناہ گزین کیمپ روہنگیا مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اس کیمپ میں حالیہ ایام میں برما میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے بعد ہزاروں پناہ گزین منتقل ہوئے ہیں۔ کیمپ میں موجود روہنگیا مسلمانوں کی تعداد ۹۰ ہزار سے زائد ہے۔ ترک امدادی ادارے کی ٹیم کے رکن حاجی ڈورسون تونگ نے اناطولیہ سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ بنگلہ دیش میں روہنگیا مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ روز مرہ کی بنیاد پر جاری ہے۔ ایک ماہ کے دوران ساڑھے چار لاکھ روہنگیا مسلمانوں نے بنگلہ دیش کی طرف ہجرت کی ہے۔

پانچ لاکھ کے قریب روہنگیا میانمار سے بھاگ کر بنگلہ دیش پہنچ چکے ہیں اور اپنے ساتھ ظلم و ستم، مار دھاڑ، قتل و غارت اور جنسی زیادتیوں کی وہی داستانیں لے کر آئے ہیں جنہیں میانمار کی منتخب لیڈر آنگ سان سوچی نے سوشل میڈیا کا جھوٹ قرار دیا ہے۔ روہنگیا اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کے طعام و قیام کا انتظام بجائے خود ایک بہت بڑا اور مشکل کام ہے۔ فی الوقت تو ان میں سے بہت سے لوگ کھلے آسمان تلے رہنے پر مجبور ہیں اوپر سے بارش نے

---

[1] http://iblagh.com/140633(Accessed November 5, 2020)

ان کے فرش کو بھی کیچڑ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی سہولیات پوری طرح دستیاب نہیں ہے جس کی وجہ سے وبائی امراض پھیلنے کا بھی خطرہ ہے۔ بہت سے ممالک نے ان بے چاروں کے لئے امداد بھیجنے کا اعلان کیا ہے اور بہت سوں نے تو کئی میٹرک ٹن پر مشتمل اشیائے ضروریہ انہیں بھیج بھی دی ہیں۔

"یہ امداد بنگلہ دیشی فوج کے ذریعہ ان میں تقسیم کی جارہی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ غیر سرکاری تنظیمیں بھی ان کی امداد کر رہی ہیں جن میں برطانوی سکھوں کی ایک تنظیم خالصا ایڈ خاص طو سے قابل ذکر ہے جو ہر روز کم از کم ۳۵ ہزار روہنگیا کو کھانا کھلارہی ہے۔"[1]

ان رفاہی تنظیموں کے کارکن روہنگیا مسلمانوں کو کچھ نقد رقم بھی فراہم کر رہی ہے۔ جس سے ان کی مالی مشکلات میں کمی آرہی ہے۔ ان رفاہی تنظیموں نے روہنگیا برادری کی مالی معاونت کے ساتھ ساتھ دوسرے معاشرتی ضروریات کو بھی پورا کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔

روہنگیا مسلمانوں مسائل کے حل میں رفاہی تنظیموں کا معاشرتی کردار:

فلاحی تنظیمیں ایسی تنظیمیں ہیں جو معاشرے کے محروم لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی ہیں۔ یہ بھوکے کو کھانا کھلانے کا انتظام کرتی ہے، بیماروں کے لئے دوا فراہم کرتی ہے۔ اگر ان کے پاس وسائل زیادہ ہوں تو باقاعدہ کوئی ہسپتال یا ڈسپنسری بناتی ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں کی یہ قسم سب سے قدیم قسم ہے۔ اس طرح کی تنظیموں کے کام کرنے سے اگرچہ محروم لوگوں کے تمام تر مسائل حل نہیں ہوتے، مگر کسی حد تک ان کے مسائل میں کمی ضرور آتی ہے۔

روہنگیا پناہ گزینوں کی مدد میں بنگلہ دیشی این جی اوز نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ امدادی کاموں میں مصروف مذہبی اداروں کے ساتھ ان کا وجود خطے کے سیاسی منظرنامے کے ساتھ جکڑا ہوا ہے، کچھ مقامی این جی اوز بنیادی خدمات مہیا کرنے میں نمایاں ہیں اور اسی طرح ایک سیاسی طاقت کی حامل ہے۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے افراد کو مہاجروں کے ردعمل کا تجربہ نہیں تھا، لیکن انہوں نے مقامی برادری کے ساتھ معاشرتی اور معاشی امور اور آفات سے متعلق تجربہ کیا اور مہاجرین کی فوری ضروریات کو پورا کرنے میں مدد کرنے والے اولین افراد میں شامل ہیں۔

مہاجرین اور متاثرہ میزبان برادری کے تحفظ کے لئے درمیانے اور طویل مدتی حل کی فوری ضرورت ہے۔ کسی بھی کامیاب پائیدار حل کے لئے تعلیم، ہنروں کی تعمیر اور معاش کا حصول ضروری ہے جس میں دوبارہ اتحاد شامل ہونا ہے۔

[1] https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/baseerat+online-epaper-baonline/-newsid-73774743
(Accessed November 6, 2020)

اگرچہ اقوام متحدہ کی ایجنسیوں اور ۱۳۰ سے زیادہ مقامی، قومی اور بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں نے تاحیات امداد فراہم کرنے کے لئے بنگلہ دیش کی حکومت کی حمایت کی ہے، پناہ گزینوں کو بقا کے لئے بنیادی مدد سے کہیں زیادہ کی ضرورت ہے۔ انہیں اپنے حقوق، تحفظ اور وقار کی بھی ضرورت ہے۔

موجودہ بحران کے تناظر میں بنگلہ دیش اور میانمار کے زیر اقتدار قومی اور بین الاقوامی تنظیمیں میانمار کے اندر اور باہر روہنگیا کے بے گھر ہونے کے مناسب حل آنے تک مہاجرین، بے ریاست، اندرونی طور پر بے گھر افراد اور میزبان برادریوں کے حقوق کی فراہمی اور ان کے تحفظ کے لئے پر عزم ہیں۔

قومی اور بین الاقوامی تنظیمیں روہنگیا کے لئے بنگلہ دیش اور میانمار کی حکومتوں سے چند مطالبات کرتے ہیں:

۱۔ ہم حقوق و خدمات، جیسے تعلیم، مہارت کی تربیت اور ذرائع معاشیات تک رسائی کے لئے سرحد کے دونوں اطراف روہنگیا کے لئے ایک قابل ماحول بنائے جانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ ہم دونوں حکومتوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ روہنگیا اور میزبان برادریوں کے تحفظ کو کم کرنے کے لئے تحفظاتی نظام کو مستحکم کریں اور سب کے لئے انصاف تک رسائی حاصل کریں۔

۳۔ ہم بین الاقوامی برادری سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ میانمار کے اندر اور باہر روہنگیا کے بے گھر ہونے کے مناسب حل کی نشاندہی کریں جبکہ حکومت بنگلہ دیش کی حمایت کرتے رہیں۔ مہاجرین سے متعلق عالمی معاہدے کے وعدوں کو آہستہ آہستہ خود پر انحصار کریں اور ذمہ داری میں شریک ہونا اور بے گھر اور میزبان برادریوں کی ضروریات کو دور کرنے کے لئے علاقائی حل حاصل کرنا۔[1]

برما کے مغربی علاقوں میں کام کرنے والے امدادی کارکنوں کا کہنا ہے کہ بے گھر ہونے والے ایک لاکھ سے زائد روہنگیا مسلمانوں کے لیے مزید امداد کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کے تحت کام کرنے والے مختلف اداروں نے ان مہاجرین میں امداد تقسیم کرنے کا کام شروع تو کیا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ ان مہاجر بستیوں میں سہولیات بہت محدود ہیں۔ راکھائن ریاست کے صدر مقام سٹوے میں موجود بی بی سی کے جنوب مشرقی ایشیا کے نامہ نگار جوناتھن ہیڈ نے بتایا کہ ان امدادی اداروں کا کہنا ہے محدود سہولیات خاص طور پر ان مہاجر خاندانوں کے لیے مشکل کا باعث ہیں جنھوں نے اگلے کئی ماہ تک انہی کیمپوں میں رہنا ہے۔

روہنگیا مسلمان بودھوں کی جانب سے سماجی قطع تعلقی کا بھی شکار ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے بازاروں سے اشیا خریدنا ناممکن ہے۔ یہ مسلمان اپنے اوپر ہونے والے حملوں خطرے کے پیش نظر ماہی گیری بھی نہیں کرسکتے جو کہ ان میں سے اکثریت کا بنیادی پیشہ ہے۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان عدم اعتماد کی شدید فضا کو دیکھتے ہوئے اس بات کا

---

[1] http://www.drc.ngo/news/61-ngos-warn-of-worsening-crisis-in-myanmar-call-for-refugees-engagement-on-safe-voluntary-returns (Accessed November 7, 2020)

امکان بہت کم ہے کہ بے گھر ہونے والے ان افراد میں سے اکثر اپنے گھروں کو واپس جاسکیں۔اسی بنیاد پر امدادی کارکنوں کا کہنا ہے یہاں طویل مدت کے لیے امداد کی ضروریات ہیں۔دوسری جانب برما میں حزب اختلاف کی رہنما آنگ سان سُوچی نے ملک کے مغربی علاقوں میں نسلی فسادات کے دوران ہزاروں کی تعداد میں بے گھر ہونے والے روہنگیا مسلمانوں کی حمایت کرنے سے انکار کرتے ہوئے پر تشدد فسادات کے حوالے سے صبر و برداشت کی اپیل کی ہے۔بی بی سی سے بات کرتے ہوئے آنگ سان سُوچی نے کہا کہ:

" فسادات کے مسئلے کی بنیاد کو دیکھے بغیر وہ روہنگیا مسلمانوں کے حق میں بول کر اپنی اخلاقی قیادت کا غلط استعمال نہیں کریں گی۔[1]

الخدمت فاؤنڈیشن، معاون سماجی تنظیموں ڈیزاسٹر اینڈ ایمرجنسی مینجمنٹ اتھارٹی ترکی (AFAD)اور یونین آف این جی اوز ان دی مسلم ورلڈ (UNIW)کے زیر اہتمام روہنگیا مسلمانوں کو درپیش مسائل اور ان کے ممکنہ حل کے لیے ترکی کے شہر استنبول میں مشاورتی اجلاس منعقد کیا گیا۔اس اجلاس میں دنیا بھر میں انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی ۲۵ رفاہی تنظیموں کے سربراہان نے شرکت کی جبکہ الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان کے صدر محمد عبدالشکور نے پاکستان کی نمائندگی کی۔اجلاس کا مقصد روہنگیا مہاجرین کی صورتحال کا جائزہ لینا اور ان کی ضروریات کے پیشِ نظر امدادی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کرنے کے ساتھ میانمار، بنگلادیش، پاکستان سمیت دیگر ممالک کی توجہ اس طرف مبذول کرانا تھا کہ وہ اس انسانی مسئلے کو سمجھتے ہوئے سفارتی محاذ پر اپنا کردار ادا کریں اور مہاجرین کو فوری امداد مہیا کی جائے۔اس کے ساتھ عالمی رفاہی اداروں اور امدادی سامان کی متاثرہ علاقوں تک رسائی کو بھی ممکن بنایا جائے۔اجلاس میں اس بات پر بھی زور دیا کہ اس اہم اور نازک مسئلے کو نوجوان نسل میں شعور اجاگر کرنے کے لیے تعلیمی ادارے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔مزید یہ کہ اس اجلاس میں شریک تنظیمیں روہنگیا مہاجرین کے لیے متحرک بنگلادیش کی رفاہی تنظیموں کے ساتھ بھی تعلقات کو فروغ دیں تاکہ ان کے تعاون سے ریلیف سرگرمیوں کو زیادہ مؤثر طریقے سے سرانجام دیا جاسکے۔اس موقع پر ے رفاہی تنظیموں کی ایک کمیٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جو کہ مل کر اس ریلیف سرگرمیوں کی نگرانی کرے گی۔عبدالشکور نے تقریب سے خطاب میں کہا کہ:

" الخدمت فاؤنڈیشن معاون رفاہی تنظیموں کے ساتھ مل کر مظلوم روہنگیا مہاجرین کے لیے امدادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔الخدمت فاؤنڈیشن نے اب تک ۲۰ ہزار افراد میں تیار کھانا، ۷ ہزار خشک راشن پیک اور کپڑے، ۱۰۰۰ بچوں میں تحائف، ۵۰۰ شیلٹر ہومز، ۳۰ میڈیکل کیمپس، ۵۰ ہینڈ پمپس، ۳۰۰ ٹوائلٹس اور ۱۰ ٹینٹ اسکول قائم کر چکی ہے۔اور ۵ کروڑ ۲۰ لاکھ روپے سے زائد کی خطیر رقم امدادی سرگرمیوں پر خرچ کی

[1] https://www.bbc.com/urdu/mobile/world/2012/11/121104_burma_rohingiya_more_aid_tim.shtml (Accessed November 8, 2020)

جا چکی ہے جس سے مجموعی طور پر ۷۰۰۰۰ افراد مستفید ہوئے ہیں جبکہ یہ سلسلہ مہاجرین کی مکمل بحالی تک جاری ہے۔"[1]

پاکستان میں الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان نے ہمیشہ کی طرح میانمار کے مسلمانوں کی تکالیف کا ادراک کرتے ہوئے ان کی مدد کا بیڑا اٹھایا اور امدادی کام شروع کیے۔ روہنگیا مسلمانوں کے سخت ترین حالات کو دیکھتے ہوئے الخدمت وومن ونگ بھی پیچھے نہیں رہا، گزشتہ دنوں اس نے کراچی کے لان میں روہنگیا مسلمانوں کی امداد کے لیے چیریٹی بازار منعقد کیا، جہاں خواتین نے بھرپور خریداری کی۔ چیریٹی بازار کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے محمد عبدالشکور نے کہا کہ:

"روہنگیا مسلمان پناہ گزین کیمپوں میں شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ الخدمت فاؤنڈیشن روہنگیا مسلمانوں کے لیے بڑا اور معیاری اسکول قائم کرے گی جبکہ بنگلہ دیش کے پناہ گزین کیمپوں میں مقیم لاکھوں مہاجرین کے بچوں کی تعلیم وصحت کے لیے منصوبے شروع کرنے کے ساتھ ۵۰۰ لیڈی ہیلتھ ورکرز اور ۵۰۰ سے زائد اساتذہ کو پیشہ ورانہ تربیت فراہم کرے گی۔"[2]

الخدمت نے پاکستان سمیت دنیا کی ۲۵ این جی اوز کو متحد کرکے استنبول میں اجلاس منعقد کیا جس میں تمام تنظیموں نے مل کر روہنگیا مسلمانوں کے لیے کام کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

میانمار میں جبر سے بچنے کے لئے ترک وطن کرکے بنگلہ دیش جانے والے روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ بحرانی صورت اختیار کر گیا ہے۔ تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق ۷۵۰،۰۰۰ پناہ گزین اس وقت بنگلہ دیش کے کاکس بازار میں کیمپوں میں رہائش پذیر ہیں جہاں انھیں روزمرہ کی بنیادی سہولتوں تک سے محرومی کا سامنا ہے۔ پروگرام 'جہاں رنگ' میں بہجت جیلانی سے بات کرتے ہوئے فلاحی تنظیم 'فرینڈز فار ہیومینٹی' کے احتشام ارشد نظامی کا کہنا تھا کہ:

"اگرچہ غیر سرکاری تنظیمیں وہاں فعال ہیں جن کا تعلق ترکی، پاکستان اور یورپ سے ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹروں کے گروپ خدمت کر رہے ہیں۔ لیکن جو کام اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو رہا۔ ان کی تنظیم 'فرینڈز فار ہیومینٹی' نے وہاں سولر لائیٹس فراہم کی ہیں کیونکہ روشنی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مسائل بڑھ جاتے ہیں اور اب وہ حفظان صحت کی سہولتوں والے پیکج فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"[1]

فلاح انسانیت فاؤنڈیشن پاکستان کا سب سے بڑا امدادی ادارہ ہے جو پاکستان کے علاوہ بیرون ممالک میں بھی فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کی خدمات نمایاں ہیں۔ فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کی جانب سے جاری کردہ سالانہ رپورٹ

---

[1] https://www.jasarat.com/2017/11/11/171111-01-10/ (Accessed November 9, 2020)
[2] https://fridayspecial.com.pk/2017/11/24/237991/(Accessed November 9, 2020)
[1] https://emergingpakistan.tumblr.com/post/181367425783/روہنگیا-بحران-کبھی-حل-ہو-گا
(Accessed November 10, 2020)

۲۰۱۵ء کے مطابق دنیا بھر کے مصیبت زدہ مسلمانوں کیلیئے کروڑوں روپے مالیت کے امدادی منصوبہ جات مکمل کیئے گئے۔ خصوصاً برما سے ہجرت کر کے آنے والے لٹے پٹے ہزاروں مسلمان کشتیوں کی مدد سے جب انڈونیشیا کے جزیروں پر پہنچے تو ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

"فلاح انسانیت فاؤنڈیشن نے صورتحال کا جائزہ لے کر فوری طور پر اپنا امدادی وفد انڈونیشیا روانہ کیا جس نے مہاجر کیمپوں میں مقیم برمی مسلمانوں کو لاکھوں روپے مالیت کی فوری ضرورت کی اشیاء تقسیم کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ امدادی سامان کی ترسیل کا سلسلہ جاری رہا، پھر دوسرا وفد بھیجا گیا اور برمی مہاجرین کے لئے بڑے پیمانے پر ریلیف آپریشن شروع کر دیا گیا، پاکستان بھر سے برمی مسلمانوں کے لئے کروڑوں مالیت کا امدادی سامان روانہ کیا گیا۔"[1]

رمضان المبارک میں مہاجر کیمپوں میں ہزاروں مسلمانوں کے لئے سحر و افطار کا اہتمام ہوا اور عید الفطر پر فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کے ذمہ داران نے عید برمی مسلمانوں کے ساتھ گزاری اور انہیں عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر گفٹ پیکس، خصوصی کھانوں اور نقد امداد کا بندوبست کیا۔ عید قربان پر بھی کیمپوں میں قربانیاں کی گئیں اور گوشت پکا کر مہاجرین میں تقسیم کیا گیا۔

الخدمت وومن ونگ ٹرسٹ پاکستان کی صدر نویدہ انیس اور الخدمت وومن ونگ ٹرسٹ لاہور کی سیکرٹری صبا ثاقب نے الخدمت کے مرکزی دفتر میں الخدمت فاؤنڈیشن کے مرکزی صدر محمد عبدالشکور سے ملاقات کی۔ اور ملاقات کے دوران انھوں نے ایک کروڑ کا چیک پیش کیا۔

"میانمار بنگلہ دیش بارڈر کاکس بازار میں قائم مہاجر کیمپوں میں موجود روہنگیا مہاجرین کیلیئے الخدمت فاؤنڈیشن کے تحت جاری امدادی سرگرمیوں کیلیئے ایک کروڑ روپے کا چیک پیش کیا۔"[1]

اس موقع پر الخدمت فاؤنڈیشن کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر شاہد اقبال بھی موقع پر موجود تھے۔ محمد عبدالشکور نے الخدمت وومن ونگ ٹرسٹ کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ان کی جانب سے دکھی انسانیت کیلیئے کی جانے والی کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ الخدمت فاؤنڈیشن اپنے دیگر معاون رفاعی اداروں کیساتھ ملکر مظلوم روہنگیا مہاجرین کیلیئے بھرپور امدادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ الخدمت فاؤنڈیشن معاون رفاہی تنظیموں کے ساتھ مل کر ترکی میں قائم کردہ بنگلہ دیش میں روہنگیا مہاجرین کیمپوں میں خصوصی طور پر قربانی فی سبیل اللہ کا اہتمام کیا جائے گا۔ الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان کے مرکزی صدر محمد عبدالشکور نے قربانی پروجیکٹ کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ:

[1] https://www.yesurdu.com/muslims-trouble-welfare-association-projects-falah-foundation-pakistan.html(Accessed November 10, 2020)

[1]https://www.islamtimes.org/ur/news/674987/الخدمت-فاؤنڈیشن-وومن-ونگ-نے-روہنگیا-مسلمانوں-کیلیئے-ایک-کروڑ-روپے-امداد-دیدی (Accessed November 11, 2020)

"قربانی پراجیکٹ الخدمت فاؤنڈیشن کی سماجی خدمات کا ایک اہم حصہ ہے۔ جس میں الخدمت فاؤنڈیشن پر اعتماد اور اس کے ملک بھر میں پھیلے رضاکاروں کے منظم نیٹ ورک کی بدولت دور دراز علاقوں میں قربانی کا گوشت پہنچانے کا بندوبست کرتی ہے۔"[1]

مرکزی، ریجنل اور ضلعی سطح پر قربانی پراجیکٹ کی مانیٹرنگ کے لئے ڈیسک قائم کیا جاتا ہے۔ جس میں قربانی کے جانوروں کی خریداری سے لے کر ان کی دیکھ بھال اور قربانی کرنے سے لے کر گوشت کی تقسیم اور رپورٹنگ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

"الخدمت فاؤنڈیشن ترکی اور انڈونیشیا کی این جی اوز کے ساتھ مل کر برما کے مسلمانوں کی مدد کر رہی ہے۔"[2]

الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان کا وفد صدر محمد عبدالشکور کی سربراہی میں روہنگیا مہاجرین کی مدد کیلئے بنگلہ دیش پہنچ گیا۔ جاری اعلامیہ کے مطابق برمی مسلم مہاجرین کو درپیش مسائل اور امدادی سرگرمیوں کے حوالے سے اجلاس منعقد کیا گیا جس میں الخدمت فاؤنڈیشن سمیت اسلامک ایڈ، یونین آف این جی اوز آف دی اسلامک ورلڈ ترکی، ثواب بنگلہ دیش اور سیلف ریلائنٹ سوسائٹی کے ذمہ داران نے شرکت کی۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ابتدائی مرحلے میں برمی مسلم مہاجرین کے لئے خوراک، ادویات، پینے کے صاف پانی اور ہائی جین کٹس فراہم کی جائیں گی جبکہ کنویں بھی کھودے جائیں گے۔ محمد عبدالشکور نے کہا کہ:

"ترکی کے یونین آف این جی اوز آف دی اسلامک ورلڈ روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے خاطر خواہ اقدامات کر رہا ہے اور پاکستان سمیت دیگر مسلمان ممالک کے رفاہی ادارے ایک دوسرے سے نہ صرف رابطے میں ہیں بلکہ روہنگیا مسلم مہاجرین کے لئے امداد کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ تشدد کی حالیہ لہر کے بعد لاکھوں برمی مسلمان ہجرت پر مجبور ہیں جن میں سے ۲ لاکھ ۷۰ ہزار روہنگیا مسلمان بنگلہ دیش پہنچے ہیں۔"[1]

الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان کے صدر، ہیلپنگ ہینڈ کے صدر فضل الرحمن اور مسلم ہینڈ و دیگر این جی اوز کے نمائندوں نے الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان اور ہیلپنگ ہینڈ کے زیر اہتمام روہنگیا مسلمانوں کی مشترکہ امداد کے لیے کانفرنس بلائی جس میں ۲۷ ملکی و بین الاقوامی این جی اوز نے شرکت کی، کانفرنس میں این جی اوز پر مشتمل روہنگیا مسلم

---

[1] https://dailypakistan.com.pk/21-Aug-2018/834377 (Accessed November 11, 2020)

[2] http://jehanpakistan.pk/column-blog-detail/برما-میں-سسکتی-انسانیت-کا-نوحہ(Accessed November 11, 2020)

[1] https://www.urdupoint.com/daily/livenews/2017-09-11/news-1197417.html
(Accessed November 12, 2020)

کرائسز ٹاسک فورس قائم کی گئی۔ انسانی المیے اور ایکشن کے لیے مشاورت کے عنوان سے منعقدہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدر الخدمت فاونڈیشن عبد الشکور نے اپنے حالیہ دورہ بنگلہ دیش پر بریفنگ دی۔ عبد الشکور نے کہا کہ:

" بین الاقوامی برادری کی طرف سے دباؤ اور عالمی میڈیا میں اس حوالے سے مذمت کی وجہ سے اب اطلاعات ہیں کہ برما کی حکومت نے بنگلہ دیش کی سرحد پر بارودی سرنگیں لگانے کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔ عالمی میڈیا پر برما کی کوریج کی وجہ سے ۲۰ سے زائد عالمی این جی اوز نے ریلیف کا کام شروع کر دیا ہے۔"[1]

برما میں مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے، برما کا انسانی المیہ سوچ سے زیادہ بڑا ہے بین الاقوامی ادارے خوراک اور پانی جیسی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کانفرنس کا مقصد عوام میں برما کے حوالے سے شعور و آگاہی اجاگر کرنا ہے اور اس کے ساتھ عالمی برادری فلاحی اداروں کو برما بھیجنے کے لیے برمی حکومت پر دباؤ ڈالے تاکہ فلاحی ادارے بغیر کی رکاوٹ کے کام کر سکیں۔ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے این جی اوز کے نمائندوں نے کہا کہ روہنگیا مسلمان کیمپوں میں ابتر حالت کا شکار ہیں، ان کو فوری امداد کی ضروت ہے، میانمار میں پہنچ نہ ہونے کی وجہ سے امدادی کاموں میں مشکلات درپیش ہیں، پاکستان میں سوشل میڈیا پر کام کرنے کی ضروت ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کی مدد کرنے میں این او سی کے مسائل ہیں، فنڈ ریزنگ کے بعد روہنگیا کی امداد کے لیے فنڈ ٹرانسفر کے مسائل ہیں۔

المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ مستقل فلاحی منصوبوں کے ساتھ ساتھ ایمر جنسی ریلیف کے کاموں میں بھی پیش پیش ہے۔ کچھ سال پہلے جب برما میں بدھسٹوں کے انسانیت سوز مظالم سے تنگ آکر لاکھوں روہنگیا مسلمان بے سرو سامانی کی حالت میں بنگلہ دیش کے کاکس بازار میں پناہ گزین ہوئے تو برطانیہ سے روہنگیا مسلمانوں کے لیے امداد لے کر بنگلہ دیش پہنچنے والی پہلی چیریٹی المصطفیٰ تھی۔

"۲۰۱۲ء سے لے کر اب تک المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ کے چیئرمین عبد الرزاق ساجد نے ۱۲ مرتبہ بنگلہ دیش اور برما پہنچ کر روہنگیا مسلمانوں میں کھانے پینے کی اشیائ، کپڑے، خیمے اور ادویات تقسیم کی ہیں۔ المصطفیٰ کی طرف سے روہنگیا مسلمانوں کے لیے جاری امدادی مشن میں ایک ملین پاؤنڈ کی خطیر رقم خرچ کی جاچکی ہے۔"[1]

۱۰ جون، ۲۰۱۹ء کو الفجیرۃ فلاحی تنظیم نے روہنگیا پناہ گزینوں کیلئے متحدہ عرب امارات کے امدادی پروگرام میں ۴ لاکھ درہم کا عطیہ دیا ہے جو روہنگیا بچوں اور خواتین کیلئے صرف ہو گا۔ الفجیرۃ فلاحی تنظیم کے ڈی جی علی بن عباد نے یہ عطیہ امارات ہلال احمر کے ڈائریکٹر عبد اللہ الظنحانی کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ:

---

[1] https://www.jasarat.com/2017/09/13/rohingya-muslims-to-help-joint-wish/
((Accessed November 12, 2020)
[1] https://dailykhabrain.com.pk/2019/06/09/178854/(Accessed November 12, 2020)

"ان کا ادارہ اپنے چیئر مین سعید الرقبانی کی ہدایات کے مطابق روہنگیا پناہ گزینوں کی مشکلات کو کم کرنے میں تعاون کیلئے تیار ہے، یہ عمل ملک کی قیادت کے نظریات کے عین مطابق عرب امارات کے فلاحی اقدامات کے فروغ سے بھی مکمل مطابقت رکھتا ہے۔"[1]

امارات ہلال احمر کے انسانی ہمدردی کے اقدامات اور بھرپور کام عرب امارات کی ممتاز شناخت بھی بن چکی ہے۔ امداد کا یہ اقدام نہ صرف روہنگیا پناہ گزینوں کی مشکلات اور مصائب کم کرنے میں معاون ہو گا بلکہ عرب امارات کے ایسے اقدام عالمی برادری کو بھی روہنگیا کی طرف متوجہ کرنے میں معاون ہونگے۔

۵ فروری، ۲۰۲۰ء کو متحدہ عرب امارات کی قیادت کی ہدایت اور الظفرۃ ریجن میں حکمران نمائندہ اور چیئر مین امارات ہلال احمر کی نگرانی میں امارات ہلال احمر کی طرف سے بنگلہ دیش میں روہنگیا پناہ گزینوں کیلئے امداد کا سلسلہ جاری ہے۔ فراہم کردہ امداد میں کاکس بازار کے پناہ گزین کیمپ میں مقیم ۴۵ ہزار روہنگیا کیلئے مختلف قسم کی اشیاء شامل ہیں، ان میں خوراک کی اشیاء، شیلٹر، گرم رکھنے کی اشیاء، کپڑے، صفائی کی اشیاء، بچوں کیلئے فوڈ سپلیمنٹس، سکولوں اور تدریس کیلئے اشیاء شامل ہیں۔ امارات ہلال احمر کے رضاکاروں کا وفد حال ہی میں بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکا پہنچا تاکہ وہاں امداد کی فراہمی کے عمل میں حصہ لیتے ہوئے اس کی نگرانی بھی کر سکے۔ ان کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر محمد عتیق کا کہنا ہے کہ:

"ریلیف آپریشن کا عمل روہنگیا کیلئے عرب امارات کی قیادت کے جذبات و احساسات کا عکاس ہے، عرب امارات نے ہمیشہ سے ہی دنیا بھر میں پناہ گزینوں کی امداد کیلئے ایسا کردار ادا کیا ہے۔ میانمار سے آنے والے لاکھوں پناہ گزینوں کا بوجھ بنگلہ دیش اٹھا رہا ہے اور ان پناہ گزینوں میں عورتوں اور بچوں کی قابل ذکر تعداد شامل ہے۔ امارات ہلال احمر کا اقدام ان پناہ گزینوں کی مدد کے ساتھ بنگلہ دیش کے اقدامات کو تعاون بھی فراہم کر رہا ہے۔"[1]

روہنگیا پناہ گزینوں کا بحران جب شروع ہوا تو ان کی مدد کیلئے پہلے آگے آنے والوں میں عرب امارات شامل تھا۔ متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب نے بنگلہ دیش میں پناہ گزینوں کیلئے ملائیشیاء کے فیلڈ ہسپتال کو بھی تعاون فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے، متعدد اعلیٰ اماراتی عہدیداروں نے اس کاکس بازار پناہ گزین کیمپ کا دورہ کیا جو کہ دنیا میں روہنگیا کا سب سے بڑا پناہ گزین کیمپ ہے۔ عرب امارات نے اس حوالے سے ایک خصوصی امدادی مہم بھی شروع کی جس کا نام "دی یو اے ای فار روہنگیا ویمن اینڈ چلڈرن" رکھا گیا، اس مہم کے نتیجے میں ۱۲ لاکھ پناہ گزینوں کی بنیادی ضروریات پوری کی گئیں، جن میں سات لاکھ بیس ہزار بچے، دو لاکھ چالیس ہزار خواتین اور ۴۸ ہزار عمر رسیدہ افراد شامل ہیں۔

---

[1] https://wam.ae/ur/details/1395302767096 (Accessed November 12, 2020)
[1] http://wam.ae/ur/details/1395302821652(Accessed November 12, 2020)

مئی ۲۰۱۹ء میں متحدہ عرب امارات نے روہنگیا پناہ گزینوں کی مدد، ان کے مصائب میں کمی اور حالات زندگی کو بہتر بنانے کے لئے "روہنگیا خواتین اور بچوں کے لئے متحدہ عرب امارات کی امداد" مہم کا آغاز کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اماراتی امدادی الائنس تشکیل دیا گیا ہے جس میں تقریباً بیس امدادی ادارے، ترقیاتی تنظیمیں اور سوسائٹیز مہاجرین کی مشکلات میں کمی اور اس بحران پر قابو پانے میں مدد کے لئے ملکی قیادت کی توقعات کو پورا کرنے کے لئے کام کررہی ہیں۔ اس مہم کا باضابطہ آغاز جمعہ کو ٹی وی چینلز سے مشترکہ براڈ کاسٹ کے ذریعے ملک بھر میں کیا جائے گا۔ جس کا مقصد بارہ لاکھ سے زائد پناہ گزینوں جن میں سات لاکھ بیس ہزار بچے، دو لاکھ چالیس ہزار خواتین اور اڑتالیس ہزار عمر رسیدہ افراد شامل ہیں کی تعلیم، خوراک، صحت کی خدمات، پینے کے صاف پانی، نکاسی آب سمیت شیلٹر کے سامان کی ضروریات کو پورا کرنے کے پائیدار پروگرام کے لئے ہنگامی امداد کی فراہمی کی عرب امارات کی کوششوں میں اضافہ کرنا ہے۔

اس مہم کا اعلان امارات ہلال احمر کے احاطہ میں مہم میں شرکت کرنے والے امدادی اور خیراتی تنظیموں کے نمائندوں کی موجودگی میں ایک پریس کانفرنس میں کیا گیا۔ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امارات ہلال احمر کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر محمد عتیق الفلاحی نے کہا:

"متحدہ عرب امارات روہنگیا پناہ گزینوں خصوصاً بچوں اور خواتین سے یکجہتی کے اظہار کے لئے ہمیشہ سے فعال رہا ہے اور ان کی مدد کے لئے شروع دن سے کام کرتا آیا ہے۔ امارات ہلال احمر کی زیر قیادت عرب امارات کے متعدد امدادی ادارے پناہ گزینوں خصوصاً بنگلادیش میں تمام قسم کی مدد فراہم کررہے ہیں اور اس بحران کے خاتمے کی کوششوں کے لئے عالمی کوششوں کو مضبوط بنانے کے لئے بھرپور مدد کی گئی۔"[1]

عرب امارات کی فلاحی تنظیم اور امارات ہلال احمر نے روہنگیا پناہ گزینوں کی مشکلات میں کمی کے لئے بھرپور مدد کی ہے۔ اور مزید آنے والے مہاجرین کی صورت حال اور بحران کو سامنے رکھتے ہوئے ان منصوبوں کا تسلسل جاری رکھنے کا عہد کیا ہے۔

بنگلہ دیش کے ساحلی ضلع کاکس بازار میں دنیا میں پناہ گزینوں کا سب سے بڑا کیمپ قائم ہے۔ یہ دنیا کی شدید ترین مون سون بارشوں کی زد میں بھی آتا ہے جس کی وجہ سے یہاں رہنے والے ۲۰ لاکھ سے زیادہ بنگلہ دیشی اور قریباً دس لاکھ روہنگیا مسلمانوں کو سیلابوں اور تودے گرنے کے خطرات کا سامنا رہتا ہے۔ ۲۰۱۸ء میں مون سون کا موسم اکتوبر میں ختم ہو گیا جس سے پناہ گزینوں کے کیمپ اور مقامی لوگوں کے علاقے بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی سے محفوظ رہے۔ بڑی حد تک یہ سب کچھ امریکی معاونت سے چلنے والے اقوام متحدہ کے اداروں اور انجینئروں کے کام کی

[1] http://wam.ae/ur/details/1395302764357(Accessed November 13, 2020)

بدولت ممکن ہوا جو سڑکوں کی تعمیر نو، نہریں کھودنے اور خطرناک ڈھلانوں کو مستحکم بنانے کے لیے دن رات کام کرتے رہے۔

"انجینئروں کی بین الاقوامی ٹیموں نے ۳۵ ہزار مربع میٹر سے زیادہ ڈھلوانی زمینوں کو مضبوط بنایا تاکہ کاکس بازار کے پناہ گزینوں کے کیمپوں پر مٹی کے تودے گرنے کی روک تھام کی جا سکے۔ کم و بیش زندگی کے ہر شعبے میں کیمپ کی آبادی کا انحصار امداد پر ہے جس میں خوراک، پانی، تعلیم، صحت عامہ اور پناہ گاہیں شامل ہیں۔"[1]

بحران کا حجم اور اس کے وقوع پذیر ہونے کی رفتار نے خطرناک صورتحال کو جنم دیا۔ کچی زمین پر عجلت میں تعمیر کی گئی پناہ گاہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نئے آنے والے لوگوں کو مون سون کے موسم میں سیلابوں اور مٹی کے تودوں کی زد میں آنے کے خطرات کا سامنا رہے گا۔ کیمپ بھر میں رسائی قائم رکھنے کے لیے ۵۵۰۰۰ مربع میٹر سے زیادہ جگہ پر سڑکوں کی تعمیر و مرمت اور دیگر خطرات سے نمٹنے کے لیے عالمی برادری فوری طور پر پناہ گزینوں کی مدد کو آئی۔ عالمی ٹیموں نے سیلابوں اور مٹی کے تودوں کے آگے بند باندھنے کے لیے نئی اور موجودہ نکاسی آب کی ۲۷۰۰۰ مربع میٹر سے زیادہ جگہ بھی کھودی اور صاف کی۔ مون سون کے موسم میں پناہ گزینوں کے کیمپوں کو محفوظ بنانے کی خاطر ہزاروں روہنگیا کارکنوں نے بنیادی ڈھانچوں اور مقامی زمین کو بہتر بنانے پر کام کیا۔ بہتر رسائی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں رہنے والے خاندانوں کو بہتر تحفظ، مواقع اور خدمات مہیا کی جا سکیں۔

سیو دی چلڈرن ۲۰۱۲ء سے روہنگیا کیمپ پر کام کر رہے ہیں، اور انہوں نے ۲۰۱۷ء کی بڑی آمد کے بعد سے اپنے ٹاسک لائنوں میں اضافہ کیا ہے۔ یہ ادارہ مہاجر بچوں کی نفسیاتی ترقی کے لئے ساز گار ماحول پیدا کر رہا ہے۔

For the maternity and primary healthcare, they have standby ambulance.[1]

ترجمہ: زچگی اور بنیادی صحت کی دیکھ بھال کے لئے ان کے پاس اسٹینڈ بائی ایمبولینس ہے۔

سیو دی چلڈرن ورلڈ فوڈ پروگرام کے ساتھ ملکر روزانہ کھانا اور راشن فراہم کر رہے ہیں۔ سیو دی چلڈرن مختلف منصوبوں پر کام کر رہا ہے جن میں خالص پانی اور سینیٹری سسٹم، شمسی لیمپ، غذائی قلت کا مقابلہ کرنا اور رہائش شامل ہیں۔

ڈاکٹرز بغیر بارڈرز تنظیم نے اگست ۲۰۱۷ء سے لے کر اب تک ۱.۳ ملین طبی مشاورت کی ہے۔ ڈاکٹرز بغیر بارڈرز تنظیم ۱۹۸۵ء سے بنگلہ دیش میں اپنی سرگرمیاں انجام دے رہی ہیں، اور روہنگیا مہاجر کیمپ میں ان کی سرگرمیوں کو سراہا گیا ہے۔

---

[1] https://share.america.gov/ur/روہنگیا-پناہ-گزینوں-کے-لیے-عالمی-امداد/ (Accessed November 13, 2020)

[1]Save the Children. (2019). Rohingya Crisis Explained.
https://www.savethechildren.org/us/what-we-do/emergency-response/rohingya-crisis
(Accessed November 13, 2020)

Doctors Without Borders have been conducting their activities in Bangladesh since 1985, but their activities at Rohingya Refugee Camp have been praised.[1]

ترجمہ: اب تک اس تنظیم نے ۱۳۰۰،۰۰۰ بیرونی مریضوں کا علاج، ۲۵،۷۶۰ مریضوں کو اسپتال میں داخل کرنے اور ۱۳۱،۹۸۰ افراد کی ذہنی صحت کی دیکھ بھال فراہم کی ہے۔

انٹر نیشنل ریسکیو کمیٹی نے بنگلہ دیش میں طبی امداد اور ہنگامی امدادی امداد کے ساتھ ۲۰۱۸ء میں اس کی انسانیت دوست کارروائیوں کا آغاز کیا ہے۔

> its ordains its 400+ staff members and volunteers from where they have assisted 1,28,178 people.[2]

ترجمہ: اس نے اپنے ۴۰۰ سے زائد اسٹاف ممبروں اور رضاکاروں کو مقرر کیا ہے جہاں سے انہوں نے ۱۲۸،۱۷۸ افراد کی مدد کی ہے۔

ان کارروائیوں سے قبل، اس نے ۶۰ دیگر امدادی گروپوں کے ساتھ، روہنگیا کے لئے انسانی حقوق کا مطالبہ کیا ہے۔

ایکشن ایڈ بنگلہ دیش زیادہ تر خواتین کے مرکزیاتی نقطہ نظر سے کام کر رہا ہے کیونکہ ان کو حالات کا سب سے زیادہ خطرہ ہیں اور انہیں مکمل طور پر فعال ہونے کے لئے طویل مدتی مدد کی ضرورت ہے۔

> This NGO has provided the women of the camp with drinking water, hygiene kits, blanket, washroom and cooking materials for more than 40,000 refugees.[1]

ترجمہ: اس این جی او نے کیمپ کی ۴۰،۰۰۰ سے زیادہ مہاجر خواتین کے لئے پینے کے پانی، حفظان صحت کی کٹس، کمبل، واش روم اور کھانا پکانے کا سامان مہیا کیا ہے۔

چونکہ کاکس بازار ایک تودے گرنے کا خطرہ ہے لہذا انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو روہنگیاؤں کے پناہ گاہوں کو مستحکم کرنے کے لئے استعمال کیا۔ نفسیاتی ضرورتمند خواتین کو نفسیاتی مدد فراہم کرنے کے لئے انہوں نے ۱۵ واٹر اینڈ سینی ٹیشن بلاکس ۶ جگہوں میں نصب کیے گئے ہیں۔

ان مختصر مدتی بحران کے انتظامات کے علاوہ، ایکشن ایڈ بنگلہ دیش بھی روہنگیا پناہ گزینوں کے لئے پائیدار معاش، تعلیم اور معیاری زندگی گزارنے کے منتظر ہے۔

---

[1] Doctors Without Boarders. Rohingya crisis in Bangladesh: A summary of findings from six pooled surveys, (2017). https://www.doctorswithoutborders.org/sites/default/files/201808/summary_mortality_surveys_coxs_bazar.pdf(Accessed November 13, 2020)

[2] IRC. (2019). Growing violence: Myanmar. https://www.rescueuk.org/country/myanmar (Accessed November 13, 2020)

[1] ActionAid. (2019). Rohingya Crisis Appeal. https://www.actionaid.org.uk/donate/emergency/rohingya-refugee-crisis (Accessed November 13, 2020)

انٹر نیشنل ریڈ کراس کمیٹی ۱۹۸۶ء سے میانمار میں امدادی کارروائیوں میں زیر حراست افراد کا دورہ کرنا اور قیدی کے حالات بہتر کرنے پر توجہ مرکوز کی ہے۔

> Red Cross is working for drinking water, livelihood, disaster resilience in most of the areas of Myanmar including Rakhine state.[1]

ترجمہ: ریڈ کراس ریاست راکھائن سمیت میانمار کے بیشتر علاقوں میں پینے کے پانی، معاش اور معاشی نقصانات کے لئے کام کر رہی ہے۔

اقوام متحدہ نے بنگلہ دیش میں پناہ گزین روہنگیا مسلمانوں کو ایک دور افتادہ جزیرے پر منتقل کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ دوسری جانب انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں اور ماہرین نے اس منصوبے پر تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ روہنگیا مسلمانوں کی دور دراز ساحلی علاقے میں موجود جزیرے پر منتقلی سے ایک نیا بحران جنم لے سکتا ہے۔ مجوزہ طور پر بنگلہ دیش کے جس جزیرے کو روہنگیا پناہ گزینوں کے لیے منتخب کیا گیا ہے سے مقامی سطح پر جزیرہ 'باسان چار' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کی دستاویز کے مطابق روہنگیا پناہ گزینوں کو 'باسان چار' جزیرے پر منتقل کرنے سے کاکس بازار کیمپ پر آبادی کا بوجھ کم کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ جزیرہ خلیج بنگال میں واقع ہے اور بنگلہ دیش میں عارضی طور پر آباد کیے گئے روہنگیا مسلمان پناہ گزینوں کو کشتیوں کی مدد سے چند گھنٹے کے فاصلے کے بعد اس جزیرے پر منتقل کیا جا سکے گا۔

"انسانی حقوق اور امدادی سرگرمیوں کے لیے کام کرنے والی تنظیموں نے پناہ گزینوں کو ایک نئے جزیرے پر منتقل کرنے کے سنگین نتائج کے بارے میں خبردار کیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جس جزیرے پر روہنگیا مسلمانوں کو منتقل کیا جا رہا ہے وہاں پر بنیادی سہولیات نام کی کوئی چیز نہیں۔ اس کے علاوہ وہاں پر سیلاب کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سمندر کی لہریں کسی بھی وقت اس جزیرے پر چڑھائی کر سکتی ہیں۔"[1]

اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک کی ایک رپورٹ کے مطابق بنگلہ دیش کی حکومت نے پناہ گزینوں کی باسان چار جزیرے پر منتقلی کے لیے ایک مفصل منصوبہ تیار کیا ہے جس میں ٹائم فریم اور بجٹ کی تفصیلات بھی شامل ہیں۔ منصوبے پر عمل شروع ہونے کے بعد چند ہفتوں کے اندر اندر پناہ گزینوں کو جزیرے پر منتقل کر دیا جائے گا۔ جزیرہ باسان میں منتقلی جبری نہیں بلکہ رضاکارانہ طور پر ہو گی اور اس کے لیے بنیادی انسانی حقوق اور اقدار کا خیال رکھا

---

[1] ICRC. (2018). Myanmar: In Rakhine, placing people at the centre. https://www.icrc.org/en/document/myanmar-rakhine-placing-people-at-centre (Accessed November 14, 2020)

[1] http://urdu.alarabiya.net/ur/international/2019/03/24/روہنگیا-پناہ-گزینوں-کو-بنگلہ-دیش-کے-ایک-دور-افتادہ-جزیرے-پر-منتقل-کرنے-کا-منصوبہ (Accessed November 14, 2020)

جائے گا۔ اس منصوبے کے حوالے سے بنگلہ دیش کی حکومت اور اقوام متحدہ کے ادارہ خورک کے درمیان بات چیت بھی جاری ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ملک برما کے علاقے اراکان کے روہنگیا مسلمان جن ناقابلِ بیان حالات وواقعات سے گزر رہے ہیں یہ صرف امتِ مسلمہ ہی کے لیے نہیں، بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے بھی بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے۔ ان کے مسائل کا اسلامی حل حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور قرآن کے زریں اصول میں پوشیدہ ہیں۔ اس پورے نظام اور مکمل ضابطۂ حیات کا عملی نمونہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے، جو عبادات واخلاقیات، معاملات ومعاشرت اور اقتصاد ومعیشت غرضیکہ آپ کا اسوۂ حسنہ ہمہ جہت مینارۂ نور ہے۔

مہاتما بدھ کی ساری تعلیمات زندگی کی مشکلات پر قابو پانے میں مدد دیتی ہیں۔ ان تعلیمات کو سمجھ کر اور ان پر عمل کرکے برمی حکومت اقلیتوں کے حقوق کو ادا کریں۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق جنگ کرنا تو درکنار میدان جنگ کا نظارہ کرنا یا ان سپاہیوں تک کو دیکھنے میں بھی قباحت سمجھی گئی ہے جو جنگ کیلئے مستعد کھڑے ہوں، مگر ان مذہبی تعلیمات کے برعکس بدھ مت کے حاملین نے روہنگیا کے مظلوم مسلمانوں کو ظلم وبربریت کا نشانہ بنایا۔ گوتم بدھ نے اپنے مریدوں کے دو گروہ کرکے دنیاداروں کو سچائی، نیکی اور پاک لین دین کی ترغیب دی اور دوسروں کے حقوق کا استحصال کرنے سے سب کو منع کیا۔ برمی حکومت اور بدھ مت کے تمام پیروکاروں کو اپنے مذہبی رہنما گوتم بدھ کی انہی تعلیمات پر علم پیرا ہو کر کو روہنگیا مسلمانوں کے تمام حقوق ادا کرکے ان کے تمام مسائل کو حل کرنا چاہیے۔

کسی قوم کے حقوق بنیادی طور پر تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جان، مال اور مذہب ان کے علاوہ باقی حقوق ان کے تحت آجاتے ہیں۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی تنظیموں کو ختم کرنا انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے خلاف ہے۔ آزادئ نقل وحرکت ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کی آزادی کو سلب کرکے ان پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند کردیے گئے ہیں۔ ہر عقل مند انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو علم وتعلیم کے زیور سے آراستہ کرے۔ برما میں روہنگیا مسلمانوں کے املاک پر ناجائز قبضہ اور من مانی ٹیکسوں کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ عصری قوانین کی روشنی میں روہنگیا مسلمانوں کو ان کے تمام بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔ کیونکہ یہ برمی آئین وقوانین کے ساتھ بین الاقوامی قوانین بھی روہنگیا کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ادا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

روہنگیا کے مسلمانوں کے مسئلہ کو عالمی سطح پہ ایک سنگین انسانی المیہ کے طور پہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور روہنگیا کے مسلمانوں کو شہریت کا حق ملنا چاہیے۔ مسلم ممالک کو میانمار حکومت پہ سفارتی دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ روہنگیا کے مسلمانوں پہ ڈھائے جانے والے مظالم کو روکے۔

برما میں روہنگیا آبادی کی جبری بید خلی ایک سیاسی حل کا متلاشی ہے۔ جب تک اس کا کوئی حل نہیں نکلتا اس وقت تک اس انسانی بحران میں مسلسل مدد اور متاثرہ لوگوں تک امداد کی فراہمی یقینی بنانے کی کوششوں پر بنگلہ دیشی حکومت کے ساتھ ساتھ مقامی اور بین الاقوامی رفاہی تنظیموں کا کردار قابل فخر ہے۔ رفاہی تنظیموں اور ان کے سربراہان کی طرف سے برما کے مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے عالم اسلام کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس لیے دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس اہم مسئلے پر توجہ مرکوز کرانے کی ضرورت ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کی صحت عامہ میں رفاہی تنظیموں کا کردار:

معاشرے کو بہتر بنانے میں فرد کے ساتھ باہمی رابطے کی تنظیموں کے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رفاہی تنظیمیں معاشرے کی اصلاح کے ساتھ جہاں لوگوں کے بنیادی حقوق کی محافظ ہوتی ہیں وہیں وہ فکری، سماجی، فلاحی، رفاہی سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کر کے مختلف طبقہ ہائے زندگی کے رہن سہن میں آسانیاں پیدا کرتی ہیں۔ یوں قومی ترقی میں ان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اگر میانمار میں غیر سرکاری تنظیموں کا جائزہ لیا جائے تو وہاں پر مقیم روہنگیا افراد کے حالات اتنے اچھے نہیں ہیں۔ اور کیمپوں میں مقیم روہنگیا برادری بیرونی امداد کے منتظر رہتے ہیں۔ اور وہ امداد بھی ان کو بہت کم مقدار میں مل رہی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ وہاں کے فوجی حکام ہیں جو اس امداد میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ فوجی حکمرانی سے آزادی کے بعد جمہوری حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد، میانمار ڈونر ایجنسیوں کے دائرہ اختیار میں آگیا اور زیادہ تر طویل مدتی ترقیاتی منصوبوں یعنی ماحولیات، تعلیم، صحت کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ ہنگامی امداد اور انسانی امداد کے لئے بین الاقوامی فنڈز کی تسلی بخش رقم حاصل ہوئی۔ لیکن میانمار کی نام نہاد جمہوری حکومت نے ان کے کام میں رکاوٹ ڈالنے پر ڈونر ایجنسیوں کی کوششیں ناکام ہو گئیں۔

> With the disrespectful interference, some 600 civil society organizations and 59 INGO's were working for the overall improvement.[1]

ترجمہ: توہین آمیز مداخلت ہونے کے باوجود، ۶۰۰ سول سوسائٹی کی کچھ تنظیمیں اور ۵۹ غیر سرکاری تنظیمیں مجموعی طور پر بہتری کے لئے کام کر رہی ہیں۔

---

[1] Dugay, C. (2015). Top global development NGOs in Myanmar: A primer. Devex. Retrieved from https://www.devex.com/news/top-global-development-ngos-in-myanmar-a-primer- 85786 (Accessed April 27, 2022)

اگرچہ یہ غیر سرکاری تنظیمیں کمزور معاشروں کی بہتری کے لئے وقف تھے لیکن حکومت نے کبھی بھی دور دراز علاقوں خصوصاً راکھائن ریاست میں انہیں کام کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان میں چند اہم اور قابل ذکر رفاہی تنظیمیں درج ذیل ہیں۔

میڈ یسنس سنز فرنٹیئرز:

بین الاقوامی طبی تنظیم میڈیسنس سنز فرنٹیئرز ۱۹۹۲ء سے میانمار میں ہنگامی امداد فراہم کر رہی ہے۔ جس میں ان کے آپریشن ایریا بنیادی طور پر راکھائن، کاچن اور شان ریاستوں اور ینگون ریاستوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ جو ۲۰۱۴ء کے اوائل میں یہ خدمات فوجی آپریشن کی وجہ سے روکنی پڑی اور اسی سال دسمبر کے آخر میں دوبارہ شروع کر دی گئی۔ ان کے بنیادی خدمات میں مختلف بیماریوں سمیت زچگی کی دیکھ بھال شامل ہیں۔

The main working areas of Doctors Without Borders is basic health and maternity healthcare, tuberculosis and malaria treatment and HIV and AIDS prevention. [1]

ترجمہ: ڈاکٹروں کے ودآوٹ بارڈرز کے بنیادی کام کرنے والے شعبے بنیادی صحت اور زچگی کی صحت کی دیکھ بھال، تپ دق اور ملیریا کے علاج اور HIV اور ایڈز سے بچاؤ ہیں۔

ڈاکٹرز ودآوٹ بارڈرز / میڈیسنز سانز فرنٹیئرز جو بنگلہ دیش میں ۱۹۸۵ء سے موجود روہنگیا برادری کے لئے صحت سے متعلقہ مسائل میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں:

This organization has provided 1.3 million medical consultations from August 2017 to the present. Doctors Without Borders have been conducting their activities in Bangladesh since 1985, but their activities at Rohingya Refugee Camp have been praised. So far, they have provided outpatient treatment for 1,300,000, hospitalization to 25,760 patients and providing mental health care to 31,980 persons. [1]

ترجمہ: اس تنظیم نے اگست ۲۰۱۷ء سے اب تک ۱.۳ ملین طبی مشورے فراہم کیے ہیں۔ ڈاکٹرز ودآوٹ بارڈرز ۱۹۸۵ء سے بنگلہ دیش میں اپنی سرگرمیاں چلا رہے ہیں لیکن روہنگیا پناہ گزین کیمپ میں ان کی سرگرمیوں کو سراہا گیا ہے۔ اب تک، انہوں نے ۱۳۰۰،۰۰۰ مریضوں کا علاج، ۲۵،۷۶۰ مریضوں کو ہسپتال میں داخل اور ۳۱،۹۸۰ افراد کو ذہنی صحت کی دیکھ بھال فراہم کی ہے۔

---

[1] Doctors Without Boarders. (2017). Rohingya crisis in Bangladesh: A summary of findings from six pooled surveys. https://www.doctorswithoutborders.org/sites/default/files/2018-08/summary_mortality_surveys_coxs_bazar.pdf (Accessed April 27, 2022)

[1] Doctors Without Borders. (2017). Rohingya crisis in Bangladesh: A summary of findings from six pooled surveys. https://www.doctorswithoutborders.org/sites/default/files/2018-08/summary_mortality_surveys_coxs_bazar.pdf(Accessed April 30, 2022)

انٹر نیشنل ریڈ کراس:

میانمار میں انٹر نیشنل ریڈ کراس کا ادارہ ۱۹۸۶ء سے خدمات فراہم کر رہا ہے، جن کا بنیادی مقصد پینے کا صاف پانی، معاش کے مواقع اور معاشی نقصانات کو کم کرنا ہے۔

> Red Cross has been working in Myanmar since 1986 focusing relief operations, visiting detainees and improving prisoner's conditions. As of late Red Cross is working for drinking water, livelihood, disaster resilience in most of the areas of Myanmar including Rakhine state.[1]

ترجمہ: ریڈ کراس ۱۹۸۶ء سے میانمار میں امدادی کارروائیوں پر توجہ مرکوز کر رہا ہے، زیر حراست افراد کا دورہ کرنا اور قیدی کے حالات بہتر کرنا۔ ریڈ کراس ریاست راکھائن سمیت میانمار کے بیشتر علاقوں میں پینے کے پانی، معاش اور معاشی نقصانات کے لئے کام کر رہی ہے۔

انٹر نیشنل ریسکیو کمیٹی:

اسی طرح میانمار میں بین الاقوامی ریسکیو کمیٹی ۲۰۰۸ء سے اپنے خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ جن کی خدمات صحت کی دیکھ بھال اور سماجی بہبود کے حوالے سے ہے۔

> International Rescue Committee has started operating in Myanmar since 2008 soon after the Cyclone Nargis. They are working in Myanmar for healthcare, WASH, social development programs, livelihood and emergency relief operations in most of the remote areas including the Rakhine state.[1]

ترجمہ: بین الاقوامی ریسکیو کمیٹی نے ۲۰۰۸ء سے میانمار میں سمندری طوفان نرگس کے فوراً بعد کام شروع کر دیا ہے۔ وہ میانمار میں صحت کی دیکھ بھال، واش، سماجی ترقی کے پروگراموں، روزی روٹی اور راکھائن ریاست سمیت بیشتر دور دراز علاقوں میں ہنگامی امدادی کارروائیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔

انٹر نیشنل ریسکیو کمیٹی نے بنگلہ دیش میں طبی امداد اور ہنگامی امدادی امداد کے ساتھ ۲۰۱۸ء میں اس کی انسانیت دوست کارروائیوں کا آغاز کیا ہے۔

> Its ordains its 400+ staff members and volunteers from where they have assisted 1,28,178 people.[2]

ترجمہ: اس تنظیم نے اپنے ۴۰۰ اسٹاف ممبروں اور رضاکاروں کو مقرر کیا ہے جہاں سے انہوں نے ۱،۲۸،۱۷۸ افراد کی مدد کی ہے۔

---

[1] ICRC. (2018). Myanmar: In Rakhine, placing people at the centre. Retrieved from https://www.icrc.org/en/document/myanmar-rakhine-placing-people-at-centre (Accessed April 28, 2022)

[1] IRC. (2019). Growing violence: Myanmar. Retrieved from https://www.rescueuk.org/country/myanmar(Accessed April 28, 2022)

[2] IRC. (2019). growing violence: Myanmar. https://www.rescueuk.org/country/myanmar (Accessed May 2, 2022)

میانمار میں روہنگیا عالمی اداروں کی امداد پر انحصار کرتے ہیں۔ ۲۰۱۲ء سے کیمپوں میں رہنے والے افراد کھانے اور ادویات کے لیے انہی اداروں کی جانب دیکھتے لیکن جب سے اراکان میں آرمی پر حملہ ہوا ہے بہت کم امداد ان تک پہنچ پا رہی ہے۔[1]

زیادہ تر بیرونی امداد جو میانمار میں روہنگیا برادری کے لئے پہنچ رہی ہے وہ فوج اور حکومتی اراکین کے ہاتھوں ہی ان کو موصول ہو رہی ہے۔ اور یہ امداد بہت تھوڑی مقدار میں ہی ان تک پہنچ پاتی ہے۔

خالصا ایڈ:(Khalsa Aid)

اس کے علاوہ کچھ غیر سرکاری تنظیمیں بھی ان کی امداد کر رہی ہیں جن میں برطانوی سکھوں کی ایک تنظیم خالصا ایڈ (Khalsa Aid) خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

خالصا ایڈ ہر روز کم از کم ۳۵ ہزار روہنگیا کو کھانا کھلا رہی ہے۔[2]

سات لاکھ سے زیادہ روہنگیا میانمار سے بھاگ کر بنگلہ دیش پہنچ چکے ہیں اور اپنے ساتھ ظلم و ستم، مار دھاڑ، قتل و غارت اور جنسی زیادتیوں کی وہی داستانیں لے کر آئے ہیں جنہیں میانمار کی منتخب لیڈر آنگ سان سوچی نے سوشل میڈیا کا جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ لوگ اپنی جان بچا کر بنگلہ دیش تو پہنچ گئے ہیں لیکن یہاں بھی یہ کوئی باعزت مہمان نہیں ہیں کہ جن کی آؤ بھگت ہو گی۔ یہ لوگ پہلے تو یہاں بن بلائے ہیں اور دوسرے اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کے طعام و قیام کا انتظام بجائے خود ایک بہت بڑا اور مشکل کام ہے۔ فی الوقت تو ان میں سے بہت سے لوگ کھلے آسمان تلے رہنے پر مجبور ہیں اوپر سے بارش نے ان کے فرش کو بھی کیچڑ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی سہولیات پوری طرح دستیاب نہیں ہے جس کی وجہ سے وبائی امراض پھیلنے کا بھی خطرہ ہے۔ بہت سے ممالک نے ان بے چاروں کے لئے امداد بھیجنے کا اعلان کیا ہے اور بہت سوں نے تو کئی میٹرک ٹن پر مشتمل اشیائے ضروریہ انہیں بھیج بھی دی ہیں جن میں وطن عزیز پاکستان بھی شامل ہے۔ یہ امداد بنگلہ فوج کے ذریعہ ان میں تقسیم کی جا رہی ہے۔

الخدمت فاؤنڈیشن:

پاکستان کے الخدمت فاؤنڈیشن روہنگیا مسلمانوں کے لیے بڑا اور معیاری اسکول قائم کرے گی جبکہ بنگلہ دیش کے پناہ گزین کیمپوں میں مقیم لاکھوں مہاجرین کے بچوں کی تعلیم و صحت کے لیے منصوبے شروع کرنے کے ساتھ ۵۰۰ لیڈی ہیلتھ ورکرز اور ۵۰۰ سے زائد اساتذہ کو پیشہ ورانہ تربیت فراہم کرے گی۔[1]

---

[1] https://www.independenturdu.com/node/14566/دنیا/ایشیا/میانمار-میں-نئی-جنگ،-روہنگیا-مسلمان-دوہری-مشکل-کا-شکار
(Accessed April 28, 2022)
[2] https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/baseerat+online-epaper-baonline/-newsid-73774743
(Accessed April 29, 2022)
[1] https://fridayspecial.com.pk/2017/11/24/237991/(Accessed April 29, 2022)

میانمار میں جبر سے بچنے کے لئے ترک وطن کر کے بنگلہ دیش جانے والے روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ بحرانی صورت اختیار کر گیا ہے۔ موجودہ اعدادو شمار کے مطابق سات لاکھ سے زائد پناہ گزیں اس وقت بنگلہ دیش کے کاکس بازار میں کیمپوں میں رہائش پذیر ہیں جہاں انھیں روزمرہ کی بنیادی سہولتوں تک سے محرومی کا سامنا ہے۔ اور انتہائی مشکل حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

فرینڈز فار ہیومینٹی:

فلاحی تنظیم فرینڈز فار ہیومینٹی کے احتشام ارشد نظامی نے کہا کہ:

اگرچہ غیر سرکاری تنظیمیں وہاں فعال ہیں جن کا تعلق امریکہ، پاکستان اور یورپ سے ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹروں کے گروپ خدمت کر رہے ہیں۔ لیکن جو کام اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہو رہا۔[1]

ان کی تنظیم 'فرینڈز فار ہیومینٹی' نے وہاں سولر لائیٹس فراہم کی ہیں کیونکہ روشنی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مسائل بڑھ جاتے ہیں اور اب وہ حفظان صحت کی سہولتوں والے پیکج فراہم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ:

۲۰۱۲ء سے لے کر اب تک المصطفیٰ ویلفیئر ٹرسٹ کے چیئرمین عبد الرزاق ساجد نے ۱۲ مرتبہ بنگلہ دیش اور برما پہنچ کر روہنگیا مسلمانوں میں کھانے پینے کی اشیائ، کپڑے، خیمے اور ادویات تقسیم کی ہیں۔

المصطفیٰ کی طرف سے روہنگیا مسلمانوں کے لیے جاری امدادی مشن میں ایک ملین پاؤنڈ کی خطیر رقم خرچ کی جاچکی ہے۔ جس میں زیادہ تر حفظان صحت کے حوالے سے استعمال ہوئی ہے۔[1]

دی یو اے ای فار روہنگیا ویمن اینڈ چلڈرن:

متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب نے بنگلہ دیش میں پناہ گزینوں کیلئے ملائیشیاء کے فیلڈ ہسپتال کو بھی تعاون فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے، متعدد اعلیٰ اماراتی عہدیداروں نے اس کاکس بازار پناہ گزین کیمپ کا دورہ کیا جو کہ دنیا میں روہنگیا کا سب سے بڑا پناہ گزین کیمپ ہے۔ عرب امارات نے اس حوالے سے ایک خصوصی امدادی مہم بھی شروع کی جس کا نام "دی یو اے ای فار روہنگیا ویمن اینڈ چلڈرن" رکھا گیا۔

اس مہم کے نتیجے میں دنیا کے ۱۲ لاکھ پناہ گزینوں کی بنیادی ضروریات پورا کی گئیں جن میں سات لاکھ بیس ہزار بچے، دولاکھ چالیس ہزار خواتین اور ۴۸ ہزار عمر رسیدہ افراد شامل ہیں۔[2]

---

[1] https://emergingpakistan.tumblr.com/post/181367425783/روہنگیا-بحران-کبھی-حل-ہو-گا
(Accessed April 30, 2022)
[1] https://dailykhabrain.com.pk/2019/06/09/178854/(Accessed April 30, 2022)
[2] http://wam.ae/ur/details/1395302821652(Accessed April 30, 2022)

ایکشن ایڈ فلاحی تنظیم:

ایکشن ایڈ فلاحی تنظیم نے خواتین کی صحت وصفائی کی دیکھ بھال اور ان کی نفسیاتی بیماریوں کو حل کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

> This NGO has provided the women of the camp with drinking water, hygiene kits, blanket, washroom and cooking materials for more than 40,000 refugees. 15 water and sanitation blocks have been installed by them with 6 spaces for the psychological needy women to provide psychosocial support.[1]

ترجمہ: اس این جی او نے کیمپ کی خواتین کو ۴۰،۰۰۰ سے زیادہ پناہ گزینوں کے لیے پینے کا پانی، حفظان صحت کی کٹس، کمبل، واش روم اور کھانا پکانے کا سامان فراہم کیا ہے۔ ان کی طرف سے ۱۵ پانی اور صفائی کے بلاکس لگائے گئے ہیں جن میں نفسیاتی ضرورت مند خواتین کو نفسیاتی مدد فراہم کرنے کے لیے ۶ جگہیں ہیں۔

بین الاقوامی تنظیموں اور ان کے سربراہان کی طرف سے برما کے روہنگیا مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے عالمی برادری کے ضمیر کو بیدار کرنے کی بھی کوششیں کی گئی۔ اور برما کے روہنگیا مسلمانوں کا مسئلہ نسلی یا معاشی سے پہلے انسانی ہے۔ اس لیے دنیا بھر کی انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس اہم مسئلے پر توجہ مرکوز کرانے کی ضرورت ہے۔ انسانی زندگی کی قدروقیمت کا ادراک کرنے والے عالمی رہ نماؤں کو مذہبی بنیادوں سے ماوراہو کر احساس دلانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ روہنگیا کے مسلمانوں کو ظلم کی چکی میں پسنے سے بچانے کے لیے عالم گیر تحریک اٹھائی جاسکے۔

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کی وجوہات:

دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں کوئی نہ کوئی بحران یا مسئلہ موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ممالک عالمی سطح پر توجہ کا مرکز رہتا ہے۔ کہیں اندرونی اختلافات ہیں تو کہیں سیاسی محاذ آرائیوں نے اسے دنیا کی توجہ کا مرکز بنادیا ہے۔ کسی علاقے میں معاشی بحران ہے تو کچھ علاقے ظلم و ستم، انسانیت سوز سلوک اور صاحبانِ اقتدار کی شہ پر ہونے والی غنڈہ گردی کی تصویر پیش کررہے ہیں۔ برما کے روہنگیا مسلمانوں کی مظلومیت کا عالم یہ ہے کہ پچھلے کئی دہائیوں سے بدھ بھکشوؤں نے روہنگیا کے مسلمانوں کی جس طرح نسل کشی کی ہے اس جیسی مثال نہیں ملتی۔ برما کی آزادی سے پہلے اور خصوصاً آزادی کے بعد روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ انتہائی امتیازی سلوک ہو رہا ہے۔ ان کو ہر طرح سے کمزور کرنے کے لئے مختلف حربے آمازئے جارہے ہیں۔ وہ روہنگیا مسلمان جو آزادی سے پہلے برطانوی دور میں معیشت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کو روزی روٹی کمانے سے بھی روکا جارہاہے۔ اور ان کو معاشی طور پر بہت کمزور کیا گیا۔ چاہے وہ جنرل نیون کے دور میں زمینوں پر قبضہ ہو یا ان کو ملازمتوں سے برخاست کرنا، ان کی شہریت کو منسوخ

---

[1] ActionAid. (2019). Rohingya Crisis Appeal. https://www.actionaid.org.uk/donate/emergency/rohingya-refugee-crisis(Accessed May 2, 2022)

کرنا ہو یا مختلف قسم کی پابندیاں، اور ان کے بعد بھی روہنگیا کو ختم کرنے، کیمپوں میں جمع کرنے یا ان کو ہجرت پر مجبور کرنے کے تمام طریقے اس لئے اپنائے جارہے ہیں تاکہ وہ روہنگیا کو نیست و نابود کرے یا وہ کہیں اور چلے جائیں۔ اور یہ تمام طریقے حکومتی سطح اور ان کی مدد سے ہو رہے ہیں۔ آج روہنگیا برادری کو معاشی طور پر بالکل بے بس کر دیا گیا ہے۔ اور وہ بیرونی امداد پر منحصر کر دیا گیا ہے۔

افسوس کہ برما کے بدھ باشندوں نے مسلمانوں کو تکالیف دے کر امن و محبت کی تلقین کرنے والے اپنے مذہبی رہنماء کو دنیا بھر میں شرمندہ کیا۔ ان کی کارروائیوں کی وجہ سے روہنگیا مسلمان آج دنیا کا مظلوم ترین انسانی گروہ بن چکے۔ برما میں مسلم دشمنی کا عجوبہ سیاسی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی بنیادیں رکھتا ہے۔ بیسویں صدی میں مغربی اثرات کے باعث برما میں بدھی قوم پرستی نے جنم لیا۔ ان قوم پرستوں نے انگریزوں کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کو بھی "غیر ملکی" قرار دیا۔ وجہ یہ کہ چینی اور ملائی مسلمان تھوڑی تعداد میں تھے۔ نیز ان کی اکثریت برمی معاشرے میں جذب ہو چکی تھی۔ سو برمی بدھوں کو ان سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ مگر ہندوستانی مسلمان اپنی اقدار، روایات، تہذیب و ثقافت زندہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ برما میں تبلیغ اسلام بھی کرتے۔ مزید براں برمی کاروبار و تجارت پہ چھائے ہوئے تھے۔

"اس لئے انھوں نے واویلا مچا دیا کہ یہ لوگ برما میں اپنی ریاست بنانا چاہتے ہیں۔ سو بدھی قوم پرست ان کے خلاف پُر تشدد کارروائیاں کرنے لگے تاکہ وہ واپس ہندوستان چلے جائیں۔"[1]

ویسے تو یہاں مسلم آبادی صدیوں سے رہ رہی ہے۔ مگر بیسیوں صدی کے وسط میں تقسیم ہند کے وقت پاکستان میں شامل ہونے کے لیے جدوجہد، پھر خود مختار الگ ریاست بنانے کی تحریک کے باعث روہنگیا کے بارے میں برما میں شک اور بداعتمادی کے احساسات بڑھتے گئے۔ مختلف اوقات میں مختلف سطح کے فسادات ہوتے رہے مگر اپنی آزادی سے لے کر ۱۹۸۲ تک روہنگیا بھی برما کے شہری شمار ہوتے تھے۔ البتہ ایک ریفرنڈم کے ذریعے ۱۹۸۲ء کے قانون شہریت کے تحت برما کے ۱۳۵ نسلی گروہوں کو برمی شہریت دی گئی مگر روہنگیا کو شہریت سے محروم کر دیا گیا۔

Under the 1982 Citizenship Act, the Myanmar government effectively rendered the Rohingyas stateless.[2]

ترجمہ: ۱۹۸۲ء میں شہریت ایکٹ کے تحت میانمار کی حکومت نے مؤثر طریقے سے روہنگیاؤں کو بے ریاست کر دیا۔

اگلے سال یعنی ۱۹۸۳ میں ہونے والی مردم شماری میں ان کو شمار ہی نہیں کیا گیا۔ میانمار حکومت کا کہنا ہے کہ تاریخی و نسلی طور پر یہ لوگ بنگالی یا عرب ہیں۔ چونکہ روہنگیا میانمار کے تسلیم شدہ ۱۳۵ نسلی گروہوں میں شامل نہیں

[1] http://alqalamonline.org/index.php/alqalam-old-articles/idarti-page/96-other-idarti-mazameen/3738-498-burma-k-mazloom-musalman (Accessed March 25, 2022)

[2] Ullah AKM Ahsan. (2013). Irregular migrants, Human rights and Securitization in Malaysia: A policy analysis, In Globalization and Social Transformation in the Asia Pacific: The Australian and Malaysian Experience" Claudia Tazreiter, ed, London: Palgrave McMillan, P: 270-295 http://web.isanet.org/Web/Conferences/HKU2017-s/Archive/dd088865-65b9-4133-8f49-525700574b98.pdf (Accessed March 26, 2022)

ہیں، اس لیے یہ میانمار کے باقاعدہ شہری نہیں ہیں بلکہ قانونی اعتبار سے یہ بنگال کے غیر قانونی تارکین وطن ہیں جو میانمار کی راکھائن ریاست میں میانمار کے احسان تلے رہائش پذیر ہیں۔

گزشتہ ۳۵ سالوں سے قانونی تفریق، سماجی تحقیر اور مذہبی منافرت کے شکار روہنگیا کمیونٹی اپنے ہی ملک میں روز بروز اجنبی تر ہوتی گئی۔ قانونی دستاویزات کی بنیاد پر حاصل ہونے والے زندگی کے تمام تر حقوق و مراعات سے وہ محروم ہے۔ بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہونے کے باعث سماجی جرائم میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ یہ اضافہ ان کے بارے میں پہلے سے قائم متعصب مفروضات کو تقویت بخشتا گیا۔ یوں لاوا پکتا رہا، گلی محلے میں پیش آنے والی لڑائیوں سے لے کر گروہی جھگڑوں تک ہر گزرتے واقعے نے اس آتش فشاں کو گرمایا۔

نوے کی دہائی کے اواخر میں طالبان کی "امارت اسلامیہ افغانستان" کی جانب سے جب مہاتما گوتم بدھا کے مجسموں اور بدھست آثار کو تباہ کرنا شروع کیا تو دنیا بھر کی بدھسٹ کمیونٹی سمیت برما کے بدھسٹ مذہبی سماج میں مسلمانوں کے خلاف منافرت کی ایک نئی اور عمومی فضا بننے لگی، یہ فضا گزرتے وقت کے ساتھ پروان چڑھتی گئی اور طالبان، القاعدہ وغیرہ کی عمومی پُر تشدد کاروائیوں کے باعث غیر مسلم معاشروں میں اسلام سے خوفزدگی کا ایک خاص ماحول بنا اور مسلم ممالک کے اندر پیش آنے والے پے در پے واقعات نے اس تاثر کو بہت اجاگر کیا کہ مسلمان ساری دنیا کے دیگر اقوام و مذاہب کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔

برسوں سے شہری حقوق اور تحفظ سے محروم روہنگیا لاکھوں کی تعداد میں سمندری اور زمینی راستوں سے ہجرت کر کے مختلف ممالک میں پہنچ کر رہائش پذیر ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ بنگلہ دیش میں ہیں، جبکہ اس کے علاوہ تھائی لینڈ، ملائشیا، سعودی عرب، پاکستان، چین اور یورپی ممالک میں بھی مجموعی طور پر کئی لاکھ روہنگیا مہاجرین رہائش پذیر ہیں۔

روہنگیا کا المیہ بنیادی طور ایک نسلی و سیاسی مسئلہ ہے جو مختلف وجوہات کے باعث ۱۹۸۲ کے قانونِ شہریت کے مطابق ان کو برما کے مستقل اور قانونی شہری تسلیم نہ کرنے سے شروع ہوا، مسئلہ کی جڑ بھی شہریت کے حق سے جڑی ہوئی ہے اور اس کا مستقل حل بھی، مگر اب یہ مسئلہ سیاسی سے زیادہ مذہبی رنگ اختیار کر گیا ہے۔

Ashin Wirathu has compared Muslims to "mad dogs," labeled the Rohingya "the enemy".[1]

ترجمہ: آشین وراتھو نے روہنگیا کو "دشمن"، کا لیبل لگاتے ہوئے، مسلمانوں کو "پاگل کتوں" سے تشبیہ دی ہے۔

برما میں مسلمانوں کے خلاف مہم کی قیادت جو بدھسٹ مونک (مذہبی راہنما) کر رہا ہے، اس کا نام آشن ویراتھو ہے۔ اس تحریک کا نام ماباتا تحریک ہے۔ اس کا مطلب نسل اور مذہب کو بچاو ہے۔ ان کا ایک نعرہ یہ بھی ہے

[1] Thomas Fuller, "Extremism Rises Among Myanmar Buddhists," New York Times, June 20, 2013. http://www.nytimes.com/2013/06/21/world/asia/extremism-rises-among-myanmar-buddhists-wary-of-muslim-minority.html. (Accessed March 27, 2022)

کہ ”نسل اور مذہب دنیا کے خاتمے تک بر قرار رہنی چاہیے“ اسے علامتی طور پر چھے نو چھے بھی لکھا اور پکارا جاتا ہے، یہ مسلمانوں میں مشہور عدد ۷۸۶ کی طرح ۶۹۶ ویراتھو کی تحریک کے نزدیک علامتی اہمیت کی حامل ہے۔

برما میں معدنی وسائل کے بڑے ذخائر موجود ہیں جن میں بڑی مقدار میں سونا بھی شامل ہے اور جغرافیائی لحاظ سے جنوب مشرقی ایشیا کے اہم سنگم پر واقع ہے۔ آسیان میں میانمار کو اہم حیثیت حاصل ہے۔ نیز سمندری و زمینی راستوں کے ذریعے اقتصادی سرگرمیوں کے لیے بہت زیاد مواقع کا حامل ہے۔ یہاں سے چین، میانمار، بنگلہ دیش اور انڈیا کے گیس اور روڈ بن رہا ہے یعنی یہاں بھی توانائی اور دفاعی راہداری کے ذریعے مضبوط اقتصادی بندھن میں جڑ رہے ہیں۔ یہ چین کے چھ اقتصادی راہداریوں میں سے ایک ہے۔

برما میں روہنگیا کی مظلومیت کے پیچھے میانمار کے طویل آمرانہ فوجی نظام کا اہم کردار ہے۔ میانمار میں بدھ مذہب کی اکثریت جب کہ مسلمان اقلیت میں ہیں۔ یہ بُدھ انتہا پسند نسلی اور مذہبی تکبر کو برقرار رکھے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ طبقاتی سلوک کرتے آئے ہیں۔ مسلمانوں کو زندگی کی بقاء کے لیے انتہائی مشکل حالات میں کام کرنا پڑتا ہے۔ وہ ۱۹۸۲ء سے برما کی شہریت سے محروم ہیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ بیس لاکھ سے زائد روہنگیا کو ان کی شناخت سے، ان کی حقِ شہریت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ان کا استحصال ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے۔ تمام بین الاقوامی دستاویزات و قوانین کے مطابق میانمار کے روہنگیا مسلمان بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہے۔

برما کی ریاست راکھائن میں سات لاکھ سے زائد روہنگیا مسلمانوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کیا گیا۔ اب ان کو کوئی ملک قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بنگلہ دیشی کہتے ہیں کہ وہ میانمار کے شہری ہیں اور میانمار کہتا کہ وہ بنگلہ دیشی ہیں۔ ان کی یہ حالت ہے کہ وہ بے وطن ہو چکے ہیں اور ایک طرح سے تکلیف میں زندگی گزار رہے ہیں۔ روہنگیا مسلمان، جن کا استحصال کیا جا رہا ہے، انہیں اس قدر تنگ کیا جا رہا ہے کہ اقوام متحدہ نے بھی کہا ہے کہ ”روہنگیا برادری دنیا بھر میں مظلوم ترین اقلیتوں میں سے ہے“۔ عالمی برادری کو اس پر کوئی قدم اٹھانا چاہئے اور اس معاملہ پر میانمار حکومت کو راضی کرنا چاہئے، کہ روہنگیا مسلمانوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق مہیا کریں۔ جو کچھ ریاست اراکان میں ہو رہا ہے وہ سب عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ یہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے قطعی طور پر برعکس ہے اور انسانی حقوق کے کنونشنز کی بھی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ اقوام متحدہ نے ایک اور نہایت اہم اصول اپنایا ہے جو 'تحفظ کا حق' ہے۔ یعنی اگر کوئی ملک اپنے شہریوں کے تحفظ کے قابل نہیں تو عالمی برادری کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مداخلت کرے اور وہاں کے شہریوں کو تحفّظ فراہم کروائے۔ ماضی قریب میں اسی اصول کو بنیاد بناتے ہوئے لیبیا میں مداخلت کی گئی۔ مزید برآں عالمی برادری نے اپنے لئے ایک اور اصول بھی بنایا ہے کہ ایسے لوگوں کو تحفظ فراہم کیا جائے جو اپنی ہی حکومتوں کی بدسلوکی کا شکار ہیں۔ مندرجہ بالا تمام کوائف کی روشنی میں روہنگیا کے

ساتھ میانمار حکومت کا سلوک تمام انسانی قوانین اور انسانی حقوق کے کنونشنز کی خلاف ورزی ہے۔ جس پر عالمی برادری کی خاموشی سمجھ سے بالاتر ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ ایک خاص مذہب کی ایک مخصوص خطۂ زمین پر بالادستی قائم کرنے کے لئے ہری بھری انسانی بستیاں تہہ و بالا کی جارہی ہیں اور اس مذہب کے نام نہاد وکیلوں کا یہی نظریہ ہے کہ یہ بالادستی ایک نسل اور ایک دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا وجود مٹانے پر منحصر ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے لیے دین کی بنیادی احکامات ادا کرنا بہت مشکل بنادیا ہے۔ چاہے وہ نماز باجماعت ہو، جمعہ و عیدین کا اجتماع ہو، قربانی یا حج ہو، یا دینی مدارس کا قیام یہ تمام دین سے متعلقہ کام انتہائی مشکل بنادیئے گئے ہیں۔

برما کی آزادی کے بعد بدھوں نے مکمل سیاسی اختیارات کا مالک ہو کر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ برمی بدھسٹ مسلمانوں کی سیاسی طاقت سے بھی ڈرے ہوئے ہیں کہ مسلمان اکھٹے ہو کر اپنے لئے آزاد ریاست کا مطالبہ نہ کرے۔ بدھ اقوام کا اسلام قبول کرنے کے اندیشے سے مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے لئے وہ مذہب اور قوم کو بچانے کا نعرہ لگاتے ہیں۔ ان سب اسباب کو ختم یا کم کرنے کے لئے ملک کی دیگر اقلیتوں کو بھی اس موقف کی حمایت کرنا چاہیے۔ کہ ان سب میں جغرافیائی اور سیاسی طور پر بہت دوریاں موجود ہیں، ان فاصلوں کو کم کرنا ہو گا۔ جب تک برما کے اندرونی سیاسی معاملات صحیح نہیں ہوں گے، تب تک حالات کا تبدیل ہونا ممکن نہیں۔

مسلمانوں کو آزادی دینے سے انکار کے ساتھ ساتھ برمی حکومت کی طرف سے وحشیانہ تشدد کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور ہر کچھ عرصہ بعد اس میں تیزی آجاتی ہے۔ قتل و غارت گری، شعائر اسلام کی بے حرمتی، اسلامی ثقافت و تہذیب کے ساتھ استہزاء اور مذاق برمی حکمرانوں کے عمومی ہتھکنڈے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں فوج کے برسر اقتدار آنے کے بعد مظالم کا جو وحشیانہ سلسلہ شروع ہوا اس نے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ مسلمانوں کا بلاجواز قتل، انہیں نقل مکانی پر مجبور کرنا، ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنا، انہیں اپنی اسلامی ثقافت ترک کرنے پر مجبور کرنا اور اپنی سرزمین سے محروم کرنا، فوج کے وہ عمومی ہتھکنڈے ہیں جن کا سالہا سال سے اراکانی مسلمان سامنا کر رہے ہیں۔ آج روہنگیا برادری کو معاشی طور پر بالکل بے بس کر دیا گیا ہے۔ اور وہ بیرونی امداد پر منحصر کر دیا گیا ہے۔ اگر برمی حکومت چاہے تو راکھائن کو بڑے پیمانے پر روزگار کے شعبوں میں فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، اور وہاں ایک بہترین صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔

مقالے کے فوائد:

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کر کے اس کے حوائج وضروریات کو ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ کر دیا ہے کہ اگر یہ چاہے بھی تو دوسروں سے بے نیاز اور الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ اور بہتر تعلقات کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں موجود افراد ایک دوسرے کا احترام اور حسن سلوک کا پاس رکھے۔ اسی لیے یہ اسلام کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہر انسان کو بلا تفریق مذہب، رنگ ونسل اور وطن کے بنیادی انسانی حقوق دیئے۔ اور پھر ان کو تحفظ دینے کے لیے اسلامی حدود کی صورت میں سخت سے سخت سزائیں بھی مقرر کیں تاکہ امن عامہ کو بحال رکھا جا سکے۔ ان بنیادی حقوق کا تحفظ ہر شریعت اور ہر دور میں ضروری رہا ہے کیونکہ ان کے بغیر نہ امن وامان قائم ہو سکتا ہے، نہ معیشت میں بہتری آسکتی ہے، نہ معاشرت اور سیاست میں اور نہ ہی کوئی معاشرہ یا ریاست سکون سے رہ سکتے ہیں۔

اس مقالے کے چند فوائد درج ذیل پیش کیے جاتے ہیں:

1. اس مقالے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں روہنگیا مسلمانوں کے تمام مسائل کو بہت تفصیل و وضاحت کے ساتھ ایک جگہ بیان کیا ہے۔ جو کسی بھی مقالے میں اکٹھے ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔ اور نہ صرف مسائل کو اکٹھا کیا گیا ہے بلکہ ان کے اسباب اور حل کے لیے ممکنہ تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔
2. اس مقالے میں روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے بدھ مت کی تعلیمات اور ان کے بنیادی عقائد کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ اگر برمی حکومت اس پر عملدرآمد کریں تو روہنگیا کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔
3. اس مقالے میں روہنگیا کے مسائل کو عصری قوانین کی روشنی میں حل کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں برمی آئین و قوانین کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی قوانین کو بھی پیش کیا گیا ہے۔
4. روہنگیا مسلمان جو دنیا کی سب سے بڑی اقلیت ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ ستائی ہوئی بے وطن برادری ہے اس لئے یہ محققین کا موضوع تحقیق رہے گا۔ اور یہ مقالہ مستقبل میں اس موضوع پر کام کرنے والے محققین کے لیے ایک بہترین معاون ثابت ہو گا۔
5. اس مقالے میں موجود چند سفارشات کو حکومتی سطح پر لاگو کرنے کے لئے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ جس سے روہنگیا کے مسائل کو حل کرنے میں مدد ملے گی۔

اس مقالے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں روہنگیا مسائل کو مذہب کے ساتھ جوڑنے اور مذہبی رنگ دینے والوں کے برخلاف اصل حقیقت جو کہ نسلی اور معاشی منافرت ہے اس کو واضح کیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث:

اپنی پہلی صدی میں وسیع تبلیغی تحریکوں اور چین و جاپان جیسی بے ایشیائی اقوام کو اپنے مذہب میں داخل کر لینے کے بعد بدھ مت کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں۔ کئی صدیوں تک کوئی بڑی تحریکیں کیا تبدیلیاں سامنے نہ آئیں۔ تاہم بیسویں صدی کے اندر اندر بدھ مت کا از سر نو آغاز ہونے لگا۔ بودھ مت کے دوبارہ زندہ ہونے میں دوسرا عنصر ایشیائی قوم پرستی کا ابھرنا ہے۔ نو آبادیاتی نظام کے خاتمے کے ساتھ ہی کئی ایشیائی اقوام میں اپنی قومی خود مختاری کو یقینی بنانے کی کوشش کی۔ بعض علاقوں میں بدھ مت ایک مرتبہ پھر تبلیغی مذہب بن گیا۔ اور مبلغین کو واپس ہندوستان بھیج چکا ہے۔

اسلام اراکان برما میں ساتویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ مسلمان یہاں پر تجارت کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے کئی تجارتی جہاز ساحل اراکان پر طوفان کی زد میں آکر ٹوٹ گئے تھے۔ جہازوں کے مسلم ملاح کسی طرح جان بچا کر اراکان کے ساحل پر آباد ہو گئے۔ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اور پھر ان کی تبلیغ کے نتیجے میں مقامی آبادی کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔

برمی راجہ من کھامن نے ۱۴۰۴ء میں اراکان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور بہت سارے عربی النسل مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ شاہ اراکان سلیمان شاہ یہاں سے بھاگ کر حاکم بنگال کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے ساتھ بہت سارے مسلمان بھی ہجرت کر کے بنگال آ گئے۔ حاکم بنگال نذیر شاہ نے اپنے سپہ سالار ولی خان کو ۱۴۳۰ء میں اراکان کو دوبارہ فتح کرنے کیلئے بھیجا اور آخر کار برمی فوج شکست سے دوچار ہوئی۔ اور سلیمان شاہ تیس سال بعد دوبارہ اراکان میں تخت نشین ہوئے۔ آپ کے بعد ۲۴ بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ۱۷۸۴ء میں برما کا راجہ بودھ پایہ اراکان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

برما ایک قدرتی وسائل سے مالا مال خطہ ہے۔ قدرتی گیس، تیل، کوئلہ، قیمتی پتھر، ہیرے جواہرات اور دیگر وسائل موجود ہیں۔ اراکان میں چار بڑے بڑے دریا ہیں۔ اراکان کا نصف حصہ جنگلات اور نصف حصہ دریاؤں پر مشتمل ہے۔ اور دیگر اجناس کی کاشت کر کے اپنی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ بر آمد کرنے کے لیے جنگلات والا حصہ انتہائی موزوں تصور کیا جاتا ہے۔ منگڈاؤ اور اکیاب میں پائے جانے والے موتی کی بین الاقوامی مارکیٹ میں بہت مانگ ہے۔ اعلیٰ معیار کی مچھلیاں اور سی فوڈز برما کی دریاؤں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ برما ایک نہایت خوب صورت اور جنت نظیر خطہ ہے، جہاں ایک طرف گھنے باغات، ہریالی اور تاریخی مقامات ہیں تو دوسری طرف قدرتی جزیرے اور آبشار ہیں۔ جو دیکھنے والوں کو مبہوت کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس طرح سیاحت کے ذریعے بھی کثیر زر مبادلہ کمایا جاسکتا ہے۔

اگر روہنگیا برادری کے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ برما کی ریاست اراکان میں ایک المناک انسانی بحران اپنی پوری شدت کے ساتھ برپا ہے۔ اس ریاست کے ۱۲ لاکھ سے زائد مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور تواتر کے ساتھ تشدد کے یہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ وہ بنیادی حقوق سے محروم ہیں اور خستہ حال مہاجر کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں جہاں تعلیم روزگار، سفر، شادی، مذہبی آزادی اور صحت جیسی بنیادی سہولیات نہ صرف ناپید ہیں بلکہ دانستہ طور پر ختم کی گئی ہیں۔

دنیا میں قیام امن کے لیے عملی پیشرفت کرتے ہوئے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا گیا جس پر دنیا کے تمام ممالک اور قوموں کے مندوبین نے دستخط کرتے ہوئے خیر مقدم کیا۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور دفعہ ا کے مطابق تمام افراد عزت اور حقوق میں برابر ہیں۔ دفعہ ۴ میں غلامی کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔ دفعہ ۷ کے مطابق قانون سب کے لیے برابر ہے اور دفعہ ۱۲ کے مطابق کسی شخص کی نجی زندگی میں مداخلت نہیں کی جاسکتی۔ دفعہ ۱۸ اور ۱۹ انسان کو آزادی فکر، آزادی مذہب اور آزادی رائے کا حق دیتی ہیں۔ میانمار میں حکومت اور عوام روہنگیا مسلم اقلیت کو کوئی مقامی نسلی گروپ تسلیم نہیں کرتے اور انہیں بنگالی قرار دیا جاتا ہے اور ان کا تعلق بنگلہ دیش سے جوڑا جاتا ہے۔ روہنگیا برادری کی تعلیم اور زندگی کی دیگر بنیادی سہولیات تک رسائی بہت مشکل ہے۔

۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے برما کو آزاد تو کر دیا مگر مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ غرضیکہ ۱۹۴۸ سے لے کر آج تک بدھوں نے نہ تو بین الاقوامی قوانین کا لحاظ رکھا ہے اور نہ ہی انسانیت کا کوئی عنصر اُن میں موجود ہے بلکہ وہ درندوں کی طرح وقتاً فوقتاً ہزاروں مسلمانوں کو اس طرح قتل کرتے ہیں کہ انسانیت بھی شرمسار ہو جاتی ہے۔ ۱۹۶۲ء تک، میانمار کی حکومت نے نسلی اقلیت کے طور پر روہنگیا کو تسلیم کیا، ووٹ کے ساتھ ان کی شہریت فراہم کی۔ روہنگیا میانمار پارلیمنٹ میں اہم شرکاء تھے۔ لیکن ان کے تمام حقوق ۱۹۶۲ء میں ختم ہوگئے جب فوج نے اقتدار اختیار حاصل کی اور جنرل نی وِن نے ایک مکمل فوجی آمریت قائم کی۔

ایک خاص مذہب کی ایک مخصوص خطۂ زمین پر بالادستی قائم کرنے کے لئے ہری بھری انسانی بستیاں تہہ و بالا کی جارہی ہیں اور اس مذہب کے نام نہاد وکیلوں کا یہی نظریہ ہے کہ یہ بالادستی ایک نسل اور ایک دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا وجود مٹانے پر منحصر ہے۔ روہنگیا کے لیے ان کا دین ان کے لئے عذاب بنا دیا ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے لیے دین کی بنیادی احکامات ادا کرنا بہت مشکل بنا دیا ہے۔ ان حالات میں کسی کے لیے بھی اپنے دین پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہے۔

برما کی آزادی کے بعد بدھوں نے مکمل سیاسی اختیارات کا مالک ہو کر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس کے چند اسباب یہ ہیں کہ بدھ مت کے پیروکار برما میں مسلمانوں کے غلبہ کے خوف کا شکار ہیں۔ دوسرا یہ کہ برمی بدھسٹ مسلمانوں کی سیاسی طاقت سے بھی ڈرے ہوئے ہیں کہ مسلمان اکھٹے ہو کر اپنے لئے آزاد ریاست کا مطالبہ نہ کرے۔ ان اسباب کو ختم یا کم کرنے کے لئے ملک کی دیگر اقلیتوں کو بھی اس موقف کی حمایت کرنا چاہیے۔ حالیہ سالوں میں روہنگیا کا معاملہ جس طرح پوری دنیا میں اٹھایا گیا ہے، اتنا شاید اپنے ملک میں بھی اجاگر نہیں کیا جاسکا۔ لیکن جب تک برما کے اندرونی سیاسی معاملات صحیح نہیں ہوں گے، تب تک حالات کا تبدیل ہونا ممکن نہیں۔

مسلمانوں کو آزادی دینے سے انکار کے ساتھ ساتھ برما حکومت کی طرف سے وحشیانہ تشدد اور ظلم و ستم کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور ہر کچھ عرصہ بعد اس میں تیزی آجاتی ہے۔ قتل وغارت گری، مذہبی مقامات کے تقدس کی پامالی، اسلامی ثقافت و تہذیب کے ساتھ استہزاء اور مذاق برمی حکمرانوں کے عمومی ہتھکنڈے ہیں۔ مسلمانوں کا بلاجواز قتل، انہیں نقل مکانی پر مجبور کرنا، ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنا، انہیں اپنی اسلامی ثقافت ترک کرنے پر مجبور کرنا اور اپنی سرزمین سے محروم کرنا، فوج کے وہ عمومی ہتھکنڈے ہیں جن کا سالہا سال سے اراکانی مسلمان سامنا کر رہے ہیں۔

برما کی آزادی سے پہلے اور خصوصاً آزادی کے بعد روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ انتہائی امتیازی سلوک ہو رہا ہے۔ ان کو ہر طرح سے کمزور کرنے کے لئے مختلف حربے آمازئے جارہے ہیں۔ وہ روہنگیا مسلمان جو آزادی سے پہلے برطانوی دور میں معیشت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آج روہنگیا برادری کو معاشی طور پر بالکل بے بس کر دیا گیا ہے۔ اور وہ بیرونی امداد پر منحصر کر دیا گیا ہے۔ اگر برمی حکومت چاہے تو راکھائن سے روزگار کے شعبوں میں فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ ریاست کی معاشی صلاحیت کو بہتر کرنے میں برسوں لگیں گے۔ لیکن پھر بھی اگر حکومت صحیح نیت کے ساتھ روہنگیا کو معاشی طور پر مضبوط کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو راکھائن ریاست کے پاس قدرتی وسائل کی بے تحاشا دولت موجود ہے۔

خالقِ کائنات نے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل قرآنِ حکیم میں بنیادی اصول اور ضابطے کی صورت میں پیش فرمادیا ہے۔ اس پورے نظام اور مکمل ضابطۂ حیات کا عملی نمونہ اور پیکرِ جمیل حضور محسن انسانیت حضرت محمد مصطفٰی ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو تمام انسانوں کے لئے خورشیدِ جہاں تاب سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہے، عبادات واخلاقیات، معاملات و معاشرت اور اقتصاد و معیشت غرضیکہ آپ کا اسوۂ

حسنہ ہمہ جہت مینارۂ نور ہے۔ سیرت مصطفی ﷺ کو اپنانے سے ہی معاشرے میں امن کی فضا قائم اور بدامنی کا خاتمہ ہو گا۔

اسی طرح مہاتما بدھ کی ساری تعلیمات زندگی کی مشکلات پر قابو پانے میں مدد دیتی ہیں۔ ان تعلیمات کو سمجھ کر اور ان پر عمل کر کے برمی حکومت اقلیتوں کے حقوق کو ادا کریں۔ گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق جنگ کرنا تو در کنار میدان جنگ کا نظارہ کرنا میں بھی قباحت سمجھی گئی ہے۔ مگر ان مذہبی تعلیمات کے برعکس بدھ مت کے حاملین نے روہنگیا مسلمانوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا۔ زندگی کا لازمی حصہ ذریعہ معاش ہے جس کے بغیر زندگی کا پہیہ چلنا ناممکن ہے۔ گوتم بدھ نے اپنے مریدوں کو سچائی، نیکی اور پاک لین دین کی ترغیب دی۔ اور دوسروں کے حقوق کا استحصال کرنے سے سب کو منع کیا۔ برمی حکومت اور بدھ مت کے تمام پیروکاروں کو اپنے مذہبی رہنما گوتم بدھ کی انہی تعلیمات پر علم پیرا ہو کر کو روہنگیا مسلمانوں کے تمام حقوق ادا کر کے ان کے تمام مسائل کو حل کرنا چاہیے۔

ریاست کے اندر تمام شہری عقیدے کی آزادی کا حق رکھتے ہیں۔ کسی قوم کے حقوق بنیادی طور پر تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جان، مال اور مذہب ان کے علاوہ باقی حقوق ان کے تحت آجاتے ہیں۔ برما میں روہنگیا کے سیاسی تنظیموں کو ختم کرنا انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کے خلاف ہے۔ آزادئ نقل و حرکت اور تعلیم ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ عصری قوانین کی روشنی میں روہنگیا کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔ کیونکہ یہ برمی آئین و قوانین کے ساتھ بین الاقوامی قوانین بھی روہنگیا کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ادا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

روہنگیا کے خلاف ڈھائے جانے والے مظالم کا کوئی بھی جواز نہیں۔ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے اور اس کی جڑ میانمار کے داخلی قوانین ہیں۔ عالمی برادری کو فوری طور پہ میانمار کی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا جلد از جلد سدباب کرے۔ روہنگیا کے مسلمانوں کے مسئلہ کو عالمی سطح پہ ایک سنگین انسانی المیہ کے طور پہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اور روہنگیا کے مسلمانوں کو شہریت کا حق ملنا چاہیے۔ مسلم ممالک کو میانمار حکومت پہ سفارتی دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ روہنگیا کے مسلمانوں پر مظالم کو روکے۔

برما میں روہنگیا آبادی کی جبری بیدخلی ایک سیاسی حل کا متلاشی ہے۔ جب تک اس کا کوئی حل نہیں نکلتا اس وقت تک اس انسانی بحران میں مسلسل مدد اور متاثرہ لوگوں تک امداد کی فراہمی یقینی بنانے کی کوششوں پر مقامی اور بین الاقوامی رفاہی تنظیموں کا کردار قابل فخر ہے۔ رفاہی تنظیموں اور ان کے سربراہان کی طرف سے برما کے مسلمانوں کی مدد کے لیے عالم اسلام کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے پناہ گزین کیمپ میں مسلمان مہاجرین کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے، غیر سرکاری تنظیمیں بنگلہ دیشی حکومت اور اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کی مؤثر مدد کر رہی ہیں۔

نتائج:

۱۔ بدھ مت کی ابتداء گوتم بدھ نے کی۔اور اپنی پہلی صدی میں وسیع تبلیغی تحریکوں سے چین و جاپان جیسی بڑی ایشیائی اقوام ودیگر کو اپنے مذہب میں داخل کرلیا۔ اشوک کے مبلغین کی ابتدائی کوششوں کے بعد برما میں بدھ مت کا باقاعدہ ارتقاءپانچویں صدی میں ہوا۔اس علاقے میں بدھ مت کا دوسرا سنہری دور دسویں صدی عیسوی کے بعد شروع ہوتا ہے جب برمی حکمران نے اس مذہب کو سرکاری قرار دے کر خود کو اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کر دیا۔

۲۔اسلام اراکان برما میں ساتویں صدی عیسوی میں پہنچا۔مسلمانوں کے کئی تجارتی جہاز ساحل اراکان پر طوفان کی زد میں آکر ٹوٹ گئے تھے۔جہازوں کے مسلم ملاح کسی طرح جان بچا کر اراکان کے ساحل پر آباد ہو گئے۔

۳۔ برما ایک قدرتی وسائل سے مالامال خطہ ہے۔قدرتی گیس، تیل، کوئلہ، قیمتی پتھر، ہیرے جواہرات اور دیگر وسائل کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔اراکان میں بہت سارے جنگلات اور دریا ہیں۔گیس اور تیل کے ساتھ ساتھ سرزمین برما میں قیمتی پتھر اور ہیرے جواہرات بھی ہیں۔اعلیٰ معیار کی مچھلیاں اور سی فوڈز برما کی دریاؤں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

۴۔ برما کی ریاست اراکان میں ایک المناک انسانی بحران اپنی پوری شدت کے ساتھ برپا ہے۔اس ریاست کے ۱۲لاکھ سے زائد مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا ہے۔یہ لوگ بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں اور خستہ حال مہاجر کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں جہاں تعلیم روزگار، سفر، شادی، مذہبی آزادی اور صحت جیسی بنیادی سہولیات ناپید ہیں۔

۵۔برما کی روہنگیا مسلم اقلیت کو انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیوں کے ساتھ انہیں مختلف قسم کے استحصال کا بھی سامنا ہے۔میانمار میں حکومت اور عوام روہنگیا مسلم اقلیت کو کوئی مقامی نسلی گروپ تسلیم نہیں کرتے اور انہیں بنگالی قرار دیا جاتا ہے اور ان کا تعلق بنگلہ دیش سے جوڑا جاتا ہے۔میانمار سیکورٹی فورسز قتل عام اور اجتماعی زیادتیوں میں ملوث ہیں۔

٦۔ روہنگیا مسلمانوں کے لیے دین کی بنیادی احکامات ادا کرنا بہت مشکل بنا دیا ہے۔چاہے وہ نماز باجماعت ہو، جمعہ و عیدین کا اجتماع ہو، قربانی یا حج ہو، یا دینی مدارس کا قیام یہ تمام دین سے متعلقہ کام انتہائی مشکل بنا دیئے گئے ہیں۔

۷۔برما کی آزادی کے بعد بدھوں نے مکمل سیاسی اختیارات کا مالک ہو کر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

۸۔ مسلمانوں کا بلاجواز قتل، انہیں نقل مکانی پر مجبور کرنا، ان پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنا، انہیں اپنی اسلامی ثقافت ترک کرنے پر مجبور کرنااور اپنی سرزمین سے محروم کرنا، فوج کے وہ عمومی ہتھکنڈے ہیں جن کا سالہاسال سے اراکانی مسلمان سامنا کررہے ہیں۔

۹۔ برما کی آزادی سے پہلے اور خصوصاً آزادی کے بعد روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ انتہائی امتیازی سلوک ہورہاہے۔ ان کو ہر طرح سے کمزور کرنے کے لئے مختلف حربے آمازئے جارہے ہیں۔ وہ روہنگیا مسلمان جو آزادی سے پہلے برطانوی دور میں معیشت میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کو روزی روٹی کمانے سے بھی روکا جارہاہے۔ اور ان کو معاشی طور پر بہت کمزور کیا گیا۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل قرآنِ حکیم میں بنیادی اصول اور ضابطے کی صورت میں پیش فرمادیا ہے ۔اس پورے نظام اور مکمل ضابطۂ حیات کا عملی نمونہ سیرت مصطفی ﷺ کو اپنانے سے ہی برمی معاشرے میں امن کی فضا قائم اور بدامنی کا خاتمہ ہوگا۔

۱۱۔ مہاتمابدھ کی ساری تعلیمات زندگی کی مشکلات پر قابوپانے میں مدد دیتی ہیں۔ ان تعلیمات کو سمجھ کر اور ان پر عمل کرکے برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کے حقوق ادا کریں۔ گوتم بدھ نے اپنے مریدوں کو سچائی، نیکی اور پاک لین دین کی ترغیب دی۔ اور دوسروں کے حقوق کا استحصال کرنے سے سب کو منع کیا۔

۱۲۔ کسی قوم کے حقوق بنیادی طور پر تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جان، مال اور مذہب ان کے علاوہ باقی حقوق ان کے تحت آجاتے ہیں۔ عصری قوانین کی روشنی میں روہنگیا مسلمانوں کو ان کے تمام بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔ کیونکہ یہ برمی آئین و قوانین کے ساتھ بین الاقوامی قوانین بھی روہنگیا کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ادا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

۱۳۔ میانمار کی حکومت اور اس کی بھرپور حمایت کے ساتھ وہاں کی فوج، پولیس، عوام، بدھ بھکشو اور دہشت گرد تنظیمیں روہنگیا مسلمانوں کی مکمل نسل کُشی کے درپے ہیں، لہذا ان کی نسل کشی بند کی جائے اور اس سلسلہ میں اقوام متحدہ اپنا کردار ادا کرے اور فوری طور پر وہاں اپنی امن فوج بھیجے۔ ان کی زندگی کی تمام تر بنیادی ضروریات انہیں بہم پہنچائی جائیں۔

۱۴۔ برما میں روہنگیا آبادی کی جبری بیدخلی ایک سیاسی حل کا متلاشی ہے۔ جب تک اس کا کوئی حل نہیں نکلتا اس وقت تک اس انسانی بحران میں مسلسل مدد اور متاثرہ لوگوں تک امداد کی فراہمی یقینی بنانے کی کوششوں پر بنگلہ دیشی حکومت کے ساتھ ساتھ مقامی اور بین الاقوامی رفاہی تنظیموں کا کردار قابل فخر ہے۔

سفارشات:

(۱)۔روہنگیا مسلمانوں کے دینی مصائب و مشکلات پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

(۲)۔روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی مشکلات کو کیسے حل کیا جائے اس پر مزید کام کی ضرورت ہے۔

(۳)۔روہنگیا کی شہریت کو بحال کرنے کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں اس پر بھی کام کی اشد ضرورت ہے۔

(۴)۔اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل شریعت کے بنیادی اصول اور ضوابط میں رکھا ہے۔لہٰذا اس میں برمی حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے اسلامی تعلیمات سے استفادہ حاصل کریں۔

(۵)۔ گوتم بدھ نے اپنی تمام تعلیمات زندگی کے مصائب پر قابو پانے کے لئے دی ہیں۔ گوتم بدھ نے ہر جاندار کو تکلیف دینے سے منع کیا ہے، اور سب کے ساتھ رحم کرنے پر زور دیا ہے۔لہٰذا ان کی تعلیمات کو سمجھ کر اور ان پر عمل کرکے برمی حکمران روہنگیا مسلمانوں کے حقوق ادا کریں۔

(۶)۔ برمی حکومت نے ہمیشہ روہنگیا کے مسائل اور جائز تقاضوں کو حل کرنے کی بجائے تشدد کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔جبکہ عصری قوانین کی روشنی میں روہنگیا مسلمانوں کو ان کے تمام بنیادی انسانی حقوق ملنے چاہیے۔کیونکہ یہ برمی آئین و قوانین کے ساتھ بین الاقوامی قوانین بھی روہنگیا کو ان کے بنیادی انسانی حقوق ادا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

(۷)۔اقوام متحدہ بالخصوص سلامتی کونسل کو روہنگیا کے مسلمانوں پہ ہونے والے مظالم کے خلاف فی الفور اور مؤثر اقدام اٹھانے چاہیں۔

(۸)اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل UNHCR کو اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت روہنگیا کے مسلمانوں کو شہریت دلوانے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

(۹)اقوام متحدہ کو جلد از جلد ایک کمیشن قائم کرنا چاہیے جو روہنگیا کے مسلمانوں کے خلاف کیے جانے والے جرائم کی تفتیش کرے۔اقوام متحدہ کے معائنہ کار مشن کو بھی حالات کا جائزہ لینے کے لیے میانمار روانہ کیا جانا چاہئے۔

(۱۰)روہنگیا کے مسئلہ کو مسلمانوں کا مسئلہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ یہ ایک انسانی مسئلہ ہے اور اسی طور اس مسئلہ کے ساتھ نبرد آزما ہونا چاہیے۔

(۱۱)او آئی سی اور آسیان کی تنظیم کے ممبر ممالک کو میانمار پہ سفارتی دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کرے اور وہ مہاجرین جو میانمار چھوڑ کے جاچکے ہیں ان کی واپسی اور محفوظ آباد کاری کو یقینی بنائے۔

فہرست آیات قرآنی

نمبر شمار	آیت مبارکہ	سورۃ	صفحہ نمبر
1	﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾	سورۃالبقرۃ	348
2	﴿لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾	سورۃالبقرۃ	282
3	﴿لَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ﴾	سورۃالنساء	284
4	﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾	سورۃالنساء	289
5	﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾	سورۃالمائدہ	303
6	﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾	سورہ یونس	282
7	﴿وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ﴾	سورہ ہود	349
8	﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾	بنی اسرائیل	294
9	﴿يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾	سورۃالحجرات	286
10	﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾	سورۃالحشر	304
11	﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّيْنِ﴾	سورۃالممتحنہ	281
12	﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى۝وَاٰثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا۝﴾	سورۃالنازعات	355
13	﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَاءِ﴾	سورۃالشمس	350

فہرست احادیث مبارکہ

نمبر شمار	حدیث	صفحہ نمبر
1	اسْمَعُوا وأَطِيعُوا وإنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ	291
2	أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ	306
3	إنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي	281
4	أَلاَ لاَ تَحِلُّ أَمْوَالُ الْمُعَاهِدِينَ إِلاَّ بِحَقِّهَا وَحَرَامٌ عَلَيْكُمْ حُمُرُ الأَهْلِيَّةِ	285
5	ثَلاثَةٌ أنا خَصْمُهُمْ يومَ القِيامَةِ	305
6	دِيَةُ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ	284
7	كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ	349
8	قَارِبُوا وسَدِّدُوا، واعلَمُوا أَنَّه لَن يَنجُو أَحَد مِنكُم بِعَمَلِهِ	287
9	لا تُقْتَلُ نَفسٌ ظُلْمًا، إلَّا كانَ على ابْنِ آدَمَ	351
10	لَيْسَ صَغِيرٌ بِصَغِيرٍ مَعَ الْإِصْرَارِ	348
11	لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ	287
12	مَا الْعَصَبِيَّةُ قَالَ " أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ	287
13	ما مِن عَبْدٍ اسْتَرْعاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْها بنَصِيحَةٍ،	302
14	ما مِنْ عبدٍ يسترْعيه اللهُ رعيَّةً ، يموتُ يومَ يموتُ	302
15	مَن خرَج في طَلَبِ العِلمِ، كان في سَبيلِ اللَّهِ حَتَّى يرجِعَ	296
16	من قتل معاهدًا في غيرِ كُنهِه ، حرَّم اللهُ عليه الجنةَ	283
17	مَن قَتَلَ نَفْسًا مُعاهَدًا لَمْ يَرِحْ رائِحَةَ الجَنَّةِ،	283
18	اَلنِكاحُ مَن سُنّتِی	300
19	يَا أَيُّهَا النَّاسُ: إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ،	295
20	يا أيُّها الناسُ إنَّ ربَّكمْ واحِدٌ ألا لا فضلَ لِعربِيٍّ على عجَمِيٍّ	287
21	يجيءُ الرجلُ آخذًا بيدِ الرَّجلِ	351

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
1	پگوڈا	18
2	نٹ سن	18
3	اسٹوپا	18
4	یواسنگھ نٹ	18
5	تھگیامن	18
6	نروان	19
7	پنتھائے	57
8	مونک	68
9	برمنائزیشن	108
10	ناگامن	169
11	چیزوتیمباٹے	181
12	مینگلابہ	181
13	پاڑا	192
14	ماباثا	219
15	ہانتھا	248

فہرست بدھ مت مذہبی کتب

صفحہ نمبر	بدھ مت مذہبی کتب	نمبر شمار
51	Buddhist Scriptures	1
313	Vinaya Texts	2
314	Dhammapada	3
314	The Dhammapada	4
323	The essence of Buddha and its practice	5
325	Vinaya Pitaka	6
328	The Buddha and his Dhamma	7

مصادر و مراجع

1. قرآن مجید

بدھ مت مذہبی کتب:

1. Rhys Davids & Hermann Oldenberg(tr), *Vinaya Texts,* (Oxford: The Clarendon Press,1881)
2. Oldenberg, Hermonn ed. *Vinaya Pitaka,* (P. T. S. London. 1984)
3. Eknath Easwaran, *The Dhammapada,*(Nilgiri press Canada, 2007)
4. Bukkyo, dendo kyokai, *THE TEACHING OF BUDDHA*, (Shiba 4-chome, Minato-ku, Tokyo, Japan, 2005)
5. Ambedkar BR (1984). The Buddha and his Dhamma, Third edition Bombay, Siddharth Publication.
6. Edward Conze(tr). *Buddhist Scriptures,* (Victoria: Penguin Books,1960),

عربی کتب:

1. ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۶ء)
2. ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، (لاہور: مکتبہ اسلامیہ اردو بازار، ۲۰۱۵ء)
3. احمد بن حنبل، مسند احمد، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، ۲۰۱۳ء)
4. السجستانی، امام ابو داؤد، سنن ابی داؤد، (لاہور: مکتبہ دار السلام، ۲۰۱۰ء)
5. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (لاہور: دار المعارف اسلامیہ اردو بازار، ۲۰۰۴ء)
6. القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، (لاہور: مکتبہ دار السلام، ۲۰۱۴ء)
7. النسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب، السنن النسائی، (حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء)
8. امام الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، (کراچی: نور محمد کتب خانہ، ۲۰۰۳ء)
9. ابو یوسف، یعقوب، کتاب الخراج، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، ۲۰۰۳ء)
10. الجوزی، حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۱ء)
11. العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی بن محمد، فتح الباری، (قاہرہ: دار الحدیث، مصر، ۱۳۹۳ھ)
12. الموسوعۃ الفقھیہ، (کویت: وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ - الکویت، ۱۹۸۶ء)

اردو کتب:

1. ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء، البدایہ والنہایۃ، (کراچی: نفیس اکیڈیمی اردو بازار، فروری ۲۰۱۱ء)

1. ابوصباحت، ایشیا کا فلسطین، (کراچی: اسلامک ریسرچ اکیڈیمی، اگست ۲۰۱۲ء)
2. حفیظ الرحمٰن، پاکستان اور اس کے ہمسایہ ممالک، (لاہور: نعمانیہ کتب خانہ، سن اشاعت ندارد)
3. اصلاحی، ضیاء الدین، ہندوستان عربوں کی نظر میں، (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈیمی، ۲۰۰۹ء)
4. القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، اسلام میں انسانی حقوق، (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۱۳۹۶ھ)
5. انصاری، محمد الیاس، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، (لاہور: میٹروپرنٹرز، حرا پبلیکیشنز، ۱۹۹۲ء)
6. بلخی، فصیح الدین، تاریخ مگدھ، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۴ء)
7. پارٹی، کراماشنکر، قدیم ہندوستان کی تاریخ، (دہلی: ترقی اردو بیورو نئی، ۱۹۸۱ء)
8. جاوید، انعام الحق، بیرونی ممالک میں اردو، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء)
9. الطاف جاوید، غیر سامی مذاہب کے بانی، (لاہور: اپنا ادارہ اردو بازار، ۲۰۰۴ء)
10. چیمہ، غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، (لاہور: چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز اردو بازار، ۲۰۱۲ء)
11. خان، چوہدری ہدایت اللہ، اسلامی تاریخ پاکستان و ہند عہد سلاطین، (لاہور: علمی کتب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار، ۲۰۰۹ء)
12. خان، نور محمد، روہنگیا مسلمانوں کا المیہ۔۔۔ حل کیا ہے؟ تاریخی پسِ منظر، مسائل اور حل کا جائزہ، (لاہور: ای پیپر ٹیم، جنوری ۲۰۱۷ء)
13. خلیل الرحمن، محمد، تاریخ اسلام برہما و اراکان، (کلکتہ: قومی پریس، ۱۹۴۶ء)
14. داستان امیر حمزہ، (لکھنؤ: خالد پریس، ۱۹۵۳ء)
15. رپورٹ محکمہ جنگلات، قومی ادارہ محکمہ جنگلات، (ینگون: برما ینگون، ۲۰۰۰ء)
16. گوہر رحمان، اسلامی سیاست، ذکری انٹرنیشنل پبلشرز دہلی، ۱۹۸۱ء
17. رحمان، ایس اے، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز انارکلی، ۱۹۸۷ء)
18. زیدان، عبد الکریم، احکام الذمیین والمستامنین، (بغداد: دارالسلام مطبعۃ البرہان، ۱۹۹۳ء)
19. سید، محمد حسین، اشوک اعظم، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۴ء)
20. محمد شفیع، وارا کین، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، (لاہور: شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء)
21. صولت، ثروت، دنیا میں مسلم اقلیتیں، (لاہور: فرقان کتب خانہ اردو بازار، سن اشاعت ندارد)

22. عبد الشکور، برمی جمہوریت اپنے مظالم کے آئینے میں،(کراچی: غنی بک ڈپو برمی کالونی ۳۶جی لانڈھی، ۲۰۱۳ء)
23. عبد الوحید، عالمی جنگوں کا انسائیکلوپیڈیا،(لاہور: شاہ محمد پرنٹرز، ۲۰۱۳ء)
24. عزمی، محمد فاروق، مسلمانوں کی قتل گاہ۔ برما،(لاہور: قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، والٹن روڈ، مئی ۲۰۱۹ء)
25. عمری، سید جلال الدین، اسلام اور انسانی حقوق،(نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۲۰۱۸ء)
26. فاروقی، عمادالحسن، آزاد، دنیا کے بڑے مذہب،(لاہور: مکتبۂ تعمیر انسانیت، ۲۰۰۲ء)
27. کمار، کرشن، گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، مترجم: خالد ارمان،(لاہور: نگارشات پبلشرز حبیب ایجوکیشنل سنٹر اردو بازار، ۲۰۰۷ء)
28. کونداس، ایس، مترجم مسرت جہاں، جنگلات کی کاشت، انسان ساختہ جنگلات،(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۳ء)
29. قاسمی، محمد سالم، سفر نامہ برما،(سہارنپور: حجۃ الاسلام اکیڈیمی دیوبند، ۲۰۱۷ء)
30. قاسمی، طیب، اسیر برما،(اترپردیش: حجۃ الاسلام اکیڈیمی دیوبند، فروری ۲۰۱۷ء)
31. مبارکپوری، قاضی اطہر، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ،(لاہور: فینس بک اردو بازار، ۱۹۸۹ء)
32. مقاطع ارکان، کانفرنس،(کراچی: موتمر عالم اسلامی، ۲۰۱۸ء)
33. مے یو کا مستقبل، اتحاد پبلی کیشنز انٹرنیشنل،(رنگون: سابے کماں پریس ۳۶۱ پروم روڈ، ۲۰۰۶ء)
34. منصور پوری، سلیمان، رحمۃ للعالمین،(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۲۰۰۱ء)
35. مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست،(لاہور: اسلامی پبلی کشنز، شاہ عالمی مارکیٹ، ۲۰۱۴ء)
36. نعمانی، شبلی، الفاروق،(دہلی: قومی پریس، ۱۹۰۸ء)
37. نعیمی، احمد یار خان، مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح،(گجرات: نعیمی کتب خانہ، ۱۹۶۰ء)
38. ندوی، مجیب اللہ، اسلامی قانون محنت،(لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، ۲۰۱۶ء)
39. ندوی، سید ابوالحسن علی، تاریخ دعوت وعزیمت،(لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ۲۰۰۶ء)
40. ندوی، سید عنایت اللہ، روہنگیا مسلمان دنیا کی مظلوم ترین اقلیت،(لکھنؤ: ندوۃ العلماء، ۲۰۱۷ء)
41. ندوی، سید سلیمان، عربوں کی جہاز رانی،(اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈیمی، ۱۹۳۵ء)

42. نورالحق،نور البشر محمد،برما، اراکان اور روہنگیا کا مختصر تعارف،(لاہور:رحمانیہ کتب خانہ اردو بازار، ۲۰۱۴ء)

رسائل وجرائد:

1. ضیاء،طیبہ،دنیا کی واحد قوم جس کے پاس اپنی شہریت نہیں، معارف، جلد۱۹، شمارہ ۲۵،(۹نومبر،۲۰۱۸ء)، ص۷۸-۱۱۳
2. سہ ماہی، Rohingya Daak، آر پی ایف کا ترجمان اراکان برما، جلد۳، شمارہ ۱،(۱۹۸۳ء)ص۳۵-۵۷
3. رمضان، مرزا محمد، برما، رحیمیہ، جلد۷، شمارہ۷،(۲۰۱۵ء)، ص۴-۳۰
4. شاہ، سید شہاب الدین، "روہنگیا مسلمان مظلومیت کے تناظر میں"، نقیب ختم نبوت، جلد ۲۸، شمارہ۹،(ستمبر ۲۰۱۷ء)، ص۵-۲۱
5. ندوی، طارق ایوبی، قصہ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم، ندائے اعتدال، جلد۹، شمارہ۱۳،(اکتوبر۲۰۱۷ء)، ص۲-۲۳
6. ایوب بیگ، مرزا، "ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو"، جلد۲۱، شمارہ۳۰، ندائے خلافت،(جولائی ۲۰۱۲ء)، ص۱-۱۹
7. حسرت، بشیر احمد، "برما کے مظلوم مسلمان"، ابلاغ، جلد۷، شمارہ۹،(۷اکتوبر ۲۰۱۷)، ص۵-۲۳
8. خان، عبد التواب، "گوتم بدھ کی تعلیمات اور برمی مسلمان"، ترجمان، جلد۳۷، شمارہ۱۹،(اکتوبر۲۰۱۷ء)، ص۱-۱۵
9. انصاری، یامین، "روہنگیائی مسلمان دنیا کی مظلوم ترین قوم"، پیام عرفات، جلد۱، شمارہ۳،(اکتوبر ۲۰۱۷ء)، ص۱۵-۴۷
10. خان، نعیم احمد، "اراکان(برما)کے مظلوم مسلمانوں کی پکار"، ندائے خلافت، جلد ۹، شمارہ۱، (جنوری، ۲۰۰۰ء)، ص۷-۲۳
11. ساجد، محمد، "اراکانی مسلمانوں کا قتل"، تحقیقات اسلامی، ، جلد ۲، شمارہ ۹، (ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص۳۳-۵۷
12. خالد، سیف اللہ، "المیہ اراکان"، چشم بیدار، جلد۶، شمارہ۹،(ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص۱۴-۴۲
13. شیخ دین محمد، "اراکانی مساجد کی حالت زار"، چشم بیدار، جلد۶، شمارہ۹،(ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص۲۵-۴۷
14. عطاء الرحمٰن، "مسئلہ اراکان"، **دوماہی انصاف**،(جنوری-فروری ۱۹۹۰ء)ص۳۳-۵۲

15. محمد عزیز، "روہنگیا مسلم"، **دوماہی انصاف**، (جولائی-اگست ۱۹۹۰ء) ص۲۷-۴۹

16. عثمانی، خالد، "روہنگیا مظالم"، سہ روزہ، **دعوت**، **دہلی**، (اگست ۱۹۹۱ء) ص ۱۳-۳۷

17. کاشف خرم، "مسلمان کالہو"، **دوماہی انصاف**، (ستمبر-اکتوبر ۱۹۹۰ء) ص ۲۱-۴۳

18. احمد، سلطان، "بے بس روہنگیا"، **دوماہی انصاف**، جولائی-اگست ۱۹۸۸ء) ص۲۹-۵۴

19. ظہیر، نگار سجاد، "میانمار کے روہنگیا مسلمانوں کا المیہ"، **میثاق**، جلد ۷، شمارہ ۲، (نومبر ۲۰۱۷ء)، ص ۷۱-۹۴

20. قاسمی، عبد الستار، "برما کے سیاسی حالات اور روہنگیا کے مسائل"، نقوش اسلام، شمارہ ۹، جلد ۱۳، (نومبر ۲۰۱۸)، ص ۲۸-۵۱

21. **ملک**، سرور احمد، "روہنگیا مسلمانوں پر برمی حکومت اور بدھوں کے مظالم"، چشم بیدار، جلد ۶، شمارہ ۹، (ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص ۲۲-۴۹

22. بشیر عادل، "اقلیتوں کے مسائل"، سہ روزہ **دعوت**، (نئی دہلی، انڈیا، جلد ۵۷، شمارہ ۴۱، ۱۳ مئی ۲۰۰۹ء)، ص ۴-۲۰

اردو رپورٹس:

1۔ رپورٹ مسلم انسٹیوٹ، "روہنگیا مسلمانوں کے موجودہ حالات کا جائزہ"، مراۃ العارفین، (جنوری ۲۰۱۸ء)،

2۔ رپورٹ محکمہ جنگلات، محکمہ جنگلات برما ینگون، (۲۰۰۰ء)،

اردو اخبار:

1۔ انصاری، محمد عارف، "برما، ظلم کے نرغے میں روہنگیا مسلمان"، روزنامہ **"سہارہ"** ہندوستان، ۱۷ستمبر ۲۰۱۷ء

2۔ رسول، عبد الرافع، اسلام آباد، "میانمار میں مسلم نسل کشی"، روزنامہ **کشمیر عظمی**، ۶ ستمبر ۲۰۱۷ء

3۔ انصاری، محمد عارف، "برما، ظلم کے نرغے میں روہنگیا مسلمان"، روزنامہ **سہارہ** ہندوستان، ۱۷ ستمبر ۲۰۱۷ء

4۔ محبوب الرحمٰن، مظلوم روہنگیائی مسلمان، **جسارت**، کراچی، ۱۳ نومبر ۱۹۷۸ء

5۔ سومرو، نصیر احمد، روہنگیا کی حالت زار، **جنگ** کراچی، ۱۳ مئی ۱۹۸۹ء

English Books:

1. A History of Ancient Myanmar as told by the Inscriptions Above and Below Ground), Yangon: Zaw Press, 2004.
2. Sir Arthur P. Phayre, History of Burma, London: Teubner & co, Ludgate hill, 1883.
3. Lient. Gen Albert Fytehe, Burma, fast and present , London: C.Keganpoul&co paternoster square, 1878.
4. G.E Harvey, History of Burma, London: Marryland press 1928.

5. Ulfataziz us samad, the great relions of the world, Bombay: darulisha'atkutub e islamia,1976.
6. Wilhelm klein, Gunter pfannmuller, Burma the golden designed and photography, Bangkok: apa production (NK) ltd. 1992.
7. Encyclopedia of Buddhism, Robert E. Buswell, Jr., New York: Macmillan Reference USA,300 Park Avenue South, 2004.
8. Roger Bischoff, Buddhism in Myanmar A Short History, Sri Lanka: Buddhist Publication Society Kandy,1995.
9. Jacob E. SafraEncyclopedia of Britannica, London:All time London, 2009.
10. W.N Weech, History of the world, USA:Odhams Press Limited, 1944.
11. Noorul Islam,Facts about The rohingya Muslims of Arakan, London: The Arakan Rohingya National Organisation, 1986.
12. R.B. Smart ,Burma Gazetteer, Akyab District, History and Archeology, Rangoon: sunrise publisher, 1957.
13. G.E Hevey, outline of Burmese history, London: Marryland press London,1925.
14. Nafis Ahmed M.A. Ph.D ,Muslim Contribution to geography, London: new all time, 2009.
15. Siddiq Khan, Analytical Study of 'Badar Muqum, London: Marryland press, 1962.
16. Siddiq Khan, Muslims Intercourse with Burma, Islamic Culture, Hydrabad: Hydrabad press, July 1936.
17. Ezati Abu al- Fazl, The Spread of Islam, the contributing factors. London: Islamic College for Advanced Studies press, 2002.
18. Rohingya Outcry and Demands, RPF, Theiland: Rohingya Patriotic Front, april 2011.
19. Moshe Yegar, The Muslims of Burma, A study of Minority groups, London: Weesbaden, Otto Harrassowitz, 1972.
20. Dr. S.B Qanungo ,A History of Chittagong, USA: new hills publisher, 1988.
21.Wilhelm Klein, Gunter Pfannmuller, Burma the Golden, London: designed and photographed, First Edition,January 1982.
22. Let Ware Nawrattha& Twin-thin Taik-wun, The Chronicles of Alaungpaya's Battle, Yangon:Myanmar press, 1961.
23. Lt. Col. Ba Shin, Coming of Islam to Burma 1700 AD, London: Weesbaden, Otto Harrassowitz,January 2018.
24. D.G.E Hall, A History of South – East Asia , London: Macmillan, 1958.
25. Mohammed Ali Chowdhury, The Advent of Islam in Arakan and Rohingyas, The Annual Magazine 1995-96, Chittagong: Arakan Historical Society (A.H.S), 1996.
26. Winston Set Aung, The Role of Informal Cross-border Trade in Myanmar, Institute for Security and Development Policy, Sweden: September 2009.
27. Thein, M, Economic Development of Myanmar, Singapore: Institute of Southeast Asian Studies, 2004.
28. U Win Aung, Review Of National Fisheries In Myanmar, Government of the Union of Myanmar, Ministry for Livestock Breeding and Fisheries Department of Fisheries,1995.
29. Bryant, The political ecology of Forestry in Burma, Hawaii:University of Hawaii press, 1996.
30. Global forest resource assessment ، Myanmar:country report Myanmar, 2010.
31. Peter ،Daniel ،Forest cover change Partners in Burma,1990-2000, Burma: yungon press, Sep 2005
32. Gallant, Report to the Government of Burma on the Teakwood Trade, Rome: Food and Agriculture Organization, 1957.

33. Longmuir, Marilyn V, Oil in Burma: The Extraction of Earth Oil to 1914", Bangkok: White Lotus, 2001.
34. Scott E. Thornton ,The History of Oil Exploration in the Union of Myanmar, California: Department of Earth Sciences University of Southern California,2015.
35. Saw Lwin , Department of Geological Survey and Mineral Exploration, Myanmar: Data Base Building In Ministry Of Mines, 2012.
36. Khin Maung Kyi, Ronald Findlay, A Vision and A Strategy Economic Development Of Burma, Singapore: Singapore University Press (Pvt) Ltd,2000.
37. Myanmar: Agriculture, natural resources, and environment initial sector assessment, strategy, and road map. Mandaluyong City, Philippines: Asian Development Bank, 2013.
38. Ong Chao Choon, Myanmar Business Guide, Yangon:Bahan Township, Yangon, Myanmar, October 2017.
39. Al haj Muhammad Ali, Rohingya struggle, Sharjah:Sharjah publisher U.A.E, December 1999.
40. Jasminder Singh; Muhammad Haziq, The Rohingya Crisis: Regional Security Implications, RSIS Commentaries. Singapore: Nanyang Technological University, December 2016.
41. International Federation of Human Rights Leagues (FIDH), Burma: Repression, Discrimination and Ethnic Cleansing in Arakan, April 2000.
42. Human Rights Watch, Crackdown on Burmese Muslims, Yangon: July 2002.
43. Penny Green , Thomas MacManus , Alicia de la Cour Venning, Genocide In Myanmar, International state crime initiative, London: queen marry university London, 2015.
44. Martin Smith, Ethnic Groups in Burma. Development, Democracy and Human Rights, ASI Human Rights Series, London: Anti-Slavery International London, 1994.
45. Chan A, The development of a Muslim enclave in Arakan (Rakhine) State of Burma (Myanmar). Myanmar: SOAS Bull Burma, 2005.
46. Chris Lewa, The Arakan Project, Bangkok: Thailand, 30 June 2016.
47. Donald, historical dictionary of Burma,London:Maryland,2006.
48. Khin Kyaw Han,1990 multi-party democracy general elections, Burma: MP-NLD, Democratic Voice of Burma, may 2000.
49. Simbulan, Karen Pimentel. “A Legal and Structural Analysis of the Violence in Rakhine State against the Rohingya Muslims of Myanmar”Myanmar: yangon press, 2013.
50. Martin Smith, Burma: Insurgency and the Politics of Ethnicity, London: Marryland press, 2d ed. 1999.
51. Habib Siddiqui, the Forgotten Rohingya: Their Struggle for Human Rights in Burma, Burma: E-Book, Independently Published, August 29th 2008.
52.Mahmood, S.S., et al., The Rohingya people of Myanmar: health, human rights, and identity. London: The Lancet, 2017.
53. Cousins, S. Myanmar grapples with its high tuberculosis burden.London: The Lancet, 2017.
54. Constitution of the Union of Burma, Chapter II, para. 11(i) (1947).
55. Constitution of the Republic of the Union of Myanmar, Constitution, 34, Myanmar: Printing & Publishing Enterprise, Ministry of Information, 2008
56. The State in Myanmar, Taylor, R. Honolulu. Hawaii: Hawaii University Press. 2010.
57. Chee Soon J., To Be Free: Stories From Asia: Decolonization, Nationalism And Separatism. London: I.B Tourris Publishers, 1998.

58. New Light of Myanmar, the SPDC official newspaper, 24 April 2003.Noah Berlatsky , Burma Genocide & Prescution, USA:gale and green heaven press, 2015.
59. The 1982 Burma Citizenship Law
60. Ullah AKM Ahsan. Irregular migrants, Human rights and Securitization in Malaysia: A policy analysis, In Globalization and Social Transformation in the Asia Pacific: The Australian and Malaysian Experience" Claudia Tazreiter, ed, London: Palgrave McMillan, 2013.
61. A. K. M. Ahsan Ullah, Rohingya Crisis in Myanmar: Seeking Justice for the "Stateless"august 2016.
62. Okamoto, I; Agricultural Marketing Reform and Rural Economy in Myanmar: The Successful Side of Reform; Paper presented at the Parallel Session II, "Reform in Agriculture-Country experiences from Asia", GDN the 5th Conference, 28th, January 2004, New Delhi: India, 2004.
63. MICHAEL F. RIDD & ANDREW RACEY, Introduction to the Petroleum Geology of Myanmar, Racey, A. & Ridd, M.F.2015.Petroleum Geology of Myanmar. London: Geological Society, Memoirs, 2015.
64. The caliphs and their non-Muslim subject, London:Oxford University Press, 1930.
65. Leiden E.J Brill, The Encyclopaedia of Islam THE INTERNATIONAL UNION OF ACADEMIES. Netherland: 1991.
66. Ambedkar BR. Annihilation of Caste, Maharashtra: Ambedkar's collected writings and speeches Education Depart. Govt Maharashtra, 1999.
67. Edward Conze(tr). Buddhist Scriptures, Victoria: Penguin Books,1960.
68. Rhys Davids & Hermann Oldenberg(tr), Vinaya Texts, Oxford: The Clarendon Press,1881.
69. Hamilton, H. Clarence, Buddhism, New York:The Merrill Company, 1971.
70. Anand, Buddha: The essence of Buddha and its practice, Mumbai: Samruddha Bharat Publication, 2002.
71. Ambedkar BR. The Buddha and his Dhamma, Bombay:Siddharth Publication, 1984.
72. Masud, Dr. Muhammad Khalid, Minority in Islamic History: An Analytical Study of Four Documents, South Africa:Journal for Islamic Studies, 2000.
73. ALTSEAN Burma, Rohingya, asylum seekers and migrants from Burma: A human security priority for ASEAN. Bangkok: ALTSEAN-Burma.2009.
74. International-NGOs in Myanmar call for UN Security Council action on Rohingya crisis, 2018
75. Rosalind Russell, Burma's Spring: Real Lives in Turbulent Times, London: publishing River Books, Denbigh Road, June 30, 2015.
76. William L. Langer, An Encyclopedia of World History, USA: Houghton Mifflin Co. 125 High Street Boston, April 1, 1972.
77. A.Barth,The Religions Of India , London: Kegan-Paul,Trench, &Co, 1890.
78. Ahsan Ullah, A.K.M. "Rohingya Crisis in Myanmar: Seeking Justice for the 'Stateless'". Journal of Contemporary Criminal Justice. Vol. 32, No. 3, 2016
79. Lewis Moore, Encyclopedia of World Religions, Ferozsons Lahore, Jan 1, 2020

Reports:

1. All You Can Do is Pray': Crimes Against Humanity and Ethnic Cleansing of Rohingya Muslims in Burma's Arakan State,89, Human Rights Watch, April 2013.

2. Amnesty International. “Myanmar: Rohingya trapped in dehumanizing apartheid regime”. 2017
3. US Department of State, International Religious Freedom Report: Burma, 2013
4. Weissbrodt, David, and Clay Collins. “The Human Rights of Stateless Persons,” Human Rights Quarterly 28, no. 1 February, 2006
5. Human Rights Watch, Burma: Rohingya Muslims Face Humanitarian Crisis Mar. 2013
6. Human Rights Watch, Burma: Children’s Rights and the Rule of Law, 1 January 1997.
7. UN Human Rights Council, Progress report of the Special Rapporteur on the situation of human rights in Myanmar, Tomás Ojea Quintana, 10 March 2010
8. Zaw Min Htut, Human Rights Abuses And Discrimination On Rohingyas, The ad Communication 385, Sirajudowllah road Anderilla Chittagong, Bangladesh, 2003.
9. Chris Lewa, Forum-asia: “Issues to be raised concerning the Situation of Rohingya Children in Myanmar (Burma)”, Asian Forum for Human Rights and Development (FORUM-ASIA), Bangkok Thailand, November 2003
10. Burma: Foreigners Act, 1864. 12 February 1864.
11. Medicines Sans Frontiers, The ongoing humanitarian emergency in Myanmar’s Rakhine State. Amsterdam, Feb 6, 2013.
12. Human Rights Watch, All You Can Do is Pray: Crimes Against Humanity and Ethnic Cleansing of Rohingya Muslims in Burma's Arakan State, 2013
13. Human Rights Watch, supra note 24; see also Burma: Medical Crisis Looms in Rakhine, Radio Free Asia, Feb, 2013.
14. Hannah Beech / Meikhtila, Burma, And Pattani, Thailand Monday, July 01, 2013.
15. Release of the Ministry of Foreign Affairs of the Union of Myanmar on 26 Feb 1992.
16. Marshall. A. ‘Special Report; Myanmar Gives Official Blessing to Anti-Muslim Monks’. Reuters. 27 June 2013.
17. Advisory Commission report on Rakhine State, 2017.
18. Galache, Carlos Sardina, “Who Are the Monks Behind Burma’s ‘969’ Campaign?” Democratic Voice of Burma, May 2013.
19. UN Human Rights Council, Report of the Detailed Findings of the Independent International Fact-Finding Mission on Myanmar, UN Doc. A/HRC/39/CRP.2, September 17, 2018.
20. ActionAid. Rohingya Crisis Appeal. 2019.
21. ICRC. Myanmar: In Rakhine, placing people at the center, May 2018.
22. Marshall, Andrew R.C, “Special Report: Myanmar’s Deep Mine of Old Troubles,” Reuters, December 27, 2012.
23. Albert, Eleanor. “The Rohingya Crisis”. Council on Foreign Relations. August, 2018.
24. Rakhine State Inquiry Commission Report of 2013, English translation dated 8 July 2013, Rakhine State Action Plan, Draft summary in English dated 7 July 2014.
25. A review for staff in mental health and psychosocial support programs for Rohingya refugees UNHCR, 2018. All rights reserved UNHCR/Roger Arnold, United Nations High Commissioner for Refugees (UNHCR), 9 October, 2017.

26. Inter Sector Coordination Group. Situation Report: Rohingya Refugee Crisis, 19 November 2017.
27. European commission. European Civil protection and humanitarian Aid Operations Echo factsheet. 2017.
28. Internal Unpublished U.N. Report (April 2013) (on file with Fortify Rights).
29. Fortify Rights, Interview #05, Kuala Lumpur, Malaysia, Aug. 2014.
30. Human Rights Watch, Perilous Plight: Burma's Rohingya Take to the Seas, May 26, 2009.
31. United States Senate Committee on Foreign Relations, Trafficking and Extortion of Burmese Migrants in Malaysia and Southern Thailand, S. Prt-111-18 (Apr. 3, 2009).
32. International Federation of Human Rights Leagues (FIDH), Burma: Repression, Discrimination and Ethnic Cleansing in Arakan, Apr. 2000.
33. Kyaw Win- BHRN Report, PERSECUTION OF MUSLIMS IN BURMA, Burma Human Rights Network, 2017.
34. U.S. Commission on International Religious Freedom, Burma: Religious Freedom and Related Human Rights Violations are Hindering Broader Reforms, 732 North Capitol Street, NY, November 2014.
35. Inquiry Commission on Sectarian Violence in Rakhine State, Final Report of Inquiry Commission on Sectarian Violence in Rakhine State (Nay Pyi Taw: Inquiry Commission on Sectarian Violence in Rakhine State, 2013.
36. R. Wright & E. McKirdy, Bodies of 20 Rohingya Muslims Pulled from River on Bangladesh Border. CNN World 31 August 2017.
37. Huang, R. L. "Re-thinking Myanmar's political regime: military rule in Myanmar and implications for current reforms." Contemporary Politics, 2013.
38. The Republic of the Union of Myanmar. Department of Population, Ministry of Immigration and Population. "Rakhine State: Census Report Volume 3-K.". May 2015.
39. Press Release of the Ministry of Foreign Affairs of the Union of Myanmar, 26 February 1992.
40. Burma: The Rohingya Muslims; Ending a Cycle of Exodus?, Human Rights Watch/Asia, New York: September 1996.
41. Fisher. J. 'Myanmar's Ma Ba Tha Monks Flex Their Political Muscle'. BBC News, Myanmar. 8 October 2015.
42. World Bank. Myanmar: Ending poverty and boosting shared prosperity in a time of transition. A Systematic Country Diagnostic, Report No. 93050-MM.august 2017.
43. The Republic of the Union of Myanmar Department of Population, Ministry of Immigration and Population, Rakhine State: Census Report Volume 3-K, May 2015.
44. CDNH, Rakhine State Needs Assessment, September 2015 WFP, Myanmar October - November 2016 Operational Report, November 2016 154. United Nations and Partners, Humanitarian Response Plan, 2017.
45. UNHCR, Protection Concerns and Risks Analysis, November 2015.
46. UNOCHA, Myanmar 2019 Humanitarian Response Plan: January–December 2019, 126. December 2018; UN Human Rights Council, Report of the Detailed Findings of the Independent International Fact-Finding Mission on Myanmar, UN Doc. A/HRC/39/CRP.2, September 17, 2018.

47. Chris lewa, House of Commons, Subcommittee on International Human Rights (SDIR), Evidence, Meeting No. 06, 1st Session, 42nd Parliament, 5 May 2016.
48. Tylor, E. & Garmirian, C. Sixty-one NGOs Warn of Worsening Crisis in Myanmar, Call for Refugees' Engagement on Safe, Voluntary. 2019.
49. Ministry of Health and Sports, Myanmar Demographic and Health Survey 2015-16, March 2017.
50. Bhatia, A. Mahmud, A. Fuller, A. Shin, R. Morshed, K. Rahman, M.,Shatil, T. Sultana, M. Balsari, S. Leaning, J., A rapid needs assessment among the Rohingya and host communities in Cox's Bazar, Bangladesh: a randomized survey, 2018.
51. Action Contra Le Faim (ACF), Final report, SMART Nutrition survey, Buthidaung and Maungdaw Townships, September -October 2015.
52. Doctors Without Boarders. Rohingya crisis in Bangladesh: A summary of findings from six pooled surveys. 2017.

Newspaper:

1. "Nowhere to Call Home: The Changing Face of the World's Non-citizens," The Economist, new york, May 17, 2014,
2. Myanmar Times, 'Rakhine officials collect nearly 400,000 'white cards' by deadline', June 2015
3. Sayed S,Mahmood, The Rohingya people of Myanmar: health, human rights, and identity, The Lancet (UK), 13 June 2017.
4. Rakhine state Rohingya face two-child limit on family size", South China Post, May 2013.
5. Islamic Associations in Myanmar call for peaceful settlement of Rakhine incident", English.news.cn, China, 20 Aug 2012.
6. Lawi Weng, "Burmese Muslims cancel Eid Festivities", the Irrawaddy, 24 Nov 2012.
7. The Irrawaddy, "Nationalist Monk U Wirathu Denies Role in Anti-Muslim Unrest," April 2013
8. Emdadul Haque, *Humanitarian vs. Legal Deals: Human Rights Monitor Rohingya people*, The Daily Star, Tuesday, July 2, 2013.
9. Emanuel Stoakes, "Aung San Suu Kyi is Turning a Blind Eye to Human Rights in the Name of Politics," The Guardian, November 26, 2013.
10. Marella Oppenheim, "'It only takes one terrorist': the Buddhist monk who reviles Myanmar's Muslims," The Guardian, May 12, 2017.
11. Thomas Fuller, "Extremism Rises Among Myanmar Buddhists," New York Times, June 20, 2013.

websites:

1. https://minorityrights.org
2. https://worldpopulationreview.com
3. https://irak.pk
4. https://www.cpsglobal.org
5. https://www.frontiermyanmar.net
6. https://www.islamtimes.org
7. https://www.frontiermyanmar.net
8. https://www.bbc.com
9. https://en.wikipedia.org
10. https://www.encyclopedia.com
11. http://zahidrashdi.org
12. http://library.ahnafmedia.com

13. http://www.jstor.org
14. https://ur.lbicph.com
15. https://www.mmtimes.com
16. http://alsharia.org
17. https://www.voanews.com
18. https://www.cfr.org
19. https://www.mmtimes.com
20. https://www.unhcr.org
21. https://www.crisisgroup.org
22. https://www.dailymail.co.uk
23. 1982 Burma Citizenship Law: http://www.refworld.org/docid/3ae6b4f71b.html
24. https://urdu.palinfo.com
25. http://www.scmp.com
26. http://www.refworld.org
27. https://www.msf.org
28. https://foreignaffairs.house.gov
29. .http://www.academia.edu
30. https://reliefweb.int
31. https://www.dw.com
32. http://newageislam.com
33. http://content.time.com
34. https://asiancorrespondent.com
35. http://mazameen.com
36. https://iracmyanmar.org/
37. https://www.president-office.gov.mm
38. https://www.irrawaddy.com
39. https://web.archive.org
40. https://www.mmtimes.com
41. http://www.dvb.no/news
42. http://rohingyaulamacouncil.webs.com/
43. https://nanda.online-dhamma.net
44. https://www.rohingya.org
45. https://translations.state.gov
46. http://popstats.unhcr.org
47. https://issuu.com/nitishrampal/docs/finalreport_eng
48. http://www.rakhinecommission.org/
49. http://ccnmtl.columbia.edu
50. https://www.britannica.com
51. https://studybuddhism.com
52. http://www.maithri.com/dhammapada/
53. https://ur.abna24.com
54. https://www.un.org
55. https://www.mukaalma.com
56. http://www.fikrokhabar.com
57. http://jehanpakistan.pk
58. https://taasir.com
59. http://urdu.alarabiya.net
60. https://www.spa.gov.sa
61. http://urdu.abbtakk.tv
62. http://www.taghribnews.com
63. http://baadban.tv
64. https://www.okaz.com
65. https://www.sbs.com.au
66. https://myanmarcrimes.com
67. https://www.aljazeera.com
68. https://www.dawn.com/news/1188560
69. https://southasianvoices.org
70. https://www.islamtimes.org
71. http://www.millat.com

72. http://fqdupdates.com
73. https://www.euronews.com
74. https://www.savethechildren.net
75. http://wam.ae
76. http://www.drc.ngo
77. https://share.america.gov
78. https://www.icrc.org